امداد الفتاویٰ جدید

فتاویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان

خلیفۂ اجل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

جدید مطول حاشیہ

شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء والحدیث بجامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد (الہند)

۴

......

بقية الزكوٰة بجميع ابوابها، صدقة الفطر، الصوم بجميع ابوابها، الحج بجميع ابوابها ، النكاح من الباب الاوّل النكاح الصحيح و الفاسد، الجهاز و المهر

ناشر:

زکریا بک ڈپو انڈیا الهند

امداد الفتاویٰ جدید

فتاویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان

خلیفہ اجل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

جدید مطول حاشیہ: .... مفتی شبیر احمد قاسمی

محشی: — شبیر احمد القاسمی 9412552294

مالک: .... مکتبہ زکریا — 01336-223223

ZAKARIA BOOK DEPOT DEOBAND

فون دکان: ۰۱۳۳۶-۲۲۳۲۲۳، مکان: ۰۱۳۳۶-۲۲۵۲۲۳، فیکس: ۰۱۳۳۶-۲۲۵۲۲۳

مالک — زکریا بکڈپو دیوبند سہارنپور یوپی — ذوالفقاری

ZAKARIA BOOK DEPOT

DEOBAND SAHARANPUR (U.P.)

Ph: (01336) 223223(O) 225223(R)

Fax: (01336) 225223

Mob. [illegible]

اجمالی فہرست ایک نظر میں

فہرست مضامین

۳/ بقیة کتاب الزکوٰة والصدقات

۱/ باب زکوة المال

مسئلہ نمبر:........صفحہ نمبر

۲ / باب العشر والخراج

۵ / کتاب الصوم والاعتکاف

۱ / باب صوم نفل

۲ / باب رؤیۃ الھلال

۳/ باب ما یفسدبه الصوم أو یکره وما یوجب القضاء والکفارة

تتمہ مسئلہ مذکور

۴/ باب الاعتکاف

٦/ کتاب الحج

۱/ باب وجوب الحج وشرائطها

۲/ باب الإحرام وأركان الحج

۳/ بابُ الحج عن الغیر

۴/ مسائل منثورہ من الحج

۷/ کتاب النکاح

۱/ باب النکاح الصحیح والفاسد

الصراح في أجرة النكاح

۲ / باب الجِهاز والمهر

رسالہ تعدیل أهل الدهر في درجة تقليل المهر

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳/ بقیۃ کتاب الزکوٰۃ والصدقات

۱/ باب زکوۃ المال

ایک مشترک چیز ناقابل تقسیم کا حصّہ زکوٰۃ میں دینا

سوال (۸۳۶): قدیم ۲/ ۴۰- مدرسہ دیوبند میں ایک پریس آہنی ۲۲×۲۹، ڈبل کی ضرورت ہے میرے پاس موجود ہے ۱۳۰ روپے، اس پر لاگت میری ہے، ایک وقت ۱۴۰ روپیہ ایک صاحب اس کے دیتے تھے میرے یہاں وہ بوجہ کام کم ہونے کے خالی ہے اگر غرض مندآجاوے تو ۲۵۰ تک فروخت ہوسکتا ہے اگر اُسے اس صورت سے دوں کہ کچھ روپیہ نقد لے لوں اور کچھ روپیہ بمدزکوٰۃ مدرسہ میں دیدوں تو زکوٰۃ کتابوں کی اداء ہوجاوے گی؟

الجواب: بدون تملیک مسکین کے زکوٰۃ اداء نہ ہوگی (۱) اگر حصّہ غیر مبیعہ کوان پر وقف کیا تب تو زکوٰۃ اداء ہوگی اور اگر مالک مطبع کو بلا قیمت دیا تو اُن کا مسکین ہونا شرط ہے اس کی تحقیق کیجئے۔ صرف یہ صورت ہوسکتی ہے کہ خود یا بذریعہ وکیل معتمد کے وہ حصّہ غیر مبیعہ کسی مسکین کی مِلک کردیجئے پھر اس مسکین سے صاحبِ مطبع خریدلیں خواہ وہ مسکین ایسا طالب علم ہوجس کو بقدر قیمت اس حصّہ کے نفع مالی پہونچانا مقصود ہو پھر خواہ ایک ہو یا متعدد۔

۲/ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ (حوادث ثانیہ، ص ۱۳۲)

روپیہ کی زکوٰۃ میں ایسا سکہ ادا کرنا جو قیمت روپیہ کا مساوی ہو وزن میں مساوی نہ ہو

سوال (۸۳۷): قدیم ۲/ -۴۱ اگر کسی شخص کوزکوٰۃ میں دوتولہ چاندی دینی ہے اور اس کی قیمت ایک روپیہ ہے تو اس کو ایک روپیہ دیدینا کفایت کرے گا یا نہیں کیا اس کو حکم فضہ میں کر کے باقی فضہ اوردین لازم قراردیں گے۔

---

(۱) **ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة.** (الدر المختار علی رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴۴) ←

الجواب: دو تولہ چاندی پورا کرنا واجب ہے خواہ مسکوک ہو یا غیر مسکوک۔

لان في الجنس لا يعتبر القيمة۔(۱)

۱۷ر صفر المظفر ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص ۱۹)

کسی کے ذمہ قرض ہو اُس کو بری کر دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال (۸۳۸): قدیم ۲/ ۴۱- چند یوم ہوئے کہ جناب والد صاحب مکرم و معظم نے فرمایا تھا کہ تُو مولانا صاحب کے پاس ایک عریضہ تحریر کر اور یہ مسئلہ دریافت کر کہ اگر مثلاً زید کا عمرو پر کچھ قرضہ آتا ہو اور زید کو اپنے

← **الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالىٰ: وآتوا الزكاة يقتضي التمليك.** (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۸، امدادية ملتان ۱/ ۲۵۱)

الزكاة لا تتأدى إلا بتمليك عين متقومة. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، كوئٹه ۲/ ۲۰۱، زكريا ۲/ ۳۵۳۔

(۱) **والمعتبر وزنها أداء ووجوبًا ولا قيمتها (الد رالختار) وفي الشامية: أداء أي من حيث الأداء يعني يعتبر أن يكون المؤدي قدر الواجب وزنًا عند الإمام والثاني وقال زفر: تعتبر القيمة.** (الدر المختار مع رد المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۲۷، كراچي ۲/ ۲۹۷)

و المعتبر وزنها أداء ووجوبا أي يعتبر في الذهب والفضة أن يكون المؤدى قدر الواجب وزنا ولا تعتبر فيه القيمة. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، امدادية ملتان ۱/ ۲۷۸، زكريا ديوبند ۲/ ۷۴)

والمعتبر فيهما الوزن لا القيمة وجوبًا وأداء أي في وجوب الزكاة وأداء قدر الواجب. (الدر المنتقي على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۰۴)

ويعتبر فيهما أن يكون المؤدى قدر الواجب وزنًا ولا يعتبر فيه القيمة عند أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۸۷، جديد ۱/ ۲۴۰)

ضروری ہدایت: یہاں ضروری بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مذکورہ سوال وجواب میں روپیہ سے مراد چاندی کا روپیہ ہے اور سکہ بھی چاندی ہی کا ہے؛ لہٰذا چاندی کا روپیہ اور چاندی کا سکہ دونوں ہم جنس ہے؛ اس لئے وزن میں برابری لازم ہے، اسی وجہ سے حضرتؒ نے دو تولہ چاندی پورا کرنے کو لازم قرار دیا ہے، اور قیمت ادا کرنا اس وقت درست ہوتا ہے جب کہ وہ خلاف جنس ہو۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قرضہ کے وصول ہونے کی اُمید نہ ہو اور زید کو زکوٰۃ بھی اداء کرنی ہو جس کی مقدار اس قرض کی مقدار کے برابر ہو یا زیادہ ہو تو اگر زید یہ چاہے کہ میں اپنا قرضہ معاف کر کے زکوٰۃ اداء کر دوں تو اس طرح سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں تو مجھے خیال ہوا کہ شاید یہ مسئلہ بہشتی زیور میں ہو۔ اس لیے میں نے اس میں ڈھونڈا تو بہشتی زیور مطبوعہ بلالی اسٹیم ساڈھورہ حصّہ سوم صفحہ ۳۹ سطر ۱۳ پر یہ مسئلہ دیکھا۔(۱)

مسئلہ: کسی غریب آدمی پر تمہارے دس روپے قرض ہیں اور تمہارے مال کی زکوٰۃ بھی دس روپیہ یا اس سے زیادہ ہے اس کو اپنا قرضہ زکوٰۃ کی نیت سے معاف کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی؛ البتہ اس کو دس روپے زکوٰۃ کی نیت سے دیدو تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اب یہی روپیہ اپنے قرضہ میں اس سے لے لینا درست ہے. آھ جس کو کہ میں نے والد صاحب سے عرض کر دیا۔ تھوڑے دِنوں بعد والد صاحب نے یہ فرمایا کہ میں نے عالمگیری میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اس کی عبارت یہ ہے۔

فصل في هبة الدَين من المد يون بنية الزكوٰة ولو وهب جميع الدين من المديون بنية الزكوٰة عن الدين في الاستحسان يكون مؤدياً وتسقط عنه الزكوٰة. اه جلد أول حاشيه عالمگیری ، ص ۲۴۱ ، سطر ۲۲ ، مطبوعه مصر۔(۲)

اور دوسری جگہ ہے: **ولو أمر فقيرا بقبض دين له على آخر ونواه عن الزكوٰة عين عنده جاز. كذا في البحر الرائق اه.عالمگیری جلد اول ، ص ۱۴۲ ،سطر ۴ ،مطبوعه مصر۔(۳)**

---

(۱) اختری بہشتی زیور، باب زکوۃ کے ادا کرنے کا بیان، کتب خانہ اختری سہارن پور حصہ سوم ۲۸ر مسئلہ نمبر: ۱۱۔

(۲) خانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل في هبة الدين من المديون بنية الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲۶٤، جديد ز۱/ ۱٦۲۔

(۳) الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۷۱، جديد ۱/ ۲۳۳۔

مدیون اور مقروض کو صرف زکوۃ کی نیت سے معاف کر دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی؛ بلکہ اگر مقروض مستحق زکوۃ ہے تو اپنی جانب سے زکوۃ کی رقم مقروض کو دے کر قبضہ دیدیا جائے، اس کے بعد اس سے کہا جائے کہ اب تمہارے پیسہ آچکا ہے؛ لہٰذا ہمارا قرض ادا کردو، اور وہ قرض ادا کرنے کے طور پر واپس کر دے، تو مقروض کا قرض بھی ادا ہو جائے گا اور دائن اور قرض خواہ کی زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاوی قاسمیہ ۱۱/۱۲۴، رقم: ۴۴٦۷، ۱۰/۵۵۰تا۵۵۵) ←

اب تو مولانا صاحب کی خدمت میں تحریر کرکہ کس پر عمل کیا جاوے تو اب حضور ایسا جواب ارشاد فرماویں جس سے والد صاحب کی تشفی ہوجاوے؟

الجواب: پہلی عبارت میں عن الدَین کی تصریح ہے پس اس سے خاص اُس دَین پر جس قدر زکوٰۃ واجب تھی خاص اس حصّہ زکوٰۃ کا ادا ہونا لازم آیا نہ کہ دوسرے اموال موجودہ عیناً کی زکوٰۃ کا اور دوسری عبارت میں چونکہ قبض دین کے بعد وہ دین نہ رہا عین ہوگیا؛ اس لیے زکوٰۃ ادا ہوجاوے گی، تو اس سے اصل سوال میں زکوٰۃ کا ادا ہونا لازم نہیں آتا۔

۱۸/ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص ۳۰)

زکوٰۃ میں اشیاء کی وہ قیمت معتبر ہوگی جو عام طور پر رائج ومعروف ہو

سوال (۸۳۹): قدیم ۲/۴۲- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زیدتاجر کتب اپنی کتب مختلف طور سے فروخت کرتا ہے کسی کونصف قیمت پر دیتا ہے کسی کو (۳/۱)

← **وأداء الدين عن العين وعن دين سيقبض لا يجوز، وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته، ثم يأخذها عن دينه.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۹۰-۱۹۱، كراچي ۲/ ۲۷۱)

وأداء الدين عن العين وعن دين سيقبض لا يجوز...... كذا في شرح الطحاوي: وحيلة الجواز أن يعطي المديون الفقير خمسة زكاة، ثم يأخذ ها منه قضاءً عن دينه. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۷۰، كوئٹه ۲/ ۲۱۱)

ولو وهب دينه من فقير ونوى زكاة دين اٰخر له على رجل اٰخر أونوى زكاة عين له لم يجز. (هندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۷۱، جديد ۱/ ۲۳۳)

والحيلة في ذلك أن يتصدق الغريم بمثل ما لم عليه من المال ناويًا عن زكاة ما له ويدفعه إليه، فإذا قبضه الغريم ودفعه إلى صاحب المال قضاء بما عليه من الدين يجوز. (هندية، كتاب الحيل، الفصل الثالث مسائل الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۶/ ۳۹۱، جديد ۶/ ۳۹۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قیمت کی رعایت کر دیتا ہے کسی کو چوتھائی قیمت کی تخفیف کر دیتا ہے اور کسی کو ثمن کمیشن پر دیتا ہے اور بعض کو پوری مشتہر قیمت پر دیتا ہے اور مال خریدنے کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ اب وہ چاہتا ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نقد روپے سے ادا کرے تو کونسی قیمت کا اعتبار ہوگا خرید کا یا فروخت کا اور فروخت میں کونسی صورت کا اعتبار کیا جاوے گا؟

الجواب: جزئیہ ملنے کی تو اُمید نہیں قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاجرانہ قیمت کا تو اعتبار نہیں؛ کیونکہ وہ مبنی ہے تخفیف ورعایت ومصالح خاصہ پر بلکہ متفرق خریدار جس قیمت سے لیتے ہیں وہ معتبر ہے اور اس میں اگر اختلاف ہو تو اکثر اور اشہر کا اعتبار ہے اور وہ قریب قریب متعین ہوتی ہے (۱) یعنی وہ قیمت کہ اگر کوئی تخفیف کی درخواست نہ کرے تو اس قیمت پر فروخت کی جایا کرے۔

۱۳/ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۳۴)

---

(۱) **في عرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق أي فضة مضروبة فأفاد أن التقويم إنما يكون بالمسكوك عملاً بالعرف مقوما بأحدهما إن استويا فلو أحدهما أروج تعين التقويم به.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۲۸، كراچي ۲/۲۹۸-۲۹۹)

وأما أموال التجارة فتقدير النصاب فيها بقيمتها من الدنانير والدراهم فلا شيئ فيها ما لم تبلغ قيمتها مائتى درهم أوعشرين مثقالاً من ذهب فتجب فيها الزكاة وهذا قول عامة العلماء. (بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۰۹)

و تجب الزكاة أيضًا في عروض تجارة بلغت قيمتها نصابًا من أحدهما أي الذهب والفضة نقوم أي عروض بما هو أنفع للفقراء أيهما كان لقوله عليه الصلاة والسلام: يقويها فيؤدى من كل مأتى درهم خمسة دراهم وهذا عند الإمام يعنى نقوم بما يبلغ نصابًا أن يبلغ بأحدهما دون الأخر احتياطًا في حق الفقراء، ويحتمل أن يراد أنها تقوم بالأنفع إن كانت تبلغ بهما فإن التقويم بالدراهم أنفع قومت بها، وإن بالدنانير قومت بها، وإن بلغت بكل منهما تقوم بالأروج ولو استويا رواجا يخير المالك وتقوم في المصر الذي هو فيه أوفى مفازته القريبة. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، بيروت ۱/۳۰۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

استعمالی مشین پر زکوٰۃ نہیں

سوال (۸۴۰): قدیم ۲/۴۲- کپاس کی ایک مشین ہے اُس میں کچھ حصّہ ہے اُس کا منافع ہر سال ملتا ہے جو منافع ملتا ہے اس کی تو زکوٰۃ برابر دیدیجاتی ہے اور جو روپیہ مشین میں لگا ہے اس روپیہ کی زکوٰۃ دینے کی ضرورت ہے یا نہیں کیونکہ یہ مشین لوہے کی ہے اس میں ہر سال مرمت کی بھی ضرورت پڑتی ہے اور اس مشین میں بہت سے آدمیوں کا حصّہ ہے، چندہ سے ہے، اس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہیں؟

الجواب: وہ مشین آلہ صنعت ہے مالِ تجارت نہیں؛ لہٰذا اس میں زکوٰۃ نہیں۔(۱)

۷/ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص ۱۴۰)

---

(۱) **ولا في ثياب البدن ......وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها ...... وكذلك آلات المحترفين.** (الدرالمختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۸۲-۱۸۳، كراچي ۲/۲٦٤-۲٦٥)

وأما كونه فارغًا عن الدين وعن حاجته الأصلية كدور السكنى وثياب البذلة وأثاث المنزل وآلات المحترفين. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۳، امدادية ملتان ۱/۲٥۳)

فليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنزل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة ...... وكذا ...... وآلات المحترفين الخ. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۱۷۲، جديد ۱/۲۳٤)

وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنزل......زكاة...... وعلى هذا كتب العلم لأهلها وآلات المحترفين لما قلنا (الهداية) وفي شرح البناية: إشارة إلى قوله لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية، وليست بنامية، وآلات المحترفين مثل قدور الطباخين والصباغين وقواريد العطارين وآلات النجارين وظروف الأمتعة. (بناية شرح الهداية، كتاب الزكاة، مكتبه أشرفية ديوبند ۳/۳۰۳-۳۰٤) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تنخواہ سے کٹ کر جو روپیہ جمع ہو (پرائیویڈنٹ فنڈ) اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال (۸۴۱): قدیم ۲/۴۳- سرکاری ملازموں سے تنخواہ کا ایک آنہ روپیہ جو فنڈ میں جمع کیا جاتا ہے اور مع سود وغیرہ مستعفی ہونے پر ملتا ہے اس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے۔ دین مہر کی طرح یوم القبض سے حولانِ حول معتبر ہوگا یا دیگر دیون کی طرح وصول ہونے پر سالہائے گزشتہ کا بھی ادا کرنا ہوگا۔؟

الجواب: یہ دَین قوی ہے لہذا گزشتہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔(۱)

۵/ شوال ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص ۵۵)

---

(۱) یہ پرائیویڈنٹ فنڈ ہے اس کو حضرتؒ کے اس جواب میں دین قوی قرار دے کر وجوب زکوٰۃ کا حکم بتلایا گیا ہے؛ لیکن آگے مفصل سوال نمبر: ۸۴۳/ مختصر جواب میں حضرتؒ نے اس سے رجوع فرمالیا ہے کہ یہ دین قوی نہیں؛ بلکہ اس میں ملازمت کی ملکیت بھی اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی؛ جب تک کہ اس پر ملازم کا مالکانہ قبضہ نہ ہو جائے۔

نیز اس سوال نامہ میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے مع سود کے ختم ملازمت یا مستعفی ہونے پر ملتا ہے، تو اس پر یہ بات ذہین نشیں ہونی چاہئے کہ سود کسے کہا جاتا ہے؟ سود کی تعریف اور حقیقت یہ ہے کہ ''**الفضل الخالی عن العوض**'' اپنا دیا ہوا مال کے عوض میں اس سے زائد واپس مل جائے اور یہاں ملازم نے کوئی مال دیا نہیں اور اس کی تنخواہ میں سے جو کچھ کٹ جاتا ہے، اس پر خود مالک نہیں ہوتا، جب کٹا ہوا حصہ کا مالک ہی نہیں ہو پایا، تو وہ اسکا دیا ہوا مال نہیں ہوا، اور اصل اور زائد دونوں ہی اس کی ملکیت سے خارج ہیں؛ لہذا جب ملیں گے تو دونوں اسی وقت اس کی ملکیت میں بطور تبرع آئیں گے اور اس وقت سے اس کی ملکیت شمار ہو سکے گی۔

والأصل فيه أن كل ما كان مبادلة مال بمال يبطل بالشروط الفاسد لا ما كان مبادلة مال بغير مال أو كان من التبرعات؛ لأن الشروط الفاسدة من الرباء وهو يختص بالمعاوضة المالية دون غيرها من المعاوضات والتبرّعات؛ لأن الربا هو الفضل الخالي عن العوض، وحقيقة الشروط الفاسدة هي زياده ما لا يقتضيه العقد ولا يلائمه، فيكون فيه فضل خالٍ عن العوض، وهو الربا بعينه. (شامي، باب الرباء، مكتبه زكريا ديوبند ۷/۳۹۹)

تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مكتبه زكريا ديوبند ۴/۵۴۲-

عرفه الحنفية بأنه فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة. (الموسوعة الفقهية الكويتية، باب الرباء، ۲۲/۵۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۸۴۲): قدیم ۲/۴۳- زید ایک ریلوے (*) ملازم ہے حسب قواعد ریلوے کمپنی اس کے مشاہرہ سے آٹھ روپے سیکڑہ کاٹ کر جمع کرتی ہے ایک سال کے اندر جس قدر روپیہ کٹ کر جمع ہوا اُسی قدر روپیہ کمپنی اپنی طرف سے ملا کر اصل روپے کو دونا کر کے ایک کاغذ ملازم کے پاس بھیج دیتی ہے اگر اور کچھ نفع زائد ہوا تو کچھ زیادہ بھی دیتی ہے اگر نقصان ہوا تو اسمیں کاٹ بھی لیتی ہے مگر اس جمع شدہ روپے پر ملازم کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ وہ تصرف میں لاسکتا ہے تاوقتیکہ وہ نوکری سے برخاست نہ کیا جاوے کیا فرماتے ہیں علماء دین اس جمع شدہ روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں اگر ہے تو اصل روپیہ جس قدر کٹا ہے اُس پر یا کُل روپیہ پر۔؟

الجواب: **في الطحطاوی ولو آجر عبده أو داره بنصاب إن لم يكونا للتجارة لاتجب مالم يحل الحول بعد القبض في قوله وإن كان للتجارة كان حُكمه كالقوی، لأن أجرة مال التجارة كثمن مال التجارة في صحيح الرواية آه ص۲۵۷.** (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس جمع شدہ روپے میں زکوٰۃ واجب نہیں البتہ وصول کے بعد سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اس تفصیل سے کہ اگر اس کے پاس پہلے سے کوئی نصاب نہیں تب تو بعد حولانِ حول کے اور اگر کوئی نصاب ہو تو اس نصاب کی زکوٰۃ کے ساتھ۔ (۲) شوال ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ، ص ۱۰۳)

(*) نوٹ: پرائیویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کے متعلق حضرتؒ کے وہ متضاد فتوی مندرجہ بالا ص: قدیم ۴۷، جدید ۷۵، قدیم ۷۵، جدید ۸۴۲ر میں شائع ہوئے، مرض وفات میں حضرت کو اس طرف توجہ دلائی گئی تو مسئلہ کی مکمل تحقیق کے لئے احقر اور مولانا محمد جمیل کو مامور فرمایا یہ تحقیق ص: ۴۴ر سوال نمبر: قدیم ۷۶، جدید ۸۴۳ر پر درج ہے ملاحظہ ہو۔ بندہ محمد شفیع

---

(۱) حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، قبيل باب العاشر، کوئٹہ ۱/۴۱۱۔

البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳٦٤، کوئٹہ ۲/۲۰۸۔

إذا أجر داره أو عبده بمائتى درهم لا تجب الزكاة ما لم يحل الحول بعد القبض في قول أبي حنيفةؒ فإن كانت الدار والعبد للتجارة وقبض أربعين درهمًا بعد الحول كان عليه درهم بحكم الحول الماضي قبل القبض؛ لأن أجرة دار التجارة وعبد التجارة، منزلة ثمن مال التجارة في الصحيح من الرواية. (خانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۲۵۳، جديد ۱/۱۵٦)

(۲) **(تجب) عند قبض مائتين مع حولان الحول بعده أي بعد القبض من دين ضعيف** ←

پرائیویڈنٹ فنڈ اداءِ زکوۃ میں دین قوی ہے یا دین ضعیف؟

سوال (۸۴۳): قدیم ۲/۴۴- امدادالفتاویٰ تتمہ اربعہ، ص ۵۵، اور تتمہ خامسہ ۱۰۳، میں پرائیویڈنٹ فنڈ کے متعلق دو فتوے متعارض ہیں اس کی تحقیق کی غرض سے روایات کا تتبع کیا گیا تو حسب ذیل تحقیق ثابت ہوئی۔ اب ان سب میں کس کو راجح سمجھا جاوے، وہ تحقیق یہ ہے۔

(۱) **في البدائع: وجملة الكلام في الديون أنها علىٰ ثلاث مراتب في قول (*) أبي حنيفةؒ: دَين قوي ودين ضعيف و دين وسط، كذا قال عامة المشايخ: أما القوي فهو الذي وجب بدلا عن مال التجارة كثمن عرض التجارة من ثياب التجارة وعبيد التجارة ولا خلاف في وجوب الزكوٰة فيه إلا أنه لايخاطب بأداء شيئ من زكوٰة مامضىٰ مالم يقبض أربعين درهماً (إلى قوله) وأما الدَين الضعيف فهو الذي وجب بدلا عن شيئ سواء و جب له بغير صنعه كا لميراث أو بصنعه كالوصية أو وجب بدلاً عما ليس بمال كالمهر، وبدل الخلع، والصلح عن القصاص، وبدل الكتابة، ولا زكوٰة فيه مالم يقبض كله ويحول عليه الحول بعد القبض.**

(*) **وقال أبو يوسفؒ، ومحمدؒ: الديون كلها سواء وكلها قوية تجب الزكاة فيها قبل القبض. بدائع الصنائع ۱/۲، ومتله في المبسوط ۲/۱۹۰** ۔محمد شفیع

← **وهو بدل غير مال كمهر ودية وبدل كتابة وخلع إلا إذا كان عنده يضم إلى الدين الضعيف (الدر المختار) وفي الشامية: والحاصل أنه إذا قبض منه شيئًا وعنده نصاب يضم المقبوض إلى النصاب ويزكيه بحوله ولا يشترط له حول بعض القبض.** (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، قبيل باب العاشر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۳۸-۲۳۹، كراچي ۲/۳۰۶)

وهذا كله إذا لم يكن عنده مال آخر للتجارة فأما إذا كان عنده مال آخر للتجارة يصير المقبوض من الدين الضعيف مضمومًا إلى ما عنده فتجب فيها الزكاة، وإن لم يبلغ نصابًا. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۶۵، كوئٹه ۲/۲۰۸)

هذا إذا لم يكن عنده ما يضمه إليه فإن كان ضم ما قبضه من الضعيف إلى ما عنده وزكاه. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۴۱۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وأما الدين الوسط فما وجب له بدلاً عن مال ليس للتجارة كثمن عبد الخدمة وثمن ثياب البذلة والمهنة وفيه روايتان عنه ذكر في الأصل أنه تجب فيه الزكوٰة قبل القبض لكن لا يخاطب بالأداء مالم يقبض مائتى درهم فإذا قبض مائتى درهم زكى لما مضىٰ وروى ابن سماعة عن أبي يوسفؒ عن أبي حنيفهؒ أنه لا زكوٰة فيه حتىٰ يقبض المائتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو أصح الروايتين عنه (إلى قوله) ولأبي حنيفهؒ وجهان:

أحدهما أن الدين ليس بمال بل هو فعل واجب وهو فعل تمليك المال وتسليمهٗ إلىٰ صاحب الدين والزكوٰة إنما تجب في المال (إلى قوله) في الخلافيات: كان ينبغي أن لا تجب الزكوٰة في دين مالم يقبض ويحول عليه الحول إلا أن ما وجب بدلا عن مال التجارة أعطى له حكم المال؛ لأن بدل الشئى قائم مقامه كأنه هو فصار كان المبدل قائم في يده وأنه مال التجارة وقد حال عليه الحول في يده .

والثاني: إن كان الدين مالاً مملوكاً أيضا لكنه مال لا يحتمل القبض لأنه ليس بمال حقيقة بل هو مال حكمي في الذمة ومافي الذمة لا يمكن قبضه فلم يكن مالاً مملوكاً رقبةويدا فلا تجب الزكوٰة فيه كمال الضمار، فقياس هذا أن لا تجب الزكوٰة في الديون كلها لِنقصان الملك بفواتِ اليد إلا أن الدين الذي هو بدل مال التجارة التحقق بالعين في احتمال القبض لكونه بدل مال التجارة قابل للقبض والبدل يقام مقام المبدل والمبدل عين قائمة قابلة للقبض فكذا ما يقوم مقامه وهٰذا المعنى لا يوجد فيما ليس ببدل رأساً ولا فيما هو بدل عمّا ليس بمال وكذا في بدل مال ليس للتجارة على الرواية الصحيحة أنه لا تجب فيه الزكوٰة مالم يقبض قدر النصاب ويحول عليه الحول بعد القبض؛لأن الثمن بدل مال ليس للتجارة فيقوم مقام المبدل ولو كان المبدل قائماً في يده حقيقة لاتجب الزكوٰة فيه فكذا في بدله بخلاف بدل مال التجارة ،انتهى (بدائع ص١٠،ج٢) (١)

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، مراتب الديون، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٩٠-٩١-

وفيه في تفسير مال الضمار هو كل مال غير مقدور الانتفاع به مع قيام أصل الملك (إلى قوله) فإن كان مدفوناً في البيت تجب فيه الزكوٰة بالإجماع وفي المدفون في الكرم والدار الكبيرة اختلاف المشايخ. انتهى (بدائع الصنائع ۲/۹) (۱)

وفي المبسوط لشمس الائمة سرد الأقسام الثلاثة للديون ثم نقل رواية ابن سماعة التي صححها صاحب البدائع أنه إختيار الكرخی ثم ذكر من وجه قول أبي حنيفة ؒ ما ذكره صاحب البدائع في الأوّل بعينه ثم قال وفي الأجرة ثلاث روايات عن أبي حنيفةؒ.

(۱) في رواية جعلها كالمهر؛ لأنها ليست ببدل عن المال حقيقة؛ لأنها بدل عن المنفعة.

(۲) وفي رواية جعلها كبدل ثياب البذلة؛ لأن المنافع مال من وجه لكنه ليس بمحل لوجوب الزكوٰة فيه.

(۳) والأصح أن أجرة دارالتجارة أو عبد التجارة بمنزلة ثمن متاع التجارة كلما قبض منها أربعين تلزمه الزكاة اعتباراً لبدل المنفعة ببدل العين. (مبسوط ۲–۳/۱۹۵ – ۱۹۶) (۲)

وفي البحرالرائق ولو آجر عبده أوداره بنصاب إن لم يكونا للتجارة لا تجب مالم يحل الحول بعد القبض في قوله وإن كان للتجارة كان حكمه كالقوی؛ لأن أُجرة مال التجارة كثمن مال التجارة في صحيح الرواية الخ

وقال في حاشية منحة الخالق على قوله كان حكمه كالقوی ،هذا مخالف لما في المحيط ،حيث قال في أجرة مال التجارة أوعبد التجارة روايتان في رواية لازكوٰة فيها حتى يقبض ويحول عليه الحول؛ لأن المنفعة ليست بمال حقيقة فصار كالمهر. وفي ظاهر الرواية تجب الزكوٰة ويجب الأداء إذا قبض منها مائتی درهم؛ لأنها بدل عن مال ليس بمحل لوجوب الزكاة فيه؛ لأن المنافع مال حقيقة لكنها ليست بمحل لوجوب الزكاة. آه

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، الشرائط التي ترجع إلى المال، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۸۸۔

(۲) كتاب المبسوط لشمس الدين السرخسي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱۹۵–۱۹۶۔

قلت وهذا صريح في أنه على الرواية الأول من الدين الضعيف وعلى ظاهر الرواية من المتوسط لامن القوى لأن المنافع ليست مال زكوٰةوإن كانت مالا حقيقة تأمل ثم رأيت في الولوالجية التصريح بأن فيه ثلٰث روايات (منحة الخالق على البحر ۲/ ۲۰۸) (۱)

عبارات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزیک دیون کی تین قسمیں ہیں۔قوی، متوسط،ضعیف،دَین قوی وہ ہے جو مال تجارت یا سونے چاندی کے بدلے کسی کے ذمہ عائد ہوا ہو،اور متوسط وہ دَین ہے جو مال ہی کے بدلے میں عائد ہوا ہو،مگر وہ مال تجارت یا نقد سونا چاندی نہ ہو۔ بلکہ گھر کا سامان وغیرہ ہو،اور ضعیف وہ دَین ہے جو کسی مال کے بدلے میں بذمہ مدیون عائد نہیں ہوا، جیسے دین مہر وغیرہ،

دَین قوی پر قبضہ ہونے سے پہلے بھی زکوٰۃ ہر سال واجب ہوتی رہتی ہے مگر ادا کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب چالیس درہم یا اس کی مقدار روپیہ وصول ہو جائے ،اس سے پہلے ادا کرنا واجب نہیں ہوتا ،لیکن جب زکوٰۃ ادا کی جائے گی تو تمام سنین ماضیہ کا حساب کر کے ادا کی جائے گی ،اور دین ضعیف پر قبضہ ہونے کے بعد جب تک سال بھر نہ گزر جائے اس وقت تک زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہوتی اور دین متوسط میں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اُس پر دین قوی کی طرح زکوٰۃ تو ایام ماضیہ کی بھی واجب ہوگی مگر ادا کرنا محض چالیس درہم کی وصولیابی پر لازم نہیں ہوگا، بلکہ پورا نصاب یعنی دوسو درہم یا ساڑھے باون تولہ چاندی جب وصول ہو اس وقت ادا کرنا لازم ہوگا ،مگر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوگی ،اور دوسری روایت یہ ہے کہ دین متوسط بھی دین ضعیف کے حکم میں ہے اس پر بھی زکوٰۃ ایام ماضیہ کی واجب نہیں ہے بلکہ دین وصول ہونے کے بعد جب سال بھر اس پر گزر جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی اور صاحب بدائع نے اسی آخری روایت کو اصح قرار دیا ہے،

لہٰذا خلاصہ امام اعظمؒ کے مذہب کا یہ ہوا کہ:

(۱) جو دَین کسی مال تجارت یا سونے چاندی کے عوض میں کسی شخص کے ذمہ واجب ہوا ہے (جس کو دَین قوی کہا جاتا ہے)اس پر تو ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب ہے مگر ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جب بقدر چالیس درہم کے وصول ہو جائے۔

---

(۱) البحر الرائق، مع منحة الخالق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۶۴-۳۶۵، کوئٹہ ۲/ ۲۰۸-۲۰۹۔

(۲) جو ایسے مال کے عوض میں نہ ہو، خواہ بالکل کسی چیز کا معاوضہ ہی نہ ہو، جیسے حصّہ میراث و وصیّت ، یا معاوضہ تو ہو مگر مال کا معاوضہ نہ ہو، جیسے دَین مہر (اس کو اصطلاح میں دَین ضعیف کہتے ہیں) اس میں ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں، بلکہ قبضہ ہونے کے بعد جب سال بھر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ لازم ہوگی۔

(۳) یا معاوضہ مال بھی ہو مگر مالِ تجارت کا معاوضہ نہ ہو جیسے گھریلو سامان کا معاوضہ (جس کو دَین متوسط کہا جاتا ہے) اس صورت میں بھی اصح الروایتین کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ ایام ماضیہ کی واجب نہیں ہے بلکہ وصول ہونے کے بعد جب اس پر سال بھر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی اور ادائے گی زکوٰۃ لازم ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس شخص کے پاس علاوہ اس رقم کے اور بھی کچھ نصاب سونے یا چاندی کا موجود ہے تو جتنی رقم وصول ہوگی وہ اصل نصاب میں شامل ہوگی اور اگر اس کے پاس نہیں ہے تو جب دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے انداز کی رقم وصول ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے اُس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی،

اس کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ پرائیویڈنٹ فنڈ میں جو روپیہ جمع اور بذمہ گورنمنٹ یا کارخانہ وغیرہ قرض ہے وہ ان تین قسموں میں سے کس قسم میں داخل ہے۔

سو یہ تو ظاہر ہے کہ وہ دَین قوی نہیں ہوسکتا ، کیونکہ وہ معاوضہ کسی مال تجارت کا نہیں بلکہ خدمت کا معاوضہ ہے جیسا کہ بحرالرائق کی عبارت اِن لم تکونا للتجارة لا تجب مالم یحل الحول سے بوضاحت وصراحت ثابت ہے کہ غلام یا مکان تجارت کے لیے نہ ہو تو اس کی خدمت واُجرت کو مال تجارت قرار نہیں دیا، تو خدمت حُر کو بدرجہ اَولیٰ مالِ تجارت نہیں کہہ سکتے۔

اب دو احتمال باقی ہیں: کہ اگر خدمت کو مال قرار دیا جائے تو دین متوسط میں داخل ہے اور اگر مال ہی قرار نہ دیں تو دین ضعیف میں داخل ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے دونوں احتمالوں پر دونوں روایتیں منقول ہیں جن میں سے حسب تصریح منحۃ الخالق بحوالہ محیط ان دونوں میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ مال قرار دے کر دَین متوسط میں شامل کیا جائے اور ایک تیسری روایت مبسوط میں ہے کہ اس میں یہ تفصیل کی جائے کہ اُجرت وخدمت نہ علی الاطلاق مال ہے نہ غیر مال ، بلکہ اگر عبد تجارت کی خدمت یا دار تجارت کی اُجرت ہے، تو مال ورنہ غیر مال ، پہلی صورت دَین قوی میں داخل ہے، اور دوسری دَین ضعیف میں، اور اسی تیسری روایت کو مبسوط نے اصح قرار دیا ہے، مگر یہ سب گفتگو اور روایات کا اختلاف عبد کی خدمت کے بارے میں ہے، جو من وجہ مال ہے حُر کی خدمت حسب تصریح فقہاء مال نہیں ہے؛ اس لئے یہ اختلاف روایت بھی صورت زیر بحث میں مؤثر معلوم نہیں ہوتا۔

خلاصہ: یہ ہے کہ دین قوی میں داخل ہونے کی صرف ایک صورت ہے کہ عبد تجارت کے خدمت یا دار تجارت یا ارضِ تجارت کا معاوضہ ہو اُس کے سواء کوئی دَین اُجرت دین قوی میں بالاتفاق داخل نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ پرائیویڈنٹ فنڈ کا روپیہ جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کیا گیا یا بطور انعام گورنمنٹ کی طرف سے جمع کیا گیا ہے وہ اس میں قطعاً شامل نہیں، اس لیے اس میں صرف دو ہی احتمال ہوسکتے ہیں کہ دین متوسط ہو یا دین ضعیف اور دَین متوسط میں بھی اس کا دخل ہونا اس لیے مشکل ہے کہ دو روایتیں جو بحوالہ محیط منحۃ الخالق میں لکھی ہیں وہ دونوں عبد کی خدمت کے متعلق ہیں۔ حر کی خدمت کا وہاں ذکر نہیں اور ظاہر ہے کہ حر کی خدمت کو عبد کی خدمت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کہ حسب تصریحات فقہاء خدمت عبد فی الجملہ مال ہے اور خدمتِ حُر مال نہیں ہے۔ اس لیے ظاہر یہی ہے کہ یہ دَین دَین ضعیف میں داخل ہے اور اگر اس کو دین متوسط بھی تسلیم کیا جاوے تب بھی اصح روایت کے مطابق امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک دین متوسط بھی بحکم دَین ضعیف ہے۔ اس پر بھی ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ کما صرح بہ فی البدائع، الغرض پرائیویڈنٹ فنڈ کا روپیہ دین قوی میں تو داخل نہیں ہوسکتا اور دین متوسط میں داخل کرنا بھی اس وقت تک کسی روایت پر منطبق نہیں ہے جب تک کہ حر کی خدمت کو مال قرار دینے کی تصریح نہ ملے اور بالفرض اس میں داخل مان بھی لیا جائے تو حکم اس کا بھی اصح روایت پر دین ضعیف کی طرح یہی ہے اس پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

تنبیہ: روایات فقہیہ کو دیکھنے اور غور کرنے سے احقر کو یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس فنڈ کی رقم پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں احتیاطا دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لینا مناسب ہے، نیز حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک چونکہ دیون میں قوی، متوسط، ضعیف کی کوئی تفصیل نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے دَین پر زکوٰۃ ایام ماضیہ کی واجب ہے اس لیے کوئی احتیاط اور تقویٰ پر عمل کر کے اور ایامِ ماضیہ کی زکوٰۃ بھی ادا کرے تو بہتر ہے۔ اور شاید اسی اختلاف سے بچنے کے لیے ہمارے بلاد میں عام طور پر مہر باندھنے کے وقت بجائے روپے کے اسّی ہزار ٹکے دو دینار سُرخ کہا جاتا جو کہ قیمت ہے ڈھائی ہزار روپے کی، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

السائل الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ خادم دارالعلوم دیوبند، ۱۲/صفر ۱۳۶۲ھ

الجواب: آپ صاحبوں کی تحقیق صحیح ہے؛ لہٰذا میں بھی اسی کو اختیار کرتا ہوں اور اسکے خلاف سے رجوع کرتا ہوں۔ اشرف علی ۱۳/صفر ۱۳۶۲ھ

سونے کی بنائی ہوئی ناک یا دانتوں پر زکوٰۃ

سوال (۸۴۴): قدیم ۲/ ۴۹- اکثر لوگ دانت سونے کے تاروں سے بندھوا لیتے ہیں یا کھوکھلے دانت کے اندر سونا بھروا لیتے ہیں۔ سونے کی ناک بنوا کر چہرہ پر لگاتے ہیں اور یہ ناک بلاحرج جدا بھی ہوسکتی ہے؛ لیکن دانت میں سے اس طرح سونا جُدا نہیں ہوسکتا۔ سوال یہ ہے کہ آیا صاحب نصاب پر اس سونے میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب: في الدرالمختار بعد عدالجزئيات المتعددة التي لافيها الزكوٰة مانصه لعدم النمو وفي ردالمحتار؛ لأنه غير متمكن من الزيادة الخ ج ۲، ص ۱۴ ـ(۱)

اس تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ناک میں تو زکوٰۃ واجب ہے اور جو سونا دانت میں لگا یا بھرا ہے اس میں (۲) واجب نہیں۔ (*)

۲۲/ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص ۷۵)

(*) تنبیہ: یہ جواب فوائد سے لکھا گیا ہے علماء سے امید ہے کہ اگر یہ جواب صحیح نہ ہو تو برائے تصحیح دینی مجیب کو مطلع فرمائیں، سمجھنے کے بعد اپنے جواب سے رجوع کر کے اس کو شائع کر دوں گا۔ ۱۲ منہ

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۴ـ

أن السبب هو المال النامي فلا بد منه تحقيقًا أو تقديرًا، فإن لم يتمكن من الاستنماء لا زكاة عليه لفقد شرطه كما في المنح. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۸۶)

ويشترط أن يتمكن من الاستنماء بكون المال في يده أو يد نائبه، فإن لم يتمكن من الاستنماء فلا زكاة عليه. (هندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۷۴، جديد ۱/ ۲۳۶)

يشترط لوجوب الزكاة، أن يكون ناميًا حقيقة بالتوالد والتناسل وبالتجاراب أو تقديرًا بأن يتمكن من الاستنماء بكون المال في يده أو يد نائبه لما ذكرنا أن السبب هو المال النامي فلا بدمنه تحقيقًا أو تقديرًا فإن لم يتمكن من الاستنماء فلا زكاة عليه لفقد شرطه.

(تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۷، امدادية ملتان ۱/ ۲۵۵-۲۵۶)

(۲) اصول یہ ہے کہ جو چیز بدن کا جزو بن جائے وہ مال کے حکم سے خارج ہو جاتی ہے اور جو چیز بدن سے الگ نہیں ہوسکتی ہے وہ جزو بدنی بن گئی وہ مال نہیں، اس پر زکوٰۃ لازم نہیں؛ لہٰذا جو سونا دانت میں بھر دیا گیا، ←

زکوٰۃ میں زیور کی گھڑائی (بنوائی کی قیمت) لگے گی یا نہیں؟

سوال (۸۴۵): قدیم ۲/ ۴۹ - درتفصیل بعض صور ضرور یہ اعتبار قیمت درادائے زکوٰۃ از خلاف جنس۔ احقر اب تک طلائی زکوٰۃ کا جبکہ روپیہ سے ادا کی جاوے یہ طریق بتلایا کرتا تھا اور عجب نہیں کہ میرے کسی لکھے ہوئے فتوے میں بھی یہ مضمون ہو کہ اس زیور کا وزن کر کے اُتنے سونے کی قیمت کا چالیسواں حصّہ دیدیا جاوے۔ مگر مجی مولوی احمد حسن صاحب سنبھلی نے مجھ کو ایک روایت دکھلائی جو کہ ذیل میں منقول ہے جس سے معلوم ہوا کہ صرف سونے کی قیمت لگانا کافی نہیں بلکہ اس زیور کی بنوائی یعنی گھڑائی کی اُجرت بھی لگا کر مجموعہ کو اس زیور کی قیمت قرار دے کر اُس کا چالیسواں حصّہ زکوٰۃ میں واجب ہوگا۔

یہ تو اصل مسئلہ ہے؛ البتہ اگر کہیں یہ عرف ہو کہ بیع وشراء زیور کے وقت بنوائی نہ لگاتے ہوں وہاں اس کو نہ لگاویں گے۔ صرف سونے کی قیمت جس حیثیت کا اس زیور کا سونا ہو لگاویں گے۔ ہمارے دیار میں یہ عرف ہے کہ اگر سُنار یا صرّاف سے زیور خرید و تو وہ بنوائی لگاتا ہے اور اگر اس کے ہاتھ بیچو تو نہیں لگاتا۔ پس اس بناء پر مقتضی قاعدہ کا یہ ہے کہ ایسے دیار میں مالک زیورات کا اگر تاجر زیورات کا ہے تب تو وہ زکوٰۃ میں بنوائی بھی لگاوے۔ اگر تاجر نہیں ہے محض استعمال میں لانے والا ہے تو وہ نہ لگاوے۔ اگر کہیں عرف اس کے خلاف ہو تو وہاں ویسا ہی حکم ہوگا اور اسی کی ایک فرع یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اسّی روپے کی زکوٰۃ قیمت سے دینا ہو اور پیسوں سے دینا چاہے تو دو روپے بھر چاندی جتنے پیسوں کی ملتی ہو اور وہ پیسے بوجہ ارزانی چاندی کے دو روپیہ سے کم کے ہوں ان کا ادا کرنا کافی نہ ہوگا؛ بلکہ پورے دو روپے کے پیسے دینے ہونگے کیونکہ سکّے سے قیمت روپیہ کی بڑھ گئی۔ اور وہ روایت یہ ہے کہ۔

← وہ بدن جز و بن گیا، اس پر زکوۃ نہیں اور اس کے برخلاف جو چیز بدن سے الگ ہوسکتی ہے وہ بدن کا جز و نہیں ہوا؛ لہٰذا سونے کی جو ناک لگوائی گئی ہے، وہ اگر آسانی سے الگ ہوسکتی ہے وہ جز و بدن نہیں ہوتی وہ مال ہے، اس کی زکوۃ لازم ہے اور جو ناک بدن سے جدا نہیں ہوسکتی وہ بدن کے تابع اور بدن کے جز و کے حکم میں ہے وہ مال نہیں؛ اس لئے اس پر بھی نہیں۔

یہ ایسا ہے کہ ریشم کے کپڑے کا استعمال مرد کے لئے جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر کرتہ اور اچکن وغیرہ کو ریشم سے ترپ دیا جائے یا کنارہ بنا دیا جائے، تو کپڑے کے تابع ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال بلا کراہت جائز ہوجاتا ہے۔

ولـو كان له إبريق فضة وزنه مائتان و قيمته لصيا غته ثلث مائة إن أدى من العين يؤدى ربـع عشـره وهـو خمسة قيمتها سبعة و نصف وإن أدى خمسة قيمتها خمسة جاز ولو أدىٰ مِن خلاف جنسه يعتبر القيمة بالإجماع كذا في التبيين (۱) (عالمگیریہ، ج۱، ص۱۱۵) کتبہ اشرف علی ۴/ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ تر جیح رابع، ص۷۶)

← والثاني: أن هذا تابع فلا يكره كالجبة المكفوفة بالحرير والعلم في الثوب (وإلى قوله) فإن ذلك لا يكره. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، مجلس علمي ۸/ ۴۷)

(۱) هندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب، الفصل الأول في زكاة الذهب، مكتبه زكريا ديوبندقديم ۱/ ۱۷۸، جديد ۱/ ۲۴۰

ولوكان له إبريق فضة وزنه مائتان وقيمته لصناعته ثلاث مائة إن أدى من العين يؤدى ربع عشره وهو خمسة قيمتها سبعة ونصف وإن أدى خمسة قيمتها خمسة جاز عندهما وقال محمدؒ، وزفرؒ: لا يجوز إلا أن يؤدى الفضل ولو أدى من خلاف جنسه تعتبر القيمة بالإجماع. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۷۴، امدادية ملتان ۱/ ۲۷۸)

ولوكان إبريق فضة وزنه مائتان وقيمته بصياغته ثلاث مائة إن أدى من العين يؤدى ربع عشره وهو خمسة قيمتها سبعة ونصف وإن أدى خمسة قيمتها خمسة جاز عندهما وقال محمدؒ، وزفرؒ: لا يجوز إلا أن يؤدى الفضل ولو أدى من خلاف جنسه تعتبر القيمة بالإجماع. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۹۶، كوئٹه ۲/ ۲۲۷)

وإذا كان للرجل.... إبريق فضة وزنه مائتان درهم وقيمته لصياغته ثلاث مائة درهم أدى عنه خمسة من غيره عما عليه فهو على الخلاف فعند أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ يسقط الفضل وقال محمدؒ: يؤدى الفضل ولو أدى عنه قدر خمسة دراهم من الذهب لا يجزيه عن زكاة الإبريق بالإجماع. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في زكاة المال، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۶۳، رقم: ۳۹۹۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مال زکوٰۃ سے یتیموں کو کھانا کھلانے یا کپڑے بنانے کا حکم

سوال (۸۴۶): قدیم ۲/۵۰- ایک شخص نے ایک یتیم خانہ قائم کیا ہے اور وہ مسلمانوں سے زکوٰۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی کا روپیہ لیکر ان یتیم بچوں کے واسطے کھانے کپڑے کا انتظام بطور خود کرتا ہے بچوں کے ہاتھ میں روپیہ پیسہ نہیں دیتا ہے اور نہ وہ روپیہ زکوٰۃ کا کسی اور کو دیکر حیلہ تملیک کرتا ہے۔

دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ ایسا روپیہ کسی مستحق زکوٰۃ کو تملیک کرا کر یتیم بچوں کے واسطے خرچ کرنا چاہئے ورنہ زکوٰۃ دینے والوں کی ادا نہ ہوگی، پس ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: تملیک ان سب رقموں میں شرط ہے خواہ روپیہ کی ہو یا روپیہ سے جو چیز خریدی جاوے اس چیز کی ہو مثلاً کپڑا دیدیا (۱) مگر اس میں چند شرطیں ہیں اوّل یہ کہ اہل رقم کا اذن ہو اس خریداری کے لیے۔ (۲)

---

(۱) **ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة. وفي الشامیة: فلا یکفی فیها الإطعام إلا بطریق التملیک.** (الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف، مکتبه زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، کراچي ۲/ ۳٤٤)

تملیک خرج الإباحة فلو أطعم یتیما ناویًا الزکاة لا یجزیه إلا إذا دفع إلیه المطعوم کما لو کساه بشرط أن یعقل القبض. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، مکتبه زکریا دیوبند۳/ ۱۷۱، کراچي ۲/ ۲۵۷)

الزکاة یجب فیها تملیک المال؛ لأن الإیتاء في قوله تعالیٰ "واٰتوا الزکاة" یقتضی التملیک ولا تتأدی بالإباحة. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، مکتبه زکریا دیوبند۲/ ۱۸، امدادیة ملتان ۱/ ۲۵۱)

(۲) **مستفاد: ولو خلط زکاة مؤکلیه ضمن وکان متبرعًا (الدر المختار) وفي الشامیة: إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالکان ...... أو وجدت دلالة الإذن.** (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاء، مکتبه زکریا دیوبند۳/ ۱۸۸، کراچي ۲/ ۲٦۹)

إذا دفع الرجلان إلی رجل کل واحد منهما دراهم لیتصدق بها عن زکاة ماله فخلط الدراهم قبل الدفع ثم دفع فهو ضامن إلا إذا جدد الإذن أو أجاز المالکان فحینئذٍ یجوز أووجدت دلالة الإذن بالخلط. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الزکاة، الفصل التاسع في المسائل المعلقة بمعطي الزکاة، مکتبه زکریا دیوبند۳/ ۲۲۹، رقم:٤۲۰۸)

دوسرے یہ کہ وہ چیز قیمت میں اس رقم کے برابر ہو۔(۱) تیسرے یہ کہ ان بچوں کی ملک کی جاوے مثلاً اگر کھانا بٹھلا کر کھلاوے تو ادانہ ہوگی، نیز لکڑی وغیرہ کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔

۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۷۳)

حیلۂ تملیک میں نابالغ کی تملیک کا حکم

سوال (۸۴۷): قدیم ۲/ ۵۰- نابالغ یتیم بچہ کو زکوۃ دینے سے ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: ہو جاوے گی (۲) بشرطیکہ مصرف زکوۃ کا ہو۔

۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ، ص ۳۷)

---

(۱) **المال الذي تجب فيه الزكاة إن أدى زكاته من خلاف جنسه أدىٰ قدر قيمة الواجب اجماعًا.** (هندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة، الفصل الثاني في العروض، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ١٨٠، جديد ١/ ٢٤٢)

وأجمعوا انه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، كراچي ٢/ ٢٩٧، زكريا ٣/ ٢٢٧)

(۲) بچہ سے عاقل اور سمجھدار نابالغ بچہ مراد ہے؛ کیونکہ اگر ہوشیار اور سمجھدار نہیں تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

دفع الزكاة إلى صبيان أقاربه ...... جاز. (الدر المختار) **وفي الشامية: أي العقلا وإلا فلا يصح إلا بالدفع إلى ولي الصغير.** (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٠٧، كراچي ٢/ ٣٥٦)

سئل عبد الكريم عمن دفع زكاة ماله إلى صبي؟ قال: إن كان مراهقًا يعقل الأخذ يجوز وإلا فلا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من توضع فيه الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٢١، رقم: ٤١٥٠)

المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثامن: من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ٣/ ٢١٤، رقم: ٢٧٨٩

ولو قبض الصبي وهو مراهق جاز، وكذا لو كان يعقل القبض بأن كان لا يرمي به ولا يخدع عنه. (خانية على هامش الهندية، كتاب الزكاة، فصل فيمن توضع فيه الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ٢٦٨، جديد ١/ ١٦٤)

الهندية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، قبيل ما يوضع في بيت المال، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ١٩٠، قديم ١/ ٢٥٢۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عورت کا دین مہر جو بذمہ شوہر ہے اس پر زکوٰۃ نہیں

سوال (۸۴۸): قدیم ۲/۵۰- اس خاکسار کی نکاح خوانی ہوکر تیس برس ہوئے۔ مہر سواپانچ سوروپے مقرر ہوئے تھے۔ اب تک دیئے گئے نہیں ہیں مکان کے لوگ تقاضا بھی کئے نہیں، باوجود قدرت ہونے کے ادا کئے نہیں گئے۔ ان تیس سال میں کوئی سال بھی اس مہر کی رقم کی زکوٰۃ دینے کا خیال بندہ کو گزرا بھی نہیں۔ ہر سال اس فدوی کے پاس رمضان شریف میں جتنی رقم جمع رہتی تھی اُس کی زکوٰۃ دیدیا کرتا تھا اور ہر بقرعید کے روز مکان کے لوگوں کی طرف سے بھی ایک بکرا قربانی کیا کرتا تھا۔

گزارش خدمت شریف میں یہ ہے کہ مکان کے لوگوں کے مہر کی رقم کی زکوٰۃ علیحدہ تیس سال کے حساب کر کے دینا بندہ پر واجب ہے یا نہیں؟

آ گاہی فرما کر سرفراز فرمانا انشاء اللہ تعالی بندہ کا ارادہ بعد رمضان شریف کے مکان کے لوگ کو مہر میں ایک زمین جو نوسوروپے کو خرید کی گئی ہے دینے کا ہے؟

الجواب: رقم دین کی زکوٰۃ آپ کے ذمّہ تو کسی قاعدے سے نہیں اگر احتمال ہے تو یہ ہے کہ شاید عورت کے ذمہ ہو کیونکہ مہر عورت کا حق ہے۔ سو اسکا حکم درمختار وغیرہ سے لکھتا ہوں، وہ یہ کہ جب تک مہر اُن کو وصول نہ ہو تب تک اُن کے ذمہ بھی زکوٰۃ نہیں اور جب وصول ہوا اسمیں تفصیل یہ ہے کہ اگر نقد روپیہ وصول ہو تو اس تاریخ سے زکوٰۃ اُن کے ذمہ واجب ہوگی اور گزشتہ سالوں کی نہ ہوگی (۱)

---

(۱) **إعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة...... وعند قبض مائتين مع حولان الحول بعده أي بعد القبض من دين ضعيف وهو بدل غير مال كمهر ودية وبدل كتابة وخلع.** (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲۳۹، كراچي ۲/۳۰۶)

وضعيف كبدل مال ليس بمال وهو المهر وبدل الخلع ودم العمد والكتابة والسعاية وإنما يخاطب بأداء زكاته إذا قبض ما ئتين وحال عليها الحول بعد القبض. (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل السادس في الديون ومسائلها، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۲۳۸)

وضعيف هو بدل ماليس بمال كالمهر والوصية ...... وفي الضعيف لاتجب ما لم يقبض نصابًا ويحول الحول بعد القبض عليه. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۶۳، كوئٹه ۲/۲۰۷)

اور اگر مہر میں زمین وغیرہ ملی تو اس پر بالکل زکوٰۃ نہیں۔ (۱)

۲۲؍رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ، ص۹۳)

وکیل کا زکوۃ کی رقوم جو واجب التملیک یا غیر واجب التملیک کو مخلوط کر دینا

سوال (۸۴۹): قدیم ۲/۵۱- اگر واجب التملیک وغیر واجب التملیک رقومات کو ایک ہی تھیلے میں رکھا جائے صرف کاغذات میں علیحدہ علیحدہ اندراج ہو جس کو دیکھ کر واجب التملیک رقم کو اس کے مد میں صرف کیا جاوے اور غیر واجب التملیک کو اس کی مد میں تو آیا اس طرح دونوں ثمن کو یکجا رکھنے سے زکوٰۃ یا قربانی کے چرم کی قیمت ادا ہو جاوے گی یا نہیں۔ اگر کسی مدرسہ میں دونوں ثمنوں کو یکجا رکھا جاتا ہو تو باوجود اس علم کے اس مدرسہ کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: في رد المحتار: من الفصل التاسع من زكوٰة التاتارخانية دفع رجلان لرجل دراهم يتصدق بها عن زكوتهما فخلطها، ثم دفعها ضمن إلا إذ وجد الاذن أوأجازا لما لكان أووجد دلالة الاذن بالخلط كما جرت العادة من أرباب الحنطة بخلط ثمن الغلات.

---

(۱) ولا (زكاة) في ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها وتحته في الشامية: **وكالحوانيت والعقارات.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۸۲، كراچي ۲/۲٦٤-۲٦٥)

وأما كونه فارغا عن الدين وعن حاجته الأصلية كدور السكنى وثياب البذلة وأثاث المنزل وآلات المحترفين. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۳، امدادية ملتان ۱/۲٥۳)

ولا زكاة باتفاق المذاهب على الحوائج الأصلية من ثياب البدن والأمتعة ودور السكنى (العقارات) وأثاث المنزل ودواب الركوب. (موسوعة الفقة الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الزكاة، المبحث الثاني، سبب الزكاة وشروطها وركنها، مكتبه اشرفية ديوبند ۲/٦٤۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وكذا الطحان ضمن إذا خلط حنطة الناس إلا في موضع يكون ماذوناً بالخلط عرفا آه ملخصاً، ج ٢، ص ١٢٦.(١)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ اہلِ عطاء کے اذن سے ایسا کرنا جائز ہے خواہ اذن صراحتاً ہو یا دلالۃً مگر دلالت ضعیفہ نہ ہو اور بلا اذن ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ ضمان لازم آوے گا، جس مدرسہ میں اس قیداذن کی رعایت ہو اس میں دینا جائز ہے ورنہ نہیں۔

۶/ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ،ص ۳۱۵)

---

(١) شامي، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطرة بالمد، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٢٤، كراچي ٢/٣٦٨۔

إذا دفع الرجلان إلى رجل كل واحد منهما دراهم ليتصدق بها عن زكاة ماله فخلط الدراهم قبل الدفع ثم دفع فهو ضامن. وفي الحجة: إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان فحينئذٍ يجوز. وفي السراجية: أو وجدت دلالة الإذن بالخلط. في اليتيمية: كما جرت العادة بالإذن من أرباب الحنطة بخلط ثمن الغلات ...... وفي الخانية: وكذا الطحان إذا خلط حنطة الناس إلا في موضع يكون الطحان مأذونا بالخلط عرفًا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٢٢٩، رقم:٤٢٠٨-٤٢٠٩)

وفي الفتاوى: إذا دفع رجلان إلى رجل كل واحد منهما دراهم ليتصدق بها عن زكاة ماله، فخلط الدراهم قبل الدفع، ثم دفع فهو ضامن وكذلک المتولي إذا كان في يده أوقاف مختلفة وخلط غلاتها صار ضامنًا لها ...... والحاصل أن الخلط سبب الضمان؛ لأنه استهلاک إلا في موضع جرت العادة والعرف ظاهر بالأداء بالخلط. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل التاسع: مسائل معطىٰ الزكاة، المجلس العلمي ٣/٢٢٦، رقم:٢٨٢٤)

رجلان دفع كل واحد منهما زكاة ماله إلي رجل ليؤدى عنه فخلط مالهما ثم تصدق ضمن الوكيل مال الدافعين و كانت الصدقة عنه ...... والطحان إذا خلط حنطة الناس إلا في موضع يكون الطحان مأذونًا بالخلط عرفًا. (خانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل في أداء الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٢٦١، جديد ١/١٦٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مشترکہ تجارت کی زکاۃ کی ادائیگی کی صورت

سوال (۸۵۰): قدیم ۲/ ۵۱- مشترک تجارت میں حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ مشترک واجب ہوگی؟

الجواب: نہیں۔

بقیہ سوال: یا انفراداً؟

الجواب: ہاں

بقیہ سوال: یعنی کل شرکاءل کر زکوٰۃ کا روپیہ نکالیں۔؟

الجواب: نہیں۔

بقیہ سوال: اور اگر بعض حصّہ دار زکوٰۃ نہ دینا چاہیں تو ہر شخص انفراداً اپنے روپے و مال جو حولان حول کے بعد اُس کے حصّہ میں آوے اُس کی زکوٰۃ اداء کرسکتا ہے۔؟

الجواب: ہاں۔(۱)

(تتمہ خامسہ، ص ۳۶۷)

---

(۱) مشترکہ تجارت میں ہر شریک پر اپنے حصہ کی زکوۃ نکالنا واجب ہے؛ جبکہ ہر ایک کا حصہ مقدار نصاب کو پہونچ جائے، اگر ایک شریک نے دوسرے کو اپنے حصہ کی زکوۃ نکالنے کی اجازت دے رکھی ہے، تو دوسرے کے لئے اپنے شریک کی زکوۃ ادا کرنے کی اجازت ہے، پھر شریک کو اس مقدار کی مراجعت کی بھی اجازت ہوتی ہے۔

قال سفيان: لا يجب حتى يتم لهذا أربعون شأة ولهذا أربعون شأة. (صحيح البخاري، تعليقات الزكاة، باب ما كان خليطين فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية۔ النسخة الهندية ١/ ١٩٥، تحت رقم: ١٤٣١، ف: ١٤٥١)

عبد الرزاق عن الثورى قال: قولنا: لا يجب على الخليطين شئ إلا أن يتم لهذا أربعين ولهذا أربعين. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب الخليطين، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٠، رقم: ٦٨٦٩)

ولا تجب الزكاة عندنا في نصاب مشترک من سائمة ومال تجارة وإن صحت الخلطة فيه. وفي الشامية: (في نصاب مشترک) المراد أن يكون بلوغه النصاب بسبب الإشتراط وضم أحد المالين إلى الأخر بحيث لا يبلغ مال كل منهما بانفراده نصابًا. وفي الدر: وإن تعدد النصاب تجب إجماعًا ويتراجعان بالحصص وبيانه في الحاوي ←

زکوٰۃ سکہ ہائے مختلفہ

سوال (۸۵۱): قدیم ۲/۵۲- میں نے ممالک غیر کے نقرئی اور مسی سکّے جمع کیے ہیں جن کا وزن اور قیمت مختلف ہے دوسرے مال کے ساتھ ان سکہ جات کی بھی زکوٰۃ دینا چاہئے یا نہیں اور اگر دی جاوے تو کس طریقہ سے۔ کیونکہ ان میں اکثر ایسے بھی سکے شامل ہیں، جن کی قیمت نہیں معلوم ہے اور معلوم کرنا بھی مشکل ہے۔

الجواب: مسی سکّوں میں زکوٰۃ نہیں۔ البتہ اگر نیت بیع سے خریدا ہو کہ اگر کوئی خریدار نفع دے گا تو فروخت کردوں گا اس وقت اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی (۱) باقی نقرئی سکوں پر ہر حال میں زکوٰۃ فرض ہے

← **فإن بلغ نصيب أحدهما نصابًا زكاة دون الأخر وتحته في الشامية: أي بحيث يبلغ قبل الضم مال كل واحد بانفراده نصابًا فإنه يجب حينئذٍ على كل منهما زكاة نصابه.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲۳۵-۲۳۶، كراچي ۲/۳۰۴)

ولو كانت السوائم بين إثنين فبلغ نصيب واحد نصابًا دون الأخر تجب عليه دون صاحبه ولو لم يبلغ نصيب كل واحد نصابًا لا يجب شئ وفي شرح الطحاوي: فإن كان نصيب كل واحد منهما على الإنفراد يبلغ نصابًا كاملاً تجب الزكاة وإلا فلا ...... وأموال التجارة إذا كانت بين رجلين كذلك يعتبر نصيب كل واحد منهما على حدة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني عشر في صدقات الشركاء، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۴۲-۲۴۳، رقم:۴۲۵۲)

(۱) **عن سمرة بن جندبؓ قال: أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع.** (سنن أبي داؤد، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة، النسخة الهندية ۱/۲۱۸، دار السلام رقم:۱۵۶۲)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابًا من الورق والذهب كذا في الهداية. (هندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث، الفصل الثاني في العروض، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۱۷۹، جديد ۱/۲۴۱)

في الشرنبلالية: الفلوس إن كانت أثمانًا رائجة أو سلعا للتجارة تجب الزكاة في قيمتها وإلا فلا. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲۳۱، كراچي ۲/۳۰۰)

اور زکوٰۃ میں اگر روپیہ دیا جاوے تو اس وقت ان سکوں کی قیمت معتبر نہ ہوگی بلکہ وزن معتبر ہوگا۔ یعنی اگر یہ سکے وزن میں چالیس روپیہ بھر ہوں تو اُن کی زکوٰۃ ایک روپیہ ہوگی۔(۱)

۸/محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص ۶۰)

چندہ کی زکوٰۃ کو تنخواہوں اور مالدار طلبہ کی رہائش اور مکان کے کرایہ میں خرچ کرنے کا حکم

سوال (۸۵۲): قدیم ۲/۵۲- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔ مدارس میں طلباء غرباء یتامیٰ کی خوراک ولباس وغیرہ کے علاوہ مہتمم مال زکوٰۃ کو امور ذیل میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں؟ (۱) باورچی کی تنخواہ وخوراک وغیرہ میں۔

(۲) مدرسین ومہتمم وچندہ وصول کنندہ کی تنخواہ بقدر تعداد غرباء ویتامیٰ یعنی مدرسہ میں غرباء اور غیر غرباء دونوں قسم کے طلباء پڑھتے ہیں، پس غرباء کے حصّہ کے بقدر مدرسین وغیرہ کی تنخواہوں میں زکوٰۃ صرف کی جائے یا نہیں۔

---

(۱) **والمعتبر وزنهما أداء وجوبًا ولا قيمتها. وتحته في الشامية: أي من حيث الأداء: يعني يعتبر أن يكون المؤدى قدر الواجب وزنًا. وفي الدر: واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبرًا أو حليًا مطلقًا وفي الشامية: (مضروب كل منهما) أي ما جعل دراهم يتعامل بها أو دنانير.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۲۷، كراچي ۲/۲۹۷-۲۹۸)

تجب في كل مائتى درهم خمسة دراهم وفي كل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال مضروبًا كان أو لم يكن مصوغًا أو غير مصوغ حليا كان للرجال أو للنساء تبراً كان أو سبيكة كذا في الخلاصة ويعتبر فيهما أن يكون المؤدى قدر الواجب وزنًا ولايعتبر فيه القيمة عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ. (هندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۱۷۸، جديد ۱/۲۴۰)

خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل الخامس في زكاة المال، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۲۳۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۳) کرایہ مکان جس میں طلباء رہتے اور پڑھتے ہوں آیا طلباء کے رہنے کے لیے کرایہ والے مکان میں مہتمم کسی ایسے غیر شخص کو رکھ سکتا ہے جس کو مصالح طلباء میں کوئی دخل نہ ہو۔

(۴) اور پڑھنے کے لیے کرایہ والے مکان میں غرباء اغنیاء دونوں کا شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟

(۵) بچوں کو اسباق الاشیاء سمجھا کر پڑھانے کے لیے اسکولوں میں کتّا، بلی، شیر، وغیرہ کی تصاویر رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا؟

الجواب: بجز سوال نمبر۴: کے کہ اس کے جواب میں تو تفصیل ذیل ہے باقی سب سوالوں کا مشترک جواب یہ ہے کہ یہ سب امور ناجائز ہیں (۱) اور وہ تفصیل یہ ہے کہ اگر صراحۃً یا دلالۃً معطین چندہ کی طرف سے اس کی اجازت ہو تو جائز ہے، ورنہ ناجائز۔ (۲) اور اگر یہ کرایہ چندہ سے نہیں دیا جاتا

---

(۱) **ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة لا یصرف إلی بناء نحو مسجد وتحته في الشامیة: وکل مالا تملیک فیه.** (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف، مکتبه زکریا دیوبند۳/۲۹۱، کراچي ۲/۳٤٤)

(وبناء مسجد) أي لا یجوز أن یبنی بالزکاة المسجد لأن التملیک شرط فیها ولم یوجد (إلی قوله) وکل ما لا تملیک فیه. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، باب المصرف، امدادیة ملتان ۱/۳۰۰، زکریا۲/۱۲۰)

مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، باب في بیان أحکام المصرف، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۳۲۸۔

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامي، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفین واجبة، مکتبه زکریا دیوبند ٦/٦٦٥، کراچي ٤/٤٤٥)

عن أبي طلحةؓ قال: قال النبي صلی الله علیه وسلم لا تدخل الملائکة بیتًا فیه کلب ولاتصاویر. (صحیح البخاري، کتاب اللباس، باب التصاویر، النسخة الهندیة ۲/۸۸۰، رقم:٥٧١٦، ف:٥٩٤٩)

صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم تصویر صورة الحیوان، النخسة الهندیة ۲/۲۰۰، بیت الأفکار الدولیة رقم:۲۱۰٦۔

(۲) **الوکیل إنما یستفید التصرف من المؤکل وقد أمره بالدفع إلی فلان فلا یملک الدفع إلی غیره.** (شامي، کتاب الزکاة، مکتبه زکریا دیوبند۳/۱۸۹، کراچي ۲/۲٦۹)

بلکہ مال وقف سے دیا جاتا ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر واقف نے تصریحاً یا دلالۃً تعمیم کردی ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز (۱) اور عدم جواز کی صورت میں اگر شرکت جماعت کے سبب سے اغنیاء کو اس مکان میں بیٹھنا ضروری ہو تو اغنیاء کے حصّہ کا کرایہ یا تو اغنیاء خود ادا کریں یا کسی ایسی مَد سے دیا جاوے کہ اس میں تخصیص نہ ہو (۲) واللہ اعلم

۱۵/شوال ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ، ص ۶۶)

تحقیق معنی تبدیل ملک

سوال (۸۵۳): قدیم ۲/۵۳- یوں تو مشہور ہے کہ تبدیل مِلک سے اور دام دینے سے حرمت زائل ہو جاتی ہے یہ صحیح ہے یا نہیں۔؟

الجواب: تبدیلِ ملک سے تبدل عین کا ہو جانا اُس کے یہ معنی نہیں جو عوام سمجھتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس کسی خاص طریقہ سے کوئی چیز آئی جو اس شخص کے لیے وہ طریقہ حلال تھا لیکن اِس طریقہ سے اگر دوسرے شخص کے پاس آتی تو اس کے لیے حلال نہ ہوتا اب اس شخص نے اس دوسرے شخص کو کسی دوسرے طریق سے وہ چیز دی جو کہ اُس دوسرے شخص کے لیے بھی حلال ہے۔

---

(۱) **شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة.** (قواعد الفقة، أشرفي ديوبند ص:۸۵، رقم:۱۵۲)

الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف شرط الواقف كنص الشارع، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۰۶۔

الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، مكتبه زكريا ديوبند ۶/۶۴۹، كراچي ۴/۴۳۳-۴۳۴۔

(۲) **ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجرة المثل.** (الفتاوى الهندية، الباب الخامس من كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۱۹، جديد ۲/۳۸۷)

الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يصح إيجار الوقف بأقل من أجرة المثل، مكتبه زكريا ديوبند ۶/۶۰۸، كراچي ۴/۴۰۲۔

مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت ۳/۵۱۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سو اس میں اس پہلے طریقہ پر لحاظ نہ کیا جاوے گا اور اس کا ثواب باقی نہ رہے گا۔ مثلاً غنی کو صدقہ لینا حرام ہے مگر کسی فقیر کو کوئی چیز صدقہ میں ملی اور اس نے ہدیۃً اس غنی کو دی اب اُس کے لیے حلال ہوگی گویا یہ دوسری چیز ہوگئی۔(۱) یہ مطلب ہے اس قاعدہ کا اسی طرح جو مشہور ہے کہ دام دینے سے حرمت زائل ہوجاتی ہے یہ تو بالکل غلط ہے۔ فقط

(امداد، ج۳،ص۱۲۹)

مال مستفاد کو ہم جنس نصاب کے ساتھ ملانے کا حکم

سوال (۸۵۴): قدیم۲/۵۳- السلام علیکم ورحمة الله وبركاته. گزارش یہ ہے کہ ”يضم المستفاد إلى نصابه من جنسه“ کی کیا دلیل ہے اگر کوئی حدیث مرفوع یا موقوف معلوم ہو

---

(۱) **عن أنس بن مالكؓ قال: أتى النبي صلى الله عليه وسلم بلحم فقيل: تصدق على بريرةؓ فقال: هو لها صدقة ولنا هدية.** (صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب قبول الهدية، النسخة الهندية ۱/۳۵۰، رقم: ۲۵۰۶، ف: ۲۵۷۷)

عن عطاء بن يسارؓ: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة، لغاز في سبيل الله أو لعامل عليها أو لغارم أو لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فأهداها المسكين للغني. (أبوداؤد شريف، كتاب الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني، النسخة الهندية ۱/۲۳۱، دار السلام رقم: ۱۶۳۵)

قال الحافظ في الفتح: وقد أعلمها النبي صلى الله عليه وسلم في كل منهما بما حاصله أن الصدقة إذا قبضها من يحل له أخذها ثم تصرف فيها زال عنها حكم الصدقة وجاز لمن حرمت عليه أن يتناول منها إذا أهديت له أو بيعت. (فتح الباري، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب قبول الهدية، مكتبه اشرفية ديوبند ۵/۲۵۶، دارالريان للتراث ۵/۲۴۳)

وقال العيني في العمدة: مطابقته للترجمة في قوله: ولنا هدية؛ لأنه التحريم يتعلق بالصفة لا بالذات وقد تغير ما تصدق به على بريرة بإنتقاله إلى ملكها وخروجه عن ملك المتصدق. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الهبة وفضلها، باب قبول الهدية، دارإحياء التراث العربي ۱۳/۱۳۵) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

تو مہربانی فرما کر بحوالۂ کتاب وباب مطلع فرماویں۔ بظاہر قوله عليه السلام لازكوٰة في مال حتى يحول عليه الحول (۱) سے عدم وجوب سمجھ میں آتا ہے کما ھو قول البعض، کنزالدقائق کے حاشیہ پر یہ حدیث دیکھی إن من السنة شهرًا تؤدون فيه زكوٰة أموالكم فما حصل بعد ذلك فلا زكوٰة عليه حتى يجئ رأس الشهر رواه الترمذى. (۲) لیکن اس خاکسار نے ترمذی شریف کے ابواب الزکوٰۃ کو ایک دفعہ سرسری نظر سے دیکھ لیا۔ اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں دیکھی۔ باقی حضور کا سایۂ عاطفت ہم بیکسوں پر ہمیشہ دراز ہو۔

الجواب: السلام عليكم. في شرح العينى للهداية: فإن قلت ما تقول في الحديث الذي استدل به الشافعيؒ. رواه الترمذي (بسنده)عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من استفاد مالاً فلا زكوٰة عليه حتى يحول عليه الحول رواه ابن ماجه من حديث عمرة عن عائشةؓ قالت: سمعتُ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول لازكوٰة في مال حتى يحول عليه الحول. قلت: أما حديث بن عمر فإنه ضعيف؛ لأن فيه عبد الرحمٰن بن زيدؓ، قال الترمذي: وهو ضعيف في الحديث ضعفه أحمد بن حنبلؒ وعلى بن المديني وغيرهما من أهل الحديث وهو كثير الغلط وقال الترمذى. أيضاً وروى أيوب وعبد اللّٰه بن عمرؓ وغير واحد عن نافع عن ابن عمر موقوفاً. قلت: إنفرد الترمذي بإخراج هذا الحديث وانفرد أيضًا بالموقوف وأما حديث ابن ماجة ففيه حارثة بن محمد وقال أحمد ليس بشى وقال يحيىٰ ثقة ولو ثبت لما كان مخالفاً لمذهبنا لأن حول الأصل حول الزيادة حكمًا قالوا: في الأولاد والأرباح والزيادة في البدن بالسمن، ثم قال في حديث إن من السنة شهرا مانصه ولم أره في الترمذي: ثم قال: إن مذهبنا في هذا الباب هو قول عثمان وابن عباس والحسن البصرى والثورى والحسن ابن صالح آه مختصراً (۳)

---

(۱) عن ابن عمرؓ قال: من استفاد مالا فلا زكاة فيه حتى يحول عليه الحول عند ربه.
(سنن الترمي، أبواب الزكاة، باب ماجاء لا زكاة على المال المستفاد الخ، النسخة الهندية ۱/۱۳۸، دار السلام رقم:۶۳۲)

(۲) كنز الدقائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، مكتبه المجتبائي دهلي ص:۵۹۔

(۳) البناية شرح الهداية، كتاب الزكاة، فصل وليس في الفصلان والحملان الخ، مكتبه أشرفية ديوبند ۳/۳۵۳ تا ۳۵۶۔

وقال محمد في موطاه بعد نقل قول ابن عمر لاتجب في مال زكوٰة حتى يحول عليه الحول مانصه إلا أن يكتسب مالا فيجمعه إلى مال عنده مما يزكى إلى قوله وهو قول أبي حنيفةؒ وإبراهيم النخعيؒ وفي التعليق الممجد عن ابن الهمام هكذا وقال أصحابنا: هو حديث ضعيف وعلى تسليم ثبوته فعمومه ليس مراداً للاتفاق على خروج الأرباح والأولاد فعللنا بالمجانسة فقلنا إنما أخرج الأولا دوالأرباح للمجانسة لا للتولد فيجب أن يخرج المستفاد إذا كان من جنسه وهو أدفع للحرج على أصحاب الحرف الذين يجدون كل يوم درهماً فأكثر وأقل فان في اعتبار الحول لكل مستفاد حرجاً عظيماً وهو مدفوع بالنص. اھ (۱)

قلت ونسب الترمذى القول بالضم إلى سفيان الثورى وأهل الكوفة ووجدت في حاشية الترمذى مكتوباً بخطى مانصه محمول على مال جديد لاالمنضم إلى نصاب (۲) فلادليل فيه مع قيام هذا الاحتمال ومع كون الحديث موقوفاً على الأصح اھ.

ان عبارات میں آپ کے سب سوالوں کا جواب مذکور ہے۔

۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص ۱۴۹)

تحقیق کیل وفرق

سوال (۸۵۵): قدیم ۲/ ۵۵- فرق کی مقدار میں اختلاف ہے کافی میں چھتیس رطل ہے، محیط میں ساٹھ رطل، صحاح میں سولہ رطل اور تکملہ میں ہے فرق بالسکون سولہ رطل اور بقول بعض سولہ رطل اور بقول بعض چار رطل اور فرق بالفتح اسی رطل قاموس میں ہے: مكيال بالمدينة يسع ثلثة أصع ويحرك أوهو افصح أويسع ستة عشر رطلا أوأربعة أرباع؟(۳)

---

(۱) مؤطا إمام محمد، كتاب الزكاة، باب المال الذي تجب فيه الزكاة، مكتبه أشرفي بكڈپو ديوبند ص:۱۷۳-۱۷٤۔

(۲) سنن الترمذي، أبواب الزكاة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء لا زكاة على المال المستفاد الخ النسخة الهندية ۱/ ۱۳۸۔

(۳) فتح الملهم، كتاب الحج، باب جواز حلق الرأس للمحرم، مكتبه اشرفية ديوبند ۳/ ۲۳٦۔

الجواب: شیخین نے جو کعب بن عجرہ سے حدیث روایت کی ہے اس میں جناب سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے: فاحلق رأسک واطعم فرقاً بین ستة مساکین. اور اسکے بعد یہ عبارت ہے۔ والفرق ثلثة أصع.(۱) ہر چند کہ غالباً یہ عبارت کسی راوی سے مدرج ہے مگر اس پر بعد والوں سے کہ فقہاء و محدثین ماہرین لغت و جملہ ثقات ہیں نکیر نہ ہونا مرجح ہے اس کا کہ احکام شرعیہ میں جو مقدار اس کی معتبر ہے وہ تین صاع ہے۔ صاحب مرقات نے طیبی سے بھی اس قول کے نقل کے بعد دوسرے اقوال کو قیل سے نقل کیا ہے باقی دوسرے اقوال کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ حسب اختلاف امکنہ یہ سب اطلاقات بھی صحیح ہیں (۲) اس کی نظیر ہمارے محاورہ میں لفظ سیر، یا دھڑی یا مَن ہے کہ ہر جگہ جدا مقام پر اطلاق ہوتا ہے مگر احکام میں جس کا اعتبار ہے وہ وہی ہے جو اول مذکور ہوا۔

یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص ۵)

مال زکوۃ سے چندہ میں جبر اور اصرار کا حکم

سوال (۸۵۶): قدیم ۲/ ۵۵- اس اشکال کے حل کرنے کی احقر کو ضرورت ہے کہ اگر زکوٰۃ کی مَد سے چندہ طلب کیا جاوے اور اس میں کچھ دباؤ یا اصرار سے کام لیا جاوے تو جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) **عن کعب بن عجرة أن النبي صلی الله علیه وسلم مربه وهو بالحدیبیة قبل أن یدخل مکة وهو محرم وهو یوقد تحت قدر والقمل یتهافت علی وجهه فقال: أیو ذیک هو أمک هذه قال: نعم! قال: فاحلق رأسک وأطعم فرقا بین ستة مساکین والفرق ثلثة أصع أو صم ثلثة أیام أو انسک نسیکة الحدیث.** (الصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب جواز حلق الرأس للمحرم، النسخة الهندیة ۱/ ۳۸۲، بیت الأفکار الدولیة رقم: ۱۲۰۱، صحیح البخاري، کتاب العمرة، باب النسك شأة، النسخة الهندیة ۱/ ۲۴۴، رقم: ۱۷۸۲، ف: ۱۸۱۸)

مشکاة المصابیح، کتاب المناسك، باب ما یجتنبه المحرم، مکتبه اشرفیة دیوبند ۱/ ۲۳۵۔

(۲) **قال الطیبي: الفرق بفتح الراء مکیال یسع ستة عشر رطلاً وفي القاموس الفرق مکیال بالمدینة یسع ثلاثة آصع ویحرک أو هو أفصح أو یسع ستة عشر رطلاً ثم قیل: وفي روایة: بفرق ذرة فیجمع بأن الفرق کان من صنفین الخ.** (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثالث امدادیة ملتان ۹/ ۲۰۷) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

منشاءاشکال کا یہ ہے کہ حدیث ’’اِلا بطیب نفسه‘‘ سے صدقاتِ فرض خارج ہیں کیونکہ ان کو ہرطرح ادا کرنا چاہئے خواہ طیب نفس ہو یا نہ ہو؛ لہٰذا زکوٰۃ کے دباؤ سے وصول کرنے میں اعانت علی الفرض ہے؟

نیز امام کو اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ جبراً قہراً وصول کرلینی جائز ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات مفروضہ میں طیب نفس شرط نہیں بعض محصلین چندہ سے گفتگو کی تو اس سے یہ خلجان پیدا ہوگیا مہربانی فرما کر حکم مسئلہ سے آگاہی فرمائیں۔

الجواب: اگر نماز فرض پر جبر جائز ہو تو کیا اس کی خصوصیات غیر لازمہ پر بھی جبر جائز ہے مثلاً یہ کہ فلاں مسجد ہی میں پڑھو یا فلاں گھنٹہ ہی میں پڑھو، یا فلاں امام کے پیچھے ہی پڑھو۔ جب یہ نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اصل فعل پر جبر کے جواز سے ایسی خصوصیات پر جبر کا جواز لازم نہیں آتا، پس اس قید پر جبر جائز نہ ہوگا کہ زکوٰۃ فلاں مصرف ہی میں دو(۱)۔ پس حدیث ’’لایحل الخ‘‘ اس کو بھی عام رہی اور سلطان کو ایسے اختیارات من جانب الشرع حاصل ہیں غیر سلطان کو اس پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔ وہذا ظاہر جداً

۲۵/ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ، ص ۳۷۶)

---

(۱) **فيدفع إلى كلهم أو إلى صنف (كنز) وتحته في التبيين: أي صاحب المال مخير إن شاء أعطاها جميعهم وإن شاء اقتصر على صنف واحد وكذا يجوز أن يقتصر على شخص واحد من أي صنف شاء.** (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۱۸، امدادية ملتان ۱/۲۹۹)

فيدفع المزكي إلى كلهم أو إلى صنف أي صنف شاء يعني أنه مخير بين الدفع إلى الكل أو إلى صنف معاصر وله أن يقتصر على واحد من أي صنف. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۴۶۱)

وللمالك أن يدفع إلى كل واحد وله أن يقتصر على صنف واحد كذا في الهداية، وله أن يقتصر على شخص واحد. (هندية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۱۸۸، جديد ۱/۱۵۰)

الهداية مع فتح القدير، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۶۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مویشی، چوپایوں کی زکوۃ کب لازم ہوتی ہے؟

سوال (۸۵۷): قدیم ۲/ ۵۶- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس مویشی از قسم بھیڑ و بکری و گائے و بھینس اس تعداد میں ہیں جن پر زکوٰۃ واجب ہے مگر فروخت کے لیے نہیں ہیں جو نر بچے پیدا ہوتے ہیں زراعت کے کام آتے ہیں اور مادہ بچہ کشی دودھ وغیرہ کے استعمال میں، اور بھیڑ اور بکری کا گوشت وغیرہ استعمال ہوتا ہے علاوہ ازیں یہ مویشی سال کا نصف حصہ اور کبھی زائد ایسی زمین پر چرتے ہیں جو پٹہ کی ہے اور اس زمین کا محصول مالگذاری سرکار کو ادا کیا جاتا ہے اور کچھ زمانہ ایسی ہی محصولی زمین کا پیداوار گھاس گھر پر لا کر کھلایا جاتا ہے پس ایسی صورت میں کیا متذکرہ مویشی پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: في الدر المختار: باب السائمة هي المكتفية بالرعي المباح في أكثر العام لقصد الدر والنسل والزيادة والسمن (إلى قوله) لو أسامها للحم(أي للاكل) فلا زكوٰة فيها كما لو اسامها للحمل والركوب اه وفي (الردالمحتار لو حمل الكلاء إليها في البيت لاتكون سائمة بحر. (١)

---

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب السائمة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ١٩٦-١٩٧-١٩٨، كراچي ٢/ ٢٧٥-٢٧٦۔

هى التي تكتفى بالرعي في أكثر السنة (كنز) وفي البحر: في البدائع لو أسامها للحم لا زكاة فيها كالحمل والركوب (إلى قوله) لأن السائمة في الفقه هي التي ترعى و لا تحلف في الأهل لقصد الدر والنسل كما في فتح القدير، فلو حمل الكلأ إليها في البيت لا تكون سائمة ...... ولا بد أن يكون الكلأ الذي ترعاه مباحًا. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب صدقة السوائم، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٧٢-٣٧٣، كوئٹه ٢/ ٢١٢-٢١٣)

هي أي السائمة في عرف الفقهاء التي تكتفي بالرعي في أكثر السنة ...... يشترط فيها ذلك لقصد الدر والنسل حتى لو أسامها للحمل والركوب لم يجب فيها شيئ ...... في البدائع قال: لو أسامها للحم فلا زكاة فيها (وقوله) حتى لو حمل إليها الكلأ لم تكن سائمة. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب صدقة السوائم، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٢٠) ←

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) جس سال کے گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس سال کے اکثر حصّہ کی چرائی کا اعتبار ہے۔

(۲) جبکہ مباح گھاس کھلایا ہو اور خودرو گھاس مباح ہے محصول دینے سے مملوک نہیں ہوتا۔

(۳) اگر گھاس گھر لاکر کھلایا تو شرط وجوب زکوٰۃ نہیں پائی گئی۔ واللہ اعلم

(۴) کھانے کے لیے جو جانور پالا جاوے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں اسی طرح بار برداری یا سواری یا کاشتکاری کے لیے بھی، کہ کاشتکاری بھی بار برداری کے حکم میں ہے۔ اشرف علی۔

۲۱؍شوال ۱۳۵۰ھ (النور، ص ۱۰، ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ)

مدارس کے سفیر عاملین کے حکم میں نہیں

سوال (۸۵۸: قدیم ۲/۵۶- جیسے کہ عاملین صدقات کے دینے سے ادا ہو جاتی ہے اور یہ قائم مقام عاملین کے سمجھے جاسکتے ہیں یا وہ مال زکوٰۃ جب تک کہ مہتمم یا بانی مدرسہ مزکین کی طرف سے بطور نیابت کے مستحقین پر خرچ نہ کرے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی؟

الجواب: ہاں یہی دوسری بات ہے۔(۱)

۲۰؍جمادی الاولی ۱۳۳۱ھ ہجری

← **وأما صفة نصاب السائمة فله صفات منها: أن يكون معدً اللإسامة وهو أن يسيمها للدر والنسل (إلى قوله) فإن أسيمت للحمل أو الركوب أو اللحم فلا زكاة فيها (إلى قوله) ثم السائمة هي الراعية التي تكتفي بالرعي عن العلف ويمونها ذلك ولا تحتاج إلى أن تعلف فإن كانت تسام في بعض السنة وتعلف وثمان في البعض يعتبر فيه الغالب لأن للأكثر حكم الكل.** (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، صفة نصاب السائمة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۲٦)

(۱) **ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۹، كراچي ۲/ ۲۷۰)

أنه لا يخرج بعزل ما وجب عن العهدة بل لا بد من الأداء إلى الفقير. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳٦۹، كوئٹه ۲/ ۲۱۱) ←

فقیر کو زکوۃ دینے کے بعد اس سے خرید لینا

سوال (۸۵۹): قدیم ۲/ ۵۶- کتابوں کی زکوۃ میں اگر کتابیں ہی مساکین کو دی جاویں اور ان مساکین سے تاجرانہ نرخ سے بتراضی طرفین وہ کتب مزکی خرید لے تو کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب: صحت بیع میں کوئی شبہ نہیں باقی اگر قرائن سے معلوم ہو کہ اس نے ہمارے لحاظ سے اتنی قیمت کو قبول کرلیا ہے اس صورت میں کراہت ہوگی۔

دليله حديث إرادة عمرؓ اشتراء الصدقة و نهيه عليه السلام عنه. (۱)

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

← **لا يخرج بالعزل عن العهدة بل لا بد من التصدق به.** (النهر الفائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۱۹)

یہ جزئیات حضرتؒ کے جواب کی تائید میں نقل کئے گئے ہیں؛ لیکن اب یہ حکم نہیں ہے؛ بلکہ اب یہی حکم ہے کہ مدارس کے ارباب اہتمام اور ان کے ماتحت ذمہ داران اور سفراء اگرچہ عاملین کے حکم میں نہیں ہیں؛ مگر وہ لوگ معطیین اور طلبہ دونوں کے وکیل ہیں؛ اس لئے ان کے قبضہ کے بعد چندہ دہندگان کی زکوۃ اسی وقت ادا ہو جاتی ہے، معطیین کے وکیل ہونے کی وجہ سے امانتداری سے ان کی مرضی پر خرچ کرنا چاہئے اور طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے ان کے قبضہ میں آتے ہی چندہ دہندگان کی زکوۃ اسی وقت ادا ہو جاتی ہے، حضرت گنگوہیؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب، محدث سہارن پوریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ وغیرہ اکابر اہل فتاوی اس پر متفق ہیں اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے پہلے لکھا تھا کہ طلبہ کے وکیل نہیں ہوتے ہیں جو معارف القرآن میں ہے بعد میں اس سے رجوع فرمالیا ہے۔ اس کی تفصیل سوال نمبر: ۸۳۵/ میں گذر چکی ہے وہاں مراجعت فرمائیں۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **عن زيد بن أسلم عن أبيه قال: سمعت عمرؓ يقول حملت على فرس في سبيل الله فاضاعه الذي كان عنده فأردت أن اشتريه و ظننت أنه يبيعه برخص فسألت النبي صلى الله عليه وسلم فقال: لاتشتره ولا تعد في صدقتک وإن أعطاكه بدرهم، فإن العائد في صدقته كالعائد في قيئه.** (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب هل يشتري صدقته، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۲، رقم: ۱۴۶۸، ف: ۱۴۹۰) ←

← الصحيح لمسلم، كتاب الهبات، باب كراهة شراء الإنسان ما تصدق به، النسخة الهندية ٢/٣٦، بيت الأفكار رقم: ١٦٢٠ ـ

عن عبد الله بن عمر: أن عمر بن الخطابؓ حمل على فرس في سبيل الله فوجده يبا ع فأراد أن يبتاعه فسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلک فقال: لا تبتاعه ولاتعد في صدقتک. (أبوداؤد شريف، كتاب الزكاة، باب الرجل يبتاع صدقته، النسخة الهندية ١/٢٢٥، دار السلام رقم:١٥٩٣)

وقال النوويؒ: (قوله صلى الله عليه وسلم لا تبتعه ولا تعد في صدقتک) هذا نهيى تنزيه لا تحريم فيكره لمن تصدق بشئ أو أخرجه في زكاة أو كفارة أو نذر ونحو ذلک من القربات أن يشتريه ممن دفعه هو إليه أو يتهبه أو يتملكه. (النووي على هامش مسلم، كتاب الهبات، باب كراهة شراء الإنسان ما يتصدق به، النسخة الهندية ٢/٣٦) *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

۲/ باب العشر والخراج

باغات میں عُشر کا حکم

سوال (۸۶۰): قدیم ۲/ ۵۷- باغات کی زکوٰۃ کس طرح دینا چاہئے۔ آیا باغات کی پیداوار میں سے عشر یا نصف عشر دینا چاہئے عام باغات جب تک تیار نہیں ہوجاتے بیچے جاتے ہیں جب تیار ہوگے پھر اُن کو نہیں بیچتے۔ حاصل یہ کہ پیداوار اور پھلنے کے وقت اُن میں پانی نہیں دیا جاتا۔ پھر بعض لوگ باغات کی فصل فروخت کرڈالتے ہیں تو کیا عشر یا نصف عشر کی مقدار فصل نہ فروخت کرنا چاہئے بلکہ اس کو مصارف زکوٰۃ میں دیدینا چاہئے۔ یا فصل کی قیمت میں سے عشر یا نصف عشر دینا چاہئے اگر قیمت میں سے دینا چاہئے تو اسمیں عشر یا نصف عشر زکوٰۃ نہیں بلکہ چالیسواں حصّہ زکوٰۃ ہے۔ پھر حولانِ حول کی شرط الگ ہے چونکہ اکثر لوگ باغات کی زکوٰۃ سے غافل ہیں۔ اس کے مفصل جواب سے مطمئن فرماویں؟

الجواب: في رد المحتار: اختلفوا في وقت العشر في الثمار والزرع فقال أبوحنيفةؒ، وزفرؒ: يجب عند ظهور الثمرة والأمن عليها من الفساد وإن لم يستحق الحصاد إذا بلغت حداً ينتفع بها وقال أبويوسفؒ عند استحقاق الحصاد وقال محمدؒ: إذا حصدت وصارت في الجرين. (۱)

---

(۱) شامي، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب مهم في حكم أراضي مصر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۷۳، كراچي ۲/ ۳۳۱

الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱۵۲

أخرج أبوداؤد عن عائشةؓ أنها قالت: هي تذكر شأن خيبر: كان النبي صلى الله عليه وسلم يبعث عبد الله بن رواحةؓ إلي يهود خيبر فيخرص النخل حين يطيب قبل أن يؤكل منه.

(أبوداؤد شريف، كتاب الزكاة، باب متى يخرص التمر ۱/ ۲۲۶، دار السلام رقم: ۱۶۰۶)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الزكاة، باب خرص التمر، دار الفكر بيروت ۶/ ۸، رقم: ۷۵۳۲ ←

وفي الدر المختار: ولو باع الزرع ان قبل إدراكه فالعشر على المشترى ولو بعده فعلى البائع اهـ.(۱)

اِن اقوالِ مختلفہ میں میرے نزدیک امام ابو یوسفؒ کا قول اعدل ہے۔ اس بناء پر پختگی ثمرہ کے وقت جس کے پاس وہ باغ ہو اُس پر عُشر واجب ہوگا۔ خواہ پھل دے یا اُس کی قیمت بشرطیکہ بیع باطل نہ ہوئی ہو ورنہ بائع کے ذمہ ہوگا؛ کیونکہ اس کی ملک سے خارج نہیں ہوا اور پانی نہ دینے کو اسمیں کوئی دخل نہیں بارانی زمین و باغ میں بھی عشر ہے اور اگر دام دے گا تو وہ زکوۃ روپیہ کی نہ ہوگی؛ بلکہ حق عشر کا بدل ہوگا، پس اسمیں کوئی شبہ نہیں اور اگر کوئی ابو یوسفؒ کا قول نہ لے تو جس قول کو لے گا اس کے موافق وجوب عشر کا وقت دیکھا جاوے گا۔

۲۶ رمحرم ۱۳۲۲ھ (امداد، ص ۱۵۷)

← **(في الذخيرة: وقت وجوب العشر عند ظهور الخارج) وفي الينابيع: قال أبوحنيفة وزفرؒ: يتعلق الوجوب بالثمار إذا بلغت حدًا ينتفع بها، وقال أبو يوسفؒ: عند الادراك. وفي الينابيع: وقت الجذاذ وقال محمدؒ: عند استحكامه وتصفيقه وحصوله في الحظائر.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب العشر، الفصل الرابع في معرفة وجوب العشر، مكتبه زكريا ديوبند۳/ ۲۸۵، رقم: ٤٣٩١)

المحيط البرهاني، كتاب العشر، الفصل الرابع في معرفة وقت وجوب العشر، المجلس العلمي بيروت۳/ ۲۸٤، رقم:٢٩٤٥

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۷٦، كراچي ۲/ ۳۳۳

ولو باع الأرض مع زرعها أو هو فقط بعد الإدراک من مسلم فالعشر على البائع وقال محمدؒ: على المشتري ولو لم يدرک كان على المشتري إتفاقًا؛ لأنه انتهى على ملكه. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ٤٥٥)

وإذا باع الأرض العشرية وفيها زرع قد أدرک مع زرعها أو باع الزرع خاصة فعشره على البائع دون المشتري ولو باعها والزرع بقل أن فصله المشتري في الحال يجب على البائع ولو تركه حتى أدرک فعشره على المشتري. (الهندية، كتاب الزكاة، الباب السادس في زكاة الزرع والثمار، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۸۷، جديد ۱/ ۲٤٩) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

آبپاشی کی ہوئی زمین کا عشر

سوال (۸٦١): قدیم ۲/ ۵۷- زید ایک شخص کی زمین میں زراعت کرتا ہے اور مبلغ پانچ روپیہ دو آنہ فی بیگہ کرایہ اس شخص زمین دار کو دیتا ہے اور زید کو کبھی کبھی آبپاشی ہر سال کرنی پڑھتی ہے اسمیں جو غلہ پیدا ہوگا اسکی زکوٰۃ کس قدر اور کس طرح دے۔

الجواب: **في ردالمحتار ويجب (العشر) في مسقى السماء وسيح ونصفه في مسقى غرب ودالية وفي كتب الشافعية أوسقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتأباه ولو سقى سيحاً وبألة اعتبر الغالب ولو استويا فنصفه وقيل ثلثة أرباعه آه.** (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر آبپاشی پانی خرید کر کرتا ہے تو بیسواں حصّہ پیداوار کا دے اور اگر مفت کے پانی سے کرتا ہے تو کنویں سے آبپاشی کرنے میں بھی بیسواں حصّہ دے اور نہر سے کرنے میں دسواں حصّہ دے جبکہ زمین عشری ہو یعنی کسی کافر سے نہ لی گئی ہو، اور جس سال آبپاشی نہ کرنی پڑے اس سال دسواں حصّہ دے اور جو دو قسم کی آبپاشی ہو تو جو غالب ہے اس کا اعتبار ہے اور اگر دونوں مساوی ہوں تو کُل میں ایک بیسواں حصّہ اور ایک چالیسواں حصّہ دیا جائے گا۔

---

(۱) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲٦۵ تا ۲٦۹، كراچي ۲/۳۲٦ تا۳۲۸

يجب (العشر) في عسل أرض العشر ومسقي سماء وسيح ...... ونصفه في مسقي غرب ودالية (كنز) وفي البحر: اي ويجب نصف فيما سقي بالة للحديث ...... وإن سقى بعض السنة بالة والبعض بغيرها فالمعتبر أكثرها وإن استويا يجب نصف العشر نظرًا للفقراء، وظاهر الغاية وجوب ثلاثة أرباع العشر. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند۲/۴۱۳-۴۱٦، كوئٹه۲/۲۳۷-۲۳۸)

أخرج البخاري عن سالم بن عبد الله عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا وما سقى بالنضح نصف العشر. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب العشر فيما ليسقى من ماء السماء، النسخة الهندية ۱/۲۰۱، رقم: ۱۴٦۱) ←

زمیندار یا کاشتکار پر وجوب عشر کی تحقیق

سوال (٨٦٢): قدیم۲/ ۵۸- زید کی زمین کا عمرو ۱۵من غلّہ فی بیگہ ہر سال دیکر زراعت کرتا ہے باقی غلہ آپ لے لیتا ہے۔ اور زید اس غلہ سے دو روپیہ دو آنہ فی بیگہ سرکار کو دیتا ہے تو زید اُس غلہ کی زکوٰۃ کس طرح دے۔؟

الجواب: في الدرالمختار: والعشر على الموجر كخراج موظف وقالا على المستأجر كمستعير مسلم. وفي الحاوى وبقولهما نأخذ قلت ولكن أفتى بقول الإمام جماعة من المتأخرين إلىٰ ان قال لكن في زماننا عامة الأوقاف من القرىٰ والمزارع لرضا المستأجر بتحمل غرامًا ومؤنها يستأجرها بدون أجر المثل بحيث لا تفي الأجرة ولا أضعافها بالعشر أو خراج المقاسمة فلا ينبغى العدول عن الإفتاء بقولهما في ذلك لأنهم في زمننا يقدرون أجرة المثل بناء علىٰ أن الأجرة سالمة لجهة الوقف ولاشئى عليه من عشر وغيره أما لو اعتبر دفع العشر من جهة الوقف وان المستأجر ليس عليه سوى الأجرة، فإن أجرة المثل تزيد أضعافاً كثيرة كما لايخفي فإن أمكن أخذها لأجرة كاملة يفتى بقول الإمام وإلا فبقولهما لما يلزم عليه من الضرر الواضح الذى لايقول به أحد والله تعالى اعلم آه.(١)

← فيما سقته السماء أو سقى سيحا أو أخذ من ثمر جبل العشر (ملتقي) وفي الدر المنتقي: ويجب فيما سقي بغرب أي ولو كبير أو دالية أي دولاب أو سانية هي ناقة يستسقى عليها وفي كتب الشافعية: أو سقاه بما اشتراه، وقواعدنا لا تأباه نصف العشر لكثرة المؤنة، ولو سقى سيحا وبآلة يعتبر الغالب ولو استويا فنصفه وقيل ثلاثة أرباعه. (ملتقي الأبحر مع الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت ٣١٧/١ تا ٣٢٠)

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، قبيل مطلب: هل يجب العشر على المزارعين، مكتبه زكريا ديوبند ٢٧٦/٣-٢٧٧، كراچي ٣٣٤/٢ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر موجر پوری اجرت لے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچے تو عشر موجر کے ذمّہ ہے اور اگر موجر اُجرت کم لے اور مستاجر کے پاس زیادہ بچے تو مستاجر کے ذمہ ہے؛ چونکہ ہمارے دیار میں اُجرت کم لی جاتی ہے؛ اسی لیے میں وجوب عشر علی المستاجر پر فتویٰ دیا کرتا ہوں، ہاں اگر کسی جگہ پوری اُجرت لی جاوے جس میں زمیندار عشر بخوبی ادا کرسکتا ہو تو اس وقت وجوب عشر علی الموجر پر فتویٰ ہوگا۔ صورت مسئولہ میں اُجرت اور پیداوار کی نسبت معلوم نہیں اس لیے حکم میں تعین نہیں کی جاسکتی۔ واللہ اعلم

(امداد ج ۱، ص ۱۶۰)

عشری زمین کی تحقیق

سوال (۸۶۳): قدیم ۲/ ۵۹- عشری زمین کے متعلق جو کچھ حضور کی تحقیق ہو مفصل تحریر فرمائی جاوے؟

الجواب: حاصل مقام کا یہ ہے کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور اُن کے پاس مسلمانوں ہی سے پہونچی ہیں۔ ارثاً او شراء وہلم جراً وہ زمینیں عشری ہیں (۱)

---

(۱) **وما أسلم أهله طوعًا أو فتح عنوة وقسم بين جيشنا والبصرة أيضًا بإجماع الصحابة عشرية؛ لأنه أليق بالمسلم.** (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مكتبه زكريا ديوبند٦/ ٢٩٠، كراچي ٤/ ١٧٦)

كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة وقسمت بين الغانمين فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى إبتداء التوظيف على المسلم والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة. (هداية، كتاب السير، باب العشر والخراج، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/ ٥٩٠)

وكذلك كل أرض أسلم عليها أهلها طوعًا. وفي الحجة: بلا قتال ولا دعوة إلى الإسلام فإنها تكون عشرية وكذلك كل أرض فتحت الغانمين فهي عشرية. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب العشر، الفصل الخامس في معرفة أرض العشر، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٨٧، رقم: ٤٣٩٤)

أرض العرب عشرية ......وكذا البصرة وكل ما أسلم أهله أو فتح عنوة وقسم بين الغانمين. (ملتقي الأبحر على هامش، مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب العشر والخراج، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٥٦-٤٥٧)

اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگیا تھا وہ عشری نہ رہی (۱) اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جاوے گا کہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہے بدلیل الاستصحاب پس وہ بھی عشری ہوگی (۲) وقدر العشر معروف فقط

۱۸ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولی، ص ۵۰)

ہندوستان کی زمین عشر وخراجی کی تحقیق

سوال (۸۶۴): قدیم ۲/ ۸۵۹- ہندوستان کی زمین بحالت موجودہ خراجی ہے یا عُشری جب گورنمنٹ برطانیہ نے بعد غدر کے سلطنت کی باگ اپنے قبضہ واقتدار میں لی تھی تو اس وقت اعلان عام کیا تھا کہ تمام اراضی ضبط کرلی گئی اور کسی کا حق نہیں ہے۔ اگر صاحب اراضی دعویٰ کرکے ثبوت پیش کرے تو اس کو حسب تجویزِ حاکم دی جاوے گی۔ چنانچہ جن مالکان اراضی نے دعویٰ کرکے بینہ قائم کیے اُن کو وہی اراضی یا بعوض اُن کے دیگر اراضی عطا ہوئی اور بعض کو کسی امر، صلہ میں زمین عطاء ہوئی اور مالگزاری سرکاری جو سالانہ زمینداروں سے بادشاہ وقت لیتا ہے مقرر کردی اور بعض کو معاف کردی؟

---

(۱) **ولو كانت الأرض لمسلم باعها من نصراني يريد به ذميًا غير تغلبي وقبضها فعليه الخراج عند أبي حنيفةؒ (الهداية) وفي الفتح: فصار شراء المسلم من الذمي بعد ما صارت خراجية فتصير على حالها ذكره التمرتاشي كما إذا أسلم هو واشتراها منه مسلم آخر.**

(الهداية مع فتح القدير، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٥٩)

فالمسلم إذا اشترىٰ العشرية أو الخراجية بقيت على حالها...... وإذا اشترى ذمي غير تغلبي خراجية أو تضعيفية بقيت على حالها أو عشرية صارت خراجية أن استقرت في ملكه عنده.

(البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤١٦، كوئٹه ٢/ ٢٣٨-٢٣٩)

(۲) **الفائدة الثالثة في الاستصحاب وهو كما في التحرير: الحكم ببقاء أمر محقق لم يظن عدمه (وقوله) ومما فرغ عليه الشقص إذا بيع من الدار وطلب الشريك الشفعة فأنكر المشتري ملك الطالب فيما في يده فالقول له: ولا شفعة له الا ببينة.** (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثه، قبيل القاعدة الرابعة المشقة تجلب التيسير، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ١٢٣، جديد ١/ ٢٢٣) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) برتقدیر وجوب عشر یا نصف عشر کاشتکار پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا یا زمیندار پر۔ کاشتکار وہ ہے جو زمین کی جملہ خدمت کرتا ہے اور مالک اراضی یعنی زمیندار اسی سے نصف یا ثلث پیداوار کا بہ حیثیت شرائط جنس پیداوار سے یا غیر جنس سے لیتا ہے اور سرکاری مالگزاری زمیندار ادا کرتا ہے؟

(۳) کسی گاؤں کے بعض حصّہ اراضی کی پیداوار کا دارومدار صرف آسمانی پانی پر ہے اور اسکی آبپاشی نہیں ہوتی اور بعض حصّہ اراضی کی آبپاشی چاہات وتالاب وغیرہ وغیرہ سے ہوتی ہے اور بعض حصّہ اراضی کی پیداوار بارش وآبپاشی دونوں سے ہوتی ہے۔ یعنی صرف بارش پر اکتفاء کرنے سے پیداوار کم ہوتی ہے اور اگر اس میں آبپاشی کردی جاوے تو پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس اراضی کی آبپاشی ہوا کرتی تھی مگر وقت پر بارش ہونے سے آبپاشی کی ضرورت رفع ہوجاتی ہے تو اِن تمام صورتوں میں برتقدیر وجوبِ عُشر، عشر واجب ہوگا...... یا نصف عشر؟

الجواب: (۱) ضبط کرنے کے دومعنی ہوسکتے ہیں ایک قبضہ مالکانہ۔ اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں رہیں۔

دوسرا قبضہ مِلکانہ وحاکمانہ ومنتظمانہ اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے۔ اگر ایسا ہوا ہو تو اراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس کی زمین کی عوض میں دیدی یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی سو چونکہ وہ دینے کے قبل استیلاء سے سرکار کی مِلک ہوگئی تھی (۱) لہٰذا وہ عشری نہ رہی۔

---

(۱) **وإذا غلب الترک علی الروم فسبوهم وأخذوا أموالهم ملكوها؛ لأن الاستيلاء قد تحقق في مال مباح وهو السبب** (إلی قوله) **أن الاستيلاء ورد على مال مباح فينعقد سببًا للملک دفعًا لحاجة المكلف.** (هداية، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، مكتبه أشرفية ديوبند ۲/ ۵۸۰-۵۸۱)

لو استولی كفار الترک والهند على الروم واحرزوها بالهند ثبت الملک للكفار الترک ككفار الهند كما في الخلاصة ...... لاستيلائه على مباح أي فيملكه هو بمباشرة سببه كالاختطاب والاصطياد. (شامي، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۲۶۶، كراچي ۴/ ۱۵۹-۱۶۰)

مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب استيلاء الكفار، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۴۴۲۔

(۲) والعشر على الموجر كخراج موظف وقالا على المستأجر كمستعير مسلم وفي الحاوى وبقولهما نأخذ وفي المزارعة إن كان البذر من رب الأرض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصّه. درمختار(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر زمین کرایہ پر ہے تو بقول مفتیٰ بہ کاشتکار پر ہے۔اور اگر بٹائی پر ہے اور تخم بھی کاشتکار کا ہے، تو زمیندار اور کاشتکار دونوں پر اپنے حصّہ کی قدر ہے۔

(۳) ويجب (أي العشر) في مسقي سماء أوسيح كنهر إلىٰ قوله ويجب نصفه في مسقي غرب أي دلو كبير ودالية أي دولاب لكثرة المؤنة وفي كتب الشافعية أوسقاه بماء

---

(۱) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ۲۷٦/۳ تا ۲۷۸، كراچي ۳۳٤/۲-۳۳۵

ويجب على الموجر عنده وعند هما على المستأجر (وقوله) وفي المزارعة على قولهما فالعشر عليهما بالحصة وعلى قوله على رب الأرض؛ لكن يجب في حصته في عينه وفي حصة المزارع يكون دينا في ذمته. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ٤١۳/۳، كوئٹه ۲۳۷/۲)

هندية، كتاب الزكاة، الباب السادس في زكاة الزرع والثمار، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱۸۷/۱، جديد ۲٤۸/۱-۲٤۹۔

وإن دفع أرضه العشرية مزارعة إن كان البذر من قبل الحامل فعلى قياس قول أبي حنيفةؒ يكون العشر على صاحب الأرض كما في الإعارة وعندهما في الزرع كما في الإجارة، وإن كان البذر من قبل صاحب الأرض كان العشر على صاحب الأرض في قولهم ...... فإذا استأجر أرضًا عشرية فزرعها فالعشر على رب الأرض في قول أبي حنيفةؒ، وقال أبويوسفؒ، ومحمدؒ يجب العشر على المستأجر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث فيمن يجب عليه العشر، مكتبه زكريا ديوبند ۲۸۱/۳، رقم:٤۳۷۷-٤۳۷۸)

خانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل في العشر، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۲۷۷/۱، جديد ۱٦۹/۱۔

المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثالث فيمن يجب عليه العشر، المجلس العلمي ۲۸۰/۳، رقم:۲۹۳٤۔

اشتراه وقواعدنا لا تأباه ولوسقى سيحاوبآلة اعتبر الغالب ولو استويا فنصفه وقيل ثلثة أرباعه. درمختار. (١) **قُلت واختلف الترجيح والاحتياط في الثانی.**

اس سے معلوم ہوا کہ بارانی زمین میں عشر ہے اورآبپاشی چاہ وتالاب میں نصف عشر، اورجس زمین کی آبپاشی دونوں طرح ہوتو اس میں غالب کا اعتبار ہے۔ اوراگر دونوں برابر ہوں تو نصف پیداوار میں عشر اورنصف میں نصف عشر۔

۲۷؍محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص ۱۰)

---

(١) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٢٦٥ تا ٢٦٨، كراچي ٢/٣٢٦ تا ٣٢٨۔

أخرج البخاري عن سالم بن عبد الله عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا و ما سقى بالنضح نصف العشر. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب العشر فيما يسقي من ماء السماء، النسخة الهندية ١/٢٠١، رقم: ١٤٦١)

يجب (العشر) في عسل أرض العشر وسقى سماء وسيح ...... **ونصفه في مسقي غرب ودالية (كنز) وفي البحر: أي ويجب نصف العشر فيما سقى بآلة للحديث** ...... **وإن سقى بعض السنة بآلة والبعض بغيرها فالمعتبر أكثرها، وإن استويا يجب نصف العشر نظرًا للفقراء وظاهر الغاية وجوب ثلاثة أرباع العشر.** (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤١٣-٤١٦، كوئٹه ٢/٢٣٧-٢٣٨)

فيما سقته السماء أو سقى سيحًا أو أخذ من ثمر جبل العشر (ملتقى) وفي الدر المنتقى: ويجب فيما سقى بغرب أي دلو كبير أودالية أي دو لاب أو سانية هي ناقة ليستسقى عليها، وفي كتب الشافعية: أو سقاه بما اشتراه، وقواعدنا لاتأباه نصف العشر لكثرة المؤنة، ولو سقى سيحًا وبآلة يعتبر الغالب ولو استويا فنصفه وقيل ثلاثة أرباعه. (ملتقي الأبحر مع الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت ١/٣١٧ تا ٣٢٠) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

افیون کے عشر میں قیمت دینے کی تحقیق

سوال (۸۶۵): قدیم ۲/۶۰- افیون کی زکوٰۃ میں افیون مثل غلہ کے دینا چاہئے یا قیمت پر۔ اگر قیمت پر دینا چاہئے تو کس حساب سے واضح رائے عالی رہے کہ افیون کا فروخت گورنمنٹ میں ہوتا ہے کسی کو افیون دینا بطریق زکوٰۃ ملک اودھ میں بوجہ جرم ممکن نہیں۔

الجواب: قیمت بھی دیدینا جائز ہے۔(۱)

۲۴/ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث، ص ۱۹، ج ۱، ۲)

---

(۱) **وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة.** (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۱۰-۲۱۱، كراچي ۲/ ۲۸۵-۲۸۶)

ويجوز دفع القيم في الزكاة عندنا وكذا في الكفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر كذا في الهداية. (هندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث، مسائل شئ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۸۱، جديد ۱/ ۲۴۳)

الهداية، كتاب الزكاة، باب صدقة السوائم، فصل وليس في الفصلان، مكتبه أشرفية ديوبند ۱/ ۱۹۲۔

وأما صفة الواجب فالواجب جزء من الخارج؛ لأنه عشر الخارج أو نصف عشره وذلك جزءه إلا أنه واجب من حيث أنه مال لامن حيث أنه جزء عندنا حتى يجوز أداء قيمته عندنا. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، أما صفة الواجب في زكاة الزروع، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۸۶)

يجوز دفع القيمة في الزكاة وكذا في العشر والخراج وزكاة الفطرة والنذر والكفارة غير العتاق. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الزكاة، دفع القيمة في الزكاة، مكتبه أشرفية ديوبند ۲/ ۷۶۶)

أخذ القيمة مكان المنصوص عليه في الزكوات والصدقات والعشور والكفارات جائز عندنا. (كفاية على فتح القدير، كتاب الزكاة، فصل وليس في الحملان والفصلان، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۷) *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

سرکاری محصول کی ادائیگی سے عشر کا ساقط نہ ہونا

سوال (۸۶۶): قدیم ۲/۶۰- زمین عشری کی مالگزاری سرکاری ادا کرنے سے جیسے کہ جناب مولوی قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتیؒ اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ کی تحقیق تھی عشر ادا ہوجاتا ہے یا نہ معاملہ احتیاط تو ظاہر ہے کہ مستحقین کو علیحدہ دے مگر قول مضبوط آپ کے نزدیک کونسا ہے۔؟

الجواب: ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا جیسے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی (۱) باقی ان حضرات کے ارشاد کا مبنیٰ معلوم نہیں۔

(حوادث، ص ۱۹، ج ۱،۲)

---

(۱) **فأما ما يأخذ سلاطين زماننا هؤلاء الظلمة من الصدقات والعشور والخراج والجزية فلم يتعرض له محمدؒ في الكتاب وكثير من أئمة بلخ يفتون بالأداء ثانيًا فيما بينه وبين الله تعالىٰ كما في حق أهل البغي لعلمنا أنهم لا يصرفون المأخوذ مصارف الصدقة وكان أبوبكر الأعمش يقول: في الصدقات يفتون بالإعادة فأما في الخراج فلا.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الزكاة، قبيل زكاة الغنم، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۱۸۰)

كفاية على فتح القدير، كتاب الزكاة، فصل وليس في الحملان والفصلان، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۹۔

أخذ البغاة والسلاطين الجائرة زكاة الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج لا إعادة على أربابها إن صرف المأخوذ في محله الآتي ذكره وإلا يصرف فيه فعليهم فيما بينه وبين الله تعالىٰ إعادة غير الخراج. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب فيما لو صادر السلطان جائرًا، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۱۵، كراچي ۲/۲۸۸-۲۸۹)

ولو أخذ العشر والخراج والزكاة بغاة لم يؤخذ أخرى (كنز) وفي البحر: قال في الهداية: وأفتوا بأن يعيدوها دون الخراج لأنهم مصارف الخراج لكونهم مقاتلة والزكاة مصرفها الفقراء ولا يصرفونها إليهم ...... وكذا الدفع إلى كل جائر لأنهم بما عليهم من التبعات فقراء والأول أحوط. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۸۹، كوئٹه ۲/۲۲۳) ←

مسئلہ عشر میں بہشتی زیور اور ''علاج القحط والوباء'' کی عبارت میں تعارض

سوال (۸٦٧): قدیم ۲/ ٦١ - ''بہشتی زیور'' حصّہ سوم، ص: ۳۹ میں ہے (۱) اگر کھیت کو سینچنا نہ پڑے فقط بارش کی پانی سے پیداوار ہوگئی یا ندی اور دریا کے کنارے پر ترائی میں کوئی چیز بوئی اور بے سینچے پیدا ہوگئی تو ایسے کھیت میں جتنا پیدا ہوا ہے اس کا دسواں حصّہ خیرات کردینا واجب ہے الخ اور اگر کھیت کو پر چلا کر کے یا کسی اور طریق سے سینچا ہے تو پیداوار کا بیسواں حصّہ خیرات کرے۔فقط

اس سے معلوم ہوا کہ نہری اور بارانی کھیت میں دسواں حصّہ واجب ہے اور چاہی میں بیسواں اور علاج القحط والوبأ میں مرقوم ہے اگر بارانی ہو تو دسواں اور اگر چاہی یا نہری ہو تو بیسواں حصّہ واجب ہے، اب عرض یہ ہے کہ حکم علاج القحط میں نہری کا حکم صراحتاً بیسواں حصّہ مرقوم ہے اور عربی کتابوں سے نہری کا حکم دسواں حصّہ معلوم ہوتا ہے۔

كما في القدوري: العشر واجب سواء سقى سيحاً أوسقته السماء ازيں سواء. (۲)

اس عرضداشت کے جواب سے ممتاز فرمانا (۱) سینچنے سے کیا مراد ہے؟ (۲) گرستی کا اسباب گرستی کے معنی کیا ہیں؟

الجواب: کچھ تعارض نہیں جس نہری میں دسواں لکھا ہے وہ وہ ہے جس میں سینچنا یعنی آبپاشی کرنا اور قیمت دینا نہ پڑے؛ چنانچہ بہشتی زیور کی پہلی عبارت میں اسکی تصریح ہے اور جس نہری میں بیسواں حصّہ لکھا ہے مراد اس سے جس میں آبپاشی کرنا پڑے یا پانی کی قیمت دینا پڑے گرستی کے معنی ''**أثاث البيت**'' (۳)

← مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، فصل في الخيل، قبيل باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۰۲-۳۰۳۔

(۱) بہشتی زیور، پیداوار کی زکوۃ کا بیان، کتب خانہ اختری سہارن پور حصہ: سوم، ص: ۳۰۔

(۲) **المختصر القدوری، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الزروع الثمار، مکتبه امدادیة دیوبند ص: ۴۹.**

(۳) فیروزاللغات، کتب خانہ چوڑی والان دہلی ص: ۸۰۵۔

اورعشر کا لفظ عربی کتابوں میں بعض اوقات عام معنی میں آتا ہے عشر و نصف عشر دونوں کو شامل ہے (۱) درمختار میں تفصیل مذکور موجود ہے۔ (۲)

رجب ۱۳۳۶ ہجری (تتمہ خامسہ، ص ۶۲)

وجوب عشر کے مسئلہ میں سرکاری زمین کا کیا حکم؟

سوال (۸۶۸): قدیم ۲/ ۶۱ - علاقہ پنجاب میں سرکار نے کچھ اراضی نہر کے پانی پر آباد کی ہے، اس اراضی کی ابتدائی حالت یہ تھی کہ ایک جنگل بیابان تھا سوائے گھاس کے کچھ پیداوار نہ ہوتی تھی کچھ لوگ اپنے مویشی اس جنگل میں چرایا کرتے تھے اور سرکار کو کچھ نقد اس کے معاوضہ میں دیدیا کرتے تھے۔ جب سرکار کا ارادہ نہر کا پانی لاکر اُس اراضی کو آباد کرنے کا ہوا تو وہاں کے باشندوں کو کہا کہ تم اس اراضی کو آباد کرو انہوں نے کہا کہ ہم سے کھیتی کا کام نہیں ہوسکتا ہے تو سرکار نے باہر سے لوگوں کو بلاکر اس اراضی کو آباد کرایا اِس وقت وہاں پر مختلف ملکوں کے لوگ آباد ہیں۔ بندہ خاکسار کا بھی کچھ تعلق وہاں پر ہے سرکار نے وہ اراضی فی الحال لوگوں کو موروثی کردی ہے اور کچھ لگان نقد مقرر شدہ ششماہی یا سالانہ کاشتکاروں سے لیتی ہے

---

(۱) **هو (العشر) واحد الأجزاء والمراد به هنا ما ينسب إليه لتشمل الترجمة نصف العشر.** (شامي، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲٦٤، كراچي ۲/ ۳۲٥)

والمراد بالعشر ما ينسب إليه كمامر فيشمل العشر ونصفه المأخوذين من أرض المسلم وربعه المأخوذ منه إذا مر على العاشر. (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۸۳، كراچي ۲/ ۳۳۹)

(۲) **وتجب (العشر) في مسقي سماء وسيح كنهر (وقوله) ويجب نصفه في مسقي غرب أي دلو كبير ودالية أي دولاب لكثرة المؤنة، وفي كتب الشافعية: أو سقاه بما اشتراه وقواعدنا لا تأباه ولو سقي سيحًا وبآلة اعتبر الغالب ولو استويا فنصفه وقيل ثلاثة أرباعه.** (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲٦٥ تا ۲٦۹، كراچي ۳/ ۳۲٦ تا ۳۲۸)

الدر المنتقي على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الخارج، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۱۷ تا ۳۲۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور مالک خود سرکار بنی ہوئی ہے۔ جب سے وہ اراضی آباد ہوئی ہے سب کاشتکار وہاں کے اس کی آمدنی سے عشر برابر ادا کرتے رہے جیسے اور ملکوں میں پنجاب ہندوستان میں عشر نکالا جاتا ہے اور اس عشر کو برابر لوگ واجب سمجھتے رہے؛ لیکن کچھ عرصہ سے ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا کہ یہ اراضی سلطانی ہے اس میں نہ عشر واجب ہے نہ خراج نقل فتویٰ حسب ذیل مکتوب ہے۔

أراضي المملكة والحوز لاعشرية ولا خراجية لاشئی علی زراع الأراضي السلطانية من عشر أوخراج سوی الأجرة (درمختار) قلت وهذا نوع ثالث يعني لاعشرية ولاخراجية من الأراضی تسمی أرض المملكة وأراضی الحوز وهومامات أربابه بلا وارث وآل لبيت المال أوفتح عنوة وأبقی للمسلمين الی يوم القيٰمة وحكمه علی ما في التاتارخانية أنه يجوز للامام دفعه للزارع بأحد الطريقتين إمّا بإقامتهم مقام الملاک في الزراعة و اعطاء الخراج وإمّا باجارتها لهم بقدر الخراج فيكون الماخوذ في حق الامام خراجاً ثم إن كان دارهم فهو خراج موظف وإن كان بعض الخراج فخراج مقاسمة واوما في الإكراه فأجرة لاغيره لاعشر ولاخراج فلما دل الدليل علی عدم لزوم المؤنتين العشر والخراج في أراضي المملكة والحوز كان الماخوذ منها أجرة لاغير. اه مافي الدر المنتقیٰ ملخصاً قلت فعلی هذا لاشئی علی زراعها من عشر اوخراج. شامی ج ثالث ، ص ۳۹۵. (۱)

از مسائل مسطورہ بالا مستفاد گردید کہ زمینہائے سلطانیہ یعنی مالکان سوائے سلطان ندارند نہ عشری نہ خراجی. فقط اہ

فتویٰ مذکورہ بالا ایک اور مولوی صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا انہوں نے حسب ذیل جواب لکھا:

نقل جواب: ایک روایت شامی باب الرکاز میں یہ دیکھی گئی۔

واحترز به عن داره وأرضه وأرض حرب إلی أن قال فإن أرضها (دار الحرب) ليست أرض خراج وعشر الخ. (۲)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب: لاشئ علی زرّاع الأرض السلطانية من عشر أو خراج، مكتبه زكريا ديوبند ۶/۲۹۲-۲۹۴، كراچي ۴/۱۷۸-۱۷۹۔

(۲) شامي، كتاب الزكاة، باب الركاز، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۵۷، كراچي ۲/۳۲۰۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان وغیرہ اراضی دار الحرب میں عشر اور خراج کچھ نہیں ہے۔ ملک سندھ میں ایک مولوی صاحب ہیں انہوں نے حکم میں لکھا ہے کہ اراضی مذکورہ بالا میں عشر واجب ہے مثل اراضی پنجاب و ہندوستان کے اور فتویٰ مذکورہ بالا کی عبارت کو اراضی مصر وشام کے ساتھ مختص کرتے ہیں، یعنی شامی نے جو کچھ لکھا ہے وہ اراضی مصر وشام کی بحث ہے عام نہیں اور شامی کی بعض عبارات سے وجوب عشر ثابت کرتے ہیں، طوالت کی وجہ سے اس فتوے کی عبارت کو نقل نہیں کیا گیا۔ فقط

حضور والا کی خدمت عالیہ میں ہم لوگ عرض کرتے ہیں کہ اراضی مذکورہ بالا میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ علاوہ اس اراضی کے ہندوستان و پنجاب کی زمین کا کیا حکم ہے۔ عشری ہے یا خراجی ہے پہلے فتویٰ کی عبارت کا اور شامی باب الرکاز کی روایت کا کیا مطلب ہے بحوالہ کتب معتبرہ مفصل جواب سے سرفراز فرمایا جاوے؟

الجواب: اراضی سلطانیہ کا وہ حکم اس لیے ہے کہ وہ بیت المال یا عامۃ المسلمین کی ہے۔

كما في رد المحتار: وهذا نوع ثالث يعنى لاعشرية ولاخراجية من الأراضي تسمى أرض المملكة وأراضي الحوز وهومن مات أربابه بلا وارث وآل لبيت المال أوفتح عنوة وأبقى للمسلمين إلى يوم القيٰمة (ص ٣٩٥ ، ج ٣) (١)

اور اراضی مذکورہ فی السوال ایسی نہیں پس اس حکم پر حکم مذکور کی بناء ہی جائز نہیں۔ پھر خود اراضی مذکورہ کے اس حکم میں بھی کلام ہیں۔

كما قال في ردالمحتار و بأنّ الملك غير شرط فيه بل الشرط ملك الخارج إلي قوله فكان ملك الأرض وعدمه سواء كما في البدائع ثم إلي قوله فالقول بعدم الوجوب في خصوص هذه الأرض يحتاج الى دليل خاص ونقل صريح الخ ٣/٣٩٤. (٢)

---

(١) شامي، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٢٩٤، كراچي ٤/١٧٩۔

(٢) شامي، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب أراضي المملكة والحوز، مكتبه زكريا ديوبند٦/٢٩٣، كراچي ٤/١٧٨۔

خصوصاً صاحبین کے قول پر کہ عشر مالک پیداوار پر ہے مالک زمین پر نہیں۔

كما في ردالمحتار: قلت فعلى هذا لاشئى على زارعها من عشر أوخراج إلا على قولهما بان العشر على المستأجر كما مر فى بابه ، ص ٣٩٥ ، ج٣) (١)

اور باب مذکورہ میں ہے:

"وفي الحاوي القدسي وبقولهما نأخذ" ج٢،ص٨٨۔(٢)

اور بعض جزئیات سے جو شبہ سقوط عندھما کا ہوتا ہے تو اسکی بناء یہ ہے کہ انہوں نے اُجرت کو خراج کہا ہے مکرر خراج کو واجب نہیں کہا۔

كما في ردالمحتار: وأما على قولهما فالظاهر أنه كذلك لِما علمت من أن المأخوذ ليس أجرة من كل وجه لأنه خراج في حق الإمام ٢/٨٩. (٣)

پس ثابت ہوگیا کہ ان عبارتوں سے اس پر استدلال نہیں ہوسکتا، پھر جس اراضی پر خراجی کی تعریف صادق آوے اس پر خراج ہے اور جس پر عشری کی تعریف صادق آوے اس پر عشر ہے؛ البتہ درمختار باب الرکاز کی عبارت مشعر ہے عدم وجوب عشر وخراج کو۔ مگر یہ موقوف ہے دارالحرب ہونے پر اور اس میں گنجائشِ کلام ہے۔

۲۲/رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمہ۵،ص۳۰۶)

---

(١) شامي، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج، مطلب لا شئ على الفلاح لو عطلها، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٢٩٤، كراچي ٤/١٧٩۔

(٢) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند٣/٢٧٧، كراچي ٢/٣٣٤۔

(٣) رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين، مكتبه زكريا ديوبند٣/٢٧٨، كراچي ٢/٣٣٥۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ان سبزیوں میں عشر کا حکم جو کرایہ کے باغ میں پیدا ہو؟

سوال (۸۶۹): قدیم ۲/۶۴ - ازقسم ترکاری باجازت صاحب باغ اگر زراعت کردہ شود مثل میتھی و باذنجان وکدو وترئی ومرچ وغیرہ وغیرہ شرعاً برآں ہم چیزے عشر لازم می شود یا نہ؟

اگر شود از قیمت آں یا از نفس آں دادہ میشود آب چاہ می باشد اگر آب تالاب می باشد چہ حکم ست مثلاً کسے کدام باغ را باجارہ گیرد بایں شرط کہ تمام ثمرہ درخت را تا یک سال باجارہ گرفت وقدرے قدرے دراں باغ زمین خالی ہم باشد بخوشی ورضائے مالکِ باغ دراں زراعت ترکاری ہم کرد ازاں باغ ہرچہ فائدہ شود یا نقصان؟ مقدار مبلغ حصول از باغ عشر دادہ میشود یا زکوٰۃ موافق شرع باید داد حکم شرع را بیان فرمائید۔

الجواب: عشر لازم میشود خواہ از قیمت دہند یا از عین آں (۱) وآب تالاب وآبِ چاہ یک حکم دارد

سوال کا ترجمہ: مالک باغ کی اجازت سے اگر ترکاری کی قبیل سے کوئی چیز بوئی جائے، مثلاً میتھی، بیگن، کدو، ترئی اور مرچ وغیرہ تو شرعاً ان چیزوں پر بھی عشر لازم ہوگا یا نہیں؟

اگر لازم ہوگا تو کنویں کے پانی کی صورت میں ان کی قیمت سے یا بعینہ انہی چیزوں سے عشر ادا کیا جائے گا؟ اور اگر تالاب کا پانی ہو تو کیا حکم ہے؟ مثلاً کوئی شخص کوئی باغ کرایہ پر لے اس شرط پر کہ درخت کے تمام پھلوں کو ایک سال تک کرایہ کے عوض لے لے گا اور تھوڑی تھوڑی زمین اس باغ میں خالی ہو تو مالک باغ کی خوشی واجازت سے اس میں ترکاری کی کھیتی بھی کرے، تو اس باغ سے جو کچھ فائدہ یا نقصان ہو باغ کے پیداوار کی کل مقدار سے عشر دیا جائے گا یا شریعت کے موافق زکوۃ دینی چاہئے؟ حکم شرعی بیان فرمائیں۔

جواب کا ترجمہ: عشر لازم ہوگا خواہ قیمت سے دیں یا بعینہ ان چیزوں سے، اور تالاب کے پانی اور کنویں کے پانی کا، ایک ہی حکم ہے کہ اس میں نصف عشر واجب ہوگا؛ جبکہ پانی کسی آلہ سے پہونچایا گیا ہو (سینچائی کی گئی ہو) جیسا کہ درمختار میں ہے۔ اور مثال میں باغ کے اجارہ کی جو صورت فرض کی گئی ہے وہ جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ اجارہ عین شئے کے استہلاک پر وارد ہوا ہے؛ لہٰذا باغ کا پھل بدستور مالک اصلی کی ملک میں باقی رہے گا اور اس کا عشر بھی اسی کے ذمہ واجب ہوگا اور خالی زمین میں مالک کی اجازت سے جو کھیتی کی گئی ہے، وہ کاشت کار کی ملک میں رہے گی اور اس کا عشر اسی (کاشت کار) کے ذمہ واجب ہوگا۔ بقیہ ترجمہ اگلے ص: ۳۴۷ پر

(۱) **عند أبي حنيفة يجب العشر في الخضراوات ويخرج حقها يوم الحصاد أي القطع.**

(شامي، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲٦٤، كراچي ۲/ ۳۲۵) ←

کہ درونصف عشر واجب می شود چوں باآلہ آب رسانیدہ شود کذا فی الدر المختار(۱) وآنچہ در مثال صورت اجارہ باغ فرض کردہ شدہ است ایں اجارہ جائز نیست لورودہ علی استہلاک العین (۲)

بقیه ترجمه: یہ تمام تفصیل اس جگہ ہے جہاں عشری زمین ہو، اور اگر خراجی زمین ہو تو عشر واجب نہ ہوگا اور عشری اورخراجی زمین کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے، مثلاً صفائی معاملات میں اور زکوۃ اس وقت واجب ہوگی جب پھل یا غلہ فروخت کرکے اس کا روپیہ جمع کرلیا جائے اور مقدارِ نصاب پر جو کہ دین وغیرہ سے خالی ہو سال گذر جائے۔

← **فأما كون الخارج معاله ثمرة باقية فليس بشرط لوجوب العشر؛ بل يجب سواء كان الخارج له ثمرة باقية أو ليس له ثمرة باقية وهي الخضراوات كالبقول والرطاب والخيار والقناء والبصل والثوم ونحوها في قول أبي حنيفة.** (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، زكاة الزروع والثمار شروط المحيلة، مكتبه زكريا ديوبند۲/ ۱۷۸)

ذهب أبوحنيفة إلى أن الزكاة تجب في كل ما يقصد بزراعته استنماء الأرض من الثمار والحبوب والخضراوات والأبازير وغيرها مما يقصد به استغلال الأرض. (الموسوعة الفقهية الكويتية، كتاب الزكاة ۲۳/ ۲۷۸)

(۱) ويجب نصفه (العشر) في مسقي غرب أي دلو كبير ودالية أي دولاب لكثرة المؤنة. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۶۸، كراچي ۲/ ۳۲۸)

كنز الدقائق على البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۱۵، كوئٹه ۲/ ۲۳۸۔

ويجب نصف العشر فيما سقي بالمؤن كالدوالي (النواعير) النواضح. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الزكاة، المطلب الرابع زكاة الزروع والثمار، خامسًا مقدار الواجب وصفته، مكتبه أشرفية ديوبند ۲/ ۷۲۹)

(۲) لاتجوز إجارة الشجر والكرم للثمر لأن الثمر عين والإجارة بيع المنفعة لا بيع العين (وقوله) ولا استئجار المكيلات والموزونات؛ لأنه لا يمكن الانتفاع بها إلا بعد استهلاك أعيانها والداخل تحت الإجارة المنفعة لا العين. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب الإجارة ومعناها، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۱۷)

موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، عقد الإيجار، ركن الإجارة ومعناها، مكتبه اشرفية ديوبند ۴/ ۵۲۶۔ ←

ثمر باغ بدستور درملکِ مالک اصلی خواہد ماند وعشرش بذمہ او واجب خواہد بود وآنچہ درزمین خالی باذن مالک کاشت کردہ است آں درملک کاشت کنندہ خواہد بود وعشر بذمہ ایں واجب خواہد شد وایں ہمہ آنگاہ است کہ زمین عشری باشد واگر خراجی باشد عشر واجب نخواہد بود(۱) وتفصیل عشری وخراجی درکتب فقہ موجود است مثلاً درصفائی معاملات وزکوٰۃ وقتے واجب باشد کہ ایں ثمرہ یا غلہ فروخت کردہ روپیہ اوجمع کردہ شود برقدرنصاب ازانکہ فارغ از دین وغیرہ باشد سال کامل گزارد(۲)۔(تتمہ اولی،ص ۳۱۶)

← **إن عقد الإجارة على استهلاک الأعيان مقصودًا كمن استأجر بقرة ليشرب لبنها لا يصح وكذا لو استأجر بستانا ليأكل ثمره.** (شامي، كتاب الإجارة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۱۰، كراچي ۶/ ۸)

(۱) **منها شرائط المحلية: أن تكون الأرض عشرية، فإن كانت خراجية يجب فيها الخراج ولا يجب في الخارج منها العشر.** (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، شروط المحلية، مكتبه زكريا ديوبند۲/ ۱۷۵)

موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، المطلب الرابع زكاة الزروع والثمار ثانيًا شروط زكاة الزروع والثمار، مكتبه أشرفية ديوبند۲/ ۷۲۰۔

(۲) **عن أبي سعيد الخدريؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس فيما دون خمس ذود صدقة من الإبل وليس في مادون خمس أواق صدقة، وليس في مادون خمسة أوسق صدقة.** (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب زكاة الورق ۱/ ۱۹۴، رقم:۱۴۲۷، ف:۱۴۴۷)

مسلم شريف، كتاب الزكاة ۱/ ۳۱۵، بيت الأفكار رقم:۹۷۹۔

عن عائشةؓ قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول. (ابن ماجه، كتاب الزكاة، باب من استفاد مالا ۱/ ۱۲۸، رقم:۱۷۹۲)

وسببه ملک نصاب حولي تام فارغ عن دين له مطالب جهة العباد وعن حاجته الأصلية نامٍ لو تقديرًا. (تنوير الأبصار على رد المحتار، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند۳/ ۱۷۴-۱۷۹، كراچي ۲/ ۲۵۹-۲۶۳)

ملتقي الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۸۵

كنز الدقائق، كتاب الزكاة، مكتبه مجتبائي دهلى ص:۵۶۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

چری کے کھیت میں عشر ہے

سوال (۸۷۰): قدیم ۲/۶۴- چری جو بیل، بھینس وغیرہ ہری کھاتے ہیں جو بونے سے تھوڑے ہی عرصہ بعد کاٹنا شروع ہوجاتی ہے جانوروں کے کھلانے کے واسطے اور جب تک اس میں جوار آتی ہے بہت کاٹ کر جانوروں کو کھلادی جاتی ہے، ایسی زراعت میں زکوٰۃ کس صورت سے ادا کی جائے اور زکوٰۃ چری پر بھی ہے اور جوار پر بھی اور چری پر ہے تو چری کا کھڑا دسواں حصّہ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: دسواں یا بیسواں حصّہ جیسی زمین ہو سب پیداوار پر ہے۔(۱)

---

(۱) **عن سالم بن عبد الله عن أبيه رضي الله عنه عن النبي صليى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريًّا العشر وما سقي بالنضح نصف العشر.** (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب العشر فيما ليسقي، النسخة الهندية ۱/۲۰۱، رقم: ۱٤٦۱)

تجب (العشر) في سقي سماء أي مطر وسيح كنهر (وقوله) إلا فيما لا يقصد به استغلال الأرض نحوحطب وقصب فارسي وحشيش (وقوله) حتى لو اشغل أرضه بها يجب العشر ويجب نصفه في مسقي غرب أي دلو كبير و دالية أي دولاب لكثرة المؤنة. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲٦٥ تا ۲٦۸، كراچي ۲/۳۲٦ تا ۳۲۸)

فذهب أبو حنيفةؒ إلى أن الزكاة تجب في كل ما يقصد بزراعته استنماء الأرض من الثمار والحبوب والخضراوات والأبازير وغيرها مما يقصد به استغلال الأرض دون ما لا يقصد به ذلك عادة كالحطب والحشيش والقصب (إلى قوله) لكن لو قصد بشئ من هذه الأنواع كلها أن يشغل أرضه بها لأجل الاستنماء وجبت الزكاة فالمدار على القصد. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/۲۷۸-۲۷۹)

الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۲۰۱-

تجب الزكاة في قليل ما أخرجته الأرض وكثيره إلا الحطب والقصب الفارسي (إلى قوله) أما إذا اتخد أرضه مقصبة أو مشجرة أو منبتًا للحشيش وساق إليه الماء ومنع الناس عنه فيجب فيه العشر. (موسوعة الفقه الإسلامي، والقضايا المعاصرة، كتاب الزكاة، المطلب الرابع زكاة الزروع والثمار ثالثًا ما تجب فيه الزكاة، مكتبه أشرفية ديوبند ۲/۷۲۲)

اس صورت میں بہتر ہے کہ کھڑے کھیت میں سے اندازہ کر کے اتنا علیحدہ کر دیا جائے۔ اخیر میں اس کو یا اس کے داموں کو مصرفِ عشر میں خرچ کر دیا جائے۔(۱)

۳/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولی، ص ۵۷)

جواب یک سوال غیر مذکورہ دربارہ زمین عشری

السلام علیکم درمختار میں ہے: **یجب العشر الی قوله ومسقی سماء الخ** اوراسی میں ہے ''**إلا في نحو حطب وقصب فارسي وحشيش وتبن**''۔

اور ردالمحتار میں ہے:

غير أنه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فيه لأنه صار هوالمقصود (۸۰/۲) (۲)

اس روایت کی بناء پر آپ کے سوال میں اس روپیہ فی صدی عشر واجب ہے اور بھوسہ میں نہیں؛ لیکن دانہ پڑنے سے پہلے جتنا کاٹ لیا جاوے جیسے خوید کہلاتے ہیں اس میں عشر ہوگا۔

۲۱/ شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص ۸۰)

---

(۱) **مصرف الزكاة والعشر ...... هو فقير وهو من له أدنى شيئ أي دون النصاب أوقدر نصاب غير تام مستفرق في الحاجة ومسكين من شيئ له.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۲۸٤/۳، كراچي ۳۳۹/۳)

هو (المصرف) هو الفقير والمسكين وهو أسوأحالا من الفقير والعامل والمكاتب والمديون (كنز) وفي البحر: ولم يقيده في الكتاب بمصرف الزكاة ليتناول الزكاة والعشر. (كنز الدقائق مع البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند۲/٤۱۹، كوئٹه۲/۲٤۰-۲٤۱)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب مهم في حكم أراضي مصر، مكتبه زكريا ديوبند ۲٦٤/۳ تا ۲٦۷، كراچي ۳۲۵/۲ تا ۳۲۷۔

قال أبو حنيفةؒ: في قليل ما أخرجته الأرض وكثيره العشر سواء سقى سيحًا أوسقته السماء إلا الحطب والقصب والحشيش (إلى قوله) بخلاف السعف والتبن؛ لأن المقصود الحب والتمر (الهداية) وفي الفتح: وإنما لم يجب في التبن؛ لأنه غير مقصود بزراعة الحب غير أنه فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فيه؛ لأنه صار هو المقصود. ←

تحقیق خراج

سوال (۱۷۸):قدیم۲/۶۵- آج کل خراج کا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں اگر ادا کیا جائے تو اس کا مصرف اور مقدار کیا ہے؟

الجواب : **في الدرالمختار: يجوز ترك الخراج للمالك لا العشر وفي ردالمحتار: ترك السلطان أونائبه الخراج لرب الأرض أووهبه ولو بشفاعة جاء عند الثاني وحل له لو مصرفا وإلا تصدق به، به يفتى وما في الحاوى من ترجيح حله لغير المصرف خلاف المشهور ۲/۱۹. (۱)**

←(هداية مع فتح القدير، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه زكريا ديوبند۲/۲٤۸-۲۵۱)

قال العيني في شرح الهداية: قلت: إنما لا يجب العشر في التبن؛ لأن العشر كان واجبًا قبل إدراك الزرع في الساق حتى لو فصله يجب العشر في الفصيل، فإذا أدرك تحول العشر في الساق إلى الحب. (البناية شرح الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه اشرفيه ديوبند۳/٤۲۵)

يجب (العشر) في عسل أرض العشر ومسقي سماء وسيح ...... إلا الحطب والقصب والحشيش (كنز) وفي التبيين: وعلى هذا كل مالا يقصد به استغلال الأرض لا يجب فيه العشر وذلك مثل السعف والتبن وكل حب لا يصلح للزراعة. وفي حاشية الشلبي: قوله: (والتبن) قال الكمال: وإنما لم يجب في التبن لأنه غير مقصود بزراعة الحب غير أنه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فيه ؛ لأنه صار هو المقصود. (تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۰۱-۱۰٤، كوئٹه۱/۲۹۱-۲۹۲) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، قبيل مطلب: في بيان بيوت المال، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۸۱، كراچي۲/۳۳۷۔

ولو ترك السلطان لإنسان خراج أرضه جاز عند أبي يوسفؒ، وقال محمدؒ: لا يجوز والفتوى على قول أبي يوسفؒ إن كان صاحب الأرض مصرفًا له. (البحر الرائق، كتاب السير، باب العشر والخراج والجزية، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۱۸۵-۱۸٦، كوئٹه۵/۱۱۰) ←

وفي الدرالمختار: وثالثها خراج (إلى قوله) وثالثها حواه مقاتلونا. وفي رد المحتار: الذى في الهداية وعامة الكتب المعتبرة أنه يصرف في مصالحنا كسدالثغور وبناء القناطر والجسور وكفاية العلماء والقضاة والعمال ورزق المقاتلة وذراريهم. ۲/۹۲–۹۳. (۱)

اس عبارت سے یہ امور مستفاد ہوئے:

(۱) اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہوتو اپنے صرف میں خراج لاسکتا ہے۔

(۲) اگر یہ مصرف نہ ہوتو اس میں اختلاف ہے۔

(۳) مصارف خراج میں سے علماء بھی ہیں۔

۲۷/محرم الحرام ۱۳۳۳ھ

← وفي البحر: لو وهب السلطان لإنسان الخراج جاز عند أبي يوسفؒ وعليه الفتوى إن كان صاحب الأرض مصرفا له خلافا لمحمدؒ ولو ترك له عشر أرضه لا يجوز له بالإجماع. (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، قبيل فصل في الجزية، دار الكتب العلمية بيروت ۲/٤٦٨)

وفي الحاوي القدسي: ما يخالفه فإنه قال: وإذا ترك الإمام خراج أرض رجل أو كرمه أو بستانه ولم يكن أهلاً لصرف الخراج إليه عند أبي يوسفؒ يحل له وعليه الفتوى. وعند محمد لا يحل له وعليه رده وفي منحة الخالق: قال في النهر ما نقله في الحاوي القدسي مخالف لما نقله العامة عن أبي يوسفؒ وقال الرمليؒ: الظاهر أن في عبارة الحاوي سقطًا وأصلها لا يحل. (البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب السير، باب العشر والخراج والجزية، مكتبه زكريا ديوبند۵/۲۰۰–۲۰۱، كوئٹه۵/۱۱۸)

ترك له السلطان خراج أرضه جاز عند الثاني إن كان مصرفًا وبه يفتى. وكذا لووهب له، وقال محمدؒ: لا يجوز، وما في الحاوي القدسي من أنه يحل له على قول الثاني. وإن لم يكن مصرفًا وهو الفتوى مخالف لما نقله العامة عنه. (النهر الفائق، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج، فصل في الجزية، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲٤۰)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، قبيل باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲۸۲–۲۸۳، كراچي ۲/۳۳۸۔

ويصرف الخراج والجزية وما أخذ من بنى تغلب أو من أرض أجلي أهلها عنها ←

زکوٰۃ الفرض في نبات الأرض

بعد الحمد و الصلوۃ اس احقر کے پاس ایک مخدوم واجب الاحترام کا والا نامہ بحکم ضبط کردینے مسائل عشر کے آیا امتثالا للأمر ان مسائل کو جمع کیا گیا اور حسب ایماء ان بزرگ کے اس کو ایک رسالہ قرار دے کر ایک مناسب نام بھی اس کا تجویز کر دیا گیا۔ اب اس سوال و جواب کی نقل کی جاتی ہے۔

سوال (۸۷۲): قدیم ۲/ ٦٦- گزارش یہ ہے کہ درباب عشر جو ہم لوگوں کے پاس زمینیں ہیں عجب خلجان رہتا ہے اکثر اس باب میں دریافت فرماتے رہتے ہیں۔ ایک قسم کی زمین معافی ہوتی ہے دوسرے مضبطہ جن کا محصول گورنمنٹ انگریزی کو دیا جاتا ہے ان ہر دو قسم کی زمینوں کو کبھی مالک کاشت کرتا ہے یا اکثر غلہ یا روپیوں پر اجارہ دیتا ہے بعض دفعہ بٹائی پر کاشتکاران کو مالک دیتا ہے بعض کی آبپاشی بوجہ انہار گورنمنٹ روپیہ آبپاشی دیکر ہوتی ہے بعض کی چاہات سے ہوتی ہے بعض کی محض باران سے ہوتی ہے ان سب میں عشر یا نصف عشر ہے یا زمین معافی میں عشر ہے زمین مضبطہ میں نہیں ہے جو زمینیں اجارہ پر دی گئی ہیں ان میں کاشتکاران پر عشر عائد ہوگا یا مالکانِ زمین پر الحاصل اس مسئلہ کی اشد ضرورت ہے عموماً سب کو تساہل اس باب میں ہو رہا ہے۔

الجواب: الرواية الاولى في الدر المختار من باب العشر من الزكوٰة وتجب في مسقى سماء أي مطر وسيح كنهر بلا شرط نصاب راجع للكل وبلا شرط بقاء وحولان حول لأن فيه معنى المؤنة ولذا كان للامام أخذه جبرأ ويوخذ من التركة ويجب مع الدين في أرض صغير ومجنون ومكاتب وماذون ووقف وتسمية زكاة مجاز إلا في مالا يقصد به استغلال الأرض نحو حطب وقصب فارسي وحشيش وتبن وسعف وصمغ وقطران

← أو أهداه أهل الحرب وأخذ منهم بلا قتال في مصالح المسلمين كسد الثغور وبناء القناطر والجسور وكفاية العلماء والمدرسين والمفتين والقضاة والعمال والمقاتلة وذراريهم. (ملتقي الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، قبيل باب المرتد، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٨٤-٤٨٥)

كنز الدقائق على هامش البحر الرائق، كتاب السير، باب العشر والخراج، والجزية، قبيل باب أحكام المرتدين، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ١٩٨-٢٠١، كوئٹه ٥/ ١١٧.

الهداية، كتاب السير، باب الجزئية، مكتبه أشرفية ديوبند ٢/ ٥٩٩. شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وخطمي وأشنان وشجر قطن وباذنجان وبزر وبطيخ وقثاء وأدوية كحلبة وشونيز حتى لو

أشغل أرضه بها يجب العشر ويجب نصفه في مسقى غرب أي دلو كبير ودالية أي دولاب لكثرة المؤنة وفي كتب الشافعية أوسقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتأباه ولو سقى سيحاً وبآلة اعتبر الغالب ولو استويا فنصفه وقيل ثلثة أرباعه بلا رفع مؤن أي كلف الزرع وبلا إخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كل الخارج (إلى قوله) وأخذ الخراج من ذمى اشترى أرضا عشرية وأخذ العشر من مسلم أخذها منه من الذمى بشفعة اوردت عليه لِفساد البيع. اھ مختصراً في رد المحتار: قوله وتبن بالباء الموحدة قال في الفتح غير أنه لو فصله قبل انعقاد الحَب وحب العشر فيه لأنه صار هوالمقصود۔ (۱)

الرواية الثانية: في الدر المختار ويؤخذ العشر عند الإمام عند ظهور الثمرة وبدو صلاحها، برهان (إلى قوله) لايحل الخ في رد المحتار واختلفوا في وقت العشر في الثمار والزروع فقال أبوحنيفةؒ وزفرؒ يجب عند ظهور الثمرة والأمن عليها من الفساد فيه تحت قوله لايحل الخ في الواقعات عن البزازية لايحل الأكل من الغلة قبل أداء الخراج وكذا قبل أداء العشر إلا إذا كان المالك عازماً على أداء العشر ۔اھ وهو تقييد حسن۔(۲)

الرواية الثالثة: في الدر المختار ويسقطان بهلاک الخارج في رد المحتار: قوله ويسقطان أي العشر وخراج المقاسمة (إلى قوله) وفي البزازية هلاک الخارج بعد الحصاد لايسقطه وقبله يسقط لوبآفة لاتدفع كالغرق والحرق وأكل الجراد والحر والبرد أما إذا أكلته الدابة فلا لإمكان الحفظ عنها غالبًا۔(۳)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲٦٥ تا ۲۷۱، كراچي ۲/۳۲٦ تا ۳۳۰۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲۷۳-۲۷٤، كراچي ۲/۳۳۱-۳۳۲۔

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۷٥، كراچي ۲/۳۳۳۔

الرواية الرابعة: في الدر المختار ولو باع الزرع إن قبل إدراكه فالعشر على المشتري ولو بعده فعلى البائع۔(۱)

الرواية الخامسة: والعشر على الموجر كخراج موظف وقالا: على المستأجر كمستعير مسلم وبقولهما نأخذ

وفي المزارعة: إن كان البذر من رب الأرض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصّه في ردالمحتار قوله كخراج موظف فإنه على المؤجر اتفاقاً إلى قوله وأما خراج المقاسمة وهو كون الواجب جزء اشائعاً من الخارج كثلث وسدس ونحوهما فعلى الخلاف كذا في شرح دررالبحار وكذا الخراج الموظف على المعير ۔ ذخيرة: أي اتفاقاً۔ بدائع أما العشر فعلى المستعير كما يأتي بحث قوله وبقولهما نأخذ فلا ينبغي العدول عن الإفتاء بقولهما في ذلک؛ لأنهم في زماننا (إلى قوله) والا فبقولهما لما يلزم عليه من الضرر الواضح الذى لا يقول به أحد وفيه تحت قوله وفي المزارعة لكن ماذكر من التفصيل يخالفه ما في البحر والمجتبي والمعراج والسراج والحقائق والظهيرية وغيرها من أن العشر على رب الأرض عنده عليهما عندهما من غير ذكر هذا التفصيل وهو الظاهر لما في البدائع من أن المزارعة جائزة عندهما والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما۔ اھ (إلى قوله) فكان ينبغي للشارح متابعة ما في أكثر الكتب۔ (۲)

الرواية السادسة: في الدرالمختار وثالثها خراج (إلى وقوله) حواه مقاتلونا في ردالمحتار الذى في الهداية وعامة الكتب المعتبرة أنه يصرف في مصالحنا كسد الثغور وبناء القناطر والجسور وكفاية العلماء والقضاة والعمال ورزق المقاتلة وذراريهم أي ذراري الجميع ۔ (۳)

---

(۱) الدر المختار على رد المختار، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲۷۶، كراچي ۲/۳۳۳۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، قبيل مطلب هل يجب العشر على المزارعين، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲۷۶ تا ۲۷۸، كراچي ۲/۳۳٤-۳۳٥۔

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، قبيل باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۸۲-۲۸۳، كراچي ۲/۳۳۸۔

الرواية السابعة: في الدرالمختار من باب المصرف أي مصرف الزكوة والعشر ۔ في ردالمحتار: وهو مصرف ايضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلک من الصدقات الواجبة كما في القهستاني ۔ (۱)

الرواية الثامنة: في الدرالمختار باب العشر والخراج والجزية أرض العرب وما أسلم أهله طوعاً او فتح عنوة وقسم بين جيشنا والبصرة أيضاً بإجماع الصحابة عشرية (إلى قوله) ويجب الخراج في أرض الوقف والصبي والمجنون لو كانت الأرض خراجية والعشر لو عشرية ومر في الزكوٰة۔

في ردالمحتار: تحت قوله وقسم بين جيشنا ولو قال بيننا لشمل ما إذا قسم بين المسلمين غير الغانمين فإنه عشري

لأن الخراج لا یوظف علی المسلم ابتداءً اذکرہ القہستانی در منتقی ۔(۲)

الروایة التاسعة: في ردالمحتار عن الإسعاف وإذا دفع المتولی الأرض مزارعة فالخراج أوالعشر من حصة أھل الوقف ص ۳۹۵، ج ۳۔(۳)

الروایة العاشرة: ولوأحیاہ مسلم اعتبر قربہ ما قارب الشیئ یعطی حکمہ ۔(۴)

الروایة الحادیة عشر: في الدرالمختار ولاخراج إن غلب الماء علی أرضہ أوانقطع الماء أوأصاب الزرع آفة (إلی قولہ) فإن عطلها صاحبها وکان خراجها موظفا

---

(۱) الدر المختار مع رد المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۲۸۳، کراچي ۲/۳۳۹۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزیة، مکتبہ زکریا دیوبند۶/۲۸۹ تا ۲۹۳، کراچي ۴/۱۷۶ تا ۱۷۹۔

(۳) شامي، کتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزیة، مطلب لا شئ علی الفلاح لو عطلها، مکتبہ زکریا دیوبند ۶/۲۹٤، کراچي ٤/۱۷۹۔

(۴) الدر المختار علی رد المحتار، کتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزیة، مطلب ما وقع للسلطان برتوق، مکتبہ زکریا دیوبند ۶/۳۰۱، کراچي ٤/۱۸٤۔

أوأسلم صاحبها أواشتری مسلم من ذمی أرض خراج یجب الخراج في ردالمحتار قوله ولا خراج الخ أي خراج الوظیفة وکذا خراج المقاسمة والعشر بالاولی لتعلق الواجب بعین الخارج فیهما. (۱)

الروایة الثانیة عشر: في الدرالمختار ولایؤخذ العشر من الخارج من أرض الخراج؛ لأنهما لا یجتمعان في ردالمحتار أي لوکان لہ أرض خراجها موظف لایؤخذ منها عشر الخارج وکذا لوکان خراجها مقاسمة من النصف ونحوہ وکذا لوکانت عشریة لایؤخذ منها خراج؛ لأنهما لایجتمعان الخ ۔(۲)

الروایة الثالثة عشر: **في الدرالمختار ترک السلطان أونائبہ الخراج لرب الأرض أووهبہ لہ ولو بشفاعة جاز عند الثاني: وحل لہ لو مصرفا وإلا تصدق بہ، بہ یفتی ولو ترک العشر لایجوز إجماعاً ویخرجہ بنفسہ للفقراء اہ مختصراً في ردالمحتار قولہ**

وحل لـه لـو مصرفاً كالمفتى والمجاهد والمعلم والمتعلّم والذاكر والواعظ عن علم ولا يجوز لغيرهم وكذا إذا ترك عمال السلطان الخراج لأحد بدون علمه.(۳)

ان روایات سے مسائل ذیل ثابت ہوئے (اطلاع) جہاں لفظ عشر آوے گا عشر و نصف عشر دونوں کو عام ہوگا۔

(۱) عشر یا نصف عشر اَرض عشریہ میں جس کی تعریف عنقریب آتی ہے کل پیداوار میں واجب ہوتا ہے نہ اس میں کوئی نصاب شرط ہے اور نہ قرض وغیرہ مانع ہے نہ اخراجات زراعت کے اس میں منہا کئے جاتے ہیں البتہ جو لوگ کسی خاص حصّہ پیداوار پر زراعت میں کام کرتے ہیں ان کے حصّہ کا عشر خود ان کے ذمہ ہے۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المختار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب: لايلزم جميع خراج المقاسمة، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٣٠٩ تا ٣١١، كراچي ٤/١٩٠-١٩١

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب: لورحل الفلاح من قرية لا يجبر على العود، مكتبه زكريا ديوبند٦/٣١٢، كراچي ٤/١٩٢

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب: لورحل الفلاح من قرية، مكتبه زكريا ديوبند٦/٣١٣، كراچي ٤/١٩٣

(۲) نابالغ بچہ و مجنون کی زمین میں بھی عشر واجب ہے۔

(۳) ارض وقف میں بھی عشر واجب ہے۔

(۴) ہر پیداوار میں جس سے آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو عشر واجب ہوتا ہے خواہ غلہ ہو خواہ پھل پس کھیت اور باغ دونوں میں واجب ہے۔

(۵) مقدار عشر میں تفصیل یہ ہے کہ جس کی آبپاشی بارش سے ہوئی ہو اس میں دسواں حصّہ پیداوار کا واجب ہے اور جس کی آبپاشی چاہ سے یا نہر کے خریدے ہوئے پانی سے ہوئی ہو اسمیں بیسواں حصّہ واجب ہے اور اگر دونوں طرح ہوئی ہو تو غالب کا اعتبار ہے اور اگر دونوں طریقے مساوی ہوں تو بعض کے نزدیک بیسواں حصّہ اور بعض کے نزدیک عشر کا تین ربع یعنی چالیس میں سے تین واجب ہیں۔

(۶) خوید وغیرہ جو کاٹ لیجاتی ہے اس میں بھی عشر واجب ہے اور جو تیاری کے بعد غلہ سے بھوسہ نکلتا ہے اس میں واجب نہیں۔

(۷) جب پھل قابل اطمینان ہو جائے اس وقت کے حساب سے عشر واجب ہے۔

(۸) تیاری سے پہلے جس قدر خرچ کرے گا اس سب کا حساب یاد رکھے اس کا بھی عشر دینا پڑے گا۔

(۹) اگر پھل توڑنے سے پہلے یا کھیت کاٹنے سے پہلے کسی آفت غیر اختیاری مثل برف یا غرق یا حرق وغیرہ سے پھل یا غلہ ہلاک ہو جاوے عشر ساقط ہو جاتا ہے اور اگر چوری ہو جاوے یا جانور کھا جاوے اس سے ساقط نہیں ہوتا۔

(۱۰) پکنے سے پہلے کھیت بیچ ڈالا تو اس کا عشر مشتری کے ذمہ ہے اور اگر پکنے کے بعد بیچا تو بائع کے ذمہ ہے یہی حکم پھل کا ہے۔

(۱۱) جو زمین اجارہ پر دی جاوے اس کا عشر بقول صاحبینؒ کے مفتی بہ ہے کاشتکار کے ذمہ ہے کہ وہ پیداوار کا مالک ہے اور اگر مزارعت یعنی بٹائی پر ہے تو مالک زمین و کاشتکار دونوں کے ذمہ ہے اپنے اپنے حصّہ میں۔

(۱۲) عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے یعنی مساکین جو اصول و فروع میں سے اور ہاشمی نہ ہوں اور زوج وزوجہ نہ ہو۔

(۱۳) عشری زمین وہ ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اس کو مفتوح کیا تھا اس وقت تک برابر وہ مسلمان ہی کی ملک میں چلی آئی ہو خواہ بروئے میراث یا بروے خرید یعنی درمیان میں وہ غیر مسلم کی ملک میں نہ آئی ہو اور جو ایسی نہ ہو وہ خراجی کہلاتی ہے۔

(۱۴) خراج کی دو قسم ہیں ایک موظف کہ اس کا لگان یا ایک مقرر مقدار ہے مثلاً روپیہ بیگہ یا کم وبیش، دوسرا خراج مقاسمت کہ پیداوار کا کوئی حصّہ کسی خاص نسبت سے لیا جاتا ہے مثلاً نصف یا ثلث وغیرہ

(۱۵) خراجی زمین میں خراج واجب ہوتا ہے۔

(۱۶) لیکن خراج موظف تو قدرت انتفاع زراعت سے واجب ہو جاتا ہے باوجود امکان زراعت کے اگر زمین کو معطل چھوڑے رکھے گا یہ خراج واجب ہو جائے گا۔ البتہ جب قدرت زراعت کی نہ ہو تب ساقط ہو جاتا ہے اور خراج مقاسمہ مثل عشر کے اسوقت واجب ہوگا جب واقع میں پیدا بھی ہو

(۱۷) اگر مسلمان کسی غیر مسلم سے زمین خرید لے وہ خراجی ہو گی

(۱۸) اگر مسلمان کسی غیر مسلم کے ہاتھ عشری زمین بیچ ڈالے وہ خراجی ہو جاوے گی

(۱۹) خراج کے مصارف مصالح عامہ ہیں اور علماء مدرسین و مفتیین وطلبہ کی خدمت بھی ان میں داخل ہے۔

(۲۰) عشر اور خراج دونوں ایک زمین میں واجب نہیں ہوتے۔

(۲۱) خراجی زمین سے عشر نہ نکالا جاوے گا۔

(۲۲) اسی طرح جس زمین میں عشر واجب ہے اگر اس سے خراج لیا جاتا ہو تو عشر ساقط نہ ہوگا جس طرح مال تجارت سے انکم ٹکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔

(۲۳) خراج موظف بالاجماع مالک زمین کے ذمہ ہے کاشتکار کے ذمہ نہیں البتہ خراج مقاسمۃ کا حکم مثل عشر کے ہے۔

(۲۴) اگر خراجی زمین کا محصول بادشاہ وقت کی طرف سے معاف ہو تب بھی اگر وہ خراج موظف ہے تو وہ مالک زمین کے ذمہ رہے گا آگے اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہے مثلاً مفتی ہے مدرس ہے واعظ ہے تو اس کو اپنے صرف میں لانا جائز ہے اور اگر مصرف نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ مصرف میں اسکو پہونچادے مدارس اسلامیہ کا مد چندہ اس کے لیے بہت مناسب ہے البتہ اگر انتفاع بالارض پر قدرت نہ ہو تو خراج ساقط ہے اسی طرح خراج مقاسمت میں تفصیل ہے۔

(۲۵) اور اگر بوجہ معافی ہونے کے اس کے محصول کی مقدار کی تعین میں دشواری ہو تو اس کے قرب وجوار کی آراضی غیر معافی کا محصول معتبر ہے۔

(۲۶) ارض وقف کا بھی عشر یا خراج پیداوار سے نکال کر بقیہ کو مصارف میں صرف کیا جاوے گا۔

تنبیہ: ارض خراجی میں خراج کا حق شرعی ہونا اب تک احقر کو بھی محقق نہ تھا اب اس تحقیق کے بعد اراضی معافی کے متعلق یہ امر خصوصیت کے ساتھ قابلِ تنبیہ واہتمام ہے کہ اس کے خراج کا قرب وجوار کی اراضی سے اندازہ کر کے مدارس اسلامیہ میں پہنچا دیا کریں۔ ورنہ ان کے ذمہ یہ ایک حق شرعی واجب رہے گا اور عشر کے حق شرعی ہونے سے بے خبری یا انکار یہ تو غفلت و غلطی عظیم ہے یہ کل تیرہ روایتوں سے اس کے مضاعف یعنی ۲۶ ؍مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔

ولِلّٰه الحمد على إتمام الجواب والله اعلم بالصواب وعنده ام الكتاب .

ضمیمہ: **في ردالمحتار تحت قول الدرالمختار يجب العشر مانصه ثبت ذلک بالكتاب والسنة والإجماع والمعقول أي يفترض لقوله تعالىٰ: ”واٰتُوحَقَّهٗ يَوْمَ**

حَصَادِہ" فإن عامة المفسرين على أنه العشر أونصفه بينه قوله علیہ وسلم ماسقت السماء ففيه العشر وما سقى بغرب أودالية ففيه نصف العشر ص ۷۸. (۱)

قلت أيضاً لقوله تعالى: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ الآية.

اس عبارت میں تصریح ہے کہ عشر فرض ہے مثل زکوٰۃ کے قرآن سے اور حدیث اور اجماع سے اور قیاس سے اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں کوتاہی یا غفلت کرنا کیسی چیز ہے۔ واللہ الموفق۔

اشرف علی، ۱۰ رجب، ۱۳۳۴ھ

دارالحرب کی زمین کا نہ عشری اور نہ ہی خراجی ہونا

سوال (۸۷۳): قدیم ۲/ ۷۱- اراضی عشری وخراجی منحصر بہ دارالاسلام ہے یا غیر دارالاسلام میں بھی عشری وخراجی ہے۔

ترجمہ سوال: میں نے بعینہ وہی شیخ اسماعیل کی شرح میں دیکھا ہے، جو میں نے کہا ہے اس طرح سے فرمایا کہ یہ احتمال ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے احتراز مقصود ہو، جو دارالحرب میں پائی جائیں؛ لہٰذا دارالحرب کی زمین نہ خراجی ہے اور نہ ہی عشری ہے۔

(۱) شامي، كتاب الزكاة، باب العشر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲٦٤، كراچي ۲/ ۳۲۵۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في ردالمحتارباب الركاز تحت قول الدرالمختار في أرض خراجية أوعشرية اه بعد بحث طويل مانصه ثم رأيت (۱) عين ما قلته في شرح الشيخ إسماعيل حيث قال ويحتمل أن يكون احترازًا عما وجد في دارالحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أوعشرالخ. ۲/ ۷۲۔ (۲) مصریہ، ۱۲۹۴ھ۔

۷/ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ

ہندوستان کی زمین کی پیداوار پر عشر فرض ہے یا نہیں؟

سوال (۸۷۴): قدیم ۲/ ۷۱- ہندوستان کی زمینوں کی پیداوار پر عشر فرض ہے یا نہیں۔

الجواب: في ردالمحتار عن شرح شيخ اسماعيل حيث قال ويحتمل أن يكون احترازًا عما وجد في دارالحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أوعشر ۲/۷۲. (۳)

وفي الدرالمختار: أرض العرب وما أسلم أهله طوعا أوفتح عنوة و قسم بين جيشناوالبصرة عشرية. اھ ۳/۳۹۳.(۴)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب الركاز، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲۵۷، كراچي ۲/۳۲۰۔

معارف السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء في زكاة العسل، مكتبه أشرفية ديوبند ۵/۲۲۰۔

(۲) **لأن العشر والخراج إنما يجب في أراضي المسلمين وهذه أراض أهل الحرب وأراضي أهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية.** (شرح كتاب السير الكبير، باب من الخمس في المعدن والركاز، مكتبه عباس أحمد البازه/۳۰۷، بحواله تعليقات كفايت المفتي، زكريا جديد مطول ۶/۲۲۰-۲۲۱)

(۳) شامي، كتاب الزكاة، باب الركاز، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۵۷، كراچي ۲/۳۲۰۔

معارف السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء في زكاة العسل، مكتبه أشرفية ديوبند۵/۲۲۰۔

(۴) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج، مكتبه زكريا ديوبند۶/۲۹۰، كراچي۴/۱۷۶ ۔

كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة وقسمت بين الغانمين فهي أرض عشر ←

اگر ہندوستان کو دارالاسلام مانا جاوے تو ظاہراً قسم ثالث میں داخل ہونے سے اس کی زمین مسلمانوں کے پاس ہے جبکہ کسی غیر مسلم سے حاصل نہ ہوئی ہو عشری ہے اگر غیر دارالاسلام ہے تو اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی ہے۔ ۲۱ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ

تحقیق عشر وخراج

سوال (۸۷۵): قدیم ۲/۷۱- الامداد، جلد۲، نمبر۷ بابتہ ماہ محرم ۱۳۳۵ھ مضمون معنون بہ زکوٰۃ الأرض میں ہے نمبر۳ خراج موظف بالاجماع مالک زمین کے ذمہ ہے کاشتکار کے ذمہ نہیں البتہ

خراج مقاسمۃ کا حکم مثل عشر کے ہے انتہیٰ۔

فقرہ اخیرہ کا یہ مطلب ہے کہ **رب الأرض** اور مزارع دونوں پر **بحصتهما** خراج مقاسمہ واجب ہے۔اس کی دلیل صراحتاً در،اور، رد میں میری سرسری نظر سے تو باوجود تلاش نہ گزری بلکہ برخلاف اس کے؛ چنانچہ درمختار کے اس قول ''**و في المزارعة إن كان البذر من رب الأرض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصّة**'' کی شرح کے بالکل آخر میں شامی لکھتے ہیں: **ثم إعلم أن هذا كله في العشر أما الخراج فعلى رب الأرض إجماعاً كما في البدائع شامي ٢/٥٧.** (١)

← **لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة.** (هداية، كتاب السير، باب العشر والخراج، مكتبه أشرفية ديوبند٢/٥٩٠)

أرض العرب عشرية وكذا البصرة وكل ما أسلم أهله أوفتح عنوة وقسم بين الغانمين. (ملتقي الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب العشر والخراج، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٤٥٦-٤٥٧)

أرض العرب وما أسلم أهله أو فتح عنوة وقسم بين الغانمين عشرية. (كنز الدقائق على هامش البحر الرائق، كتاب السير، باب العشر والخراج والجزية، مكتبه زكريا ديوبند ٥/١٧٦، كوئٹه٥/١٠٤)

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين، مكتبه زكريا ديوبند٣/٢٧٨، كراچي ٢/٣٣٥۔

اس کے اول میں وجوب عشر کا حکم بالتفصیل مع الاختلاف بیان کر چکے ہیں اور یہاں وہ تفصیل مذکورہ معتبرہ فی العشر خراج سے مستثنیٰ کرتا ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خراج مطلقاً رب الأرض پر ہے مزارعت میں خراج موظف ہو یا مقاسمہ کا ہو حضرت والا مدظلہم عم فیضہم نے جو تفصیل لکھی ہے اور اس مطلق کو مقید کیا ہے از راہ کرم اس کے ماخذ کی عبارت بعینہ سے مطلع فرماویں تو باعث بصیرت وتشفی بندہ ہو اور رافع خدشہ۔والسلام

الجواب:الامداد کی اسی جلد اسی نمبر صفحہ ۲۷ تحت الروایۃ الخامسۃ میں ردالمحتار کی یہ عبارت ہے:

وأما خراج المقاسمة وهو كون الواجب جزءً شائعاً من الخارج كثلث وسدس

ونحوهما فعلی الخلاف كذا في شرح درر البحار (۱) میں اسی پر۲۳؍کو متفرع کیا ہے اور مثل عشر کا مطلب یہ ہے کہ علی الخلاف ہے اب آپ نے بدائع سے جو عبارت نقل کی ہے ان دونوں عبارتوں میں تطبیق میں غور کیجئے میں نے اپنا ماخذ لکھدیا۔

۱۹؍رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

سوال (۸۷۶): قدیم ۲/۲۷- اس پر یہ خدشہ ہوسکتا ہے کہ عبارت مذکور شرح درر البحار کی دلیل عقد اجارہ کی ہے نہ کہ مزارعۃ (بٹائی) کی زیرا کہ شامی نے بھی اسی کو اسی مراد کے لیے لایا ہے؛ چنانچہ تحت قوله كخراج موظف فإنه على الموجر الخ (۲) کے لایا ہے اور خدام والا کی عبارت نمبر۳، حکم عقد مزارعۃ کا ظاہر کررہی ہے چنانچہ لفظ کاشتکار اسی کی طرف مشیر ہے۔ **فلم يصح الاستدلال بتلك العبارة على ذلك**. ہاں اگر خدام والا کی عبارت ۳، سے حکم عقد اجارہ ہے تو کوئی خدشہ نہیں۔

پس دریں حالت از راہ کرم حکم خراج عقد مزارعہ (بٹائی) سے سرفراز فرمائیے گا کہ سب مالک زمیں پر ہے یا مزارع پر بھی بالحصہ ہے جیسا کہ حکم عشر ہے؟

---

(۱) شامي، كتاب الزكاة، باب العشر، قبيل مطلب: هل يجب العشر على المزارعين، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۷۷، كراچي ۲/۳۳٤ـ

(۲) **وأما خراج المقاسمة وهو كون الواجب جزءًا شائعًا من الخارج كثلث وسدس ونحوهما فعلى الخلاف كذا في شرح درر البحار.** (شامي، كتاب الزكاة، باب العشر، قبيل مطلب: هل يجب العشر على المزارعين، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲۷۷، كراچي ۲/۳۳٤)

اگر دونوں پر مثل عشر ہے تو شامی کی اس عبارت: ''**ثم اعلم أن هذا كله في العشر أما الخراج فعلى رب الأرض إجماعًا كما في البدائع** (۱)'' کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: کتاب دیکھنے کا وقت نہیں ملتا دوسرے علماء سے تحقیق کرلیجیے اور بعد حصول اطمینان اگر یاد رہے مجھ کو بھی اطلاع کردیجیے مجھ کو بھی فائدہ ہوگا۔

اس کے بعد مستفتی نے دیوبند خط لکھا جو مع جواب ذیل میں منقول ہے پھر حسب درخواست اس جواب کی یہاں اطلاع کرکے ایک جزو کا یہاں سے استصواب کیا وہ استصواب مع جواب بھی منقول ہے۔

والمجموع هذا: بخدمت جناب مفتی دارالعلوم دیوبند عم فیضہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جن سطور مسطورہ بالا پر خط مستطیل کھینچا ہوا ہے ازراہ کرم ان کے جواب مدلل سے واقف فرمانا اور نیز اس سے کہ خراج مقاسمۃ اگر محض مالک زمین پر ہے تو کل پیداوار کا خمس (جوکہ یہاں کا خراج ہے) اس سے لیا جائے گا یا جتنا حصّہ اس کا پیداوار میں مقرر ہے اس کا خمس لیا جائیگا۔

امید کہ ان دونوں سوالوں کا جواب دلائل کے ساتھ تحریر فرما کر مشکور فرمایئے گا کہ صورت مسئولہ واقعی ہے۔ والسلام

الجواب: شامی جلد ثالث باب العشر والخراج والجزیۃ میں درمختار کے قول:

''**وهو أي الخراج نوعان خراج مقاسمة. الخ**''

شرح میں ہے: **وقد تقرر أن خراج المقاسمة كالعشر لتعلقه بالخارج ولهذا يتكرر بتكرر الخارج في السنة وإنما يفارقه في المصرف فكل شئى يوخذ منه العشر أونصفه يوخذ منه خراج المقاسمة وتجرى الأحكام التى قدرت في العشر وفاقا وخلافاً الخ.** (۲)

---

(۱) شامي، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين، مكتبه زكريا ديوبند۳/۲۷۸، كراچي ۲/۳۳۵۔

(۲) شامي، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب في خراج المقاسمة، مكتبه زكريا ديوبند۶/۳۰۳، كراچي ٤/۱۸۵۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبارت منقولہ شامی:

ثم اعلم أن هذا كله في العشر أما الخراج فعلى رب الأرض إجماعاً كما في البدائع .

میں خراج سے مراد خراج موظف ہے۔ نہ خراج مقاسمۃ اور اصل مسئلہ کے متعلق ایک روایت شامی باب الرکاز ص ۴۵ میں یہ ہے:

ولهذا قال القهستاني: بعد قوله في الأرض خراج أوعشرا لأخضر في أرضنا سواء كانت جبلا أوسهلا مواتا أوملكا واحترزبه عن داره وأرضه وأرض الحرب،

ثم رأت عين ما قلته في شرح الشيخ إسمٰعيل حيث قال ويحتمل أن يكون احترازاً عما وجد في دارالحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أوعشر. الخ (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی اراضی نہ عشری ہیں اور نہ خراجی فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عزیز الرحمٰن ۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ

---

(۱) شامي، كتاب الزكاة، باب الركاز، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۵۷، كراچي ۲/۳۲۰۔

قال الشيخ: إعلم أن أراضي بلاد الهند ليست بعشرية لأنها أصبحت من دار الحرب. وهكذا تحقق عندي من كتب الفقه. وكذا صرح مولانا الشيخ رشيد أحمد الكنكوهي بأن أراضيها أراضي دار الحرب أقول: وكذا صرح قبله الشيخ شاه عبد العزيز الدهلوي في فتاواه. قال: وذكر الشيخ مولانا محمد علي التهانوي في رسالة له بأن أراضي الهند ليست بعشرية ولا خراجية وإنما هي الأراضي المملكة وأراضي الحوزة وهي أراضي بيت المال. (معارف السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء في زكاة العسل، تحقيق أراضي الهند، مكتبه اشرفية ديوبند ۵/۲۱۸)

وليس على المجوسي في داره شئ هكذا في الهداية. (هندية، كتاب الزكاة، الباب السادس في زكاة الزرع والثمار، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۱۸۶، جديد ۱/۲۴۸)

هداية، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه أشرفية ديوبند ۱/۲۰۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بخدمت سراپا برکت مرشدی ومولوی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم

بعد از سلام علیکم وکورنشات بندگانہ معروض آنکہ حسب الارشاد مفتی صاحب سلمہ کی تحقیق بعینہ مرسول خدمت ہے اور جناب مفتی صاحب کا بالکل اخیر ارشاد کہ اس سے معلوم ہوتا ہے الی قولہ نہ خراجی صحیح ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کی رائے عالی اس کے موافق ہے یا نہیں؟ والسلام

الجواب: ہاں صحیح ہے؛ لیکن اگر کسی کے نزدیک یہ دارالاسلام ہو تو یہ حکم نہ ہوگا۔

(۱) **سوال** (۸۷۶): قدیم ۲/۴۷- جواب مسئلہ شرعی دادن براں صاحب ضروری امر است

(۱) مسئلۂ شرعی کا جواب دینا حضرت والا پر ضروری ہے کہ وہ اہل علم ظاہر اور اہل معرفت ہیں اور ہم پر تو پوچھنا لازم ہے؛ اس لئے کہ ہماری عقل اور ہمارا علم ناقص ہے۔

پورے ہندوستان و پنجاب خصوصًا ڈیرہ غازی خاں کی زمین کے بارے میں جو کہ پنجاب کے اضلاع کی سرحد ہے، یہ ضلع پہاڑ کے دامن میں ہے، مگر ضلع کی اکثر زمین کنکر و پتھر سے خالی ہے، ضلع صوبۂ پنجاب میں شامل ہے، اس کے مغربی جانب دریائے سندھ ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ عشری ہے یا خراجی؟ تمام کتب فقہ نے عشری اور خراجی کی بنیاد پہلی فتوحات پر رکھا ہے یہ بات علم الیقین کے طور پر نظر نہیں آتی، مگر مولوی ہمایوں نے اپنے فتوی میں لکھا ہے کہ ملک سندھ و ہند (کی زمین) خراجی ہے؛ اس لئے کہ محمد بن قاسم ثقفی نے ولید کے عہد خلافت میں فتح کے وقت بطریق خراج اس میں خمس مقرر کیا تھا جیسا کہ مخدوم ابوالحسن داہری کے رسائل سے معلوم ہوتا ہے، شیخ ابوالحسن نے راجا دید کے ضمن میں جو کہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے تھا، ہند اور سندھ کی زمینوں کے بارے میں کہا ہے کہ وہ خراجی تھیں اور ان کا خراج خمس تھا، اور اسلام کے بعد بھی وہ زمینیں خراجی ہی رہیں۔۱۲

فتاوی ہمایوں اور رسالہ الامداد بابت ماہ شعبان ۱۳۳۴ھ میں تحریر ہے کہ ”اگر مسلمان کسی غیر مسلم سے خریدے وہ خراجی ہوگی“ اور فتاوی امدادیہ جلد اول کے تتمہ میں کتاب الزکاۃ ص: ۵۰ / پر مرقوم ہے ”جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں، وہ زمینیں عشری ہیں تا آخر“ لہٰذا معروضہ امور ذیل کے مفصل جواب عنایت فرمائیں:

(۱) ضلع ڈیرہ غازی خاں پنجاب کی زمین عشری ہے یا خراجی؟

(۲) مولوی ہمایونی کی تحریر صحیح، قابل اطمنان ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

(۳) جناب والا نے فتاوی امدادیہ جلد اول کے تتمہ میں کتاب الزکاۃ ص: ۵۰ / پر جو فرق اور عشری اور خراجی کی تعریف تحریر فرمائی ہے، وہاں کسی معتبر فقہی کتاب کی عبارت درج نہیں فرمائی ہے۔ مہربانی فرما کر اس کے مأخذ کی اطلاع دے دیں کہ کونسی کتاب اور کونسی عبارت سے یہ فرق اور تعریف استنباط فرما کر فتوی دیا ہے؟ ←

کہ از اہل ذکر ظاہری و باطنی ذات والا اند و بر ما سوال واجب است کہ عقل وعلم مایان ناقص است۔ درباره آراضی تمام ہندوستان و پنجاب وخصوصاً ڈیرہ غازی خان کہ سرحد اضلاع پنجاب است ایں ضلع قریب وماتحت کوه است مگر ضلع ہذا اکثر زمین صفاء از جمر است ضلع شامل صوبہ پنجاب جانب غربی دریا سندھ است۔ عشری اند یا خراجی تمام کتب فقہ بناء عشری وخراجی برفتوحاتِ اول داشتہ اند آں بطور علم الیقین ظاہری نمی شود مگر مولوی ہمایونی درفتاوی خود نوشتہ کہ ملک سندھ وہند خراجی است کہ محمد ابن قاسم ثقفی درخلافت ولید بوقت فتح خمس نہاده بطریق خراج۔

كـمـا يشعـر به رسائل مخدوم أبي الحسن الدأرهريؒ قال الشيخ الحسن في بيان

أراضي الهند والسنده في ضمن راجا ويد الذي كان قبل نبوت عيسى عليه السلام كانت خراجية وخراجها الخمس وبعد الإسلام بقيت ايضاً خراجية ۱۲.

فتاوی ہمایوں وددر رسالہ الامداد بابتہ ماہ شعبان ۱۳۳۴ھ تحریر است۔ اگر مسلمان کسی غیر مسلم سے خریدے وہ خراجی ہوگی الخ ودر تتمہ جلد اول فتاویٰ امدادیہ ص ۵۰ کتاب الزکوٰۃ مرقوم است۔ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں الخ وہ زمینیں عشری ہیں تا آخر لہٰذا معروض جواب امور ذیل مفصل عنایت فرمایند۔

(۱) زمین ضلع ڈیرہ غازی خان پنجاب عشری است یا خراجی۔

(۲) تحریر مولوی ہمایونی صحیح است قابلِ اطمینان ست یا نہ مدلل تحریر فرمایند،

(۳) جناب والا کہ در تتمہ جلد اول فتاویٰ امدادیہ صفحہ ۵۰ کتاب الزکوٰۃ فرق وتعریف عشری وخراجی تحریر فرمودند نقل کدام کتاب فقہ معتبر درج نہ فرمودند مہربانی فرمودہ از ماخذ آں اطلاع دہند کہ از کدام کتاب واز کدام عبارت ایں فرق وتعریف استخراج فرمودہ فتویٰ دادند۔

← (۴) اس جگہ کے لوگوں پر خراج بہت بھاری ہے، اکثر زمین کی پوری پیداوار کے برابر ہوتی ہے، لوگ انگریزوں کو خراج دے دیتے ہیں اور حضرت والا کی تحقیق کے مطابق یہ ادا خراج شمار نہیں ہوتا ہے، تو غریب قرض دار لوگ کہاں سے لائیں کہ خمس بھی فقراور مساکین کو دیں؟

یہ تو تکلیف مالا یطاق ہے جو شریعت میں نہیں ہے؛ البتہ بعض ایمان دار لوگوں نے دونوں عشروں کی ادائیگی اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے وہ لوگ مساکین کو بھی دیتے ہیں، اس سلسلے میں فیصلہ کن بات مدلل تحریر فرمائیں؛ اس لئے کہ حضرت والا کا وجود مسعود مسلمانوں کے لئے سراپا رحمت ہے اور حکیم الامت ہیں، ہر حال میں درست سے ہمیں سرفراز فرمائیں۔

(۴) بر مردماں اینجا خراج نہایت گراں است اکثر برابر تمام آمدنی اراضی می باشد انگریزاں رامی دہند وآں بموجب تحقیق آں صاحب محسوب نمی گردد مردمان غربا مقروض از کجا آرند کہ خمس دیگر بمساکین دہند؟

ایں تکلیف مالا یطاق است وآں در شرعی نمی باشد؛ البتہ بعضے ایماندار عشرین دادن برخود لازم کردہ اند مساکین رامی دہند دریں بارہ امر فیصل مدلل تحریر فرمایند۔ چونکہ وجود مسعود حضور پرنور سراسر رحمت برائے مسلمانان است وحکیم امت اند ہر حال بجواب باصواب سرفراز فرمایند۔ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ

الجواب قوله فى السوا ل (۱): برفتوحات اول داشتہ اند اقول بشرطیکہ استیلاء کافرے برآں طاری نہ شدہ باشد قولہ وآں بطور علم الیقین ظاہر نمی شود اقول بسے جاہا تواتر حاصل است۔

(۱) **جواب کا ترجمہ** :سوال میں سائل کا قول کہ ’’پہلی فتوحات پر بنیاد رکھا ہے‘‘ میں کہتا ہوں کہ یہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس پر کسی کافر کا قبضہ نہ ہوا ہو۔ سائل کا قول: یہ علم الیقین کے طور پر نظر نہیں آتا، میں کہتا ہوں کہ بہت جگہوں پر تواتر حاصل ہے اور اگر تواتر وتوارث نہ ہو تو فقہاء نے اس استصحاب حال کو فیصل بنانے کو کہا ہے سائل کا قول: جیسا کہ مخدوم کے رسائل سے معلوم ہوتا ہے میں کہتا ہوں کہ اولاً بلا سند ودلیل حجت نہیں ہے۔

ثانیا: تسلیم کر لینے کے بعد کفار کے غلبہ سے وہ بات ختم ہوگئی اب نیا سبب موثر ہوگا۔

اب ترتیب وار سوالات کے جوابات دیتا ہوں:

(۱) اگر عشری زمین کی تعریف صادق آئے تو عشری ہے اور اگر خراجی زمین کی تعریف صادق آئے تو خراجی ہے۔

(۲) اوپر گذر چکا ہے۔

(۳) وہ تعریف نہیں ہے؛ بلکہ معلوم مقدمات کی بنیاد پر علامات کا بیان ہے اور وہ مقدمات یہ ہیں:

الف: عشری زمین کی چند قسمیں ہیں؛ لیکن جو قسم ہندوستان- کہ جس میں پنجاب وسندھ داخل ہیں- میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے جس کی تعریف میں فقہاء نے لکھا ہے: ’’**أو فتح عنوة وقسم بين جيشنا، كذ في الدر المختار: وقال في رد المحتار: ولو قال بيننا.** الخ‘‘

(ب) سلاطین اسلام نے ہندوستان کو فتح کر کے یقیناً بعض کسانوں کو زمینیں دی ہیں، اس وقت وہ زمینیں یقیناً عشری زمین کی تعریف کا مصداق تھیں۔

اس کے بعد سے آج تک وہ زمینیں بہ طور وراثت یا خریداری وغیرہ کے دوسروں تک منتقل ہوتی رہیں اور جس جگہوں پر بیچ کے واسطوں کا حال یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو، وہاں استصحاب حال کو فیصل قرار دیا جائے گا، پس جو زمیں فی الحال مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اس کے وسائط (بیچ کے مالکان) بھی مسلمان قرار دے جائیں گے۔ ←

واگر نباشد استصحاب راحکم خواہند گفت قولہ کما یشعر بہ سائل المخدوم اقول اول بلا سند حجت نیست۔ ثانیا: بعد تسلیم استیلاء کفار آں رارفع گشت باز موجب جدید مؤثر خواہد شد اکنوں جوابات سوالات بہ ترتیب میدہم۔

(۱) اگر تعریف عشری صادق باشد عشری است (۱)

واگر تعریف خراجی صادق باشد خراجی است۔ (۲)

(۲) بالا گزشت۔

(۳) آں تعریف نیست بلکہ بناء علی المقدمات المعلومہ بیان علامات ست وآں مقدمات ایں است۔

← (ج) درمیان میں کافر کا مالک ہونا عشری زمین کوخراجی بنادیتا ہے جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، پس ان مقدمات کے بعد ''امدادالفتاوی اور رسالہ الامداد'' کے منقولہ احکام ظاہر ہیں۔

(۴) عشر وخراج حقوق شرعیہ میں سے ہے، پس جس طرح انکم ٹیکس سے زکوۃ ساقط نہیں ہوتی، اسی طرح سرکاری محصول سے یہ حقوق بھی ساقط نہ ہوں گے اور تکلیف مالا یطاق جو کہ شریعت سے ختم کردیا گیا، اس سے مراد تشریع کی نفی ہے اس کے وقوع کی نفی نہیں ہے چاہے بغیر شارع کے حکم کے غیر شارع کی طرف سے ہو، خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے، جس کا اثر عقیدہ پر پڑسکتا ہے؛ ہاں البتہ اگر کوئی شخص بعض حضرات کے قول ''کہ دارالکفر کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی جس کو ردالمحتار میں نقل کیا گیا ہے'' سے استدلال کرے تو امید ہے کہ اس طرح کی آزمائش کی حالت میں اس کی گنجائش ہوگی۔

(۱) **الأرض نوعان: عشرية وخراجية فأرض العرب كلها عشرية (وقوله) وكل بلدة فتحت عنوة وقسمها الإمام بين الغانمين فهي عشرية.** (خانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل في العشر والخراج، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲۷۰، جديد ۱/ ۱۶۵-۱۶۶)

هداية، كتاب السير، باب العشر والخراج، مكتبه أشرفية ديوبند ۲/ ۵۹۰۔

البحر الرائق، كتاب السير، باب العشر والخراج، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۱۷۶۔

(۲) **كل بلدة فتحت عنوة ولم يسلم أهلها ومن عليهم فهي خراجية، إن كان يصل إليها ماء الخراج وماء الأنهار التي حفرتها الأعاجم ...... خراجية في قول أبي يوسفؒ وكل بلدة فتحت صلحًا وقبلوا الجزية فهي أرض خراج.** (خانية على الهندية، كتاب الزكاة، فصل في العشر والخراج، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲۷۰، جديد ۱/ ۱۶۶)

هداية، كتاب السير، باب العشر والخراج، مكتبه أشرفية ديوبند ۲/ ۵۹۱۔

الف: عشری چند اقسام است لیکن قسمیکہ در ہندوستان کہ پنجاب وسندھ دراں داخل است یافتہ میشود آں ست کہ فقہاء درتعریفش نوشتہ اند **أو فتح عنوة وقسم بين جيشا كذا في الدرالمختار**۔

وقال في ردالمحتار: ولو قال بيننا لشمل ما إذا قسم بين المسلمين غير الغانمين فإنه عشري لأن الخراج لا يوظف على المسلم ابتداء ذكره القهستاني در منتقى۔ (۱)

ب: سلاطین الاسلام ہندوستان رافتح کردہ یقیناً بعض کسان رااراضی عطا کردہ اند دراں وقت آنہا یقیناً مصداق تعریف عشری بودند۔

باز ایشاں بدیگراں منتقل شدند ارثا یا شراء اونحوہ الی وقتنا (۲) ہذا و ہر جا کہ حال وسائط بالیقین معلوم نباشد

استصحاب را حکم قرار دادہ خواہد شد پس آنچہ الحال بدست مسلمان ست وسائط را مسلمان قرار خواہند داد۔ (۳)

ج: تخلل کافر عشری را خراجی میکند کما صرحوا بہ (۴) پس بعد ایں مقدمات احکام منقولہ امداد الفتاویٰ ورسالہ الامداد ظاہر است۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٢٩٠، كراچي ٤/ ١٧٦۔

(۲) **أما شرط الأهلية فنوعان: أحدها الإسلام وإنه شرط إبتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق إلا على مسلم بلا خلاف؛ لأنه فيه معنى العبارة والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به.** (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، شرائط الفرضية، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٧١)

(۳) **الفائدة الثالثة في الاستصحاب وهو كما في التحرير الحكم ببقاء أمر محقق لم يظن عدمه (وقوله) ومما فرع عليه الشقص إذا بيع من الدار وطلب الشريك الشفعة فأنكر المشتري ملك الطالب فيما في يده فالقول له ولا شفعة له إلا ببينة.** (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة، قبيل القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ١٢٣، جديد ١/ ٢٢٣)

(۴) **والكفار لو انتقلت إليهم أرض عشرية ومعلوم أن العشرية قد تسقي بعين أو بماء السماء لا تبقي على العشرية؛ بل تصير خراجية في قول أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ.** (فتح القدير، كتاب السير، باب العشر والخراج، مكتبه زكريا ديوبند ٦/ ٣١، كوئٹه ٥/ ٢٨٠) ←

(۴) عشر وخراج از حقوق شرعیہ است پس چنانچہ انکم ٹیکس مسقط زکوٰۃ نیست ہمچنیں محصول سرکاری مسقط ایں حقوق نباشد۔ (۱) وتکلیف مالا یطاق کہ درشرع مرفوع است، مراد نفی تشریع است نہ نفی وقوع گو از غیر شارع بلا اذن شارع (۲) باشد خوب تامل باید کرد ایں مغلطہ عظیمہ است کہ اثرش بر عقیدہ محتمل است البتہ اگر بقول بعضے کہ اُرض دار الکفر نہ عشری است نہ خراجی نقلہ فی رد المحتار (۳) کسی تشبث کند امید کہ بحالت چنیں ابتلاء گنجائش باشد۔ واللہ اعلم **تمت رسالة النشر للعشر**. ۲۸/ جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ

← البحر الرائق، كتاب السير، باب العشر والخراج والجزية، مكتبه زكريا ديوبند٥/١٧٧، كوئٹه ٥/١٠٥، الموسوعة الفقهية٣/١١٩ـ

(١) **فأما ما يأخذ سلاطين زماننا هؤلاء الظلمة من الصدقات والعشور والخراج والجزية، فلم يتعرض له محمدؒ في الكتاب وكثير من أئمة بلخ يفتون بالأداء ثانيًا فيما بينه وبين الله تعالىٰ كما في حق أهل البغي لعلمنا أنهم لا يصرفون المأخوذ مصارف الصدقة، وكان أبوبكر الأعمشؓ يقول: قي الصدقات يفتون بالإعادة فأما في الخراج فلا.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الزكاة، قبيل زكاة الغنم، دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٨٠)

كفاية على فتح القدير، كتاب الزكاة، قصل: وليس في الحملان والفصلان، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٩.

(٢) **لا يكلف الله نفسًا إلا وسعها أي ما يسعه قدرتها وذلك فيما يبتني من الأحكام على القدرة الممكنة أو مادون مدي قدرتها وذلك فيما يبتني من الإحكام فى القدرة الميسرة كالزكاة على نمو المال وحولان الحول وغير ذلك. وهذا يدل على عدم وقوع التكليف بالمحال ولايدل على امتناعه.** (تفيسر مظهري، البقرة:٢٨٦، مكتبه زكريا ديوبند ١/٤٤٢)

(٣) **ويحتمل أن يكون احتراز عما وجد في دار الحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أوعشر.** (شامي، كتاب الزكاة، باب الركاز، مكتبه زكريا ديوبند٣/٢٥٧، كراچي ٢/٣١٩) *شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ*

۳/ باب صدقة الفطر وغيرها

دوسرے مقامات میں زکوۃ وصدقہ منتقل کرنے کا حکم

سوال (۸۷۷): قدیم ۲/ ۷۶- اگر ایک شخص اپنے وطن کے غرباء ومساکین کو زکوۃ یا فطرہ میں سے بعض یا اکثر حصّہ دے اور بعض یا اکثر حصّہ غیروطن کے غرباء ومساکین کو دے تو بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ اور وطن کا لفظ عام ہے خواہ اصلی ہو خواہ اقامت۔؟

الجواب: زکوۃ کا حکم تو اس سے پہلے جواب میں گزرچکا، اور فطرہ ادا کرنے والے کا مکان معتبر ہے وہاں کے لوگ احق ہوں گے اور بلا عذر مذکور التفصیل نقل مکروہ ہوگا۔(۱)

في الدرالمختار: وفي الفطرة مكان المودي عند محمدؒ وهو الأصح؛ لأن رؤوسهم تبع لرأسه. اھ (۲)

۲۷/ محرم ۱۳۳۲ھ (امداد، ص ۱۵۸، ج ۱)

---

(۱) کراہت کا حکم حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرنے کی روایت سے ثابت ہے؛ کیونکہ اس میں اس کی صراحت ہے کہ ان کے اغنیاء سے وصول کر کے انہیں کے فقراء میں تقسیم کا حکم ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباسؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث معاذًا إلى يمن فقال: أدعوهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأني رسول الله فإن هم أطاعوا لذلک فاعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم و ليلة، فإن هم أطاعوا لذلک فاعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة في أموالهم تؤخذ من أغنياء هم وترد في فقراء هم. (بخاري شريف، كتاب الزكاة ۱/ ۱۸۷، رقم: ۱۳۷۹، ف: ۱۳۹۵)

(۲) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۰۷، كراچي ۲/ ۳۵۵۔

وكره نقلها أي الزكاة بعد تمام الحول من بلد إلى بلد آخر غير البلد الذي فيه المال ←

ایک شخص کے صدقۂ فطر ایک جماعت کو دینا اور ایک جماعت کا فطرہ ایک فرد کو دینا

سوال (۸۷۸): قدیم ۲/۷۶- ایک جماعت آدمی کا صدقہ فطر ایک شخص کو دینا یا ایک آدمی کا فطرہ شخص واحد کو یا برعکس، یعنی شخص واحد کا فطرہ جماعت پر تقسیم کرے۔

الجواب: في الدرالمختار: وجاز دفع كل شخص فطرته إلى مسكين أومساكين على المذهب كما جاز دفع صدقة جماعة إلى مسكين واحد بلا خلاف. (۱) اه ورجعه في ردالمحتار.

اس سے معلوم ہوا کہ سوال کی تینوں صورتیں جائز ہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

۲۰ر صفر ۱۳۲۵ھ (امداد، ص ۱۶۳، ج ۱)

← ...... بخلاف صدقة الفطر حيث يعتبر عنه محمد مكان المؤدي وهو الأصح خلافا لأبي يوسفؒ. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب بيان أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۳۳)

وكره نقلها إلى بلد آخر لغير قريب وأحوج (كنز) وفي النهر: واختلف في صدقة الفطر فرجح في فتح القدير وغيره اعتبار مكان الرأس. وفي المحيط: إن كان يؤدى عن نفسه يعتبر حيث هو وإن كان عن ولده وعبده فعن الثاني يؤدي حيث العبد وعن محمد حيث المولى وهو الأصح. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۴۶۹)

و (المعتبر) في صدقة الفطر مكان الرأس المخرج عنه في الصحيح مراعاة لايجاب الحكم في محل وجود سببه كذا في فتح القدير وصحح في المحيط: أنه في صدقة الفطر يؤدي حيث هو لا يعتبر مكان الرأس من العبد والولد لأن الواجب في ذمة المولى ...... والمنقول في النهاية معزيا إلى المبسوط أن العبرة لمكان من تجب عليه لا بمكان المخرج عنه موافقا لتصحيح المحيط فكان هو المذهب. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۲ ۴۳۶، كوئٹه ۲/۲۵۰)

وفي صدقة الفطر يعتبر مكانه لا مكان أولاده الصغار وعبيده في الصحيح كذا في التبيين وعليه الفتوى كذا في المضرات. (هندية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۱۹۰، جديد ۱/۲۵۲)

(۱) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۲۳-۳۲۴، وكراچي ۲/۳۶۷۔ ←

سوال (۸۷۹): قدیم۲/۷۶- **ویجب دفع صدقة فطر كل شخص إلى مسكين واحد حتى لو فرقه على مسكينين أو أكثر لم يجز ويجوز دفع مايجب على جماعة إلى مسكين واحد كذا في التبيين هكذا في العالمگیری ۱ / ۲۵۵ مصری. (۱) ويجوز أن يعطى الواجب عن واحد جماعة أوعلى العكس هكذا في قاضي خان ، ص: ۲۱۱. (۲)**

مابین عبارتین جواختلاف معلوم ہوتا ہے ترجیح کس کو ہے اوروجہ ترجیح کیا ہے؟ امید کامل ہے کہ جلدان شبہاتِ مذکورہ کے جواب سے رفع تردد فرماویں گے۔

← **ويجوز أن يعطي الواجب جماعة من المساكين، ويعطي ما يجب على جماعة مسكينًا واحدًا لأن الفقراء في حق المصرف كشخص واحد.** (الفتاوى الولوالجية، كتاب الصوم، الفصل الرابع في الاعتكاف وصدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲٤۷)

بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل وأما ركنها، قبيل كتاب الصوم، مكتبه زكريا ۲/ ۲۰۸۔

ويجوز أن يعطى الواجب عن واحد جماعة أو على العكس. (خانية على هامش الهندية، كتاب الصوم، فصل في صدقة الفطر، مكتبه زكريا قديم۱/ ۲۳۱، جديد۱/ ۱٤۳)

وجاز دفع صدقة واحد لجمع وجمع لواحد على المذهب كما حررناه في الخزائن. (الدرالمنتقي على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۳۹)

ويدفع كل شخص فطرته لفقير واحد واختلف في جواز تفريق فطرة واحدة على أكثر من فقير ويجوز دفع ما على جماعة لواحد على الصحيح (مراقي الفلاح) وتحته في هامشه قوله: (واختلف في جواز الخ) وعلى الجواز الأكثر وبه جزم في الولوالجية والخانية والبدائع والمحيط ...... وصححه في البرهان فكان هو المذهب. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دارالكتاب ديوبند ص: ۷۲۵)

(۱) هندية، كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر، مكتبه زكريا قديم ۱/ ۱۹۳، جديد ۱/ ۲۵۵۔

(۲) خانية على هامش الهندية، كتاب الصوم، فصل في صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديو بند قديم۱/ ۲۳۱، جديد۱/ ۱٤۳۔

الجواب: في الدر المختار: وجاز دفع كل شخص فطرته إلى مسكين أو مساكين على ما عليه الأكثر وبه جزم في الولوالجية، والخانية، والبدائع، والمحيط: وتبعهم الزيلعي في الظهار من غير ذكر خلاف وصححه في البرهان، فكان هو المذهب كتفريق الزكوة والأمر في حديث اغنوهم للندب فيفيد الأولوية. ولذا قال في الظهيرية: لا يكره التأخير أي تحريما كما جاز دفع صدقة جماعة إلى مسكين واحد بلا خلاف يعتد به. في ردالمحتار: قد صرح في مواهب الرحمن بالخلاف في المسألتين بقوله ويجوز أخذ واحد من جمع ودفع واحد لجمع على الصحيح فيهما۔ آھ۔ ج ۲، ص ۱۲۵ و ۱۲۶۔ (۱)

ان عبارات سے دونوں امر کے جواز کی ترجیح معلوم ہوگئی۔

یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص ۷)

مصارف صدقہ نافلہ

سوال (۸۸۰): قدیم ۲/ ۷۷- رواج اس ملک کا یہ ہے کہ ثواب رسانی مردہ کے لیے وارثوں نے اپنی اپنی ہمت کے موافق طعام پختہ کھلاتے ہیں اور روپیہ پیسہ وغیرہ صدقہ کرتے ہیں۔ اب اس طعام پختہ اور روپیہ وغیرہ کے مستحق کون کون ہیں، فقیر، مسکین، یتیم، طالب علم، وغیرہ غریب غرباء تونگر سود خوار بے نمازی کو دعوت کر کے کھلانا کیسا ہے۔؟

الجواب: یہ صدقہ نافلہ ہے ہر ایک کے لیے جائز ہے لیکن زیادہ اولیٰ مساکین کے لیے ہے (۲)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۲۳-۳۲٤، كراچي ۲/ ۳٦۷-۳٦۸۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دارالكتاب ديوبند ص: ۷۲٥۔

(۲) **وأما ما سوي الزكاة من صدقة الفطر والكفارات والنذور فلاشك في أن صرفها إلى فقراء أو المسلمين أفضل لأن الصرف إليهم يقع إعانة لهم على الطاعة.** (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الزكاة، سابعًا: شروط المستحقين، هدىٰ انٹرنیشنل بکڈپو دیوبند ۲/ ۷۹۰) ←

اور اگر شہرت کے قصد سے ہو سب کو بچنا واجب ہے۔ (۱) فقط (تتمہ اولی، ص ۱٦۳، ج ۱)

← **الأصل أن الصدقة تعطى للفقراء والمحتاجين، وهذا هو الأفضل كما صرح به الفقهاء وذلك لقوله تعالىٰ: اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ.** [البلد:١٦]

واتفقوا على أنها تحل للغني لأن صدقة التطوع كالهبة فتصح للغني والفقير. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/٣٣٢)

وإنما تحرم على هؤلاء الصدقة الواجبة من العشور، والنذور، والكفارات، فأما الصدقة على وجه التصدق والتطوع فلا بأس. (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثامن: من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي٣/٢١٥، رقم:٢٧٩٢)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند٣/٢١٤، رقم:٤١٥٥۔

وقال المصنف في الكافي: وهذا في والواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة، أما التطوع والوقف فيجوز الصرف إليهم. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٣٠، كوئٹه٢/٢٤٦)

هندية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، مكتبه زكريا قديم١/١٨٩، جديد١/٢٥١۔

عن محمود بن لبيدؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إني أخوف ما أخاف عليكم الشرك الأصغر قالوا: يا رسول الله! وما الشرك والاصغر قال: الرياء الحديث. (المسند للإمام أحمد بن حنبل عباس أحمد البازه/٤٢٠، بيت الأفكار الدولية رقم:٢٤٠٣٦)

(١) وفيها من كتاب الاستحسان: وإن اتخذ طعامًا للفقراء كان حسنا وأطال في ذلك في المعراج. وقال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالىٰ. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٤٨، كراچي ٢/٢٤١) *شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ*

صدقۂ نافلہ غنی وفقیر سب کے لئے جائز ہوگا

سوال (۸۸۱): قدیم ۲/ ۷۷- صدقۂ نافلہ اغنیاء اور فقراء سب کو مباح ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ آیا یہ معنی ہیں کہ جب کسی شے کو خدائے تعالی کے حضور میں پیش کر دیا اور اس کے ایصالِ ثواب کی نیت کسی کے لیے کرلی تو یہ صدقہ ہوگیا اس کا کھانا سب کو جائز ہے یا اور کچھ؟ پھر بعد الانفاق ایصالِ ثواب کی ضرورت ہوگی یا وہی نیت کافی ہوگی۔؟

الجواب: اسکی تحقیق مصرح تو کہیں باوجود تلاش کے ملی نہیں لیکن قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدون تملیک کے ابھی صدقہ نہ ہوگا۔ کیونکہ مفہوم صدقہ میں تملیک داخل ہے۔(۱) رہا اس کا کسی کے لیے حلال یا حرام ہونا اس کے معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ جو چیز غنی وغیرہ کو دینے سے کافی اور ادا نہیں ہوتی منفق علیہ پر واجب ہے کہ منفق کو اپنے مصرف اور مستحق نہ ہونے کی اطلاع اور تنبیہ کر دے۔ کیونکہ یہ تو ہم اور احتمال ہے کہ شاید اس کو اطلاع حقیقت کی یا حکم شرعی کی نہ ہو اور یہ واجب مثلاً اسکے ذمہ رہ جائے تو یہ ایک گونہ خداع اور تغریر ہے اور یہ حرام ہے۔(۲)

---

(۱) **الصدقة في الإصطلاح: تمليک في الحياة بغير عوض على وجه القربة إلى الله تعالىٰ وهي تستعمل بالمعنى اللغوى الشامل.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۲۳/۲٦)

وهي (الصدقة) تمليک للمحتاج في الحياة بغير عوض على وجه القربة إلى الله تعالىٰ. (معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دار الفضيلة ۳٦۲/۲)

(۲) **عن أبي هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر علي صبرة من طعام فأدخل يده فيها فنالت أصابعه بللاً. فقال: يا صاحب الطعام ما هذا؟ قال: أصابته السماء يا رسول الله! قال: أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس ثم قال: من غش فليس منا، وقال الترمذي: والعمل على هذا عند أهل العلم كرهوا الغش. وقالوا: الغش حرام.** (سنن الترمذي، أبواب البيوع، باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع، النسخة الهندية ۲٤٥/۱، دار السلام رقم:۱۳۱٥)

صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي: من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۷۰/۱، بيت الأفكار الدولية رقم:۱۰۲ ـ

عن أبي بكر الصديقؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يدخل الجنة خب ولا بخيل ←

البتہ اگر بیت المال میں زکوٰۃ وغیرہ آگئی چونکہ سلطان بوجہ ولایت عامہ کے فقراء کا بھی نائب ہے؛ اس لیے اس کا قبضہ بجائے قبضہ فقراء کے ہے اور اسی سے وہ صدقہ کے ساتھ متصف ہوگیا اور اگر زکوٰۃ ہے

تو اسمیں وتخیت آگئی۔ اور غیر مصارف پر اسوجہ سے بھی حرام ہوگیا۔(۱) تیسرا طریق جو کہ سب صورتوں میں مشترک اور بلاواسطہ مفید حلت وحرمت ہے یہ کہ صدقہ ہونا نہ تو زماناً تملیک پر مقدم ہے اور نہ مؤخر بلکہ مقارن ہے، پس صدقہ ہونا اور مملوک ہونا معاً متحقق ہوں گے؛ اس لیے اسی وقت حلت وحرمت بھی حاصل ہوجائے گی گو تملیک بالذات مقدم ہوا اور جب معلوم ہوگیا کہ تملیک کے وقت صدقہ ہوگا تو اس سے پہلے کی نیت بھی معتبر نہیں؛ البتہ زکوٰۃ میں اخراج کے وقت کی معتبر ہے کہ واسطے ادائے شرط واجب نیت کے نہ کہ ثواب کے لیے کہ وہ تملیک ہی پر موقوف ہوگا (۲)۔ واللہ اعلم

۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

← ولا منان. وعن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: **المومن غر كريم والفاجر خب لئيم.** (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في البخيل، النسخة الهندية ۱۷/۲، دار السلام رقم:۱۹۶۳-۱۹۶٤)

(۱) **وإنما تحرم على هؤلاء الصدقة الواجبة من العشور والنذور والكفارات ...... لأن في الواجب المؤدى يطهر نفسه باسقاط الفرض فيتدنّس المؤدى بمنزلة من استعمل الماء في الوضوء وهو معنى قوله عليه الصلاة والسلام يا بني هاشم إن الله تعالىٰ كره لكم غسالة الناس.** (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثامن: من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ۲۱۵/۳، رقم:۲۷۹۲)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن: من توضع فيه الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲۱٤/۳، رقم:٤۱۵۵

(۲) **وأما وقت النية في الزكاة، فقال في الهداية: ولايجوز أداء الزكاة إلا بنية مقارنة للأداء أو مقارنة لعزل مقدار ما وجب لأن الزكاة عبادة فكان من شرطها النية والأصل فيها الإقتران إلا أن الدفع يتفرق فاكتفى بوجودها حال العزل تيسيرًا كتقديم النية في الصوم.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤۲/ ۷۰)

الهداية، كتاب الزكاة، مكتبه أشرفية ديوبند ۱۸۸/۱ ۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

نابالغ کے صدقۂ فطر اگر ولی ادا نہ کرے تو بالغ ہونے پر اداء کرنا لازم ہے؟

جبکہ صبی صاحب نصاب ہو

سوال (۸۸۲): قدیم ۲/ ۷۸- صبی مالک نصاب کا ولی اگر صدقۂ فطر اس کی طرف سے نہ دے تو اس صبی پر بعد بالغ ہونے کے ادا کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: ہاں اس صبی کو بعد بلوغ صدقۂ فطر ادا کرنا ہوگا اور اگر صبی مالک نصاب نہ ہو گو باپ صاحب نصاب تھا اور اس نے ادا نہ کیا تو صبی پر بعد بلوغ واجب نہ ہوگا۔

كذا في الدرالمختار: وردالمحتار تحت قوله على كل حر مسلم باب صدقة الفطر. (۱)

یکم صفر ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولی، ص ۵۶)

---

(۱) **تجب (صدقة الفطر) على كل حر مسلم ولو صغيراً مجنونًا حتى لو لم يخرجها وليها وجب الأداء بعد البلوغ (الدر المختار) وفي رد المحتار: وهذا لو كان لهما مال ...... ففي البدائع أن الصبي الغني إذا لم يخرج وليه عنه فعلى أصل أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ أنه يلزمه الأداء لأنه يقدر عليه بعد البلوغ. اه**

قلت فلو كانا فقيرين لم تجب عليهما بل على من يمونهما والظاهر أنه لو لم يؤدها عنهما من ماله لا يلزمهما الأداء بعد البلوغ والإفاقة لعدم الوجوب عليهما. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۱۲-۳۱۳، كراچي ۲/ ۳۵۹-۳۶۰)

هي (صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم ...... عن نفسه وولده الصغير ...... ولا عن طفله الغنى بل مال الطفل (ملتقي الأبحر) وفي مجمع الأنهر: ولو لم يخرجها الولي أو الوصي عنه وجب الأداء بعد بلوغه. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۳٤-۳۳۵)

وإن كانوا أغنياء يخرجها من مالهم (مراقي الفلاح) و في حاشية الطحطاوي: ولو لم يخرج ولي الصغير والمجنون العنيين عنهما وجب الأداء عليهما بعد البلوغ والإفاقة.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتاب ديوبند ص: ۷۲۳) ←

چاول سے صدقۂ فطر اداء کرے تو قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال (۸۸۳): قدیم ۲/ ۸۷- (۱) ہمارے ملک بنگلہ دیش میں علی العموم ہرکس وناکس کے واسطے خورش چاول ہے۔ اور کوئی غذا ہمارے یہاں ماکول نہیں ہے پس اس صورت میں ہم لوگ نصف صاع چاول سے صدقہ فطر ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بحوالہ کتب فقہ تحریر فرماویں۔

(۲) ہمارے بنگالیوں کی غذا علی العموم چاول ہے۔ پس ہم لوگ نصف صاع چاول سے میت کے فوت نماز کا فدیہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: (۱) في د رالمختار: باب صدقة الفطر وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة.(۱)

پس اگر کوئی شخص صدقہ فطر میں چاول ادا کرنا چاہے تو اس چاول کا کوئی وزن یا پیمانہ معتبر نہیں بلکہ وہ چاول اس قدر ہو کہ قیمت میں برابر نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو کے ہو جاوے مثلاً اس وقت صدقہ فطر ادا ہوگا اور اگر کسی نے نصف صاع چاول دیدیا اور وہ قیمت میں اشیاء مذکورہ سے کم ہوا تو صدقہ ادا نہ ہوگا۔

← **ولو وجبت على الصغير ولم يؤد حتى بلغ وجب القضاء عندهما.** (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۳٤، كوئٹه ۱/ ۳۰۷)

(۱) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۱۹، كراچي ۲/ ۳٦٤۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتاب ديوبند ص: ۷۲٤۔

والصحيح أنه يعتبر فيه (الخبز) القيمة ولا يراعي فيه القدر؛ لأنه لم يرد فيه الأثر فصار كالذرة وغيرها من الحبوب التي لم يرد فيها الأثر. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۳۸، كوئٹه ۱/ ۳۰۹)

(۲) في الدر المختار: يعطى لكل صلوة نصف صاع من برٍ كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم. في رد المحتار: قوله نصف صاع من برّ أي أومن دقيقه

أو سويقه أو صاع تمر أو زبيب أو شعير أو قيمته. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز وروزہ کے فدیہ میں وہی مقدار دی جاتی ہے جو صدقہ فطر میں دی جاتی ہے پس اگر چاول فدیہ میں دینا چاہے تو اس میں بھی وہی شرط ہے جو سوال اول کے جواب میں مذکور ہوئی۔ واللہ اعلم

ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (امداد، ص ۱۶۰، ج ۱)

(۲) **سوال** (۸۸۴): قدیم ۲/ ۷۹- صدقہ فطر ماسوائے اجناس گندم وجو وخرما وزبیب از دیگر اشیاء

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في اسقاط الصلاة عن الميت، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۳۳، كراچي ۲/ ۷۲-۷۳۔

من مات وعليه صوم شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين وكذا يخرج للصلاة كل وقت من فرض اليوم والليلة حتى الوتر ...... نصف صاع من بر أو دقيقة أو سويقة أوصاع تمر أو زبيب أو شعير أوقيمته. (مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في اسقاط الصلاة والصوم، دار الكتاب ديوبند ص:۴۳۸)

إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة وأوصى بأن يعطي كفارة صلاته يعطي لكل صلاة نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع ولصوم يوم نصف صاع. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۶۰، كوئٹه ۲/ ۹۰-۹۱)

هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في الفوائت، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۲۵، جديد ۱/ ۱۸۴۔

(۲) **ترجمۂ سوال**: صدقۂ فطر گیہوں، جو، کھجور اور کشمش کی اجناس کے علاوہ دیگر اشیاء مثلاً جوار، باجرا، چاول وغیرہ سے دینا جائز ہے، یا جوہرہ اور طحطاوی کے باب احکام العیدین کی عبارت ''لایجوز إلا بالقیمة'' کے مطابق ناجائز ہے، بہشتی زیور کے نسخہ میں دیگر اشیاء سے دینے کو جو جائز لکھا گیا ہے اس کی کیا دلیل ہے کہ اس پر اعتماد کیا جاسکے؟

مثل جوار، باجرہ، برنج وغیرہ دادن جائز یا حسب روایت (۱) جوہرہ طحطاوی (۲) کہ در باب **احکام العیدین لایجوز الا بالقیمة غیر جائز** آنچہ در نسخہ بہشتی زیور (۳) از دیگر اشیاء دادن جائز نوشتہ آید کدام استناد

داردتا کہ برآں اعتماد کردہ اید۔

(۴) **الجواب**: صدقۂ فطراز جوار و باجرہ وغیرہ اجناس کہ غیر منصوص اندادا کردن جائز است ہرگاہ کہ در قیمت با یکے از اجناس منصوصہ گندم وجَو و خرما وغیرہ برابر باشد وہمیں معنی است عبارت مذکور سوال۔

لايجوز إلا بالقيمة أي لايجوز باعتبار االوزن بل باعتبار القيمة بأن يساوي في القيمة أحدى المنصوصات في الدرالمختار ما لم ينص عليه كذرة وخبزيعتبر فيه القيمة. وفي ردالمحتار: بعد ذكر بعض الفروع؛لأن القيمة إنما تعتبر في غير المنصوص عليه آه. (۵)

ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ،ص ۱۹)

---

(۱) الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتاب ديوبند ۱/۱۶۲۔

(۲) حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر كوئٹه ۱/۴۳۶۔

(۳) بہشتی زیور،صدقۂ فطر کا بیان، کتب خانہ اختری سہارن پور، تیسرا حصہ ص:۳۶۔

(۴) **جواب کا ترجمہ**: جوار، باجرہ وغیرہ اجناس سے جو کہ غیر منصوص ہیں صدقۂ فطر ادا کرنا جائز ہے؛ جبکہ یہ قیمت میں اجناس منصوصہ گیہوں، جو، کھجور وغیرہ میں سے کسی ایک کے برابر ہوں اور سوال میں ذکر کردہ عبارت ''لا يجوز إلا بالقيمة'' کا یہی مطلب ہے، یعنی وزن کے حساب سے جائز نہیں ہے؛ بلکہ قیمت کے حساب سے جائز ہے، اس طور پر کہ قیمت میں منصوص اشیاء میں سے کسی ایک کے برابر ہو۔ درمختار میں ہے کہ جو چیزیں غیر منصوص ہیں جیسے مکئی، روٹی ان میں قیمت کا اعتبار ہوگا اور ردالمحتار میں بعض مسائل کے ذکر کرنے کے بعد ہے؛ اس لئے کہ قیمت کا اعتبار صرف غیر منصوص میں ہوتا ہے۔

(۵) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۱۹، كراچي ۲/۳۶۴-۳۶۵۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتاب ديوبند ص: ۷۲۴۔

والخبز يعتبر فيه القدر عند بعضهم (تبيين) وفي الشلبي: فإن في الغالب كون نصف صاع دقيق لا ينقص قيمته عن قيمة نصف صاع ما هو دقيقه بل يزيد حتى لو فرض نقصه كما يتفق في أيام البدار كان الواجب ما قلنا الخ. وفي التبيين: والصحيح أنه يعتبر فيه القيمة ←

سوال (۸۸۵): قدیم ۲/۹۷- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صدقہ فطر کے بارے میں اگر چاولوں سے صدقہ ادا کر دیا جائے آیا کہ جائز ہے یا نہیں؟

اور بر تقدیر اول کس طرح ادا کرنا چاہئے۔ آیا کہ گندم کے طریقے سے یا اور کسی طریقے سے علی الخصوص جہاں پر علاوہ چاول کے دیگر اشیاء منصوصہ نہیں مل سکتی ہیں وہاں پر اگر نصف صاع چاول کا ادا کر دیا جاوے تو جائز ہوگا یا نہیں اور نرخ چاولوں کا بھی وہاں پر بہ نسبت گندم کے نہایت ارزاں ہے مفصلاً مع ادلہ بیان ہو۔ بینوا توجروا۔ فقط

الجواب: بجز اشیاء منصوصہ یعنی خطہ وزبیب وتمر وشعیر کے دوسری جنس سے اگر صدقۂ فطر ادا کیا جاوے تو اس میں قیمت معتبر ہے یعنی وہ احدالاشیاء المنصوصہ کی برابر قیمت میں ہو مثلاً نصف صاع گندم کے برابر ہو یا ایک صاع جو کے برابر ہو۔ اور اگر وہاں گندم و جو مثلاً نہ ہوتے ہوں تو اقرب المواضع کی قیمت معتبر ہوگی۔

في الدرالمختار: ومالم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة. في رد المحتار: قوله وخبز عدم جواز دفعه إلا باعتبار القيمة هو الصحيح لعدم ورود النص به، فكان كالذرة وغيرها من الحبوب التى لم يردبها نص وكالاقط بحر ٢/١٢٢) (١)

پس چاول بھی اسی قاعدہ سے دینا چاہئے۔ واللہ اعلم کتبہ اشرف علی۔

۱۴؍رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص ۱۴۸)

← **ولايراعي فيه القدر؛ لأنه لم يرد فيه الأثر فار كالذرة وغيرها من الحبوب التي لم يرد فيها الأثر.** (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند٢/١٣٨، كوئٹه١/٣٠٩)

البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند٢/٤٤٣، كوئٹه٢/٢٥٤۔

(١) الدر المختنار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣١٩-٣٢٠، كراچي ٢/٣٦٤-٣٦٥۔

لأن الصحيح في الخبز أنه لا يجوز إلا باعتبار القيمة لعدم ورود النص به فكان كالزكاة وكالذرة وغيرها من الحبوب التي لم يرد بها النص وكا لا قط. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٤٣، كوئٹه٢/٢٥٤)

والخبر يعتبر فيه القدر عند بعضهم ...... والصحيح أنه يعتبر فيه القيمة ولا يراعي فيه ←

ایسی منکوحہ لڑکی کہ جس کی رخصتی نہ ہوئی ہو اس کا صدقۂ فطر کون ادا کرے؟

سوال (۸۸۶): قدیم۲/۸۰- جس لڑکی کی شادی ہوچکی ہواور وہ لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر ہو بالغ ہے یا نابالغ ہے تواس کا فطرۂ رمضان شریف ماں باپ کے ذمہ ہے یا سسرال والوں کے ذمہ ہے؟

الجواب: اگر وہ لڑکی مالدار ہے تو خود اس کے مال میں صدقۂ فطر واجب ہے خواہ بالغ ہو یا نابالغ اور اگر مالدار نہیں تو اگر بالغ ہے تو کسی کے ذمہ نہیں اور اگر مالدار نہیں اور نابالغ ہے اور رخصت نہیں ہوئی تو باپ کے ذمہ ہے اور اگر رخصت ہوگئی تو کسی کے ذمہ نہیں۔

كذا في الدرالمختار وردالمحتار. (۱)

۳/ جمادی الاولی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص ۲۵)

← **القدر لأنه لم يرد فيه الأثر فصار كالذرة وغيرها من الحبوب التي لم يرد فيها الأثر.** (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند۲/۱۳۸، كوئٹه۱/۳۰۹)

والخبز يجوز باعتبار العين عند بعض المشايخ وعند العامة باعتبار القيمة وهو الأصح حتى لو أدى مقام الخبز قيمة نصف صاع من الحنطة يجوز وفي سائر الحبوب الجواز باعتبار القيمة ...... وأما الأقط فلا يجوز عندنا إلا باعتبار القيمة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الثالث عشر صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند۳/۴۵۵، رقم:۴۸۳۷)

(۱) **تجب (صدقة الفطر) على كل حر مسلم ولو صغيرًا مجنونًا ...... ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية. وفي رد المحتار: (ولو صغيرًا مجنونًا) وهذا لو كان لهما مال الخ.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۱۲، كراچي ۲/۳۵۹ - ۳۶۰)

ومنها (شرائط الوجوب) الغنا فلا يجب الأداء إلا على الغني وهذا عندنا ...... وأما العقل والبلوغ فليسا من شرائط الوجوب في قول أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ حتى تجب صدقة الفطر على الصبي والمجنون إذا كان لهما مال ويخرجها الولي من مالهما الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، بيان من تجب عليه صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۹۹)

حقیقی بھائی کو فدیہ اور کفارہ کی رقم دینا

سوال (۸۸۷): قدیم ۲/۸۰- شخصے نماز دو ماہ قضاء کردہ بود قبل موت وصیت کرد کہ از اموال متروکہ کفارہ اش ادا کردہ شود و در میان برادران میت بعضے غنی و بعضے فقیر، اکنوں برادر غنی از ثلث مال ارادہ کفارہ میدارد و نیز می خواہد کہ بعض کفارہ فقیر اجنبی را و بعض برادر فقیر خود را دہد آیا برادرش را کفارہ دادن روا باشد یا نہ؟

سوال کا ترجمہ: ایک شخص نے دو ماہ کی نماز قضا کی تھی، موت سے پہلے اس نے وصیت کی کہ متروکہ مال میں سے اس کا کفارہ ادا کر دیا جائے، میت کے بھائیوں میں بعض مال دار اور بعض غریب ہیں، اب مال دار بھائی ثلث مال میں سے کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے۔ نیز یہ چاہتا ہے کہ تھوڑا کفارہ اجنبی غریب کو دیدے اور تھوڑا اپنے غریب بھائی کو دیدے، تو کیا اپنے بھائی کو کفارہ دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

← **تجب على حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته** ...... **فيخرجها عن نفسه و أولاده الصغار الفقراء، وإن كانوا أغنياء يخرجها من مالهم.** (مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتاب ديوبند ص:٧٢٣)

هي واجبة على الحر المسلم المالك لنصاب فاضل عن حوائجه الأصلية ...... **عن نفسه وولده الصغير الفقير** ...... **ولا عن طفله الغني بل مال الطفل.** (ملتقي الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت ١/٣٣٤-٣٣٥)

وأما الكبار العقلاء فلا يخرج عنهم عندنا وإن كانوا في عياله بأن كانوا فقراء زمني. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، بيان من تجب عليه صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ٢٠٢/٣)

ولو زوج طفلته الصالحة لخدمة الزوج فلا فطرة (الدر المختار) وفي رد المحتار: الصغيرة لو سلمت لزوجها لا تجب فطرتها على أبيها لعدم المؤنة. اھ فأفاد تقييد المسألة بقيدين: صلاحيتها للخدمة وتسليمها للزوج (إلى قوله) لو أمسكها في بيته فتجب على أبيها الخ (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند٣/٣١٥، كراچي ٢/٣٦٢)

تجب على كل حر مسلم ذي نصاب ...... **عن نفسه وطفله الفقير (كنز) وفي النهر: قيد بالفقير؛ لأن الغني تجب صدقة فطره في ماله على ما مر لعدم وجوب نفقته وفيه إشارة** ←

الجواب: ہرگاہ برادر را زکوٰۃ دادن درست است۔ فدیہ و کفارہ ہم درست است۔

لاشتراكها في الوجوب. (١)

۷؍رجب المرجب ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ۔ص ۱۵۲)

جواب کا ترجمہ: جب بھائی کو زکوۃ دینا درست ہے تو فدیہ اور کفارہ دینا بھی درست ہے؛ اس لئے کہ یہ سب چیزیں نفس وجوب میں مشترک ہیں۔

← **إلى ان الصغيرة لو سلمت لزوجها لا تجب صدقة فطرها على أبيها لعدم المؤنه كما في الخلاصة وفي القنية: تزوج صغيرة معسرة فإن كانت تصلح لخدمة الزوج فلا صدقة على الأب وإلافعليه صدقة فطرها ...... ولاتجب عن زوجته لقصور المؤنة والولاية.** (النهر الفائق مع كنز الدقائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ١/٤٧١ تا ٤٧٣)

البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٣٩ تا ٤٤١۔

(١) **عن سلمان بن عامر الضبيؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصدقة على المسكين صدقة وعلى ذي الرحم اثنتان صدقة وصلة.** (مسند الدارمي، كتاب الزكاة، باب الصدقة على القرابة، دار المغني الرياض ٢/١٠٤٦، رقم:١٧٢٢)

سنن الترمذي، كتاب الزكاة، باب ما جاء في الصدقة على ذي القرابة، النسخة الهندية ١/١٤٢، دار السلام رقم:٦٥٨۔

سنن ابن ماجة، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، النسخة الهندية ١/١٣٢، دار السلام رقم:١٨٤٤۔

وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء بل هم أولىٰ؛ لأنه صلة وصدقة. (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند٣/٢٩٣، كراچي٢/٣٤٦)

الأفضل صرف الصدقة إلى أخواته ذكورًا أو إناثًا. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٣٣)

مصرف الزكاة والعشر ...... هو فقير (الدر المختار) وفي الشامية: هو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلک من الصدقات الواجبة. (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند٣/٢٨٣، كراچي ٢/٣٣٩)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسافر پر صدقۂ فطر اور قربانی کب واجب ہوتی ہے؟

سوال (۸۸۸):قدیم۲/۸۰- مسافر جومکان میں صاحب نصاب ہےاس کوحالت سفرمیں اگرقربانی وفطرہ دینے کی قدرت ہوتواس پرقربانی یافطرہ واجب ہوگا یانہیں۔لیکن فی الحال سفرمیں مقدار نصاب مال ساتھ نہیں ہےلیکن بوقت ضرورت منگانے پرقادرہےایسے شخص پرکیاحکم ہے۔؟

الجواب:**في الدرالمختار باب المصرف وابن السبيل وهو كل من له مال لامعه في ردالمحتار عن الفتح ولا يحل له أي لابن السبيل أن يأخذ أكثر من حاجة. ٢/٩٩. (١) وفي درالمختار باب صدقة الفطر على كل حر مسلم ولو صغيراً مجنوناً ذى نصاب فاضل عن حاجته الأصلية وإن لم ينم وبه أي بهذا النصاب تحرم الصدقة وتجب الأضحية (٢)**

---

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٢٩٠، كراچي ٢/٣٤٣

ابن السبيل هو المنقطع عن ماله لبعده عنه وفي فتح القدير: ولا يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٢٢، كوئٹه ٢/٢٤٢)

وابن السبيل هو المسافر ...... فيجوز له أن يأخذ وإن كان له مال في وطنه لايقدر عليه للحال ولا يحل له أن يأخذ أكثر من حاجته. (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٦٩، كوئٹه ٢/٢٠٥)

تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند٢/١١٦، كوئٹه١/٢٩٨

(٢) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣١٢-٣١٣، كراچي ٢/٣٥٩-٣٦٠

هي واجبة على الحر المسلم المالک لنصاب فاضل عن حوائجه الأصلية، وإن لم يكن نامیًا، وبه تحرم الصدقة وتجب الأضحية. (ملتقي الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٣٤)

تجب على حر مسلم مكلف مالک النصاب (مراقي الفلاح) وفي هامشه: اعلم! ←

وفيه كتاب الأضحية وشرائطها الإسلام والإقامة واليسار الخ. (١)

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے:

(۱) ایسے مسافر پر نہ صدقۂ فطر واجب ہے اور نہ قربانی۔ کیونکہ وجوب صدقہ (*) وحرمت اخذ صدقہ مجتمع نہیں ہوتے اور اس شخص کو زکوٰۃ لینا جائز ہے پس صدقہ فطر وقربانی واجب نہیں۔

(۲) ایسے شخص کو زکوٰۃ لینا گو درست ہے مگر حاجت سے زیادہ نہ لے اور دینے والا بھی اس سے تحقیق حاجت کی کرلے۔ زیادہ حاجت سے نہ دے۔

(۳) اور اگر اس مسافر کے پاس نصاب ساتھ ہی موجود ہو تو قربانی تو پھر بھی واجب نہیں مگر صدقۂ فطر واجب ہے۔

(۴) لیکن اگر ایام قربانی میں مقیم ہوگیا تو پھر قربانی واجب ہوجاوے گی۔

(۵) سفر سے مراد سفر شرعی ہے۔

۲۶ رشوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص ۸۰)

(*) جو مسافر نصاب ساتھ نہ رکھتا ہو، مگر بقدر واجب مال اس کے پاس ہو وہ چونکہ زکوۃ نہیں لے سکتا؛ لہٰذا اس پر وجوب صدقۂ فطر سے کوئی امر مانع نہیں پس اس پر صدقہ واجب ہوگا۔۱۲ رشید احمد عفی عنہ

← **أن النصب ثلاثة نصاب يشترط فيه النماء وتتعلق به الزكاة وسائر الأحكام المتعلقة بالمال النامي، ونصاب تجب به أحكام أربعة حرمة الصدقة ووجوب الأضحية وصدقة الفطر ونفقة الأقارب. ولا يشترط فيه النمو بالتجارة ولاحولان الحول.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتاب ديوبند ص:۷۲۳)

(۱) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۴۵۲/۹، كراچي ۳۱۲/۶۔

وإنما تجب على حر مسلم مقيم موسر. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت ۱۶۶/۴)

الأضحية واجبة على كل حر مسلم مقيم موسر. (هداية، كتاب الأضحية، مكتبه أشرفية ديوبند ۴۴۳/۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صدقۂ فطر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے واجب ہے

سوال (۸۸۹): قدیم ۲/ ۸۱- زید ایک شخص ہے جو گھر کا مالک ہے اور اس کے متعلقین بہ تفصیل ذیل لوگ ہیں: زوجہ زید، بیٹا بالغ، حقیقی بھائی، زوجہ حقیقی بھائی کے بیٹے کی، دو زوجہ اور چار زید کی لڑکیاں، ایک لڑکی جوان بیاہی جو سسرال میں رہتی ہے اور کبھی کبھی اس کے یہاں آجاتی ہے۔

دوسری نابالغ بے بیاہی تیسری نابالغ بیاہی یہ دونوں آخر الذکر زید کے یہاں رہتی ہیں۔ چوتھی نابالغ بیاہی جو سسرال میں رہتی ہے۔ زید کی بہن بیاہی ہوئی جو بطور مہمان ہونے کے آگئی ہے۔ ایک خادمہ بے باپ وماں وشوہر کے جس کا کھانا کپڑا زید کے ذمہ ہے ان میں سے کس کس کا صدقۂ فطر زید کے ذمہ ہے؟

الجواب: زید کے ذمہ صرف اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے جو کہ نادار ہوں صدقۂ فطر واجب ہے مگر جو لڑکی نابالغ بیاہی گئی ہو اور خاوند کے گھر رخصت ہوگئی ہو۔ بشرطیکہ خاوند کی خدمت کے لائق ہو اس لڑکی کا صدقۂ فطر بذمہ زید واجب نہیں۔

في الدر المختار: عن نفسه وطفله الفقير (إلى قوله) ولو زوج طفلته الصالحة لخدمة الزوج فلا فطرة. آه وفي رد المحتار: لو سلمت لزوجها لاتجب فطرتها على أبيها آه. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

یکم ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ، ص ۶۰)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣١٤-٣١٥، كراچي ٢/ ٣٦١-٣٦٢۔

تجب على كل حر مسلم ...... عن نفسه وطفله الفقير (كنز) وفي النهر: قيد بالفقير؛ لأن الغني تجب صدقة فطر وفي ماله ...... وفيه اشارة إلى أن الصغيرة لو سلمت لزوجها لاتجب صدقة فطرها على أبيها لعدم المؤنه كما في الخلاصة. وفي القنية: تزوج صغيرة معسرة فإن كانت تصلح لخدمة الزوج فلا صدقة على الأب وإلا فعليه صدقة فطرها. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٧١-٤٧٢)

الحاصل أنه يجب عليه صدقة الفطر عن خمسة نفر عن نفسه وعن ولده الصغير ←

شیخ فانی کسے کہتے ہیں اور زندگی میں صوم وصلوۃ کا فدیہ ادا کرنے کا حکم

سوال (۸۹۰): قدیم ۲/۸۱- قضاء نماز روزہ کا فدیہ کوئی اپنی حیات میں ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار: بعد ذكر الفدية للشيخ الفانى هذا إذا كان الصوم أصلا بنفسه وخوطب بأدائه حتىٰ لو لزمه الصوم لكفارة يمين أو قتل ثم عجز لم تجز الفدية؛ لأن الصوم ههنا بدل عن غيره في ردالمحتار هذا أي وجوب الفدية على الشيخ الفاني ونحو قوله: أصلاً بنفسه كرمضان و قضائه والنذر كما مر فيمن نذر صوم الأبد وكذا لو نذرصوما معيناًفلم يصم حتى صار فانياً جازت له الفدية. بحر ،ج ۲، ص ۱۹۲. (۱)

← ذكرًا كان أو أنثىٰ إلا إذا زوج ابنته الصغيرة وسلمها إليه ثم جاء يوم العيد لا يجب عليه. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل السابع في صدقة الفطر، مكتبه أشرفية ديوبند ۱/۲۷۳)

هي واجبة على الحر المسلم المالک لنصاب ...... عن نفسه وولده الصغير الفقير (ملتقى الأبحر) وفي الدر المنتقى: أي لو في عياله كما هو المتبادر فلو زوج صغيرته من رجل وسلمها إليه لم تجب عليه. (ملتقى الأبحر مع الدر المنتقي، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۳٤-۳۳٥)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند۳/٤۱۱، كراچي ۲/٤۲۷۔

لأن الفدية لا تجوز إلا عن صوم هو أصل بنفسه لا يدل عن غيره فجازت عن رمضان وقضائه والنذر حتى لو نذر صوم الأبد فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة له أن يطعم ويفطر ...... ولو نذر صومًا معينًا فلم يصم حتى صار فانيا جازت له الفدية ولو وجبت عليه كفارة يمين أو قتل فلم يجد ما يكفره به وهو شيخ كبير عاجز عن الصوم أو لم يصم حتى صار شيخًا كبيرًا لا تجوز له الفدية؛ لأن الصوم هنا بدل عن غيره. (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند۲/۱/٥۰۱، كوئٹه ۲/۲۸٦)

النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۲۔

وفي رد المحتار عن الكافي: أن العاجز عن صوم هو بدل عن غيره كما في كفارة اليمين والقتل لوفدى عن نفسه في حياته إن كان شيخاً فانياً لايصح الخ ۲/۱۹۱ (۱).

في رد المحتار: ولو فدى عن صلاته في مرضه لايصح بخلاف الصوم. في ردالمحتار: لأنه يصلى بماقدر ولو مؤمياً برأسه فإن عجز عن ذلک سقطت عنه إذا أكثرت الخ.(۲)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ شیخ فانی (بالتفسیر المذکور فی الجواب الاول (قبل ہذا،۱۲منہ) روزہ کا فدیہ تو اپنی حیات میں دے سکتا ہے مگر نماز کا فدیہ نہیں دے سکتا؛ کیونکہ اشارہ سے قضاء کرسکتا ہے۔ اور غیر شیخ فانی نہ روزہ کا فدیہ دے سکتا ہے نہ نماز کا۔(۳) واللہ اعلم

۲۵؍ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص۲۲)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند۳/۴۰۹، كراچي ۲/۴۲۶

ولو وجب عليه كفارة يمين أو قتل فلم يجد ما يكفر به وهو شيخ كبير عاجز عن الصوم أو لم يصم حتى صار شيخًا كبيرًا لا يجوز له الفدية؛ لأن الصوم هنا بدل عن غيره. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند۲/۱۹۹، كوئٹه ۱/۳۳۷)

النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند۲/۳۲۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۳۵، كراچي۲/۷۴۔

سئل الحسن بن علي عن الفدية عن الصلوات في مرض الموت هل يجوز؟ فقال: لا، وسئل حمير الوبري ويوسف بن محمد عن الشيخ الفاني هل يجب عليه الفدية عن الصلوات كما يجب عليه من الصوم وهو حي؟ فقالا: لا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، آخر الفصل العشرون في قضاء الفائتة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۵۹، رقم:۲۹۹۵)

هندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب الثاني عشر في سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۱۲۵، جديد ۱/۱۸۴۔

(۳) ان غير الشيخ ليس له أن يفدي عن صومه في حياته لعدم النص ومثله الصلاة. (شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۵۳۵، كراچي ۲/۷۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نفلی صدقہ غنی کے لئے بھی جائز ہوگا

سوال (۸۹۱): قدیم۲/۸۲- ایک شخص نے عام لوگوں کی دعوت کی ایک دوسرے شخص نے دوسرے شخص سے پوچھا کہ یہ دعوت کیسی ہے اس نے جواب دیا کہ ماہ محرم کا کھانا للہ کیا ہے تو یہ کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور امیر وکبیر لوگ اس کھانے کو کھا سکتے ہیں یا نہیں اور کھلانے والے کو ثواب مل سکتا ہے یا نہیں؟ اور جس مقام پر غریب لوگ نہ ہوں تو کس کو کھلاوے؟

الجواب: **في الدرالمختار: قبيل باب الرجوع في الهبة لا لغنيين لأن الصدقة على الغنى هبة (۱) وفيه في مسائل متفرقة الصدقة كالهبة. (إلى قوله) ولو على غنى لأن المقصود فيها الثواب لا العوض (۲) وفيه باب المصرف ولا إلى غنى ولا إلى بنى هاشم (۳) وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الأوقاف لهم أي لبنى هاشم. الخ مختصراً.**

---

(۱) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الهبة، قبيل باب الرجوع في الهبة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/۵۰۳، كراچي ۵/۶۹۸۔

(۲) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/۵۲۰، كراچي ۵/۷۰۹۔

(۳) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الهبة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۹۵-۲۹۹-۳۰۰، كراچي ۲/۳۴۷-۳۵۱۔

الأصل أن الصدقة تعطي للفقراء والمحتاجين وهذا هو الأفضل كما صرح به الفقهاء وذلك لقوله تعالىٰ: .... **واتفقوا على أنها تحل للغني لأن صدقة التطوع كالهبة فتصح للغني والفقير. قال السرخسي: ثم التصدق على الغني يكون قربة ليستحق بها الثواب ...... لكن يستحب للغني التنزه عنها.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶/۳۳۲)

المبسوط للسرخسي، كتاب الهبة، باب الصدقة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲/۹۲۔

تحل الصدقة لغني ولو من ذوي القربي لقول جعفر بن محمد عن أبيه: أنه كان يشرب من سقايات بين مكة والمدينة فقيل له: أتشرب من الصدقة فقال: إنما حرم الله ←

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نفلی صدقہ غنی کے لئے بھی جائز ہے خواہ وہ حکماً ہبہ ہو یا صدقہ اوراس میں ثواب بھی ہے گو فقیر کو دینے کے برابر نہ ہو، پس صورت مسئولہ میں گو بقرینہ اس کے قول للہ کے یہ صدقہ ہے، مگر نافلہ ہے؛ اس لئے غنی کے لئے حرام تو نہیں ہے؛ لیکن زیادہ ثواب فقراء ہی کو کھلانے میں ہے اورغنی کو عذر کردینا اولیٰ ہے اوراگر وہاں فقراء نہ ہوں تو دوسری جگہ فقراء کے لئے بھیجدیں خواہ طعام یا بقدر اس کی قیمت کے نقد(۱)۔ واللہ اعلم

ہندو کو صدقۂ نفل دینا جائز ہے

سوال (۸۹۲): قدیم ۲/۸۳- میں نے تفسیر بیان القرآن میں سورۃ البقرہ میں دیکھا کہ حضور والا نے فرمایا ہے کہ حربی کافر کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں ہے اورصرف ذمی کافر کو صدقات نافلہ دے سکتے ہیں؟ (۲)

← **علينا الصدقة المفروضة ...... لكن يستحب للغني التنزه عنها ويكره التعرض لأخذها.** (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الزكاة، الفصل الثالث صدقة التطوع، مكتبه أشرفية ديوبند ۳/ ۷۰- ۷۱)

وأما ما سوى الزكاة من صدقة الفطر والكفارات والنذور فلا شك في أن صرفها إلى فقراء المسلمين أفضل لأن الصرف إليهم يقع إعانة لهم على الطاعة. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الزكاة، سابعا: شروط المستحقين، مكتبه أشرفية ديوبند ۲/ ۷۹۰)

وإنما تحرم على هؤلاء الصدقة الواجبة من العشور، والنذور، والكفارات، فأما الصدقة على وجه التصدق والتطوع فلا بأس. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند۳/ ۲۱٤، رقم:۳۱۵۵)

(۱) **إذا فاضت الزكاة في بلد عن حاجة أهلها جاز نقلها إتفاقًا.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/ ۳۳۱۔

(۲) مکمل بیان القرآن، تحت قولہ تعالیٰ: **لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ.** [البقرة: ۲۷۲] تاج پبلیشرز دہلی ۱/۱۶۴۔

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہندوستان میں جوکہ دارالحرب ہے ہندوفقیروں کو کوئی صدقہ نہیں دینا چاہئے؟ اِس وقت تک میں ان لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ یاد کر کے خیرات دیدیا کرتا ہوں۔اب جیسا حکم عالی ہو۔

الجواب: کام کا سوال ہے جواب دیتا ہوں۔مراد میری حربی سے محارب ہے حربی مسالم نہیں کہ اس کا حکم ذمی جیسا ہے عبارت میں قید رہ گئی ہے مگر قواعد سے قید ظاہر ہے۔(۱)

۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ (النور،ص ۱۰، محرم ۱۳۵۵ھ)

محصول چنگی سے بچنے والے کو گرفتار کروا کر حاصل کردہ انعام پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۸۹۳): قدیم ۲/۸۳- ایک اسلامی ریاست میں منجملہ دیگر قوانین ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص اپنا محصولی مال بلا ادائے محصول سرکاری خفیۃً لیجاتا ہوا گرفتار کیا جائے گا اس کا کل مال نیلام کر کے نصف گرفتار کنندہ کو دیکر ماقبی سرکار اپنے خزانہ میں داخل کرلے گی؛ چنانچہ ایک شخص نے ایک ہندو کا مال گرفتار کر کے اسی قسم کا انعام حاصل کیا اور رقم انعام میں سے کچھ اپنے صرف کے لیے رکھی اور کچھ کسی کو قرض دیدی مگر مقروض نے یہ کہہ کر روپیہ لیا ہے کہ میں اس سے ایک مکان خریدوں گا اور اس کا کرایہ ماہ بماہ تم کو دیتا رہوں گا۔مکان کا بیعنامہ اپنے ہی نام کرایا اور مقرض سے صرف زبانی اقرار کیا اب اس میں چند امور دریافت طلب ہیں۔

---

(۱) مکمل بیان القرآن قبل تفسیر قولہ تعالیٰ: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ. [البقرة: ۲۷۲] تاج پبلیشرز دہلی ۱/۱۶۴۔

قوله تعالیٰ: لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ. [الممتحنة: ۸]

فأباح برهم وإن كانوا مشركين إذا لم يكونوا أهل حرب لنا والصدقات من البر فأقتضى جواز دفع الصدقات إليهم. (أحكام القرآن للجصاص، باب اعطاء المشرك من الصدقة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۵۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) اس ہندو نے جو کہ ذمی ہے تمام قوانین کے ساتھ اس قانون کی پابندی کا بھی عہد کیا ہے تو کیا امام مسلمین کو ذمی سے اس قسم کا عہد لینا جائز نہیں؟

(۲) اگر یہ قانون ذمی کے حق میں بھی غیر نافذ اور ناجائز ہے تو گرفتار کنندہ کا انعام حکم غاصب میں ہے یا نہیں؟

(۳) اگر حکم غصب میں ہے تو واجب الرد ہوگا؟

(۴) اگر رد نہ کرے تو زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔؟

(۵) مقروض کو رقم قرض کسے واپس کرنا چاہئے مقرض کو یا اُس ہندو کو جس کا یہ مال ہے۔؟

(۶) اگر مقروض ادا نہ کرے تو مقرض تو خود بھی اصل مالک پر رد کا قصد نہیں رکھتا تقاضا کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

(۷) مقروض کا ماہانہ کچھ روپیہ دینا سود ہوگا یا نہیں اور مقرض کو اُس روپیہ کے تقاضہ کا بھی حق حاصل ہے یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا

الجواب: اوّل مال تجارت پر ذمی سے محصول لینے کا قانون شرعی سمجھ لیا جاوے پھر سوال کا جواب لکھا جاوے گا وہ قانون یہ ہے۔ حسبما فی الدر المختار ورد المحتار۔(۱)

---

(۱) فمن أنكر تمام الحول أو قال لم أنو التجارة أو على دين محيط أو منقص للنصاب) أو قال: أديت إلى عاشر آخر وكان عاشر محقق أو قال: أديت إلى الفقراء في المصر ...... وحلف صدق ...... وكل ما صدق فيه مسلم ممامر صدق فيه ذمي لأن لهم مالنا (الدر) وتحته في الرد: فيراعي في حقهم تلك الشرائط من الحول والنصاب والفراغ من الدين وكونه للتجارة. وفي الدر: إلا في قوله أديت أنا إلى الفقير (إلى قوله) وأخذ منا ربع عشر ومن الذمي ...... ضعفه (إلى قوله) ولا يؤخذ العشر من مال صبي حربي ...... أخذ من الحربي مرة لا يؤخذ منه ثانيًا في تلك السنة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العاشر، مكتبه زكريا ديوبند ٢٤٥/٣ تا ٢٥٠، كراچي ٣١١/٢ تا ٣١٥)

يأخذ من المسلم ربع العشر ومن الذمي نصفه (ملتقي الأبحر) وفي الدر المنتقي: ولايأخذ من مال صبي حربي إلا أن يكونوا يأخذون من مال صبياننا ويقبل قول من أنكره من التجار تمام الحول أوأنكر الفراغ من الدين أو قال: لم أنو التجارة أو أدعى الأداء بنفسه ←

(۱) وہ مال تجارت کا ہو۔

(۲) سال بھر میں صرف ایک مرتبہ لیا جاوے زیادہ نہ لیا جاوے۔

(۳) وہ مال نصاب کے بقدر ہو۔

(۴) اس پر اتنا دین نہ ہو جو کہ نصاب کو کم کردے۔

(۵) اگر وہ کہے کہ اس مال میں میری نیت تجارت کی نہیں یا اس سال میں دوسری چوکی پر مجھ سے اس مال کا محصول لے لیا گیا ہے یا میرے ذمہ دین ہے جس کے بعد نصاب نہیں رہتا اُس سے حلف لیکر اُس کی تصدیق کی جاوے گی۔

(۶) بیسواں حصّہ سے زیادہ نہ لیا جاوے۔

(۷) مالک مال کا نابالغ نہ ہو، اگر اس قانون کے خلاف محصول لیا جاوے گا ظلم ہوگا پس اگر اُس ریاست میں اس قانون کی پابندی نہیں ہے تب تو مال کا گرفتار کرانا ہی حرام اور اعانت علی الظلم ہے

← **إلى الفقراء في المصر ...... أو أدعىٰ الأداء إلى عاشر آخر إن وجد عاشر آخر متحقق مع يمينه في الكل استحسانًا ...... وما قبل من المسلم قبل من الذمي لأن لهم مالنا إلا في قوله: أديت أنا.** (ملتقى الأبحر مع الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب العاشر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۰۸ تا ۳۱۱)

ذهب الحنفيةؒ والشافعيةؒ والحنابلةؒ إلى أن العشر لا يؤخذ من تجار أهل الذمة في السنة إلا مرة واحدة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۰/۱۱۰)

إذا أخذ من الحربي مرة لا يأخذ منه ثانيًا في تلك السنة ما لم يعد إلى دار الحرب بخلاف المسلم والذمي حيث لا يؤخذ منهما مرتين في حول؛ لأن ما يؤخذ منهما زكاة أوضعفها وهي لا تجب في الحول مرتين. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب العاشر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۸۹، امدادية ملتان ۱/۲۸۵)

اشترط بعض الفقهاء لأخذ العشر من أهل الحرب إذا دخلوا بأمان ومن الذميين عدة مشروط وهي البلوغ اشترط الحنفية (إلى قوله) الأموال التي تخضع للعشر لا يجب العشر إلا في الأموال المعدة للتجارة كالأقمشة والزيت والحبوب والذهب والفضة ونحو ذلك.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۰/۱۰۶/۱۰۷)

اور اُس پر انعام لینا یہ صریح اکل سحت ہے اگر اس قانون کی پابندی (اور اس کی توقع بعید ہے) تو گرفتار کرانا تو جائز؛ بلکہ طاعت اور اعانت علی الحق ہے؛ لیکن اس پر انعام لینا بوجہ اجرت علی الطاعۃ ہونے کے پھر بھی ناجائز اور رشوت ہے۔ بہرحال جو انعام لیا ہے وہ ہرصورت میں ناجائز رہا(۱) اس کے بعد سوالوں کا جواب بہ ترتیب مرقوم ہوتا ہے۔

(۱) قانون شرعی کے موافق عہد لینا جائز ہے اور اس کے خلاف عہد لینا ناجائز ہے۔(۲)

(۲) ہرحال میں بحکم غصب ہے۔(۳)

---

(۱) **يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ يعني لا يأكل أحدمنكم مال غيره من المسلمين ومن تبعهم من أهل الذمة...... بِالْبَاطِلِ أي بوجه ممنوع شرعًا كالغصب والسرقة والخيانة والقمار والربوا والعقود الفاسدة.** (تفسير مظهري، سورة النساء:۲۹، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۸۷)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب ما لا بغير حق فأما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففي جميع الأحوال المال الحال الحاصل له حرام عليه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، قديم ميرٹھ ۱/۳۷، دار البشائر الإسلامية ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث:۵۹)

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ . [المائدة:۲]

(۳) **عن كثير بن عبد الله بن عمرو بن عون المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرم حلا لا أو أحل حرامًا والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلا لا أوأحل حرامًا.** (سنن الترمذي، أبواب الأحكام عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/۲۵۱، دارالسلام رقم:۱۳۵۲)

قال أبوحنيفةؒ وأبو يوسفؒ هو إزالة يد المالك عن ماله المتقوم على سبيل المجاهرة والمغالبة بفعل في المال. (بدائع الصنائع، كتاب الغصب، مكتبه زكريا ديوبند ۶/۱۳۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۱/۲۲۸)

(۳) واجب الرد ہے(۱) اوراس کے خلاف عہد لینا نا جائز ہے۔

(۴) اگراس نے اپنے مال میں مخلوط کرلیا تو زکوٰۃ واجب ہے۔(۲)

(۵) اگراس انعام گیرندہ نے اسکو دوسرے اموال میں مخلوط کرلیا تو وہ مالک ہوگیا گوملک خبیث سہی پس یہ قرض اسکو واپس کیا جاوے گا اور اگر مخلوط نہیں کیا بالکل علیحدہ رکھا ہے تو مالک وہی ہندو ہے اگر قدرت ہوتو اسی کو دیدے۔(۳)

(۶) اگر یہ مقرض اس کو مخلوط کر چکا تھا تو تقاضے کا حق رکھتا ہے ورنہ نہیں۔

(۷) اگر یہ ماہانہ قسط ہے اصل قرض کی تب تو سودنہیں اگراس کے علاوہ ہے تو سود ہے اور اصل قرض کا مطالبہ جائز ہوتا ہے سود کا جائز نہیں ہوتا۔(۴)

۲۵ ر رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

---

(۱) **ذهب الفقهاء إلى أنه يجب على الغاصب رد المعين المغصوبة إلى صاحبها حال قيامها ووجودها بذاتها.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳۶/۳۱)

عن عبد الله بن السائب بن يزيد عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يأخذ أحدكم عصا أخيه لاعبًا أو جادًا فمن أخذ عصا أخيه فليردها إليه. (سنن الترمذي، أبواب الفتن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم باب ما جاء لا يحل لمسلم أن يروع مسلمًا، النسخة الهندية ۳۹/۲، دار السلام رقم: ۲۱۶۰)

(۲) **ولو خلط السلطان المال المغصوب بما له ملكه فتجب الزكاة فيه ويورث عنه لأنه الخلط استهلاک إذا لم يمكن تمييزه عند أبي حنيفة.** (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، قبيل مطلب في التصدق من المال الحرام، مكتبه زكريا ديوبند ۲۱۷/۳، كراچي ۲۹۰/۲)

لو أن سلطانًا غصب مالا وخلطه صار ملكا له حتى وجبت عليه الزكاة وورث عنه على قول أبي حنيفةؒ؛ لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاک. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۳۵۹/۲، كوئٹه ۲۰۵/۲)

(۳) **ولكن أن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالک.** (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، ميرٹھ قديم ۳۷/۱، دار البشائر الإسلامية ۳۵۹/۱، تحت رقم الحديث: ۵۹)

(۴) **يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا أي أتركوا بقايا ماشرطتم** ←

صاع کا وزن کیا ہے؟

سوال (۸۹۴): قدیم ۲/۸۴- حضور کی بہشتی زیور نامی کتاب میں صدقہ فطر کے بارے میں دیکھنے میں آیا کہ نصف صاع عراقی اسی تولہ کے سیر کے حساب سے ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک ہوتا ہے۔یعنی اسی قدر صدقہ فطر ادا کرنا چاہئے۔ یہ فقیر حسب تحریر فقہاء عاملین رحمہم اللہ تعالی کے حساب لگا کر جو دیکھا تو نصف صاع عراقی انگریزی سیر کے حساب سے ایک سیر ساڑھے گیارہ چھٹانک ہوتا ہے نہ معلوم ایک چھٹانک کا بیش وکم کیوں ہوتا ہے؟ میں جہاں تک سمجھتا ہوں میرے ہی حساب میں غلطی واقع ہوئی ہوگی۔اس لیے امیدوار ہوں کہ نصف صاع عراقی انگریزی سیر ساڑھے بارہ چھٹانک کس حساب سے ہوتا ہے اس فقیر کو ہدایت فرما کر سرفرازی دارین بخشیں۔زیادہ ایام بہ کام باد۔

الجواب: چونکہ مرجع اخیر سب حسابوں کا مثقال ہے اس کے حساب میں اختلاف ہونے سے صاع کے حساب میں اختلاف ہوجاتا ہے۔(۱) سو ایسا اختلاف مضر نہیں سب میں توسع ہے۔

۹/ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ

← **على الناس من الربا إن كنتم مؤمنين.** (تفسيري مظهري، البقرة: ۲۸۷، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۱۰)

قوله تعالىٰ: وإن تبتم فلكم رؤوس أموالكم قد اقتضى ثبوت المطالبة لصاحب الدين على المدين وجواز أخذ رأس مال نفسه منه بغير رضاه؛ لأنه تعالىٰ جعل اقتضاءه ومطالبته من غير شرط رضا المطلوب. (أحكام القرآن للجصاص، البقرة: ۲۷۹، مكتبه زكريا ديوبد ۱/ ۵۷۴)

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر بيروت ۸/ ۲۷۶، رقم: ۱۱۰۹۲)

(۱) قال مجاهد محرزته فيما أحزر، ثمانية أرطال، تسعة أرطال، عشرة أرطال، قال أبوجعفرؒ: فذهب ذاهبون إلى أن وزن الصاع ثمانية أرطال واحتجوا في ذلك بهذا الحديث ←

→ **وقال لم يشك مجاهد في الثمانية وإنما شك فيما فوقها فثبت الثمانية؛ بهذا الحديث وانتفى مافوقها وممن قال بهذا القول أبو حنيفةؒ: وخالفهم في ذلك آخرون فقالوا وزنه خمسة أرطال وثلث رطل وممن قال بذلك أبويوسفؒ وقالوا هذا الذي كان يغتسل الرسول الله صلى الله عليه وسلم هو صاع ونصف.** (طحاوي شريف، جديد بيروتى، كتاب الزكاة، باب وزن الصاع ٢/ ١٠٠)

عن عائشةؓ قالت: كنت اغتسل أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم من إناء واحد من قدح واحد يقال له الفرق قالوا: فلما ثبت بهذا الحديث الذي روي عن عائشةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغتسل هو وهي من الفرق والفرق ثلاثة أصعٍ كان مايغتسل به كل واحد منهما صاعًا ونصفًا......فإذا كان ذلك ثمانية أرطال كان الصاع ثلثيها وهو خمسة أرطال ثلث رطل وهذا قول أهل المدينة أيضًا.
(طحاوي شريف، بيروتي ٢/ ١٠١)

بہرحال وزن صاع میں اختلاف ہے۔

اوران سارے اختلاف کوسمیٹ کرحضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے جواہر الفقہ میں ایک عمدہ خلاصہ اَخذ فرمایاہے،اس کو یہاں درج کردیتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

حسب تصریح فقہاء جس کا حوالہ ابتداء میں گزر چکا ہے، ایک رطل ۹۰ رمثقال کا اور ۹۰ رکو ۸ ر میں ضرب دیا تو ۷۲۰ رمثقال، صاع کا وزن ہوگیا اور تحقیق مذکور سے یہ ثابت ہوگیا کہ ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہے تو پورا صاع ۳۲۴۰ ر ماشہ، یعنی ۲۷۰ رتولہ اور نصف صاع ۱۳۵ رتولہ کا ہوگیا جو ۸۰ رتولہ کے انگریزی سیر کے حساب سے تین سیر چھ چھٹانک کا پورا صاع اور ڈیڑھ سیر تین چھٹانک کا نصف صاع ہوا۔
(مستفاد: جواہر الفقہ ۳/ ۴۱۱)

ہم نے نصف صاع کی مقدار کا حساب لگا کر دیکھا تو ڈیڑھ کلو ۴۷ رگرام ۶۴۰ رملی گرام بنتی ہے۔
(مستفاد: ایضا المسائل ص:۱۰۱)

اس کی ایک مفصل بحث مع نقشہ کے ایضاح الطحاوی ۳/ ۱۸۳ تا ۱۹۵ رمیں موجود ہے۔ ←

صدقۃ الفطر کی حقیقت

صدقۂ فطر آدمی کی جان کی زکوۃ ہے، قرآن مقدس میں اصل حکم کھانا کھلانے کو قرار دیا ہے، سورۂ بقرہ آیت نمبر: ۱۸۴ر میں روزہ کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا قرار دیا ہے، سورۂ مائدہ آیت نمبر ۸۹ر میں کفارہ یمین کے تحت ''**فکفارته اطعام عشرة مساكين من اوسط ما تطعمون أهليكم. الآية**'' کے ذریعہ سے متوسط درجہ کا کھانا دینے کا حکم فرمایا ہے؛ لیکن ہر زمانہ میں گھر لاکر کھلانا یا کھانا بھیجنا اور وہ بھی ایک فقیر کا کئی جگہ کھانا اور کئی جگہ سے کھانا لے کر رکھنا سب دشوار کن کام ہے؛ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا دینے کے بجائے اشیاء دینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، ان منصوص اشیاء میں سے کھجور، کشمش، جو، پنیر کے بارے میں جمہور صحابہ اور ائمہ اربعہ ایک صاع (تین کلو، اور تقریباً ڈیڑھ سو گرام) فی نفر دینے پر متفق ہیں اور کشمش کے بارے میں بعض لوگوں نے نصف صاع کی بات کی ہے جس کو امت نے قبول نہیں فرمایا:

بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں لفظ طعام جو آیا ہے، اس کا مصداق کیا ہے؟ مکئی ہے یا گندم؟ اس میں تھوڑا اختلاف ہے اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں جب ملک شام سے عمدہ گیہوں آنے لگا اور وہ خود مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں میں اس بات کا اعلان فرمایا کہ نصف صاع گیہوں کو پورا ایک صاع کھجور یا جو یا کشمش وغیرہ کے برابر قرار دیا جائے؛ کیونکہ نصف صاع گیہوں کا معیار اور قیمت مذکورہ اشیاء کے ایک صاع سے کم نہیں؛ چونکہ یہ ایک معقول بات تھی؛ اس لئے صحابہؓ نے اس کو قبول فرمالیا، نیز طحاوی شریف میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے مرفوع روایت بھی نصف صاع گندم کی تائید میں ہے، اس روایت کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نصف صاع گندم کے ویلو اور قیمت کو دیگر منصوص اشیاء کے ایک صاع کے برابر قرار دیا ہے۔

پھر امام طحاویؒ نے نظر طحاوی کے تحت بھی یہی ثابت فرمایا ہے کہ گندم کے نصف صاع کی قیمت اور ویلو کھجور، جو، کشمش وغیرہ کے دوگنا، اور پورا صاع کے برابر ہے اور اس فیصلہ سے امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالک وغیرہ جمہور فقہاء نے اتفاق نہیں فرمایا؛ لہٰذا ان کے یہاں گندم سے بھی پورا صاع ادا کرنا ضروری ہے اور حنفیہ، سفیان ثوری، علماء کوفہ وعراق نے اس فیصلہ سے اتفاق فرمایا ہے؛ لہٰذا ان کے یہاں نصف صاع گندم دیگر اشیاء کے رو سے نصف صاع کے برابر ہے۔ ←

اورگندم کا یہ معیار صدیوں تک جاری رہا؛ چنانچہ آج سے تقریبا پچاس سال پہلے تک گندم کی قیمت میں اوردالوں کی قیمت میں خاص فرق نہیں تھا اورآج کل کئی گنا فرق ہوگیا کہ دالوں کی قیمت دوسوروپیہ تک پہونچ گئی اور گندم اورآٹا کی قیمت اس کے چھوتھائی حصہ بھی نہیں ہے اور انفع للفقراء مطلوب شرعی ہے؛ اس لئے علماء کواس پر غور کرنا چاہئے کہ اگر نصف صاع ہی دینا ہے تو گندم کے آٹا کی قیمت لگائیں؛ جبکہ نصف صاع آٹا کی قیمت سے بھی آج کے زمانہ میں دووقت متوسط درجہ کے کھانے کا انتظام بہت ہی مشکل ہے کھجور، جو، کشمش وغیرہ کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہئے تاکہ غرباء اس پیسہ سے دووقت کھانے کا انتظام کرسکے۔

اب صدقۂ فطر سے متعلق نصوص اورروایات ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي سعيد الخدريؓ قال كنا نخرج زكوة الفطر إذ كان فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم صاعًا من طعام أو صاعا من شعير أو صاعًا من تمر أو صاعاً من زبيب وصاعا من أقط فلم نزل نخرجه حتى قدم معاوية المدينة فتكلم فكان فيما كلم به الناس إني لأرى مدين من سمراء الشام تعدل صاعاً من تمر قال فأخذ الناس بذلك قال أبوسعيد فلا أزال أخرجه كما كنت أخرجه. الحديث (مسلم شريف، باب زكوة الفطر ۳۱۸/۱، ترمذي شريف ۱۴۵/۱، بخاري شريف، باب صاع من زبيب ۲۰۴/۱، رقم:۱۴۸۶، ف:۱۵۰۸)

وهو قول الشافعيؒ وأحمدؒ وإسحاق وقال بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم من كل شيء صاع إلا من البر فإنه يجزئ نصف صاع وهو قول سفيان الثوري وابن المبارك وأهل الكوفه يرون نصف صاع من بر. الخ (ترمذي شريف، باب ماجاء في صدقه الفطر ۱۴۵/۱)

امام نوویؒ نے امام مالک کو بھی امام شافعی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

فإن كان في غير حنطة وزبيب صاع بالإجماع وإن كان حنطة وزبيبًا وجب أيضاً صاع عند الشافعي ومالك والجمهور وقال أبوحنيفة وأحمد نصف صاع كالحديث معاوية المذكور الخ (نووي ۳۱۷/۱) ←

اور امام طحاویؒ نے دونوں طرف کی روایات نقل کرنے کے بعد اپنی نظر کے تحت ثابت کردیا کہ گندم کا نصف صاع کھجور، جو، کشمش وغیرہ کے ایک صاع کے برابر اس لئے ہے کہ گندم کی نصف صاع کی قیمت اور معیار مذکورہ منصوص اشیاء کے ایک صاع کی قیمت اور ویلو کے برابر ہے، نظر کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وكلهم قد عدل الحنطة بمثليها من التمر والشعير فكان النظر على ذلك إذ كانت صدقة الفطر صاعاً من التمر والشعير أن يكون من الحنطة مثل نصف ذلك وهو نصف صاع فهذا هو النظر في هذا الباب الخ. (طحاوي شريف، باب مقدار صدقة الفطر نسخۂ جديد دار الكتب العلمية ٢/ ١٠٠)

اب علماء امت خاص طور پر مسلکِ حنفی کے ارباب افتاء کو غور کرنے کی ضرورت ہے؛ کیونکہ گندم کا نصف صاع اپنی قیمت کی زیادتی کی علت کے ساتھ معلول تھا اور اب وہ علت ختم ہوچکی ہے اور فقراء کا جو نقصان ہورہا ہے وہ سارے اہل علم کے سامنے واضح ہے؛ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ گندم کے علاوہ دیگر منصوص اشیاء سے صدقۂ فطر ادا کرنے کی ترغیب دی جائے۔

الله هو أكبر كبيرا والحمد لله كثيرا وسبحان الله بكرة واصيلا. الحديث.
(مسلم شريف، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم:٦٠١، سنن ترمذي، النسخة الهندية ٢/١٩٩، دار **السلام رقم: ٣٥٩٢**)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵/ کتاب الصوم والاعتکاف

۱ / باب صوم نفل

تحقیق حکم صوم رجب

سوال (۸۹۵): قدیم ۲/ ۸۵- ابن ماجہ میں باب صیام اشہر الحرم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کو فرمایا کہ: صم أشهر الحرم. (۱) اوراسی باب میں ہے۔ أن النبي ﷺ نهى عن صيام رجب. (۲) ان دونوں حدیثوں میں صورتِ تطبیق کیا ہے؟

الجواب: احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت رجب کی تعظیم میں غلو کرتے تھے؛ چنانچہ رسم عتیرہ اس پر شاہد ہے جس کی حدیث لافرع ولاعتیرۃ سے منسوخ کیا گیا (۳)۔

---

(۱) **عن أبي مجيبة الباهلي عن أبيه أو عن عمه قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت يا نبي الله أنا الرجل الذي أتيتك عام الأول؟ قال: فما لي أرى جسمك ناحلا (إلى قوله) قلت يا رسول الله؟ إني أقوى. قال: صم شهرا لصبر ويومًا بعده قالت: إني أقوى قال: صم شهرا لصبر ويومين بعده قلت إني أقوى قال: صم شهر الصبر وثلاثة أيام بعده وصم أشهر الحرم.** (سنن ابن ماجة، أبواب ما جاء في الصيام، باب صيام أشهر الحرم، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۵، دار السلام رقم: ۱۷٤۱)

(۲) ابن ماجة في سننه عن ابن عباس، أبواب ماجاء في الصيام، باب صيام أشهر الحرم، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۲، دار السلام رقم: ۱۷٤۳۔

(۳) **عن أبي هريرة رضی قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا فرع ولا عتيرة والفرع أول النتاج كان ينتج لهم فيذبحونه ...... قال أبو عيسىٰ والعتيرة ذبيحة كانوا يذبحونها في رجب يعظمون شهر رجب؛ لأنه أول شهر من أشهر الحرم.** (سنن الترمذي، أبواب الأضاحي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء في الفرع والعتيرة، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۷، دار السلام رقم: ۱۵۱۲)

بالخصوص قبیلہ مضر سب سے زائد اس امر میں مبالغہ کرتے تھے حتی کہ ان کی طرف رجب کی اضافت کی جاتی ہے۔جیسا کہ احادیث میں ترکیب رجب مضر اس پر دال ہے(۱)۔

پس اس طور پر تخصیص کے ساتھ رجب کی تعظیم شعار جاہلیت کا تھا؛ چونکہ احتمال تھا کہ بعض لوگ جو رجب کی تعظیم کرتے تھے اوراب مشرف باسلام ہوگئے تھے شاید وہ لوگ یا انکی دیکھا دیکھی اورلوگ اس طرح کی تعظیم کے قصد سے اس میں روزہ نہ رکھنے لگیں؛اس لیے شارع علیہ السلام نے اسکی ممانعت فرمادی جس طرح بعض احادیث میں صوم یوم السبت سے نہی آئی؛ حلانکہ اطلاق سے دلائل سے ونیز اجماع سے اس کا جواز ثابت ہے وہاں بھی یہی وجہ ہے کہ یہود کے دیکھا دیکھی تخصیص صوم کو ذریعۂ تعظیم نہ بنائے (۲) اسی طرح صیام رجب کی نہی کو سمجھنا چاہئے پس اس حیثیت سے تو یہ منہی عنہ ٹھرا۔

دوسری حیثیت رجب میں صرف شہر حرام ہونے کی ہے جو اس میں اور بقیہ اشہر حرم میں مشترک ہے پہلی حیثیت سے قطع نظر کرکے صرف اس دوسری حیثیت سے اس میں روزہ رکھنے کو مندوب فرمایا گیا۔پس دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہا۔لاختلاف المحملين كما ذكرنا۔ فقط (امداد،ص ۱۷۱، ج۱)

---

(۱) عن أبي بكرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموات والأرض، السنة إثنا عشر شهرا منها أربعة حرم ثلاثة متواليات ذو القعدة وذو الحجة والمحرم ورجب مضر الذي بين جمادي وشعبان وفي الهامش: قوله: رجب مضر ...... وإنما أضافه إليهم لأنهم كانوا يحافظون على تحريمه أشد من محافظة سائر العرب. (صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين، النسخة الهندية ۱/۴۵۳، رقم:۳۰۹۳، ف:۳۱۹۷)

(۲) عن عبد الله بن يسر عن أخته أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تصوموا يوم السبت إلا فيما افترض عليكم فإن لم يجد أحدكم الالحاء عنبة أو عود شجرة فليمضغه قال أبو عيسىٰ: هذا حديث حسن ومعنى الكراهية في هذا أن يختص الرجل يوم السبت بصيام لأنه اليهود يعظمون يوم السبت. (سنن الترمذي، أبواب الصوم، باب ماجاء في صوم يوم السبت، النسخة الهندية ۱/۱۵۷، دار السلام رقم:۷۴۴)

عن عبد الله بن بسر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تصوموا يوم السبت إلا فيما افترض عليكم فإن لم يجد أحدكم إلا عود عنب أو نحاء شجرة فليمصه. ←

تحقیق صوم ۲۷ رجب

سوال (۸۹۶): قدیم ۲/ ۸۶- بہشتی زیور حصّہ ششم میں اس کے متعلق یہ لکھا گیا ہے۔ اس کو عام لوگ مریم روزہ کا چاند کہتے ہیں اور اس کی ۲۷ تاریخ میں روزہ رکھنے کو سمجھتے ہیں کہ ایک ہزار روزوں کا ثواب ملتا ہے شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں، اگر نفل روزہ رکھنے کو دل چاہے اختیار ہے خدائے تعالی جتنا چاہیں ثواب دیدیں، اپنی طرف سے ہزار یا لاکھ مقرر نہ سمجھے۔ (۱) اھ ''اس عبارت سے شبہ پڑتا ہے کہ اس کی نہ قوی اصل ہے اور نہ ضعیف سو چونکہ ضعیف اصل اسکی پائی گئی ہیں؛ اس لئے الامداد بابت ماہ رجب ۱۳۳۴ھ میں اس کی مزید تحقیق کردی گئی جو بعینہ ذیل میں منقول ہے۔

(۱) اس ماہ کی ۲۷ تاریخ میں یہ اعمال مروج ہے روزہ جسکی روایات پر شیخ دھلویؒ نے ما ثبت بالسنۃ میں سخت جرح کی ہے صرف ایک روایت کو جو کہ ابوھریرۃؓ سے موقوفاً وارد ہے جس میں اس روزہ کو برابر ساٹھ ماہ کے روزوں کے کہا گیا ہے شیخ نے سب سے امثل اور غنیمت کہا ہے (۲)؛ لیکن پھر بھی ختم روایت پر فرمایا:

فهذا حديث ذكرت فيما حضر عندنا من الكتب ولم يصح منها على ما قالوا شيئ وغائته الضعف وجلها موضوع. (۳)

← **وفي الهامش: أنه عليه السلام أمر بترك صومه لئلا يلزم تعظيمه بالصوم فيه ففيه مخالفة لليهود. وإن كانوا لا يصومونه لأجل أنه عيد لهم فهم يعظمونه بالوجه الأخر وصيام صيامهما لمخالفتهم.** (سنن ابن ماجة، أبواب ماجاء في الصيام، النسخة الهندية ۱/ ۱۲٤، دارالسلام رقم: ۱۷۲٦)

(۱) اختری بہشتی زیور عکسی، رجب کی رسموں کا بیان، چھٹا حصہ ص: ۶۰۔

(۲) **عن أبي هريرةؓ موقوفًا من صام يوم سبع وعشرين من رجب كتب الله له صيام ستين شهرًا وهو اليوم الذي هبط فيه جبرئيل على محمد صلى الله عليه وسلم بالرسالة وهذا أمثل ما ورد في هذا المعنى.** (ماثبت بالسنة، شهر رجب، مكتبه نولكشور ص: ۹۹)

(۳) ما ثبت بالسنة، شهر رجب، مكتبه نول كشور ص: ۱۰۳۔

مگر شیخ ہی نے ایک حدیث بروایت ابن ابی شیبہ وطبرانی حضرت عمرؓ سے نقل کی کہ حضرت عمرؓ صوم رجب پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے اور جبراً کھانے میں ڈلواتے تھے کہ یہ ماہ جاہلیت میں معظم تھا، اسلام میں متروک ہوگیا (۱)۔ خیر اگر کوئی روزہ ہی رکھے تو ایک تو اس کو حضور ﷺ کا ارشاد نہ سمجھے، ابوھریرۃؓ کا سمجھے۔

(۲) دوسرے اس کو ہزاری یعنی ہزار روزہ کے برابر ثواب میں نہ سمجھے کہ اسمیں منقول کا تغیر ہے۔

(۳) تیسرے اسکو حدیث صحیح کے برابر نہ سمجھے۔ غایت سے غایت ضعیف سمجھ لے اور اس کو بھی کسی فقیہ سے تحقیق کرلے کہ حضرت ابوہریرۃؓ کے بیان کی فضیلت اور حضرت عمرؓ کی ممانعت میں عملاً کس کو ترجیح ہوگی۔ آھ۔ پس اصل تو ظاہر ہوگئی۔ باقی روزہ رکھنا نہ رکھنا اس میں بوجہ تعارض فتویٰ حضرت عمرؓ وحضرت ابوہریرۃؓ کسی محقق عالم سے تحقیق کرکے عمل کرے۔ قواعد سے اتنی گنجائش ہے کہ جاہلیت کی تشبہ کی بناء پر صوم کو منع کیا جاوے اور اب چونکہ یہ تشبہ نہیں رہا اس لیے اجازت دی جاوے۔ بہر حال اس روزہ کو عملاً منع نہ کیا جاوے مگر عقیدہ کی اصلاح کردی جاوے۔ فقط

۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ (ترجیح رابع، ص ۸۵)

حکم صوم ہزاری

سوال (۸۹۷): قدیم ۲/ ۸۶- ہزارہ روزہ جو مشہور ہے اس کی کوئی سند نہیں ملتی ایک عنایت فرمانے حضرت امام غزالیؒ کی مکاشفۃ القلوب سے یہ حدیث پیش کی ہے:

---

(۱) وعن خرشة بن الحر قال: رأيت عمر بن الخطاب يضرب أكف الرجال في صوم رجب حتى يضعوها في الطعام ويقول رجب وما رجب إنما رجب شهر يعظمه الجاهلية فلما جاء الإسلام ترك رواه ابن أبي شيبة والطبراني في الأوسط. (ما ثبت بالسنة، شهر رجب، مكتبه نولكشور ص: ۹۸)

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصيام، باب في صوم رجب، ما جاء فيه، مؤسسة علوم القرآن ۶/ ۳۳۴، رقم: ۹۸۵۱۔

المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ۵/ ۳۶۹، رقم: ۷۶۳۶۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ من صام السابع والعشرين من رجب كتب له صيام ستين شهراً وهو أول يوم نزل فيه جبرئيل عليه السلام على النبي ﷺ بالرسالة وفيه أسرى به صلى الله عليه وسلم. (۱)

اس حدیث کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی حدیث آئی ہو تو تم بتاؤ۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ماثبت من السنۃ میں اس روایت کو تو نہیں لائے مگر اس کے ہم معنی اور روایات کو لائے ہیں (۲) اور سب کی تضعیف کی ہے (۳)۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس قسم کے اعمال میں ایسی روایات سے سند پکڑنا ضروری ہے۔ ان کا یہ قول ایسا ہے کہ جس کا جواب کچھ سمجھ میں نہیں آیا؛ لہٰذا اس مسئلہ میں جناب کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ اور یہ روایت کس کتاب کی ہے اور کیسی ہے۔؟

الجواب: (*) روایت مکاشفۃ القلوب کی نظر سے نہیں گزری۔ ناقل کے ذمہ تصحیح نقل ہے اور سند کا حال رجال دیکھنے سے معلوم ہو۔ باقی ایک علت تو اس حدیث میں بیّن ہے۔ وہو اول یوم نزل فیہ جبرئیل علیہ السلام الخ۔ آپ کی ابتداء وحی ربیع الاول میں مشہور ہے باقی نفس صوم رجب بے اصل نہیں ہے گفتگو اس عدد خاص میں ہے وہ اس حدیث سے بھی ثابت نہیں بلکہ عدد مشہور سے زیادہ ثابت ہوتا ہے؛ اس لیے یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اس عدد مشہور کا کہیں پتہ نہیں اور اگر علت مذکورہ پر نظر کر کے حدیث کے ثبوت میں کلام کیا جاوے تو بھی گنجائش ہے۔ ۲۲/رجب ۱۳۳۲ھ

(*) حضرت قدس سرہ ”التشرف“ میں فرماتے ہیں: ابو ہریرہؓ کی حدیث جو شخص رجب کی ۲۷/ کا روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ۶۰/ مہینے کے روزوں کا ثواب لکھیں گے اور وہ وہ دن ہے، جس میں جبرئیل علیہ السلام ←

---

(۱) مكاشفة القلوب، الباب المتمم للمأة في فضائل رجب، دار الكتب العلمية بيروت ص: ۳۰۱۔

(۲) **عن أبي هريرةؓ موقوفًا من صام يوم سبع وعشرين من رجب كتب الله له صيام ستين شهرًا وهو اليوم الذي هبط فيه جبرئيل على محمد صلى الله عليه وسلم بالرسالة وهذا أمثل ما ورد في هذا المعنى.** (ماثبت بالسنة، شهر رجب، مكتبه نولكشور ص: ۹۹)

(۳) **فهذا حديث ذكرت فيما حضر عندنا من الكتب ولم يصح منها على ما قالوا شيء وغائيته الضعيف وجلها موضوع.** (ما ثبت بالسنة، شهر رجب، مكتبه نولكشور ص: ۱۰۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رمضان کے روزہ میں اجنبیہ سے جلق کرایا

سوال (۸۹۸): قدیم۲/ ۸۸- ایک شخص نے بذریعہ کسی اجنبیہ محرمہ کے رمضان میں جلق کرایا اب وہ شخص زانی کہلائے گا یانہیں اوراس عورت کے اصول وفروع اس کے حق میں کیا ہے اوراس کے روزہ کا کیاحکم ہے؟

الجواب: زنا کی تعریف میں ''إدخال الذكر قدر الحشفة'' داخل ہے۔کمافی الدرالمختار(۱) اس لئے یہ زنا حقیقی تونہیں ہے؛البتہ مقدمات زنا کو حدیث میں زنا فرمایا گیا ہے(۲)؛اس لئے حکماً زنا ہے

← محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے (کوئی خاص ہبوط مراد ہے مثلاً معراج کیلئے) روایت کیا اس کوابو موسیٰ مدینی نے ''کتاب فضائل اللیالی والأیام'' میں شرہ بن حوشب کی روایت سے وہ ابو ہریرہؓ کی روایت سے۔

ف:اگر یہ مہینے آدھے تیس کے لئے جاویں اورآدھے انتیس کےتو ان رزوں کی تعداد سات سوستر ہوتی ہے اورعجب نہیں کہ یہ اصل ہواس کی جو عام لوگوں میں اور عام عابدین میں مشہور ہے کہ یہ روزہ ہزارروزوں کے برابر ہے اوراس کا لقب ہزاری روزہ رکھتے ہیں اورشاید انہوں نے کسر کوسہولت کے لئے حذف کردیا اور میں نے جو اپنے بعض رسائل میں اس کی نفی کی ہے،تو وہ اس اثر پر مطلع ہونے کے قبل ہے،بشرطیکہ یہ اثر سند کی رو سے ثابت ہواور مجھ کو سند کا علم نہیں۔ (التشرف ص:۲۴) قلت احیاء العلوم ص:۳۲۸، جلد:۱، بیان اللیالی والایام الفاضلہ میں اس روایت کی سند پرزین الدین عراقیؒ جیسے جلیل القدر محدث کا حاشیہ میں کلام نہ کرنا دلیل صحت ہے۔۱۲رشیداحمد عفی عنہ

---

(۱) الدر المختار علی رد المحتار، کتاب الحدود، مکتبه زکریا دیوبند۶/۵، کراچي ۴/۵۔

(۲) **عن أبي هريرةؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا مدرك ذلك لا محالة فالعينان زناهما النظر والأذنان زناهما الاستماع واللسان زناه الكلام واليد زناها البطش والرجل زناها الخطا والقلب يهودّي ويتمنّى ويصدق ذلك الفرج ويكذبه.** (صحيح مسلم، كتاب القدر، باب قدر على ابن آدم حظه من الزنا وغيره، النسخة الهندية ۲/۳۳۶، بيت الأفكار الدولية رقم: ۲۶۵۷)

أبوداؤد شريف، كتاب النكاح، ما يؤمر من غض البصر، النسخة الهندية ۱/۲۹۲، دارالسلام رقم: ۲۱۵۲۔

یعنی گناہ میں مشابہ زنا کے ہے۔ اور چونکہ ''مس بالشہوۃ'' اصول وفروع سب حرام ہوجاتے ہیں؛ اس لئے یہ حکم ثابت ہوجاوے گا؛ البتہ اگر انزال ہوتو حرمت ثابت نہ ہوگی۔

كما في الدر المختار: وأصل ممسوسته بشهوه وأصل ماسته وفروعهن وفيه أيضاً فلو أنزل مع مس أو نظر فلاحرمة به يفتى.(١)

اورروزہ فاسد ہوجاوے گا اورصرف قضاء لازم آئی گی۔

في الدر المختار: أو استمنى بكفه إلى قوله قضى فقط.(٢)

---

(١) الدر المختار على رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٠٧، كراچي٣/٣٢-٣٣۔

واللمس والنظر بشهوة يوجب حرمة المصاهرة (كنز) وفي البحر: وأطلق المصنف ولم يقيد المس والنظر بشهوة بغير الإنزال للاختلاف فيما إذا أنزل فقيل يوجب الحرمة وفي الهداية: والصحيح أنه لا يوجبها؛ لأنه بالإنزال تبين أنه غير مفض إلى الوطء وفي غاية البيان وعليه الفتوى...... وأطلق في اللامس والملموس ليفيد أنه لا فرق بين الرجل والمرأة فلو مست المرأة عضوا من أعضاء الرجل بشهوة ...... تثبت الحرمة ......وأراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعاً وحرمة أصولها و فروعها على الزاني نسبا ورضاعا كما في الوطء الحلال. (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٧٣-١٧٩، كوئٹه٣/٩٨-١٠١)

النهر الفائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٢/١٩١-١٩٣۔

(٢) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في حكم الاستمناء بالكف، مكتبه زكريا دوبند ٣/٣٧٩ تا ٣٨٢، كراچي ٢/٤٠٤-٤٠٦۔

الصائم إذا عالج ذكره حتى أمنى فعليه القضاء وهو المختار وبه قال عامة المشايخ. (هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع في ما يفسد وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند قديم١/٢٠٥، جديد١/٢٦٧)

البحر الرائق، مكتبه زكريا ديوبند٢/٤٧٥، كوئٹه ٢/٢٧٢۔

ولو ناكح بيده ولم ينزل ...... لا يفسد صومه وإن أنزل كان عليه القضاء دون الكفارة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الرابع ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٨٥، رقم: ٤٦٥٠) **شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ**

۲ / باب رؤية الهلال

رمضان وعید کی رؤیت میں تار کی خبر

سوال (۸۹۹): قدیم ۲/ ۸۸- خبر تار واحد افطار شوال یعنی عید الفطر کرنے کے لیے موجب للعمل ہے یا نہیں بسند صحیح ارشاد فرمائیے۔؟

الجواب: تار دلالت وضعیہ غیر لفظیہ میں مشابہ خط کے ہے اور اس فرق کے لحاظ سے کہ خط میں خود علامت ممیّزہ موجود ہے اور تار میں مفقود ہے بہ نسبت خط کے توپ وطبل وغیرہ کے زیادہ مشابہ ہے اور خط امور ملزمہ میں باستثناء مواضع معدودہ ضرورت شدیدہ بشرط امن من التزویر مثل فرامین شاہی وغیرہ کے بدون اقرار کاتب یا قیام بینہ حجۃ نہیں، اور امور غیر ملزمہ میں اگر قرائن صدق وصحت کے مجتمع ہوں جس سے نسبت الی الکاتب مظنون ہوجاوے، حجۃ ہے ورنہ نہیں۔ اور توپ وغیرہ کا حکم بھی ایسے امور میں یہی ہے کہ ظن صحت میں معتبر ہے ورنہ نہیں۔ پس خبر ہلال افطار جو کہ (یہ تغییر تصحیح الاغلاط ص ۳۱ سے کی گئی ہے) مثل خبر ہلال صوم کے امور غیر ملزمہ سے ہے؛ چونکہ ہمارے دیار میں بوجہ والی مسلم نہ ہونے کے اس کا مدار محض اخبار پر ہوتا ہے اور شہادت کا لحاظ نہیں کیا جاتا؛ اس لئے اگر بوجہ فقدان عدالت تار دہندہ توسط غیر مسلم وعدم لحاظ شہادت کے کسی شخص کے اعتبار سے مانع غلبۂ ظن ہو اس کو مطلقاً عمل جائز نہیں اور اگر بوجہ عدم توسط غیر مسلم وعدالت تار دہندہ ولحاظ شہادت کے کسی کے اعتبار سے مانع نہ ہو تو اس کا حکم مثل نطق کے ہے اور حالت صحو میں اخبار کثیرہ متواترہ اور حالت غیم میں اخبار عدلین پر عمل جائز ہے اور خبر واحد پر کسی طرح عمل جائز نہیں۔

والدلائل على الدعاوى المذكورة هذه. وفي الدر المختار: بخلاف كتاب الأمان في دار الحرب حيث لايحتاج إلى بينة؛ لأنه ليس بملزم. وفي رد المحتار: قوله: لأنه ليس بملزم؛ لأن له أن لا يعطيهم الأمان بخلاف كتاب القاضي فإنه يجب على القاضي المكتوب إليه أن ينظر فيه ويعمل به ولا بد للملزم من الحجة وهي البينة. فتح ۴ /۵۴۶ مطبوعه مصر (۱)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب لا يعمل بالخط، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۱۳۵، كراچي ۵/ ۴۳۵۔

وفي رد المحتار: وذكر في الكفاية اٰخر الكتاب عن الشافي أن الصحيح مثل الأخرس فإذا كان مستبيناً مرسوماً وثبت ذلك بإقراره أو ببينة فهو كالخطاب ج۴، ص: ۵۴۸.(۱)

و في رد المحتار: وقدمنا أول القضاء استظهار كون علةالعمل بماله رسوم في دواوين القضاة الماضيين هى الضرورة وهنا كذلك فإنه يتعذر إقامة البينة على مايكتبه السلطان من البراء ت لأصحاب الوظائف ونحوهم وبعد أسطر عديدة وأن ابن الشحنة وابن وهبان جزماً بالعمل بدفتر الصراف ونحوه لعلة أمن التزوير كما جزم به البزازى والسرخسي وقاضيخان قال: أن هذه العلة في الدفاتر السلطانية أولىٰ كما يعرفه من شاهد أحوال أهاليها حين نقلها ج ۴، ص۵۴۷.(۲)

و في رد المحتار: قال البيرى المراد من قوله لا يعتمد أي لا يقضي القاضي بذلك عند المنازعة لأن الخط مما يزور ويفتعل كما في مختصر الظهيرية وبعد أسطر قال الشيخ أبوالعباس يجوز الرجوع في االحكم إلى دواوين من كان قبله من الأمناء أي لأن سجل القاضى لا يزورعادة حيث كان محفوظا عند الأمناء بخلاف ماكان بيد الخصم اھ. وبعد أسطر وصرح أيضاً في الاسعاف وغيره بان العمل بما في دواوين القضاة استحسان والظاهر أن وجه الاستحسان ضرورة إحياء الأوقاف ونحوها عند تقادم الزمان بخلاف السجل الجديد لامكان الوقوف على حقيقة مافيه بإقرار الخصم أوالبينة فلذا لا يعتمد عليه. اھ۴/ ۴۷۸. (۳)

---

(۱) شامي، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب في دفتر البياع والصراف والسمسار، مكتبه زكريا ديوبند ۱۳۷/۸، كراچي ۴۳۶/۵۔

(۲) شامي، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب: لا يعمل بالخلط، مكتبه زكريا ديوبند ۱۳۵/۸-۱۳۶، كراچي ۴۳۵/۵۔

(۳) شامي، كتاب القضاء، مطلب في العمل بالسجلات وكتب الأوقاف القديمة، مكتبه زكريا ديوبند۴۵/۸، كراچي ۳۷۰/۵۔

وفي الهداية: كتاب الشهادة ثم التزكية في السر أن يبعث المستورة إلى المعدل فيها النسب والحلى والمصلى ويردها المعدِّل وكل ذلك في السر كيلا يظهر فيُخدع أويقصد وفيها بعد أسطر وإذا كان رسول القاضي الذي يسئل عن الشهود واحد أجاز (إلى قوله) ولهما أنه ليس في معنى الشهادة الخ قوله مستورة اسم للرقعة التى يكتبها القاضى ويبعثها سرا بيد اٰمنه إلى المزكي سميت بذلك لأنها تستر عن نظر العوام كفاية.(١)

وفي رد المحتار: يتسحر بقول عدلٍ وكذا بضرب الطبول و بعد أسطر لايجوز إذا لم يصدقه ولا بقول المستور مطلقاً وبالأولى سماع الطبل أوالمدفع الحادث في زماننا لاحتمال كونه لغيره ولأن الغالب كون الضارب غير عدل فلا بد حينئذ من التحري فيجوز؛ لأن ظاهر مذهب أصحابنا جواز الإفطار بالتحري وبعد أسطر وقد يقال أن المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن، و إن كان ضاربه فاسقاً لأن العادة ان الموقت يذهب إلى دارالحكم اٰخر النهار فيعين له وقت ضربه و يعينه أيضاً للوزير وغيره وإذا ضربه يكون ذلك بمراقبة الوزير وأعوانه للوقت المعين فيغلب على الظن بهذه القرائن عدم الخطاء وعدم قصد الإفساد ٢/ ١٦٩ -١٧٠. (٢)

وفي رد المحتار: وكون المدعى والكاتب ذميين يقوى شبهة التزوير بعد أسطر وقلما يشتبه الخط من كل وجه الخ ج ۴ ، ص ۵۴۹.(۳)

---

(١) هداية مع هامشة، كتاب الشهادة، مكتبه أشرفية ديوبند ٣/ ١٥٧ـ

كفاية على فتح القدير، كتاب الشهادة، مكتبه زكريا ديوبند٧/ ٨٩ـ

(٢) شامي، كتاب الصوم، مطلب في جواز الإفطار بالتحري، مكتبه زكريا ديوبند٣/ ٣٨٣، كراچي ٢/ ٤٠٧ـ

(٣) شامي، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب في دفتر البياع والصراف والسمسار، مكتبه زكريا ديوبند٨/ ١٣٨، كراچي ٥/ ٤٣٧ ـ

وفي الدرالمختار ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطر وبإخبار عدلين مع العلة للضرورة وبعد أسطر وقبل بلا علة جمع عظيم الخ(۱) واللّٰه اعلم.

۲۷؍شوال ۱۳۲۱ھ (امداد، ج۱ص۱۷۲)

لفظ عید مبارک کا تار کے ذریعہ سے معتبر یا غیر معتبر ہونا

سوال (۹۰۰): قدیم۲/۹۰- مقام کراچی سے ایک تار آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ عید مبارک اور یہ تار وہاں سے ۲۹ تاریخ کو دیا اور چنارگڑھ دس بجے دن کو ملا؛ لہٰذا اس تار پر چند لوگوں نے افطار کیا اور جمیع مسلمانان نے افطار نہ کیا، جن لوگوں نے افطار کیا ان پر کفارہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: محض اس مضمون کا تار شرعاً شبہ پیدا نہیں کرتا اس لیے اُن لوگوں پر کفارہ لازم ہے، ونظائرہ کثیرۃ فی الفقہ ۔(۲)

---

(۱) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك قبيل مطلب لا عبرة بقول المؤقنين في الصوم، كراچي ۲/ ۳۸۶-۳۸۷، مكتبه زكريا ديوبند۳/ ۳۵۴-۳۵۵۔

سوال نمبر: ۹۰۱ر میں تار کی خبر کی اس تحقیق سے رجوع کر لینے کا فتویٰ آرہا ہے۔

(۲) حضرتؒ نے فقہ میں نظائر کثیرہ فرمایا ہے؛ اس لئے چند نظائر یہاں پیش کی جاتی ہیں ملاحظہ فرمایئے:

أو احتجم أي فعل ما لا يظن به الفطر به كفصد وكحل ولمس وجماع بهيمة بلا إنزال ...... ونحو ذلک فظن فطره به فأكل عمدًا قضى في الصور كلها وكفر؛ لأنه ظن في غير محله. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، قبيل مطلب في الكفارة، مكتبه زكريا ديوبند۳/ ۳۸۸، كراچي ۲/ ۴۱۱)

الدر المنتقي على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵۴۔

ولو احتجم فظن أن ذلک يفطره فأكل متعمدًا فعليه القضاء والكفارة؛ لأن الظن لايستند إلى دليل شرعي. (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۱۲، امدادية ملتان ۱/ ۳۴۳)

ومما يوجب الكفارة أكله عمدًا بعد غيبة ...... أو أكله بعد دهن شارب ظانا أنه ←

البتہ اگر بعد میں دلیل شرعی سے رُؤیت کی خبر کہیں سے ثابت ہوجاوے کفارہ نہ آوے گا۔

کما فی الدرالمختار ولم یطرء مسقط۔(۱) فقط واللہ اعلم

۳؍شوال المکرّم ۱۳۲۷ھ

۱۳۲۷ھ میں اکثر جگہ صوم وافطار تارکی خبر پر ہونے پر سوال وجواب پر گفتگو

جواب سوال اول: اصل طریقہ اثبات رُؤیت کا شہادت علی الرویۃ یا شہادت علی الشہادۃ یا شہادۃ علی قضاء الحاکم الشرعی ہے۔ حتی کہ شہادۃ علی رویۃ الغیر بھی حجۃ نہیں۔ کذا فی الدرالمختار وردالمختار: (۲) باقی استفاضہ کو جو حجت کہا ہے تو خود اس کو فی ذاتہ حجت نہیں کہا بلکہ علت اس کی یہ لکھی ہے:

← **أفطر بذلك لأنه متعمدًا ولم يستند ظنه إلى دليل شرعي فلزمته الكفارة.** (مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب ما يفسد به الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء، دارالكتاب ديوبند ص:٦٦٧)

(١) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في الكفارة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٩٠، كراچي ٢/ ٤١٣۔

ما يفسد به الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء اثنان وعشرون شيئًا تقريبًا إذا فعل المكلف الصائم مبيتًا النية في أداء رمضان ولم يطرأ ما يبيح الفطر بعده كمرض تحته في حاشية الطحطاوي: أي بغير فعله. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب ما يفسد به الصوم، وتجب به الكفارة مع القضاء، دارالكتاب ديوبند ص:٦٦٣)

موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، الصيام، المبحث السابع، ثانيا ما يفسد الصوم ويوجب القضاء والكفارة معًا، مكتبه أشرفية ديوبند ٢/ ٥٧٥)

(٢) شهدوا أنه شهد عند قاضي مصر كذا شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى القاضي به ووجد استجماع شرائط الدعوى قضى أي جاز لهذا القاضي أن يحكم بشهادتهما لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به لا لو شهدوا برؤية غيرهم؛ لأنه حكاية: (الدر المختار) وفي الشامية: **(قوله أي جاز) الظاهر أن المراد بالجواز**

الصحة فلا ينا في الوجوب (قوله لأنه حكاية) فإنه لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وإنما حكوا رؤية غيرهم كذا في القدير قلت: وكذا لو شهدوا برؤية غيرهم وإن قاضي تلك المصر أمر الناس بصوم رمضان لأنه حكاية لفعل القاضي أيضًا وليس بحجة بخلاف قضائه ولذا قيد بقوله ووجد استجماع شرائط الدعوى كما قلنا.
(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٥٨-٣٥٩، كراچي ٢/٣٩٠)

ثم إنما يلزم متأخرى الرؤية إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريق موجب حتى لو شهد جماعة أهل بلد كذا رأوا هلال رمضان قبلكم فصاموا وهذا اليوم ثلاثون بحسابهم ولم يرهؤلاء الهلال لا يباح فطر غد ولاتترک التراويح هذه الليلة لأن هذه الجماعة لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وإنما حكوا رؤية غيرهم، ولو شهدوا أن قاضي بلد كذا شهد عنده اثنان لرؤية الهلال في ليلة كذا وقضي بشهادتهما جاز لهذا القاضي أن يحكم بشهادتهما لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ٢/١٥٥، امدادية ملتان ١/٣١٧)

البحر الرائق، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٧١-٤٧٢، كوئٹه٢/٢٧٠۔

فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، مكتبه زكريا ديوبند٢/٣١٩۔

فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريق موجب (الدر) وتحته في الشامية: قوله بطريق موجب كان يتحمل إثنان الشهادة أو يشهد اعلى حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية.
(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند٣/٣٦٤، كراچي ٢/٣٩٤)

موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الصيام، المطلب الثالث اختلاف المطالع، مكتبه أشرفية ديوبند ٢/٥٣٤۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، دارالكتاب ديوبند ص:٦٥٦۔

لأن البلدة لا تخلو عن حاكم شرعی عادة فلا بد من أن يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعی فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور الخ كذا في رد المحتار: ج ۲، ص ۱۵۰.(۱)

اور جہاں یہ علت متحقق نہ ہو وہاں حجت بھی نہ ہوگا اور جمعرات کے روزے کی خبر میں تو استفاضہ بھی نہیں ہوا اور جمعہ کے چاند میں شنبہ کی شب اور روز تک بذریعہ تاروں کے بعض کو استفاضہ کا شبہ ہو گیا تھا، مگر تار دینے والوں کا بکثرت بے علم خود رائے غیر محتاط ہونا اور علماء سے رجوع نہ کرنا چونکہ معلوم ہے؛ اس لیے وہ علت منتفی ہے لہٰذا احتجاج بھی منتفی ہے۔ اگر چہ تار کو مثل خبر لسانی کے بھی قرار دیا جاوے، مگر خود خبر لسانی میں بھی جب یہی شرط ہے تو تار میں کیوں نہ ہوگی۔ پس اکثر جگہ ایسے تاروں کی بناء پر افطار کر ڈالنے میں غلطی عظیم ہوئی۔ واللہ اعلم

۱۲/ شوال ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولی، ص ۶۰)

سوال (۹۰۱): قدیم ۲/ ۹۱- رُویت ہلال ماہ رمضان و ماہ شوال تار برقی کی خبر پر معتبر ہے یا نہیں؟ اور تار کی خبر پر روزہ رکھنا یا افطار کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب: اس کے قبل بندہ نے تار کو خط یا طبل و مدفع یعنی توپ پر قیاس کر کے اس باب میں ایک تقریر لکھی تھی (*)۔ جس میں قبول خبر تار میں کچھ تفصیل اور بعض شرائط کے ساتھ تقیید (۲) تھی مگر اس سال یعنی ۱۳۲۷ھ کی رُویت شوال کے متعلق تاروں پر عمل کرنے میں بے علموں اور کم علموں نے بے احتیاطیاں کیں اور ان سے جو فتن و شرور پیدا ہوئے ان کو دیکھ کر تجربہ ہوا کہ عوام ان قیود و شرائط کو ملحوظ نہیں کر سکتے، و نیز اخبار متواترہ سے تحقیق ہوا کہ تار میں مختلف اقسام کی غلطی اور دھوکہ بھی زیادہ محتمل ہے؛ لہٰذا وہ خط سے بھی ادون ہے کہ خط میں اس کے طرز سے کچھ تو معرفت کاتب کی ہوتی ہے،

(*) یہ تقریر اصل امداد الفتاوی مطبوعہ مجتبائی ۱۳۲۹ھ جلد اول ص: ۱۷۲/ میں چھپی ہے، ایک اور تقریر متعلق حکم تار کے اس تتمہ میں ہے وہ بھی اس کے ساتھ دیکھ لی جاوے۔ ۱۲ منہ

---

(۱) شامي، كتاب الصوم، مطلب ما قاله السبكي من الإعتماد، مكتبه زكريا ديوبند ۳۵۹/۳، كراچي ۳۹۰/۲۔

(۲) حضرت والا تھانویؒ کی وہ تقریر مسئلہ ۸۹۹/ میں مفصل طور پر موجود ہے وہاں سے ملاحظہ فرمائیے:

پھر بھی ''الخط یشبه الخط'' (۱) بعض احکام میں کہا گیا ہے اور تار میں تو اس کی بھی کوئی علامت نہیں۔ اور نیز طبل سحر و مدفع افطار سے بھی اضعف ہے کیونکہ ان کی ضرب ایک جماعت حاضرین کی مشارکت سے ہوتی ہے جس میں جرأت تعمد خدع کی ابعد ہے۔ تار میں یہ بھی نہیں ان امور پر نظر کر کے ''سداً للذرائع وحسماً للمادة'' اُس تفصیل سے رجوع کر کے اب یہ حکم متعین سمجھتا ہوں کہ اس باب میں تار کی خبر اصلاً قابل اعتبار ولائق عمل نہیں۔

ولهذا نظائر في فن الفقه منها عدم جواز القضاء بعلمه كما بسط القول فيه في الدرالمختار ورد المحتار: ۴/۵۳۴ - ۵۵۰.(۲) واللہ اعلم.

۳/ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولی ص ۶۱ وحوادث ۱-۲، ص ۵۴)

---

(۱) مجمع الأنهر، كتاب القضاء، فصل ثاني، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳۰۔

تبيين الحقائق، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۹۶، امدادية ملتان ۴/ ۱۸۲۔

الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الفضاء والشهادت، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۷۱۔

(۲) اعلم أن الكتابة بعلمه في الأصح فمن جوزه جوزها ومن لا فلا إلا أن المعتمد عدم حكمه بعلمه في زماننا أشباه وفيها الإمام يقضي بعلمه في حذفذف وقود وتعزيره. قلت: فهل الإمام قيد كما قدمناه في الحدود لم أره لكن في شرح الوهبانية للشرنبلالي والمختار الآن عدم حكمه بعلمه مطلقًا كما لا يقضي بعلمه في الحدود والخالصة لله تعالىٰ كزنا وخمر مطلقًا. وتحته في الشامية: إلا أن المعتمد أي عند المتأخرين لفساد قضاه الزمان وعبارة الأشباه الفتوى اليوم على عدم العلم بعلم القاضي في زماننا. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الفضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب في قضاء القاضي بعلمه، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۱۴۰-۱۴۱، كراچي ۵/ ۴۳۸-۴۳۹)

الأشباه والنظائر، الفن الثاني: الفوائد، كتاب القضاء والشهادات والدعاوى، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۹۳-۲۲۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۹۰۲): قدیم ۲/۹۲- متعلق حکم تار کے تھا جس کی عبارت نقل نہیں کی گئی؟

الجواب: اول دو مسئلہ بطور تمہید کے لکھے جاتے ہیں پھر جواب سوالات کا عرض کیا جائے گا۔ اول مسئلہ یہ ہے کہ تار دلالت وضعیہ غیر لفظیہ میں مشابہ خط کے ہے اور اس فرق کے لحاظ سے کہ خط میں خود علامت ممیّزہ موجود ہیں اور تار میں یہ مفقود ہے۔ بہ نسبت خط کے توپ اور طبل وغیرہ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے۔ اور خط کا حکم یہ ہے کہ امور ملزمہ میں باستثناء مواضع معدودہ ضرورت شدیدہ بشرط امن من التزویر مثل فرامین شاہی وغیرہا کے بدون اقرار کاتب یا قیام بینہ حجۃ نہیں اور امور غیر ملزمہ میں اگر قرائن صدق وصحت کے مجتمع ہوں جس سے نسبت اِلی الکاتب مظنون ہو جاوے حجۃ ہے ورنہ نہیں اور توپ وغیرہ کا حکم بھی ایسے امور میں یہی ہے کہ ظن صحت میں معتبر ہے ورنہ نہیں۔ پس خبر ہلال افطار میں کہ ہمارے دیار میں بوجہ والی مسلم نہ ہونے کے محض اخبار پر بلا اشتراط شہادت اس کا مدار ہونے میں، مثل اخبار ہلال صوم کے امور ملزمہ سے ہے اگر فقدانِ علامت تار دہندہ وتوسط غیر مسلم کسی شخص کے اعتبار سے مانع غلبہ ظن ہو اس کو مطلقاً عمل جائز نہیں اور جس کے اعتبار سے مانع نہ ہو مثل نطق کے صحو میں اخبار کثیرہ متواترہ اور غیم میں اخبار عدلین پر عمل جائز ہے اور چونکہ کلام ہلال عید میں ہے اس لیے خبر واحد پر کسی طرح عمل جائز نہیں۔

ثم ساق الدلائل(۱) **علی هذا الدعاوی.** امدادالفتاویٰ۔

---

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے مذکورہ دعاوی کے دلائل بسط وتفصیل کے ساتھ سوال نمبر: ۸۹۹/ میں نقل کیا ہے جن میں سے چند دلائل یہاں درج کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

بخلاف كتاب الأمان في دار الحرب حيث لا يحتاج إلى بينة لأنه ليس بملزم وفي رد المحتار قوله: لأنه ليس بملزم لأن له أن لا يعطيهم الأمان بخلاف كتاب القاضي، فإنه يجب على القاضي المكتوب إليه أن ينظر فيه ويعمل به، ولابد للملزم من الحجة وفي البينة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب لا يعمل بالخط، مكتبه زكريا ديوبند ۸/۱۳۵، كراچي ۵/۴۳۵)

ذكر في الكفاية آخر الكتاب عن الشافعي أن الصحيح مثل الأخرس فإذا كان مستبينًا مرسوماً وثبت ذلك بإقراره أو ببينة فهو كالخطاب. (شامي، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب في دفتر البياع والسمسار، مكتبه زكريا ديوبند ۸/۱۳۷، كراچي ۵/۴۳۶) ←

دوسرامسئلہ: یہ ہے طریق اثبات رویۃ کا **شہادت علی الرویۃ** یا **شہادۃ علی الشہادۃ** یا **شہادۃ علی قضاء الحاکم الشرعی** ہے حتی کہ اثبات رُویۃ الغیر بھی حجۃ نہیں۔ کذا فی الدرالمختار وردالمحتار(۱) باقی استفاضہ کو جو حجت لکھا ہے تو خود اس کو فی ذاتہ حجۃ نہیں کہا بلکہ علت اس کی یہ لکھی ہے۔

← **وقدمنا أول القضاء استظهار كون علة العمل بماله رسوم في دواوين القضاه الماضين هي الضرورة هنا كذلک فإنه يتعذر إقامة البينة على ما يكتبه السلطان من البراء ات لأصحاب الوظائف ونحوهم وبعد أسطر عديدة وأن ابن الشحنة وابن وهبان جزما بالعمل بدفتر الصراف ونحوه لعلة أمن التزوير كما جزم به البزازي والسرخسي وقاضيخان قال: إن هذه العلة في الدفاتر السلطانية أولى كما يعرفه من شاهد أحوال أهاليها حين نقلها.** (رد المحتار، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: لا يعمل بالخط، مكتبه زكريا ديوبند ۸/۱۳۵-۱۳۶، كراچي ۵/۴۳۵)

يتسحر بقول عدل وكذا بضرب الطبول وبعد أسطر لا يجوز إذا لم يصدقه ولا بقول المستور مطلقًا وبالأولىٰ سماع الطبل أو المدفع الحادث في زماننا لاحتمال كونه لغيره ولأن الغالب كون الضارب غير عدل فلا بد حينئذ من التحري فيجوز لأ ظاهر مذهب اصحابنا جواز الإفطار بالتحرى وبعد أسطر: وقد يقال: إن المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن وإن كان ضاربه فاسقا؛ لأن العادة أن الموقت يذهب إلى دار الحكم آخر النهار فيعين له وقت ضربه ويعينه أيضًا للوزير وغيره وإذا ضربه يكون ذلک بمراقبة الوزير وأعوانه للوقت المعين فيغلب على الظن بهذه القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الإفساد. (شامي، كتاب الصوم، مطلب في جواز الافطار بالتحرى، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۸۳، كراچي ۲/۴۰۷)

(۱) شهدوا أنه شهد عند قاضي مصر كذا شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى القاضي به ووجد استجماع شرائط الدعوى قضى أي جاز لهذا القاضي أن يحكمه بشهادة؛ لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به لا لو شهدوا بروية غيرهم لأنه حكاية (الدر المختار) وفي الشامية: (قوله أي جاز) الظاهر أن المراد بالجواز الصحة فلا ينا في الوجوب (قوله: لأنه حكاية) فإنه لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وإنما حكوا رؤية غيرهم. ←

لأن البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي عادة فلا بد من أن يكون صومهم مبيناً على حكم حاكمهم الشرعى فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور الخ كذا في رد المحتار ۲/۱۵۰. (۱)

اور جہاں یہ علت متحقق نہ ہو وہاں حجت بھی نہ ہوگا۔ بعد اس تمہید کے اب سوالات کا جواب دیا جاتا ہے۔

(۱): اس ایک یا متعدد تار مضمون دیکھنا چاہئے کہ کیا ہے اگر یہ ہے کہ یہاں چاند ہوا ہے یا فلاں شخص نے دیکھا ہے یا بہت آدمیوں نے دیکھا ہے اور اکثر تاروں کا ایسا ہی مضمون ہوتا ہے تب تو معتبر نہیں اگرچہ کتنے ہی تار ہوں (۲)۔ اور اگر یہ مضمون ہے کہ میں نے دیکھا ہے یا فلاں شخص نے میرے سامنے اپنا دیکھنا بیان کیا

← **قلت: وكذا لو شهدوا برؤية غيرهم وإن قاضي تلك المصر أمر الناس بصوم رمضان؛ لأنه حكاية لفعل القاضي أيضًا وليس بحجة بخلاف قضاء ه ولذا قيد بقوله ووجد استجماع شرائط الدعوىٰ كما قلنا.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد، كراچي ۲/۳۹۰، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۵۸-۳۵۹)

فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريق موجب كما (الدر) وتحته في الشامية: كأن يتحمل إثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳٦٤، كراچي ۲/۳۹٤)

(۱) شامي، كتاب الصوم، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد۔ مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۵۹، كراچي ۲/۳۹۰۔

(۲) **لو شهد جماعة أن أهل بلد كذا رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا وهذا اليوم ثلاثون بحسابهم ولم ير هؤلاء الهلال لا يباح لهم فطر غد ولا تترک التراويح هذه الليلة؛ لأن هذه الجماعة لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وإنما حكوا رؤية غيرهم.** (فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، مكتبه زكريا ديوبند۲/۳۱۹)

البحر الرائق، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/٤۷۱-٤۷۲، كوئٹه۲/۲۷۰۔

یا یہاں کے فلاں حاکم شرعی یا عالم و مفتی نے قبول کرلیا ہے (۱) یا یہاں عید ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک تار ہے تو عمل جائز نہیں کیونکہ کلام ہلال عید میں ہے اور اگر دو تین ہیں اور بادل نہیں تھا، تب بھی عمل جائز نہیں اور اگر دو تین تار بادل کی حالت میں آئے مگر تار دینے والے معتبر نہیں یا شناسا نہیں تب بھی عمل جائز نہیں اور اگر بادل کی حالت میں دو تین معتبر لوگوں کے آئے یا بدون بادل آٹھ دس آ گئے اور مضمون وہ ہے جو آخر میں لکھا ہے کہ میں نے دیکھا ہے الخ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دل گواہی دے کہ اس میں کذب وخطا نہیں ہوئی تو عمل جائز ہے اور اگر دل گواہی نہ دے تو عمل جائز نہیں (۲) اور جہاں کوئی محقق عالم ہو وہاں عوام کے دل کی گواہی معتبر نہیں عالم کے دل کی گواہی اور اُن کا فتویٰ حجت ہے۔ اور عوام کی خود رائی کرنا یا فتویٰ کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ اور ایک جگہ کے تار کی خبر جو دوسری جگہ بذریعہ تار دی جاتی ہے چونکہ اس کا مضمون ویسا نہیں ہوتا جس کا معتبر ہونا اوپر بیان کیا ہے اس لیے وہ بھی معتبر نہیں ہے اور یہی تفصیل صورتوں کے اور احکام کے خط میں بھی ہے عبارت سابقہ متضمنہ حکم تار میں ہر جگہ بجائے لفظ تار لفظ خط رکھ دیا جائے تو خط کے سب احکام کی تعین ہو جائے گی۔

---

(۱) ولو شهدوا أن قاضي بلد كذا شهد عنده اثنان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى بشهادتهما جاز لهذا القاضي أن يحكم بشهادتهما؛ لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به.
(فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، مكتبه زكريا ديوبند۳/ ۳۱۹)

البحر الرائق، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند۲/ ۴۷۲، كوئٹه۳/ ۲۷۰۔

(۲) وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ اشهد ...... لا تشترط الدعوى ...... ولو كانو ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة، وأفطروا بإخبار عدلين مع العلة للضرورة......وقبل بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد (الدر المختار) وفي الشامية: (قوله وهو مفوض) والصحيح من هذا كله أنه مفوض إلى رأي الإمام إن وقع في قلبه صحة ما شهدوا به وكثرت الشهود أمر بالصوم. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب: لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۴-۳۵۶، كراچي ۲/ ۳۸۶-۳۸۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) جوطرق خبر کی حجۃ ہونے کے مذکور ہوئے ہیں چونکہ ان ممالک کے تاروں کے آنے یا منگانے میں ان کی رعایت نہیں کی جاتی لہذا وہ حجۃ نہیں؛ البتہ اگر قواعد شرعیہ کی پوری رعایت ہوتو واقعہ جزئیہ کو عین وقت پر کسی عالم سے رجوع کر کے حکم شرعی پوچھ لیا جاوے اور صرف اختلاف مطالع حنفیہ کے نزدیک مانع قبول نہیں۔

(۳) چونکہ معاملات ودیانات میں فرق ہے اسی طرح شہادت واخبار میں بھی فرق ہے اس لیے معاملات میں عدم اعتبار شہادۃ مطلقاً مستلزم نہیں دیانات میں عدم اعتبار مطلقاً کو بلکہ اسمیں تفصیل ہوگی جو کہ نمبر:۱/ میں مذکور ہوئی۔

(۴) جس طرح تار کے مضمون میں تفصیل ہے اسی طرح خط کے مضمون میں بھی ہے جو نمبر:۱/ میں بسط کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے۔ فقط واللہ اعلم

۸/شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولی، ص ۶۴)

تحقیق خبر تار

سوال (۹۰۳): قدیم ۲/۹۳- چاند دیکھنے کی خبر ایک شہر سے یا چند شہروں سے بذریعہ تار یا خط آوے تو وہ قابل اعتبار ہے یا نہیں؟۔

الجواب: چونکہ تار میں اس کی کوئی علامت نہیں کہ کس کا تار ہے نیز اس میں غلط اور خلط بھی کثیر ہوتا ہے؛ اس لیے معتبر نہیں (۱)۔ (تتمہ ثالثہ، ص ۸۰)

---

(۱) وفیه (الکتاب) **شبهة التزویر إذا الخط یشبه الخط.** (مجمع الأنهر، کتاب القضاء، فصل ثاني، مطبوعة دارالکتب العلمیة بیروت ۳/۲۳۰)

عنایة علی فتح القدیر، کتاب أدب القاضي، باب کتاب القاضي إلی القاضي، مکتبه زکریا دیوبند ۷/۲۶۷، کوئٹه ۶/۳۸۲۔

إن الکتاب قد یزور والخط یشبه الخط. (تبیین الحقائق، کتاب القضاء، باب کتاب القاضي إلی القاضي، مکتبه زکریا دیوبند ۵/۹۶، امدادیة ملتان ۴/۱۸۲)

النغمة تشبه النغمة. (مجمع الأنهر، کتاب الشهادت، فصل اول، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/۲۶۶)

هدایة، کتاب الشهادة، مکتبه أشرفیة دیوبند ۳/۱۵۸۔

تحقیق حکم خط

سوال (۹۰۴): قدیم ۲/۹۴- ایک شہر سے یا چند شہروں سے ایک شخص یا چند شخصوں کے خطوط کے ذریعہ سے رُویت ہلال کی خبر آئی کہ ہم نے ۲۹ کو خود چاند اور بہت سے لوگوں نے دیکھا یہ قابلِ اعتبار ہے یا نہیں۔ اورعوام الناس کے اور خاص قاضی کے نام کے خط میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: في رد المحتار، والظاهر: أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع، أو رؤية القناديل من المصر لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن و غلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد إذ لايفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان ج ۲، ص ۱۴۰. (۱) و في الدرالمختار: لايعمل بالخط إلا في مسئلة كتاب الأمان ويلحق به البراءت ودفتر بياع وصراف وسمسار وجوزه محمدؒ لراو وقاض وشاهد إن تيقن به قيل وبه يفتى وأطال في ذلك صاحب رد المحتار ورجع العمل به إذا امن التزوير. ج۴، ص ۵۴۶ و ۵۴۹. (۲)

← تبيين الحقائق، كتاب الشهادة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/١٦٠، امدادية ملتان ٤/٢١٤ ـ
شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(١) شامي، كتاب الصوم، قبيل مطلب لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٥٤، كراچي ٢/٣٨٦ ـ

لم يذكروا عندنا العمل بالأمارات الظاهرة الدالة على ثبوت الشهر كضرب المدافع في زماننا، والظاهر وجوب العمل بها على من سمعها ممن كان غائبًا عن المصر كأهل القرىٰ ونحوها كما يجب العمل بها على أهل المصر الذين لم يروا الحاكم قبل شهادة الشهود وقد ذكر هذا الفرع الشافعية فصرح ابن حجر في التحفة: أنه يثبت بالأمارة الظاهرة الدالة لا تتخلف عادة كرؤية القنايل المعلقة بالمنائر قال: ومخالفه جمع في ذلك غير صحيحة. (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٧٢، كوئٹه ٢/٣٧٠)

(٢) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب لا يعمل بالخط، مكتبه زكريا ديوبند ٨/١٣٥-١٣٨، كراچي ٥/٤٣٥ ـ ←

اس سے معلوم ہوا کہ جو مضمون زبانی حجت ہے وہ خط سے بھی حجت ہے جب خط کی شناخت اور اس کے واقعی ہونے پر اطمینان ہو اور قاضی عرفی اور عوام برابر ہیں۔ (تتمہ ثالثہ،ص ۸۰)

رمضان کی رؤیت کے بارے میں ٹیلیفون کا حکم

سوال (۹۰۵): قدیم ۲/۹۴- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر رُؤیت ہلال عید کی خبر کسی معتبر شخص سے بذریعہ ٹیلیفون معلوم ہو تو عندالشرع وہ معتبر سمجھی جائے گی یا نہیں؟

(۲) اگر رمضان المبارک کے چاند کی خبر مذکورۂ بالا طریقہ سے معلوم ہو تو معتبر مانی جائے گی یا نہیں؟

الجواب عن السوالین: گوان دونوں ہلالوں کی شہادت میں بعض احکام میں اختلاف یعنی تفاوت بھی ہے لیکن یہ شرط مشترک ہے کہ شاہد عدل یا مستور بمعنی غیر معلوم الوصف ہو، اور یہاں وہ خود غیر معلوم الذات ہے۔ باقی آواز اول تو ٹیلیفون میں صاف پہچانی نہیں جاتی دوسرے اگر پہچانی بھی جاوے تب بھی آوازوں میں تشابہ ہوا کرتا ہے اور جو شرط ہے محتجب کے تعین کی (کہ اس کے تکلم کے وقت دو معتبر شخص اس کو دیکھ رہے ہوں۔ اور وہ اس کو دیکھ کر کہیں کہ یہ متکلم فلاں شخص ہے اور یہ محتاج الی التعیین اس وقت ان دونوں کو دیکھ رہا ہو) یہ یہاں ممکن نہیں؛ لہٰذا یہ شہادت ٹیلیفون کے واسطے سے رمضان یا فطر میں معتبر نہیں۔

← **لا يعتمد على الخط ولا يعمل به) إلى قوله) إلا في مسألتين: الأولىٰ: كتاب أهل الحرب بطلب الأمان لحامله......ويمكن إلحاق البراء ة السلطانية بالوظائف في زماننا إن كانت العلة أنه لا يزور وإن كانت العلة الاحتياط في الأمان لحقن الدم فلا، الثانية: يعمل بدفتر السمسار والصراف والبياع الخ وقال الحموي: عن خرانة الأكمل تحت قوله: لا يعتمد على الخط ولا يعمل به: أجاز أبويوسفؒ، ومحمدؒ العمل بالخط في الشاهد والقاضي والراوي إذا رأى خطه ولا يتذكر الحادثة. قال في العيون: الفتوى على قولهما كذا في رسالة ابن الشحنة في العمل بالخط إذا تيقن أنه خطه ...... فإذا تيقن ذلک جاز الإعتماد عليه توسعه على الناس.** (الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، الفن الثاني، كتاب القضاء والشهادات والدعاوي، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۶۸-۱۷۱)

الدر المنتقي مع مجمع الأنهر، كتاب الشهادات، فصل: يشهد بكل ما سمعه، دارالكتب العلمية بيروت ۳/۲۶۷۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

فـي الـدرالـمـختـار جـلد ۲ . للصوم مع علة كغيم وغبار خبر، عدل أو مستور على ما صححه البزازی على خلاف ظاهر الرواية لا فاسق اتفاقاً (۱) الخ (فيه جلد ۴) ولا يشهد على محجب بسماعه منه إلا إذا تبين قائل إلى قوله مع شهادة إثنين بأنها فلانة بنت فلان (۲)

قرب ۱۳۳۶ھ (حوادث خامسہ، ص ۱۱)

---

(۱) الـدر الـمـختـار عـلـى در الـمحتار، كتاب الصوم، قبيل مطلب لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳۵۲/۳، كراچي ۳۸۵/۲۔

إذا كـان فـي السماء علة من نحو غيم أو غبار قبل لهلال رمضان خبر واحد عدل في ظاهر الـرواية ومستور عـلى قول مصحح لا ظاهر فاسق اتفاقا سواء جاء ذلک الخبر من المصر أو من خارجه في ظاهر الرواية. . (رسائل ابن عابدين الرسالة التاسعة، ثاقب بكڈپو ديوبند ۳۳۴/۱)

وإذا كان بالسماء علة تمنع الرؤية قبل الحاكم وكذا أهل بلدة لا حاكم فيها في هلال رمـضـان خبـر عدل أو مستور في الأصح لا فاسق خلافا للطحاوي. (الـدر المنتقي مع مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ۳۴۸/۱)

وإذا كـان بـالـسـمـاء عـلة مـن غيـم أو غبـار ونـحـوه كـضباب وندي قبل أي القاضي بـمـجـلسه خبر واحد عدل ...... **أو خبر مستور هو مجهول الحال لم يظهر له فسق ولا عدالة يـقبل في الصحيح.** (مـراقـي الـفـلاح على حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم، دارالكتاب ديوبند ص:۶۵۲)

(۲) الـدر الـمـخـتـار عـلـى رد الـمـحـتـار، كـتـاب الشـهـادات، مـكتبـه زكـريـا ديوبند ۱۸۱/۸-۱۸۲، كراچي ۴۶۸/۵۔

ولو سمع من وراء الحجاب لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره إذ النغمة تشبه الـنـغـمة إلا إذا كـان فـي الـداخـل وحـده وعلم الشاهد أنه ليس فيه غيره (تبين) وفي حاشية الشبـلـي: وقـال الفقيه أبو الليث: إذا سمعوا صوت امرأة من وراء الحجاب أو رأوا شخصها وشهد عندهم رجلان عدلان أنها فلانة جاز لهم أن يشهدوا على إقرارها وإن لم يروا وجهها.

(تبييـن الـحـقـائـق مـع حاشية الشلبي، كتاب الشهادة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۶۰/۵-۱۶۱، امدادية ملتان ۲۱۴/۴) ←

رمضان کی رؤیت کے بارے میں ٹیلیفون کا حکم

سوال (۹۰۶): قدیم۲/ ۹۵- ایک شہر کے مفتی یا دیندار عالم کے نزدیک رُؤیت ہلال کا ثبوت بموجب شرع شریف کے ہوا اور وہ اس رُویت کے ثبوت کی خبر دوسرے شہر کے مفتی یا دیندار عالم کو بذریعہ آلہ ٹیلیفون کے کرے کہ جس میں خبر دہندہ ومخبر الیہ ایک دوسرے کی آواز کو اچھی طرح سنتے اور پہنچانتے ہیں اور تکلم کے وقت غیر کا واسطہ بھی نہیں ہوتا، اور مخبر الیہ کو اُس خبر کی تصدیق میں کسی طرح کا شک و شبہ بھی نہیں رہتا تو اس خبر پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور صورت مسئولہ میں اور دوسرے قابل اعتبار ٹیلیفون کی ضرورت باقی رہی ہے یا نہ؟

الجواب: ایک کلام تو خود طریق بموجب میں ہے سو اس کا سوال مقصود نہیں دوسرا کلام ٹیلیفون کے واسطہ میں ہے اور یہی مقصود بسوال ہے سو اس کا جواب ظاہر ہے کہ جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے اس میں غیر معتبر ہے اور جن میں حجاب مانع نہیں اس میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین معلوم ہو جاوے تو معتبر ہے۔(۱)

۱۶/ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ، ص ۳۱)

← **لا يشهد على محتجب بسماعه منه إلا إذا تبين القائل أو يرى شخصها حال إقرارها مع شهادة إثنين بأنها فلانة بنت فلان بن فلان.** (الدر المنتقي مع مجمع الأنهر، كتاب الشهادات، فروع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۶۷)

ایک ضروری ہدایت: آج کل فون نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ فون میں بات کرنے والے ایک دوسرے کو صاف طور پر دیکھ لیتے ہیں اور کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہتا؛ اس لئے اب فون کو یوں کہہ کر رد کر دینا مشکل ہے کہ ٹیلیفون میں ایک دوسرے کی پہچان نہیں ہو پاتی؛ بلکہ آسانی سے پہچان ہو جاتی ہے، خطوط میں وہ قوت نہیں ہے جو فون میں ہوتی ہے۔

(۱) **و لا يشهد على محجب بسماعه منه إلا إذا تبين لقائل بأن لم يكن في البيت غيره ...... أو يرى شخصها أي للقائلة مع شهادة إثنين بأنها فلانة بنت فلان بن فلان.** (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الشهادت، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۱-۱۸۲، كراچي ۲/ ۴۶۸)

ولو سمع من وراء الحجاب لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره إذا نغمة تشبه النغمة إلا إذا كان في الداخل وحده وعلم الشاهد أنه ليس فيه غيره (تبين) ←

بادل اور ابر نہ ہونے کی صورت میں رؤیت کی خبر انتظار کا حکم

سوال (۹۰۷): قدیم ۲/ ۹۵- ۲۹ شعبان کو باوجود نہ ہونے ابر و باد کے چاند نہیں دکھائی دیا اس صورت میں انتظار کرنا کہ اگر کل چاند کی خبر ہوگی تو نیت روزہ کی کرلیں گے ورنہ نہیں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض اقوال پر مطلع صاف ہونے پر بھی انتظار منقول ہے لیکن زیادہ مناسب حالت عوام کے دوسرے قول پر فتویٰ دینا ہے کہ اس میں انتظار نہ کریں۔

في الدرالمختار: ولايصام يوم الشک هو يوم الثلاثين من شعبان وإن لم يكن علة أي علی القول بعدم اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرؤية في بلدة أُخریٰ وأما علی مقابله فليس بشک ولايصام أصلاً اه. (۱) فقط واللہ اعلم

۱۰/ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد، ص ۱۷۴، ج ۱)

← وفي حاشية الشبلي: وقال الفقيه أبو الليث: إذا سمعوا صوت امرأة من وراء الحجاب أو رأوا شخصها وشهد عندهم رجلان عدلان أنها فلانة جاز لهم أن يشهدوا على إقرارها وإن لم يروا وجهها. (تبيين الحقائق مع حاشية الشبلي، كتاب الشهادة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ١٦٠-١٦١، امدادية ملتان ٤/ ٢١٤)

البحر الرائق، كتاب الشهادات، مكتبه زكريا دبوبند ٧/ ٩٤، كوئٹه ٧/ ٥٦۔

لا يشهد على محتجب بسماعه منه إلا إذا تبين القائل أو يرى شخصها حال إقرارها مع شهادة إثنين بأنها فلانة بنت فلان بن فلان. (الدر المنتقي مع مجمع الأنهر، كتاب الشهادات، فروع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٦٧)

(١) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٤٦، كراچي ٢/ ٣٨١۔

ولا يصام يوم الشک هو يوم الثلاثين من شعبان وإن لم يكن ثمة علة لجواز تحقق الرؤية في بلدة أخرى بناء على عدم اختلاف المطالع. (الدر المنتقي على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٤٦)

يوم الشک هو ما إذا لم ير علامة ليلة الثلاثين والسماء ...... متغيمة ...... فأما إذا كانت السماء مصحية ولم ير الهلال أحد فليس بيوم الشک ولا يجوز صومه ابتداء، ←

منتہائے وقت سحر

سوال (۹۰۸): قدیم ۲/ ۹۵- ماہ رمضان المبارک کی رات میں کس قدر حصّہ رات کا باقی رہتا ہے کہ اس وقت تک سحری کھانا درست ہے؟

الجواب: ہیئت کے قاعدہ سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل (*) تک سحری کھا سکتے ہیں۔ اور فقہاء نے احتیاط کی ہے۔ کہ غروب سے طلوع تک کل وقت جتنا ہے اس کو سات پر تقسیم کریں چھ حصّہ میں سحر کھا سکتے ہیں۔(۱)

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد، ص ۱۷۴، ج ۱)

(*) چھ حصہ میں سحری کھا سکتے ہیں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مغرب کے بعد بھی سحری کھا سکتے ہیں؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ نصف لیل سے لے کر چھٹے حصہ کے ختم تک سحری کھا سکتے ہیں۔

← **لا فرضا ولا نفلا؛ لكن بقي شيئ وهو أن الشک يتحقق، وإن لم يكن علة على العقول بعدم اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرؤية في بلدة أخرىٰ نعم على مقابله ليس بشيئ.** (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٦١، كوئٹه ٣/ ٢٦٤)

(١) **ويستحب السحور ...... وهو اسم للمأكول في السحر وهو السدس الأخير من الليل.** (شامي، كتاب الصوم، مطلب في حديث التوسعة على العيال، قبيل فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند٣/ ٤٠٠، كراچي ٢/ ٤١٩)

التسحر مستحب ووقته آخر الليل قال الفقيه أبو الليث: وهو السدس الأخير هكذا في السراج الوهاج. (هندية، كتاب الصوم، الباب الثالث فيما يكره للصائم وما لا يكره، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ٢٠٠، جديد ١/ ٢٦٢)

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن وقت السحور ما بين نصف الليل الأخير إلى طلوع الفجر، وقال بعض الحنفية والشافعية: هو ما بين السدس الأخير وطلوع الفجر. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/ ٢٧٠)

والسحور ما يؤكل في السحر وهو السدس الأخير من الليل. (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥١١، كوئٹه ٢/ ٢٩٢) ***شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ***

شوال کے چاند گرہن کے حساب سے عید میں بدھ وجمعرات کا اختلاف

سوال (۹۰۹): قدیم ۲/ ۹۶- آپ نے شاید عید کے متعلق غور نہیں فرمایا چاند گرہن دوشنبہ کی شب کو ہوا۔ یعنی اتوار کی ۱۳ تاریخ تھی تو عید جمعرات کی ہوئی اور ٹھیک ہوئی جن لوگوں نے بدھ کی عید کی ان کے حساب سے چاند گرہن پندرھویں شب کو ہوا جو کسی طرح ممکن نہیں؟

الجواب: في شرح الچغميني: ص: ۹۰. وإذا بعد عن الشمس مقداراً قريباً من اثنى عشر جزء وأقل منه بقليل أوأكثر كذالک على اختلاف أوضاع المساكن فإن المسكن إذا كان مدارالقمر فيه أقرب إلىٰ انتصاب يكون روية الهلال فيه أسرع بل الرؤية تختلف في مسكن واحد أيضاً بسبب قرب القمر وبعده عروضه وكونه في أجزاء مختلفة من فَلَکِ البروج وغيرذلک وأيضاً فيه ص ۹۲. وإنما لا يختلف حد القرب والبعد في الخسوف باعتبارجهتى العقدة و اختلاف البقاع كما يختلف في الكسوف لأن الخسوف أمر عارض للقمر في ذاته بخلاف الكسوف فإنه أمر يعرض للشمس بالنسبة إلى الأبصاراه وفي الحاشية للإمام لايختلف وجوداً وعدماً بحسب البقاع وإن اختلف قدراً بسبب وقوع كله أو بعضه في دائرة مخروط ظل الأرض.

عبارت اولی میں تصریح ہے کہ رُویت قمر باختلاف مساکن مختلف ہوتی ہے اور عبارت ثانیہ میں مصرّح ہے کہ جس وقت قمر اختلاف مساکن سے مختلف نہیں ہوتا اور تاریخ کا مدار رُویت پر ہے پس فرض کرنا چاہئے کہ ایک جگہ شام یکشنبہ کو رُویت ہوئی اور غرّہ دوشنبہ کا ہوا اور دوسری جگہ شام دوشنبہ کو رُویت ہوئی اور غرہ سہ شنبہ کا ہوا اور اس کا ممکن ہونا اوپر مذکور ہو چکا تو اگر چاند گرہن شب دوشنبہ کو ہوا تو لامحالہ وہ اسی وقت سب جگہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شب غرہ دوشنبہ والوں کے حساب سے پندرھویں ہوگی اور غرہ سہ شنبہ والوں کے نزدیک چودھویں ہوگی۔ پس ثابت ہوگیا کہ ہیئت کے قاعدہ سے بھی چاند گرہن پندرہویں شب کو ہونا ممکن ہے۔ پس اس بناء پر خسوف کا واقع ہونا کسی تاریخ کی تعین کی دلیل نہیں ہوسکتی، پس خسوف کی بناء پر تو شبہ کی کوئی گنجائش نہیں؛ البتہ یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب رؤیت

دوسری جگہ معتبر نہ ہونا چاہئے سو یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے۔ بعض ائمہ مجتہدین نے ہر جگہ کی رُویت اُسی جگہ کے لیے معتبر رکھی ہے جیسا قیاس کا مقتضی ہے؛ البتہ ہمارے امام ابوحنیفہؒ نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ سو اعتبار کی نفی سے وقوع کا انکار لازم نہیں آتا، باقی یہ کیوں نہیں اعتبار کیا۔ سو وہ ادلّہ شرعیہ سے شارع کی غرض یہی سمجھے وہ ادلّہ یہ ہیں۔

صوموا لرؤيته (۱) وأفطروا لرؤيته اورنحن امة امية لانكتب ولانحسب ونحو ذلك. (۲)

سو یہ ایک انتظامی امر ہے اس میں کسی حقیقت کا انکار نہیں کیا گیا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے نصف النہار ہر جگہ کا مختلف ہے مگر انتظامی سہولت کے واسطے ہندوستان بھر کی ریلوے گھڑیوں کو ایک خاص نصف النہار کے مطابق رکھ کر حساب وغیرہ میں اسی کا اعتبار ولحاظ کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

۲۶/ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد، ص ۱۷۴۔ ج ۱)

---

(۱) أخرج البخاري عن أبي هريرةؓ يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم أو قال أبوالقاسم صلى الله عليه وسلم: صوموا لرؤية وأفطروا لرؤيته فإن أغمى عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلٰثين. (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم إذا رأيتم الهلال الخ، النسخة الهندية ۱/۲۵٦، رقم: ۱۸۷۱، ف: ۱۹۰۹)

صحيح مسلم، كتاب الصوم، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، النسخة الهندية ۱/۳٤۷، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۰۸۱۔

(۲) عن ابن عمرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: إنا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب الشهر. الشهر هكذا وهكذا يعني مرة تسعة وعشرين ومرة ثلاثين. (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لانكتب ولا نحسب، النسخة الهندية ۱/۲۵٦، رقم: ۱۸۷۵، ف: ۱۹۱۳)

صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، النسخة الهندية ۱/۳٤۷، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۰۸۰۔

أبو داؤد شريف، كتاب الصيام، باب الشهر يكون تسعًا وعشرين، النسخة الهندية ۱/۳۱۷، دارالسلام رقم: ۲۳۱۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مختلف مقامات سے دوسرے مقام کی رؤیت کی خبر کی تحقیق

سوال (۹۱۰): قدیم ۲/ ۹۷- بعالی خدمت جناب مولانا حافظ محمد اشرف علی صاحب ادام اللہ تعالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ انجمن نے اس دفعہ ہندوستان کے مشہور بلاد وامصار میں جو اس ملک کے ہر طرف واقع ہیں مثلاً کلکتہ، مدراس، بمبئی، پشاور، بنگلور، گوالیار، دہلی، میرٹھ، سہارن پور، ڈیرہ اسماعیل خاں، سرینگر وغیرہ میں سرسٹھ (۶۷) خطوط اور تار برقیاں رُؤیت ہلال کے بارے میں روانہ کیں تاکہ سب جگہ رمضان سے غرہ ایک روز کا قرار پائے چنانچہ اس کی تعمیل میں بموقع رُؤیت ہلال رمضان المبارک تیرہ (۱۳) تار برقیاں وسترہ (۱۷) خطوط درباب رُؤیت ہلال بروز جمعہ موصول ہوئے۔ صرف کلکتہ وپشاور میں بسبب محیط آسمان ہونے کے رُؤیت نہ ہوسکی۔ تمام ہندوستان میں شنبہ کے غرہ کی تصدیق ہوگئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر انجمن کی طرف سے ایسا انتظام ہمیشہ کے لیے مقرر کردیا جاوے تو یہ کچھ بہت بڑا امر ہے یا نہیں۔ اور صرف استفتاء ذیل کے جواب پر موقوف ہے۔ اس دفعہ حیدرآباد سندھ کے علاقہ مورد میں اتوار کو روزہ ہوا۔ چنانچہ مقام مذکور میں اطلاع دی گئی ہے کہ ایک روزہ کی قضا دینی چاہئے اس لیے گزارش ہے کہ استفتاء ذیل کا جواب ۲۵ رمضان تک عنایت ہوجاوے تاکہ بصورت جواز بموقع عید اس کی تعمیل ہوسکے۔ دیگر علماء کرام کی خدمت میں مضمون ہذا کے علیحدہ استفتاء ارسال کئے گئے ہیں۔ جوابات موصول ہونے پر مشتہر بھی کردیئے جاویں گے۔ پولیٹکل سکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور۔

استفتاء یہ ہے: مسئلہ ذیل یعنی بحالات ذیل جناب کے نزدیک شریعت غرائے محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام مفتی بہ جواب کیا ہے۔ اگر ایسا انتظام کیا جاوے کہ رُویت ہلال کے لیے ہندوستان کے مختلف بڑے بڑے مقامات سے رُؤیت کی خبر بذریعہ تار برقی منگوائی جاوے اور ایسی تار برقیاں شرقی، غربی، شمالی، جنوبی، امصار ہندوستان سے بتعداد دس، پندرہ، بیس حاصل کی جائیں اور ان کی کثرت اور تواتر اور مختلف اور مقابل اطراف سے جن میں صدہا کوس کا باہمی فاصلہ ہو دو چار گھنٹے ایک جیسے کثیر خبروں کا موصول ہوجانا معمولی دنیوی عقل کے مطابق شائبہ کذب کو قطعاً محو کردیتا ہے۔ اور صداقت کا علم عام عقل کے مطابق تو ہوجاتا ہے لیکن شرعی قواعد کے موافق ایسی تار برقی کی خبروں پر غرہ قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

بہر دوشق اگر مطلع صاف ہوتو نہ ہوتو اور یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ تاریں اُن لوگوں کی طرف پہونچیں گی جن کے ساتھ پہلے خط وکتابت کے ذریعہ سے یہ بات قرار پاچکے گی کہ فلاں تاریخ فلاں وقت رُویت کی بابت خبر بھیجیں گے اور وہ ایسے مسلمان ہوں جو قابل وثوق معتبر شاہد ہوں؟

الجواب: ایسی صورت میں یہ خبر متواتر شرعاً بھی معتبر ہے(۱) خواہ مطلع صاف ہو یا نہ ہو لیکن اگر دوسری جگہ یہ خبر بذریعہ تار یا خط بھیجی جاوے جیسا خط مصحوب سے معلوم ہوتا ہے(*)۔ سو وہاں چونکہ یہ خبر تواتر کے ذریعہ سے نہیں پہونچی اور جس طریق سے پہونچی ہے وہ شرعاً موجب اور حجۃ نہیں ہے اس لیے وہاں والوں کے حق میں قابل عمل نہ ہوگی۔ وهذا كله ظاهر.

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ

(*) یعنی اس عبارت سے مقام مذکور میں اطلاع دی گئی ہے کہ ایک روزہ کی قضا دینی چاہئے اور ظاہر ہے کہ یہ ایک تار ہوگا۔ ۱۲ منہ

(۱) **أن هذه الاستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض ولا على شهادة؛ لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها أن أهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها لأن البلده لا تخلو عن حاكم شرعي عادة فلا بد من أن يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعي فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور وهي أقوىٰ من الشهادة بأن أهل تلك البلدة رأوا الهلال وصاموا لأنها لا تفيد اليقين فلذا لم تقبل إلا إذا كانت على الحكم أو على شهادة غيرهم لتكون شهادة معتبرة إلا فهي مجرد أخبار، بخلاف الاستفاضة فإنها تفيد اليقين.** (شامي، كتاب الصوم، مطلب لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۹، كراچي ۲/ ۳۹۰)

قال شمس الأئمة الحلوانيؒ: الصحيح من مذهب أصحابناؒ أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرىٰ يلزمهم حكم هذه البلدة (إلى قوله) ثم اعلم أن المرار بالاستفاضة تواتر الخبر من الوار دين من بلدة الثبوت إلى البلدة التي لم يثبت بها. (منحه الخالق على البحر الرائق، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۷۱-۴۷۲، كوئٹه ۲/ ۲۷۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جواب بالا کے ساتھ ذیل کے مضمون کا خط لکھا گیا تھا

مکرم بندہ۔ السلام علیکم۔ جواب مسئلہ تو لکھ چکا اب اپنی رائے بطور مشورہ کے عرض کرتا ہوں اس کے قبول وعدم قبول کو اپنے ارکان کے قبول پر رکھئے وہ یہ ہے کہ اول تو جب ثابت ہوا کہ یہ خبر دوسری جگہ قابلِ عمل نہ ہوگی تو اس صورت میں اطلاع کرنا ہی بیکار ہے؛ لیکن اگر دوسرے علماء کا فتویٰ بھی اس کے قابلِ عمل ہونے پر ہو جاوے۔ اور علماء انجمن کے نزدیک وہ فتویٰ راجح بھی ہو تب بھی بچند وجوہ یہ انتظام مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

اول: بے ضرورت انجمن پر اتنے مصارف کا بار ڈالنا۔ اگر یہ رقم کسی مہم کام میں صَرف کی جاوے تو کیسی خوبی ہے۔

دوم: مجھ جیسے آدمیوں کی نیت بھی اس انتظام میں خالص ہونا مشکل ہے شہرت ورفعت کا شائبہ ضرور ہو جاتا ہے اور میں آپ کو نہیں کہتا۔

سوم: سب کا ماننا مشکل سو اس صورت میں مسلمانوں میں بیحد اختلاف اور تفریق واقع ہوگا۔

چھارم: انجمن میں جب یہ رسم جاری ہو جاوے گی پھر آئندہ آنے والے ارکان ممکن بلکہ غالب ہے کہ تحقیق وایصال خبر میں اتنی احتیاط نہ کریں اور بانی اُس کے اس وقت کے لوگ ہوں گے۔ واللہ اعلم

اس کو خاتمہ تحقیق نہ سمجھا جاوے ہمارے مولانا غلام احمد صاحب اور دیگر علماء وارکان انجمن کے نزدیک جو امر طے ہو جاوے مبارک ہوگا۔ خواہ اس کے موافق ہو یا اُس کے خلاف۔

(امداد، ص ۱۷۶، ج ۱)

دوسرے بلاد سے رؤیت کی خبر حاصل کرنے کوشش واجب نہیں

سوال ((۹۱۱): قدیم ۲/ ۹۹- جس شہر میں بوجہ ابر وغبار یا مطلع صاف ہونے کی صورت میں ۲۹/ شعبان یا رمضان کو چاند نظر نہ آیا ہو کیا وہ مکلّف ہیں یا نہیں کہ کوشش کر کے دوسرے شہروں سے خبریں منگائی جاویں۔

الجواب : چونکہ کوئی حکم بلا دلیل ثابت نہیں ہوتا اور اس کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں ؛ لہٰذا یہ امر واجب نہیں ۔(۱)

(تتمہ ثالثہ،ص ۷۹)

طریق موجب سے رؤیت ہلال کا اعتبار

سوال تتمہ سوال بالا: اگر مکلّف ہیں تو وہ کون سا ذریعہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے خبریں منگائی جاویں اور وہ قابل اعتبار ہوں اور جب معتبر ذریعہ سے خبر دوسرے شہروں سے آجاوے تو اس شہر کے قاضی یا مفتی کو اُس کا ماننا ضروری ہے یا نہیں ۔ اگر قاضی نہ مانے اور عمل نہ کرے تو گنہ گار ہوگا یا نہیں؟

الجواب :اس کے مکلّف تو نہیں لیکن اگر دوسری جگہ سے خبر آجاوے تو اس کے معتبر ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ طریق موجب سے پہونچے اور طریق موجب یہ ہیں:

ایک : شہادت بالرؤیۃ۔

دوسرے : شہادت علی الشہادت بالرؤیۃ۔

تیسرے: شہادت علی حکم الحاکم۔

---

(۱) **أخبرني كريب أن أم الفضل بنت الحارث بعثته إلى معاوية بالشام فقضيت حاجتها واستهل علي هلال رمضان وأنا بالشام فرأينا الهلال ليلة الجمعة، ثم قدمت المدينة في اٰخر الشهر، فسألني ابن عباسؓ ثم ذكر الهلال فقال: متى رأيتم الهلال فقلت رأيناه ليلة الجمعة فقال: أنت رأيته ليلة الجمعة فقلت: رآه الناس وصاموا وصام معاويةؓ فقال: لكن رأيناه ليلة السبت فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلٰثين يومًا أو نراه فقلت: ألا تكتفى برؤية معاوية وصيامه قال: لا هكذا أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أبو عيسىٰ: العمل على هذا الحديث عند أهل العلم أن لكل أهل بلد رؤيتهم.** (سنن الترمذي، أبواب الصوم، باب ماجاء لكل أهل بلد رؤيتهم، النسخة الهندية ١٤٨/١، دارالسلام رقم:٦٩٣)

صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب بيان أن لكل بلد رؤيتهم الخ النخسة الهندية ٣٤٨/١، بيت الأفكار الدولية رقم:١٠٨٧ـ **شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ**

چوتھے : استفاضہ جو حکم حاکم کے حکم میں ہے۔

كذا في الدرالمختار قوله شهد وا أنه شهد إلٰى قوله مجتبى وغيره وفي رد المحتار من قوله لأنه حكاية إلىٰ قوله بمجرد الشيوع(١)ج ٢ ، ص ١٥٠ وص ١٥١ .

وكما في الدرالمختار: من قوله: فيلزم أهل المشرق الىٰ قوله كما مر وفي رد المحتار: من قوله بطريق موجب الىٰ قوله لأنه حكاية (٢) (ج٢ ، ص ١٥٥)

---

(١) شهدوا أنه شهد عند قاضي مصر كذا شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى القاضي به ووجد استجماع شرائط الدعوى قضى أي جاز لهذا القاضي أن يحكم بشهادتهما لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به لا لو شهدوا برؤية غيرهم؛ لأنه حكاية: نعم لواستفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصحيح من المذهب (الدر المختار) وفي الشامية : لأنه حكاية فإنهم لم يشهدوا برؤية ولا على شهادة غيرهم . قلت: وكذا لوشهدوا برؤية غيرهم وإن قاضي تلك المصر أمر الناس بصوم رمضان لأنه حكاية لفعل القاضي أيضًا وليس بحجة بخلاف قضائه ولذا قيد بقوله ووجد استجماع شرائط الدعوى كما قلنا. (إلى قوله) فإن التحقق لا يوجد بمجرد الشيوع. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب:لاعبرة بقول المؤقتين في الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٥٨-٣٥٩، كراچي ٢/٣٩٠)

تقبل فيما لا يسقط بالشبهة إن شهد رجلان على شهادة شاهدين. (البحر الرائق، كتاب الشهادت، باب الفصل الثاني رؤية الهلال، مكتبه زكريا ديوبند٧/٢٠٢، كوئٹه٢/٢٧٠)

وفي مجموع النوازل شاهدان شهدا عند قاضي مصر لم ير أهله الهلال على أن قاضي مصر كذا شهد عنده شاهدان برؤية الهلال وقضى به ووجد شرائط صحة الدعوى قضى بشهادتها. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الثاني رؤية الهلال، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٦٦، رقم:٤٥٨٤)

(٢) فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب كما مر (الدر المختار) كان يحتمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أويستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه لأنه حكاية. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع ، مكتبه زكريا ديوبند٣/٣٦٤، كراچي ٢/٣٩٤)

اور جب ان ذرائع سے خبر آوے گی اس پر عمل واجب اور خلاف کرنا معصیت ہے، اگر کسی کے اجتہاد میں وہ طریق موجب نہ ہو تو معذور ہے اور رمضان میں جس طرح رُویت پر ایک کی شہادت معتبر ہے اسی طرح اس شہادت پر بھی ایک کی شہادت معتبر ہے۔

في الدرالمختار: يقبل (أي في رمضان) شهادة واحد على اٰخر الخ ۲/۱۴۶ .(۱)

اوراسی طرح جہاں حاکم نہ ہو فطر میں عدد تو ضروری ہے؛ لیکن لفظ شہادت ضروی نہیں۔

كذا في الدرالمختار: أيضاً ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطروا با خبار عدلين مع العلة (۲) (ج ۲ ، ص ۱۴۶)

← موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الصيام، المطلب الثالث اختلاف المطالع، مكتبه أشرفية ديوبند ۲/۵۳٤ـ

حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قبيل باب في بيان ما يفسد الصوم، دارالكتاب ديوبند ص:٦٥٦ـ

(۱) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصوم، قبيل مطلب: لا عبرة بقول المؤفتين في الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳٥۳ـ

البحر الرائق، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/٤٦٦، كوئٹه ۲/۲٦۷ـ

ويقبل خبره لو شهد على شهادة واحد مثله لأن العدد في الأصول ليس بشرط فكذا في الفروع. (مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، دارالكتاب ديوبند ص:٦٥۳)

(۲) الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳٥٤، كراچي ۲/۳۸٦

ولو كانوا في بلدة لا قاضى فيها و لاوالٍ فإن الناس يصومون بقول الثقة ويفطرون بإخبار عدلين للضرورة. (البحر الرائق، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/٤٦٦)

وإذا رأي الهلال في الرستاق وليس هناك والٍ ولا قاضٍ فإن كان ثقة يصوم الناس بقوله، وفي الفطر إن أخبر عدلان برؤية الهلال وبالسماء علة لا بأس بأن يفطروا بلا دعوى ولاحكم للضرورة. (مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، دارالكتاب ديوبند ص:٦٥٤) شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وقت افطار و حکم حیلولۂ جبل

سوال (۹۱۲): قدیم ۲/۱۰۰- وقت نماز مغرب کا اور افطار صوم کا بمجرد غروب آفتاب کے ہوجاتا ہے یا کچھ دیر بعد، جب پہاڑ بفاصلہ چھ سات کوس بجانب مغرب واقع ہو اور آفتاب پہاڑ کے پیچھے ہوجاوے تو وقت نماز مغرب وافطار صوم ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: وقت افطار وصلوٰۃ مغرب کا بمجرد غروب شمس کے ہوجاتا ہے کچھ دیر کی ضرورت نہیں اگرچہ جانب مغرب پہاڑ واقع ہو کیونکہ غروب کے یہ معنی نہیں کہ دنیا میں کہیں آفتاب نظر نہ آئے، ایسا تو ممکن نہیں کہیں غروب ہوتا ہے کہیں طلوع؛ بلکہ غروب کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے افق سے غائب ہوجائے اور مشرق میں تاریکی نمودار ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص (*) پہاڑ پر کھڑا آفتاب دیکھ رہا ہے اُس کو افطار حلال نہیں؛ کیونکہ اُس کے افق سے غائب نہیں ہوا۔

أو المراد بالغروب زمان غيبوبة جرم الشمس بحيث يظهر الظلمة في جهة الشرق قال ﷺ إذا أقبل الليل من ههنا فقد أفطر الصائم أي إذا وجدت الظلمة حساً في جهة المشرق فقد ظهر وقت الفطر شامی کلکتّی ج ۲، ص ۸۰. (۱)

جمادی الاول ۱۳۰۲ھ (امداد، ص ۱۷۸، ج ۱)

(*) یعنی ایسی اونچی جگہ کھڑا ہے کہ مقام اول کے افق سے اُس کا افق مغائر ہوگیا۔ ۱۲ منہ

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۳۰، كراچي ۲/۳۷۱۔

عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أقبل الليل من هٰهنا وأدبر النهار من هٰهنا وغربت الشمس فقد أفطر الصائم. (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب متى يحل فطر الصائم وأفطر أبوسعيد الخدريؓ حين غالب قرض الشمس، النسخة الهندية ۱/۲۶۲، رقم: ۱۹۱۲، ف: ۱۹۵٤)

قال الحافظ في فتحه: قوله: إذا أقبل الليل من هٰهنا أي من جهة المشرق ...... والمراد به وجود الظلمة حسًا (إلى قوله) **قوله: فقد أفطر الصائم أي دخل في وقت الفطر.** (فتح الباري، كتاب الصوم، باب متى يحل فطر الصائم، مكتبه أشرفية ديوبند ٤/۲٤٦، دارالريان للتراث القاهرة ٤/۲۳۱-۲۳۲) ←

حکم صوم یوم عرفہ للحاج

سوال (۹۱۳): قدیم ۲/۱۰۰- صوم یوم عرفہ واقفین عرفہ کے واسطے جائز ہے یا نہ؟ حدیث سے تو ثابت ہے کہ عرفہ میں نبی ﷺ نے افطار کیا۔

كما في الترمذى أفطر النبى ﷺ بعرفة وأرسلت أم الفضل إليه بلبن فشرب. (۱)

اسی طرح اکثر حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ واقفین عرفہ کے لیے روزہ رکھنا اچھانہیں، "**ليتقوى به الرجل على الدعاء**" اور جوبعض اہل علم نے روزہ کواُن کے واسطے جائز رکھااس پر ہمارا عمل ہےاس کی تحقیق تحریر کریں گے؟

الجواب: صوم یوم عرفہ حاجی کے لیےاگراندیشہ ضعف کا نہ ہو بلا کراہت مستحب ہےاگراندیشہ ضعف کا ہومکروہ ہے۔

← هامش صحيح البخاري، كتاب الصوم باب متى يحل فطر الصائم، النسخة الهندية ١/٢٦٢۔

هو (الغروب) أول زمان بعد غيبوبة تمام جرم الشمس بحيث تظهر الظلمة في جهة المشرق، وفي البخاري عنه صلى الله عليه وسلم: إذا أقبل الليل من هٰهنا فقد أفطر الصائم أي إذا وجدت الظلمة حسا في جهة المشرق فقد دخل وقت الفطر، أو صار مفطرًا في الحكم لأن الليل ليس ظرفًا للصوم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، دارالكتاب ديوبند ص: ٦٣١)

من الفجر إلى الغروب أي زمان غيبوبة تمام حمرة الشمس بحيث تظهر الظلمة في جهة الشرف وفي الحديث: إذا أقبل الليل من هنا فقد أفطر الصائم أي إذا وجد الظلمة حسًّا في جهته فقد دخل وقت الفطر أو صار مفطرًا حكمًا. (الدر المنتقي على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٤١)

(١) أخرجه الترمذي في سننه عن ابن عباس أبواب الصوم، باب ما جاء في كراهية صوم يوم عرفة بعرفة، النسخة الهندية ١/١٥٧، دار السلام رقم: ٧٥٠۔

في الدر المختار: في الصيام المستحبة وعرفة ولو لحاج لم يضعفه. اھ قوله لم يضعفه صفة لحاج أي إن كان لا يضعفه عن الوقوف بعرفات ولا يخل بالدعوات محيط فلو اضعفه كره رد المحتار ۲ /۸۳۰. (۱) والله اعلم اقول وعليه يحمل إفطار رسول صلی اللہ علیہ وسلم وتحريضه عليه مطلقاً.

۲۰/ذی الحجہ روز جمعہ ۱۳۰۴ھ (امداد، ص ۱۸۲، ج۱)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۳۶، كراچي ۲/۳۷۵۔

ويكره صوم يوم عرفة بعرفات وكذا صوم يوم التروية؛ لأنه يعجزه عن أداء افعال الحج وإلا فصومها مستحب. (مجمع الأنهر، كتاب الصوم، فصل ثاني نذر صوم يومى العيد، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۷٤)

ومندوب وهو صوم ثلاثة أيام من كل شهر ويندب كونها البيض (إلى قوله) ويوم عرفة إلا للحاج، إن كان يضعفه وإلا كان مندوبًا في حقه أيضًا كذا في البدائع. (النهر الفائق، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/٤-٥)

وأما صوم يوم عرفة ففي حق غير الحاج الحاج مستحب لكثرة الأحاديث الواردة بالندب إلى صومه، ولأن له فضيلة على غيره من الأيام، وكذلك في حق الحاج إن كان لا يضعفه عن الوقوف والدعاء لما فيه من الجمع بين القربتين، وإن كان يضعفه عن ذلك يكره؛ لأن فضيلة صوم هذا اليوم مما يمكن استدراكها في غير هذه السنة ويستدرك عادة فأما فضيلة الوقوف والدعاء فيه لا يستدرك في حق عامة الناس عادة إلا في العمر مرة واحدة فكان إحرازها أولىٰ. (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، صوم الوصال، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۱۸)

البحر العميق، الباب الحادي عشر: في الخروج من مكة إلى منىٰ، مطلب صوم يوم عرفة، المكتبه المكية ۳/۱۵۳۲

أما الأحاديث المشهورة الواردة في فضيلة صوم يوم عرفة فلا يكره إلا إذا كان بحال يضعفه على وجه يقعده عن أداء المناسك كما هو مامور بها فحينئذٍ ترك الصوم أولىٰ لما ذكرنا، وروي أن عائشة وابن الزبير رضی اللہ عنہ قالا: الصوم أفضل من الافطار، وفي قاضي خان: ←

جہاں چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن ہو وہاں روزے کا حکم

سوال (۹۱۴): قدیم ۲/۱۰۰- باشندگان جزیرۂ لاپ لینڈ کہ جہاں پر چھ مہینہ تک دن رہتا ہے اورعلیٰ ہذارات روزہ کس اعتبار سے رکھیں؟ اگر یوں کہا جائے کہ گھڑی سے اعتبار رکھیں تو اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانۂ بابرکت میں گھڑی نہیں تھی آپ نے کیوں اس جزیرہ کی بابت حکم نہیں فرمایا نہ فقہ میں کہیں اس کا پتہ چلتا ہے یا تمام دن کا روزہ رکھیں یا نہ رکھیں؟ بینوا توجروا

الجواب: وہاں کوئی باشندہ ہی نہیں اور نہ کوئی زندہ رہ سکتا ہے اس لیے نہ سوال متوجہ ہے نہ جواب کی ضرورت۔(۱)

۲۵/شوال ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ،ص ۶۳)

← **ولا بأس بصوم يوم عرفة كان في الحضر أو في السفر إذا كان يقوي عليه ويكره صوم عرفة بعرفات، وكذا صوم يوم التروية لأن يعجزه عن أداء افعال الحج، انتهى ففي تعليله لصوم يوم عرفة بعرفات بالعجز عن أداء افعال الحج دليل على أنه إن كان قادرًا عليه لا بأس به والله اعلم.** (البحر العميق، الباب الحادي العشر في الخروج من مكتة إلى من ثم عرفة، مطلب: صوم يوم عرفة، المكتبه المكية ۳/۱۵۳۲)

(۱) حدیث دجال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ کا حل پیش فرمایا ہے جہاں کا دن یا رات چوبیس گھنٹہ سے زائد ہوجاتے ہوں وہاں نماز اور روزہ گھنٹوں کے حساب سے ہوگا کہ چوبیس گھنٹوں کو اوقات نماز کے لئے درمیانی درجہ کے دن ورات پر قیاس کر کے نماز ادا کریں گے مثلاً نماز فجر اور ظہر کے درمیان سات آٹھ گھنٹے کا فاصلہ اور ظہر اور عصر کے درمیان تقریباً تین گھنٹے کا فاصلہ اور عصر اور مغرب کے درمیان دو گھنٹے کا فاصلہ اور مغرب وعشاء کے درمیان ڈیڑھ پونے دو گھنٹے کا فاصلہ کر کے نماز ادا کریں گے۔ لمبی حدیث شریف مختصرا اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

عن النواس بن سمعان الكلابي قال ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم الرجال ذات غداة مخفض ورفع حتى ظنناه في النخل (إلى قوله) قلنا يا رسول الله! ولبثه في الأرض قال أربعين يومًا، يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر أيامه كأيامكم قال قلنا يا سول الله! أرأيت اليوم الذي كالسنة أكفينا فيه صلوة يوم قال: لا، لكن أقد رواله. الحديث (ترمذي شريف، أبواب الفتن، باب ماجاء في فتنة الدجال، النسخة الهندية ۲/۴۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نقارہ افطار وسحور کا حکم

سوال (۹۱۵): قدیم ۲/۱۰۱- اگر رمضان المبارک میں سحری وافطار کے اوقات صحیحہ بتانے کے لئے جامع مسجد میں نقارہ کا انتظام کیا جاوے اور اس کے ذریعہ سے تمام مسلمانوں کو اطلاع دی جاوے اوران کو صحیح وقت بتلا کر غلطی سے بچایا جاوے تو آیا ایسا کرنا عندالشرع جائز ہے یا نہیں بعض لوگ ناقوس وغیرہ اور ہندوؤں کی عبادات کے مشابہ ہونے اور رسول اللہ ﷺ اور عہد صحابہ میں ثابت نہ ہونے سے نامشروع اور قبیح سمجھتے ہیں۔ جواب مع دلیل ارشاد ہواور ایسی تقریر فرمائی جاوے کہ سارے شبہات برأسہ مندفع ہوجاویں گو ہر مسئلہ کی دلیل درکار نہیں ہوتی مگر صورتِ ہذا میں دلیل کی حاجت بوجہ شبہات مذکورہ پیدا ہوگئی ہے۔ فقط

الجواب: طبل سحور کو فقہاء نے جائز لکھا ہے (۱) اور افطار اور سحور کی مصلحت متشابہ ہے اس کے لئے بھی کچھ حرج نہیں مگر فرش مسجد سے علیحدہ ہو (۲)۔ اور ناقوس وغیرہ سے اُس کو اس لئے مشابہت نہیں کہ وہ لوگ اس طریق اعلان کی خصوصیت کو عبادت بھی سمجھتے ہیں اور یہاں کوئی ایسا نہیں سمجھتا۔

---

(۱) **وينبغي أن يكون بوق الحمام يجوز كضرب النوبة (إلى قوله) أقول: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لا يقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام تأمل.** (شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/۵۰۵، كراچي ٦/٣٥٠)

(۲) **قال القرطبي: وتصان المساجد أيضاً عن البيع والشراء وجميع الاشتغال لقوله صلى الله عليه وسلم للرجل الذي دعا إلى الجمل الأحمر. لاوجدت إنما بنيت المساجد لما بنيت له (إلى قوله) وهذا يدل على أن الأصل إلا يعمل في المسجد غير الصلوات والأذكار وقراء ة القرآن.** (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي سوة النور الآية:٣٦، دار الكتب العلمية بيروت ١٢/١٧٨)

السادس: أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالىٰ. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم۵/٣٢١، جديد ۵/٣٧٢)

اور خیر القرون میں اس کی نظیر دفِ نکاح ہے کہ اُس سے بھی مقصود اعلان ہے ایک طاعت کی تحقیق (۱) کا اوراس سے بھی مقصود اعلان ہے ایک طاعت کے وقت کے تحقیق کا؛ بلکہ عندالتامل دَف اپنی غرض میں اس قدر محتاج الیہ نہیں جس قدر عوام کے اعتبار سے یہ اپنی غرض میں محتاج الیہ ہے۔

یکم رمضان ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولی،ص ٦٦)

سوال (۹۱٦): قدیم ۲/- سحری کے وقت روزہ داروں کی اطلاع اور نیند سے بیداری کے لئے نقارہ پیٹنا یا ڈھول کوٹنا، گھنٹہ بجانا یا توپ سر کرنا، یا گولہ چھوڑنا جائز ہے یا نہ؟ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان کہا کرتے تھے اب بھی اذان کہنا تو جائز بلکہ سنت ہے اوراس کے خلاف بدعت ہے اس میں کیا تحقیق ہے؟ بینوتو جروا

الجواب: فقہاء کے کلام سے اجازت معلوم ہوتی ہے بشرط عدم التطریب (۲)، اوراذان موجب التباس ہے؛ لہٰذا اُمت نے ترک کردیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع تلبیس کا انتظام فرمادیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب یعنی خلیفہ کو اب بھی اس کی اجازت ہے کیونکہ وہ جو کچھ کرے گا انتظام سے کرے گا دوسرے لوگ ایسے انتظام پر قادر نہیں؛ اس لئے ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں۔

۱۳/شعبان ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ،ص ۱۹۳)

---

(۱) وعن الحسن لابأس بالدف في العرس ليشتهر وفي السراجية هذا إذا لم يكن له جلا جل ولم يضرب على هيئة التطرب. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٥٠٥، كراچي٦/٣٥٠)

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٢٢۔

(۲) وينبغي أن يكون بوق الحمام يجوز كضرب النوبة. وعن الحسن لابأس بالدف في العرس ليشتهر. وفي السراجية: هذا إذا لم يكن له جلا جل ولم يضرب على هيئة التطرب. أقول: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لا يقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام تأمل. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٥٠٥، كراچي ٦/٣٥٠) ←

متعدد روزوں کے لئے متعدد نیت کرنا

سوال (۹۱۷): قدیم ۲/۱۰۲- کفارہ کے روزوں میں ہر روزہ کی نیت الگ الگ کرے یا صرف ایک بار کی نیت ساٹھ روزوں کو کافی ہے؟

الجواب: ہر روز جدا نیت ضروری ہے کہ فلاں روزہ کا کفارہ (۱)۔

تاریخ بالا (تتمہ ثانیہ، ص ۳۶)

← سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٢٢۔

(۱) **الأفضل أن ينوي مقارنا للصبح كما في التحفة: وأفاد لزوم تجددها لكل يوم، وإذا بلا خلاف في جميع الصيامات سوى رمضان عند زفر.** (الدر المنتقي على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٤٣-٣٤٤)

ذهب الجمهور إلى تجديد النية في كل يوم من رمضان من الليل أو قبل الزوال- على الخلاف السابق- (إلى قوله) وكذلك في كل صوم متتابع ككفارة الصوم والظهار. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/٢٦)

تعدد النية بتعدد الأيام هذا شرط عند الجمهور وليس بشرط عند المالكية: فيشترط عند الجمهور النية لكل يوم من رمضان على حدة ...... وقال المالكية: تجزئ نية واحدة لرمضان في أوله فيجوز صوم جميع الشهر بنية واحدة وكذلك في صيام متتابع مثل كفارة رمضان وكفارة قتل أو ظهار. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصيام، المبحث الرابع شروط الصوم، الهدىٰ انٹرنیشنل دیوبند ٢/٥٤٩)

وإن كان صوم دينًا وهو صوم القضاء والكفارات والنذور المطلقة لا يجوز إلابتعيين النية. (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، كيفية النية، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٢٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جس نے خود رمضان دیکھ کر روزہ رکھا اس کی شہادت قاضی نے نہیں مانی اس کے روزہ توڑنے پر قضاء کا حکم

سوال (۹۱۸): قدیم ۲/۱۰۲- ایک شخص نے رمضان کا چاند دیکھا، مگر قاضی نے نہ مانا اس شخص نے روزہ رکھ کر توڑ ڈالا۔ اس پر کفارہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: صرف قضاء ہے۔

في الدر المختار: رأى مكلف هلال رمضان أو الفطر ورد قوله بدليل شرعي صام فإن أفطر قضى فقط فيهما آه. (۱)

۱۴/ رجب المرجب ۱۳۳۱ھ (تمتۂ ثانیہ ص: ۵۶)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۰، كراچي ۲/ ۳۸٤

ومن رأى هلال رمضان أو الفطر ورد قوله صام فإن أفطر قضى فقط. (كنز الدقائق مع النهر الفائق، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۲)

ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵۱-۳۵۲

ومن رأى هلال رمضان وحده صام وإن لم يقبل الإمام شهادته؛ لأنه متعبد بما في علمه فإن أفطر فعليه القضاء دون الكفارة. (الجوهرة النيرة، كتاب الصوم، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱٦٥)

رجل رأى هلال رمضان وحده فشهد ولم تقبل شهادته كان عليه أن يصوم، وإن أفطر في ذلك اليوم كان عليه القضاء دون الكفارة. (هندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۹۸، جديد ۱/ ۲٦۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حکم ابر کہ بر مطلع بودنہ بر باقی آسمان

سوال (۹۱۹): قدیم ۲/۱۰۲- چاندرات کے روز چاند کی جگہ ہلکے ہلکے ابر کے ٹکڑے ہوں اور باقی تمام آسمان صاف ہو تو رویت میں ابر کا حکم ہو گا یا غیر ابر کا؟

الجواب: ابر کا۔(۱)

۲؍شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص ۶۰)

مقدار جمِّ غفیر

سوال (۹۲۰): قدیم ۲/۱۰۳- جمِّ غفیر کی تعداد تخمیناً کس قدر ہے؟

---

(۱) **وإذا كان بالسماء علة تمنع الرؤية قبل الحاكم وكذا أهل بلدة لا حاكم فيها في هلال رمضان خبر عدل أو مستور في الأصح لا فاسق خلافا للطحاوي.** (الدر المنتقي على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳٤۸)

وقبل بعلة مانعة من الرؤية كغيم ودخان خبر عدل فإنه رأى الهلال (إلى قوله) قيد بالعدل؛ لأن الفاسق لا يقبل وظاهر الرواية في المستور عدم قبوله وروي الحسن القبول وبه أخذ الحلواني وصححه البزاري. (النهر الفائق، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۳)

وإذا كان بالسماء علة من غيم أو غبار ونحوه كضباب وندي قبل القاضي بمجلسه خبر واحد عدل (وقوله) أو خبر مستور هو مجهول الحال لم يظهر له فسق ولا عدالة يقبل في الصحيح. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال وفي وصوم، دارالكتاب ديوبند ص:٦٥۲)

وقبل بلا دعوى وبلا لفظ أشهد وبلا حكم ومجلس قضاء؛ لأنه خبر لا شهادة للصوم مع علة كغيم وغبار خبر عدل أو مستور على ما صححه البزاري على خلاف ظاهر الرواية لا فاسق اتفاقًا. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم عرفة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳٥۲، كراچي ۲/۳۸٥) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

الجواب : ہرجگہ آبادی کی کمی بیشی پراس کی مقدار بھی متفاوت ہے۔حاصل مشترک یہ ہے کہ دل گواہی دے کہ اتنے آدمی غلط نہ کہتے ہوں گے۔(۱)

۲؍شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ،ص ۶۱)

ایضاً

سوال (۹۲۱): قدیم ۲/۱۰۲- بحالت صاف ہونے مطلع کے ابر وغبار سے ہلال عیداوررمضان کے لئے قاضی کوقبول شہادت کے لئے کس قدرنصاب کی ضرورت ہے۔اورکتب فقہ میں جوجم غفیرلکھا ہے اس سے کیامراد ہےاوراس میں علماء کے کیا کیا قول ہیں؟اورمفتی بہ قول کیا ہے؟

الجواب:اقوال مختلفہ سے حدیث صحیح یہ ہے۔

يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم وهو مفوض إلىٰ رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب كذا في الدر المختار. ۲/۱۴۸. (۲) (تتمہ ثالثہ،ص ۸۱)

---

(۱) **جمع عظيم غير مقدر في ظاهر الرواية يقع العلم بخبرهم، ويحكم العقل بعدم تواطئهم على الكذب والمراد من العلم هنا ما يوجب العمل وهو غالب الظن لا العلم بمعنى اليقين.** (مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۴۹)

شامي، كتاب الصوم، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۵۶، كراچي ۲/۳۸۸۔

والصحيح من هذا كله أنه مفوض إلى رأي الإمام إن وقع في قبله صحة ما شهدوا به. (شامي، كتاب الصوم، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد، مكتبه زكريا ديوبند۳/۳۵۶، كراچي ۲/۳۸۸)

النهر الفائق، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۴.

الجم الغفير الذين لا يجوز تواطؤهم على الكذب عادة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/۲۴)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد، مكتبه زكريا ديوبند۳/۳۵۶، كراچي ۲/۳۸۸ ←

حکم صیام ایام بیض در ماہ ذی الحجہ

سوال (۹۲۲): قدیم ۲/۱۰۲- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایام بیض کے روزے ۱۳-۱۴-۱۵ تاریخ میں رکھتا ہے۔ مگراب بقرعید کی ۱۳/تاریخ کو چونکہ روزہ حرام ہے؛ لہٰذا ۱۴-۱۵-۱۶/تاریخ میں رکھے یا کیا کرے۔ مگراس میں ایام بیض کا شمار ۱۳-۱۴-۱۵ فوت ہوتا ہے؟

الجواب: اس ماہ میں ایام بیض کے روزے نہیں ہوسکتے۔ بطور بدل کے خواہ ۱۶ کو رکھ لے یا بعد میں رکھ لے سب برابر ہیں۔ (۱)

۶/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص ۹۸)

← **جمع عظيم أي كثير من بقاع مختلفة يقع العلم أي غالب الظن لا اليقين؛ لأن التفرد في هذه الحالة ظاهر في الغلط وليس المراد تفرد الواحد بل من يقع العلم بخبرهم من بين أصنافهم من الخلائق ولا تقدير في هذا الجمع العظيم في ظاهر الرواية بل الأصح أنه مفوض إلى رأي القاضي إن وقع في قبله صحة ما شهدوا به.** (النهر الفائق، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ٢/١٤)

جمع عظيم غير مقدر في ظاهر الرواية يقع العلم بخبرهم ويحكم العقل بعدم تواطئهم على الكذب، والمراد من العلم هنا ما يوجب العمل وهو غالب الظن لا العلم بمعنى اليقين (إلى قوله) عن محمد أنه قال يفوض مقدار القلة والكثرة إلى رأي الإمام وهو الصحيح كما في التجنيس؛ لأن ذلك يختلف باختلاف الأوقات والأماكن وكان الحكم فيه رأي الإمام. (مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٤٩)

(۱) ایام بیض ہر مہینے کی ۱۳-۱۴-۱۵/تاریخیں ہیں؛ لیکن ذی الحجہ ۱۳/تاریخ ایام تشریق میں شامل ہے؛ اس لئے ذی الحجہ کے مہینے میں ۱۳/تاریخ کو روزہ رکھنا جائز نہیں، اگر ایام بیض میں روزہ رکھتا ہے تو ذی الحجہ کے مہینے میں ۱۳/کو چھوڑ کر رکھے اور اس کی جگہ پر ۱۶/کو رکھ لیا جائے جیسا کہ حضرتؒ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور بعض شوافع سے اس کی صراحت موجود ہے۔

ذهب الجمهور منهم الحنفية والشافعية والحنابلة إلى استحباب كونها الأيام البيض. وفي الثالث عشر والرابع عشر والخامش عشر من كل شهر عربي سميت بذلك لتكامل ←

یوم الشک میں روزہ کا حکم اور نیت کا تر دد

سوال (۹۲۳): قدیم ۲/۱۰۳- آج ۲۵ / جولائی ۱۹۱۴ء مطابق یکم رمضان یا ۳۰ / شعبان روز شنبہ ہے۔ بروئے جنتری آج یکم رمضان ہے؛ لیکن ۲۹ / شعبان کو آسمان پر اس قدر ابر غلیظ رہا ہے کہ چاند تو درکنار سورج بھی نظر نہیں آیا اور نہ اسوقت تک کوئی اطلاع باہر سے چاند نظر آنے کی آئی۔ ایسی حالت میں روزہ رکھا جاوے یا نہیں اور اگر کوئی اس پر نیت رکھے اگر چاند نظر آ گیا ہو تو فرض ورنہ نفل تو روزہ جائز ہے یا نہیں؟ میں نے یہ نیت کی ہے کہ فرض روزوں کی قضا دینی ہے، اگر چاند ۳۰ کا ہو تب تو یہ آج کا روزہ قضا روزوں میں شمار ہوگا اور اگر چاند ۲۹ کا ہو اس رمضان شریف کا پہلا روزہ فرض ادا ہوا۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر بعد میں اطلاع معتبر آوے کہ چاند ۲۹ کا ہوا تو اس روزہ کی قضا دینے کی ضرورت نہیں ہے؟

الجواب: عوام کو یوم الشک میں روزہ نہ رکھنا چاہئے۔ اور سوال میں جو دو طرح کی نیت لکھی ہے یہ مکروہ ہے لیکن اگر اس یوم کا رمضان ہونا ثابت ہو گیا تو دونوں صورتوں میں رمضان ہی کا روزہ ہوگا قضاء کی ضرورت نہیں۔

في الدر المختار: يصومه الخواص ويفطر غيرهم (إلىٰ قوله) ويصير صائما مع الكراهة لوردد في وصفها بأن نوىٰ إن كان من رمضان فعنه وإلا فعن واجب اٰخر وكذا يكره لو قال انا صائم إن كان من رمضان وإلا فعن نفل للتردد بين مكروهين أو مكروه وغير مكروه فإن ظهر رمضانيته فعنه وإلا فنفل فيهما أي الواجب والنفل آه. (۱)

۳ / رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص ۱۵۸)

← **ضوء الهلال وشدة البياض فيها لما روي أبوذر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له يا أباذر! إذا صمت من الشهر ثلاثة أيام فصم ثلاث عشرة وأربع عشرة و خمس عشرة، قال الشافعية: والأحوط صوم الثاني عشر معها أيضًا للخروج من خلاف من قال: أنه أولى الثلاثة، ويستثني ثالث عشر ذي الحجة فلا يجوز صومه لكونه من أيام التشريق، فيبدل بالسادس عشر منه كما قال القليوبي.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۹۳-۹۴)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۴۸-۳۵۰، كراچي ۲/ ۳۸۲ تا ۳۸۴۔

ولا يصام يوم الشک وإلا تطوعًا وهو أحب إن وافق صومًا يعتاده وإلا فيصوم الخواص ←

تحقیق حدیث من صام یوم الشک

سوال (۹۲۴): قدیم ۲/۱۰۳- **حديث من صام اليوم الذي يشك فيه فقد عصى أبا القاسم** ﷺ **ذكره البخارى تعليقا** (۱) **ووصله الخمسة** (۲) **وصححه** (۳) **ابن خزيمة وابن حبان كذا في بلوغ المرام والمصفى شرح المؤطاء** کو صاحب درمختار لکھتے ہیں الا اصل لہ مگر چونکہ مقابل تصحیح نقاد محدثین قول فقہاء کرام قابل اعتماد نہیں ہوتا، کیونکہ تنقید حدیث ہر ایک کا حق نہیں ہوتا اس باب میں قول محدثین ہی معتبر ہوتا ہے، لکل فن رجال مقولہ مشہور ہے؛ لہٰذا آپ کی تحقیق میں کیا ہے؟

← **ويفطر غيرهم بعد نصف النهار وكره صومه عن رمضان أو عن واجب اٰخر وكذا إن نوى إن كان رمضان فعنه وإلا فعن نفل أو عن واجب اٰخر وصح في الكل عن رمضان إن ثبت وإلا فمانوى إن جزم ونفل إن ردد.** (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٤٦-٣٤٧)

وعامة المشايخ على أنه ينبغي للقضاة والمفتين أن يصوموا تطوعًا ويفتوا بذلك خاصتهم ويفتوا العامة بالإفطار (إلى قوله) وإن ردد في وصفها فله صورتان: أحدهما ما إذا نوى أن يصوم عن رمضان إن كان غد منه وإلا فعن واجب اٰخر فهو مكروه لتردده بين مكروهين فإن ظهر أنه من رمضان أجزأه عنه وإلا كان تطوعًا (وقوله) والثانية: إذا نوى أن يصوم عن رمضان إن كان منه وإلا فتطوع فهو مكروه لنية الفرض من وجه فإن ظهر أنه منه أجزأه وإلافتطوع. (البحر الرائق، كتاب الصوم، مكبة زكريا ديوبن ٢/٤٦٢-٤٦٣، كوئٹه ٢/٢٦٥)

(١) **وقال صلة عن عمار: من صام يوم الشك فقد عصىٰ أبا القاسم صلى الله عليه وسلم.** (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم إذا رأيتم الهلال فصوموا، النسخة الهندية ١/٢٥٥)

(٢) **وقد وصله أبوداؤد والترمذي والنسائي وابن خزيمة وابن حبان والحاكم من طريق عمرو بن قيس عن أبي إسحاق عنه.** (فتح الباري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم إذا رأيتم الهلال، مكتبه أشرفية ديوبند ٤/١٥١، مكتبه دار الريان للتراث ٤/١٤٤)

(٣) صحيح ابن خزيمة، كتاب الصوم، باب الزجر عن صوم اليوم الذي يشك فيه، المكتب الإسلامي ٢/٩٢٣، رقم: ١٩١٤-

الجواب: في ردالمختار: علیٰ قول الدرالمختار: فلا أصل له مانصه۔ کذا قال الزیلعي، ثم قال: ویروي موقوفا علی عمار بن یاسر وهو في مثله کالمرفوع۔ اھ قلت: وینبغي حمل نفي الأصلیة علی الرفع کما حمل بعضهم قول النووی في حدیث صلوة النهار عجماء أنه لا أصل له علیٰ أن المراد لا أصل لرفعه وإلا فقد ورد موقوفا علیٰ مجاهد وأبي عبیده وکذا هذا اورده البخاری معلقا بقوله وقال صلة عن عمار من صام۔ الخ قال في الفتح: وأخرجه أصحاب السنن الأربعة وغیرهم وصححه الترمذی عن صلة بن زفر۔(۱) الخ۔ ج:۲،ص۱۴۲ مصریہ۔ (تتمہ ثانیہ،ص۱۷۴)

ایضاً

سوال (۹۲۵): قدیم۲/۱۰۴- درمختار کی ایک عبارت کتاب الصوم بابت روزہ یوم الشک کے لکھتا ہوں اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

والتنفل فیه أحب أي أفضل اتفاقا إن وافق صوماً یعتاده وإلا یصومه الخواص ویفطر غیرهم بعد الزوال به یفتی نفیاً لتهمة النهی.(۲)

آخر کی عبارت زیر سطر سے معلوم ہوتا ہے کہ خواص جن کو کیفیت نیت یوم الشک معلوم ہو ان کو یوم الشک کا روزہ رکھنا جائز ہے حالانکہ حدیث **لا تقدموا رمضان بصوم یوم أویومین.**(۳) عام ہے خواص کہاں سے مستثنیٰ ہوئے، پھر جب خواص کو رکھنے کی اجازت ہے تو عوام کس طرح بچیں گے، قواعد فقہیہ پر نظر کرتے ہوئے عوام کی ابتلاء کے خوف سے خواص کو بچنا چاہئے؟

---

(۱) شامي، کتاب الصوم، مبحث في صوم یوم الشك، مکتبه زکریا دیوبند ۳/۳٤۸، کراچي ۲/۳۸۲۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، مبحث في صوم یوم الشك، مکتبه زکریا دیوبند۳/۳٤۷-۳٤۸، کراچي ۲/۳۸۱-۳۸۲۔

(۳) **عن أبي هریرةؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا تقدموا رمضان بصوم یوم ولایومین إلا رجل کان یصوم صومًا فلیصمه.** (صحیح مسلم، کتاب الصیام، النسخة الهندیة، باب وجوب صوم رمضان لرؤیة الهلال ۱/۳٤۸، بیت الأفکار الدولیة، باب لاتقدموا رمضان بصوم یوم رقم: ۱۰۸۲)

الجواب:عن أبي هريرة عن النبی ﷺ قال لا يتقد من أحدكم رمضان بصوم يوم أو يومين إلا أن يكون رجل كان يصوم صومه فليصم ذٰلک. رواه البخاری.(۱)

اس حدیث سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ بعض عوارض کے سبب بعض افراد تقدم کے مستثنیٰ ہیں۔ پس اگر کسی دوسری دلیل سے دوسرے بعض افراد مستثنیٰ ہوں تو حدیث لا تقدموا رمضان بصوم یوم اویومین کے معارض نہیں۔ اور صوم یوم الشک کے باب میں دوسری دلیل موجود ہے اور وہ دلیل ان حضرات کا عمل ہے۔ علیؓ، عائشہؓ، عمرؓ وابن عمرؓ، انس بن مالکؓ، اسمأ بنت ابی بکرؓ، ابوبکرؓ، معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ۔ یہ اصحاب ہیں جن کا عمل مالا یدرک بالقیاس میں مرفوع حکمی ہے۔ اور مایدرک بالقیاس میں دلیل ہے حدیث مرفوع کے مؤل ہونے کی۔ اور ان تابعین سے بھی یہ عمل منقول ہے۔ مجاہد، طاؤس، سالم بن عبداللہ، میمون بن مہران، مطرب بن الشخیر، بکر بن عبداللہ المزنی، ابوعثمان نہدی۔ یہ سب نام نیل الاوطار، ج:۴، ص:۷۷(۲) میں شمار کیے ہیں۔ پس حدیث لا تقدموا غیر صوم یوم الشک۔ غیر صوم یوم معتاد پر محمول ہوگی۔

یہ تو اہل علم سے منقول ہے اور احقر عرض کرتا ہے کہ اگر غور کیا جائے تو حدیث لا تقدموا الخ کو صوم یوم الشک سے کچھ تعلق ہی نہیں کیونکہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ رمضان سے پہلے روزہ مت رکھو۔ تو ظاہر ہے کہ وہ غیر رمضان کا روزہ ہوگا اور یوم الشک پر غیر رمضان ہونے ہی کا حکم نہیں کرسکتے۔ جو شخص اُس کا روزہ رکھتا ہے وہ بحیثیت یوم رمضان ہونے کے رکھتا ہے نہ کہ غیر رمضان کا تعظیم واستقبال رمضان کے لئے اور احتیاط امور دیانات میں خود منصوص ومطلوب شرعی ہے۔ جب تک کہ کوئی مفسدہ لازم نہ آوے اور خواص میں یہ مفسدہ محتمل نہیں اور عوام میں محتمل ہے؛ لہٰذا قواعد شرعیہ نے دونوں میں فرق فرمادیا۔ رہا یہ کہ اس فعل خواص سے عوام کو ابتلاء ہوگا سو یہ اس وقت محتمل ہے کہ عوام کو اس کی اطلاع ہو سو وہ خواص اس کی اطلاع کیوں کریں؛ بلکہ پوچھنے پر بھی ٹال سکتے ہیں یا انکار کرسکتے ہیں اور ایسا جو د مذموم نہیں۔

۲۹؍شعبان ۱۳۳۷ھ (حوادث خامسہ، ص ۲۸)

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب لا يتقدم رمضان بصوم يوم أو يومين، النسخة الهندية ۲۵٦/۱، رقم:۱۸۷٦، ف:۱۹۱٤۔

(۲) وذهب جماعة من الصحابة إلى صومه، منهم علي وعائشة وعمرو ابن عمر، وأنس بن مالک، وأسماء بنت أبي بكر، وأبوهريرة، ومعاوية، وعمر بن العاص وغيرهم، ←

قضاء روزہ میں سال اور یوم کی تعیین کی نیت کا حکم

سوال (۹۲۶): قدیم ۲/ ۱۰۵- علالت کی وجہ سے چند سال کے روزے میرے قضاء ہو گئے تھے، جن کی مع چند نفل روزوں اور سحر میں تاخیر ہو جانے کی وجہ سے جو قضاء ہوئے ان کی کل مجموعی تعداد ۶۳ ہو گئی تھی۔ اُن میں سے ۳۴ روزے کئی مرتبہ میں میں نے ادا کئے مگر نیت کرنے میں اس کا خیال کبھی ذہن میں نہیں پیدا ہوا کہ فلاں سال کے روزہ کی نیت کرتا ہوں۔ اور دو چار مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ خفیف ارادہ رات ہی سے روزہ رکھنے کا کیا گیا مگر مستقل نیت قبل زوال آفتاب صبح کو کی گئی۔

بہشتی زیور (۱) میں مسئلہ یہ لکھا ہے کہ قضاء کے روزہ کی نیت رات ہی سے کرنا ضروری ہے اور دوسرے سال کا خیال بھی ضروری ہے کہ فلاں سال کے روزہ کی قضاء رکھتا ہوں۔ میں نے سال کا خیال کبھی نہیں کیا اور دو چار بار صحیح تعداد یاد نہیں ہے، مستقل نیت صبح کو قبل زوال آفتاب کی۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ ۳۴ روزے جو میں نے رکھے وہ درست ہوئے یا نہیں۔ یا اُن کا اعادہ پھر سے کیا جاوے۔

الجواب: جو روزے دن کو نیت کر کے رکھے گئے وہ تو قضاء میں شمار نہیں ہوں گے۔ قضاء رمضان میں شب سے نیت شرط ہے۔ (۲) باقی یہ تعیین کہ فلاں سال کا روزہ رکھتا ہوں سو اس میں دو قول ہیں۔ بہشتی زیور میں احتیاط کا قول لے لیا ہے۔ باقی ضرورت میں دوسرے قول پر بھی کرنے کی گنجائش ہے۔

← **وجماعة من التابعين منهم مجاهد طاؤس وسالم بن عبد الله وميمون بن مهران ومطرف بن الشخير وبكر بن عبد الله المزني وأبو عثمان النهدي.** (نيل الأوطار، كتاب الصيام، باب ماجاء في يوم الغيم والشك، دار الحديث القاهرة ٤/ ٥٥٧، بيت الأفكار الدولية ص: ٧٩٧-٧٩٨، تحت رقم رقم الحديث: ١٦٣٥)

(۱) بہشتی زیور، قضا روزے کا بیان، باب چہارم، کتب خانہ اختری تیسرا حصہ ص: ۷۔

(۲) **الضرب الثاني ما ثبت في الذمة كقضاء شهر رمضان وصوم الكفارة فلا يجوز إلا بنية من الليل.** (هداية، كتاب الصوم، مكتبه أشرفية ديوبند ١/ ٢١٣)

والقضاء والنذر المطلق والكفارات لا تصح إلا بنية معينة من الليل. (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٣٤٥-٣٤٦) ←

في الدر المختار: ولو نوىٰ قضاء رمضان ولم يعين اليوم صح ولو عن رمضانين كقضاء الصلوة صح أيضاً (إلىٰ قوله) وهو المعتمد كذا في التبيين. قال في رد المحتار: قد علمت أن الثاني مصحح وإن كان الأحوط التعيين. ط، ج:۵، ص: ۱۹۷.(۱)

اس لئے ایسے فرض قضاء روزے جن میں تعیین نہیں کی گئی صحیح سمجھے۔

۴؍ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص۲۱)

اذان سن کر ترک سحری کا حکم

سوال (۹۲۷): قدیم ۲/۱۰۵- ایک شخص بیدار ہوکر اس خیال سے کہ ابھی رات باقی ہے سحری کھانے لگا کہ دفعتاً اذان کی آواز کان میں آئی۔ اُس نے اذان سنتے ہی فوراً لقمہ منہ سے نکال کر پھینک دیا اور کلّی کرڈالی اور غروب آفتاب تک روزہ پورا کیا تو کیا...... یہ روزہ اس کا صحیح ہوگیا اور قضاء کی ضرورت نہیں؟

← **وأما القسم الثاني وهو ما يشترط له تعيين النية وتبييتها ليتأدى به ويسقط عن المكلف فهو قضاء رمضان.** (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل فيما لا يشترط تبييت النية، دار الكتاب ديوبند ص:٦٤٥)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى، مكتبه زكريا ديوبند ١٠/٤٥٦-٤٥٧۔

والدر المختار مع حاشية الطحطاوي، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتىٰ كوئٹه ٤/٣٥٣-٣٥٤

إذا وجب عليه قضاء يومين من رمضان واحد ينبغي أن ينوي أول يوم وجب عليه قضاء من هذا الرمضان، وإن لم يعين الأول يجوز وكذا لو كان عليه قضاء يومين من رمضانين هو المختار ولو نوى القضاء لا غير يجوز وإن لم يعين. (هندية، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه وتقسيمه، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/١٩٦، جديد ١/٢٥٩)

وإذا وجب عليه قضاء يومين من رمضان واحد ينوي أول يوم وجب عليه وإن لم ينو جاز، وإن كانا من رمضانين ينوي قضاء رمضان الأول، فإن لم ينو ذلک اختلف المشايخ فيه والصحيح والأجزاء. (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٨٥، كوئٹه ٢/٢٧٧) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: یہ تو مستبعد ہے کہ بمجر دطلوع فجر اذان بھی شروع ہوتی ہو۔ عادۃً طلوع قبیل اذان ہوا ہے۔ پس اس کا اکل بعد فجر کے واقع ہوا ہے اس لئے یہ روزہ نہیں ہو(۱)؛ البتہ اگر اذان قبل طلوع ہوئی ہے تو روزہ درست ہوگیا۔

۸ر رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۷۳)

ایک فرد کی شہادت پر رمضان شروع تو تیس روزہ چاند نظر نہ آیا تو کیا حکم؟

سوال (۹۲۸): قدیم ۲/ ۱۰۶- ایک شہر میں ۲۹/ شعبان کو بوجہ ابر وغبار چاند دکھائی نہیں دیا۔ کسی دوسرے شہر کی شہادت قابلِ اعتبار گزری کہ ۲۹/ تاریخ کو شعبان کا چاند فلاں مقام پر میں نے دیکھا ہے جس کو قاضی نے مان لیا اور اس شہادت کے اعتبار سے رمضان المبارک کل تیس تاریخ کو مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی چاند نظر نہیں آیا تو ایسی صورت میں جب کہ اس شہر کی رُؤیت کے حساب سے ۲۹ ہے اور اس شہادت کے حساب سے ۳۰ تاریخ ہوتی ہے پس کیا کرنا چاہئے اور اگر وہ گواہ خاص اسی شہر میں ۲۹/ شعبان کو چاند دیکھنا بیان کریں اور فوراً حاضر نہ ہوں تو ایسی صورت میں کچھ فرق ہو جاوے گا یا نہیں؟

---

(۱) **أو تسحر أو أفطر يظن اليوم أي الوقت الذي أكل فيه ليلا والحال أن الفجر طالع والشمس لم تغرب** ...... **قضى في الصور كلها فقط.** (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، قبيل مطلب في جواز الافطار بالتحري، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٨٠-٣٨١، كراچي ٢/ ٤٠٥-٤٠٦)

تسحر على ظن أن الفجر لم يطلع وهو طالع أو أفطر على ظن أن الشمس قد غربت ولم تغرب قضاه ولا كفارة عليه؛ لأنه ما تعمد الإفطار. (هندية، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه وتقسيمه، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ١٩٤، جديد ١/ ٢٥٦)

ومن تسحر وهو يظن أن الفجر لم يطلع أو أفطر وهو يرىٰ أن الشمس قد غربت ثم تبين ان الفجر قد طلع وأن الشمس لم تغرب قضاء ذلک اليوم ولا كفارة عليه. (الجوهرة النيرة، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف، دار الكتاب ديوبند ١/ ١٧٤) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدر المختار ولو صاموا بقول عدل حيث يجوز وغم هلال الفطر الخ وفي رد المحتار عن المعراج عن المجتبى إن حل الفطر هنا (أي فيما إذا غم هلال الفطر) محل وفاق وإنما الخلاف فيما إذا لم يغم ولم ير الهلال فعندهما لا يحل الفطر وعند محمد يحل كما قاله شمس الأئمة الحلوانى وحرره الشر نبلالى في الإمداد قال في غاية البيان وجه قول محمد وهو الأصح أن الفطر ما ثبت بقول الواحد ابتداء بل بناء وتبعا فكم من شئی يثبت ضمناً ولا يثبت قصداً الخ ،ج : ۲ ، ص ۱۵۱.(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ صورت مختلف فیہ ہے۔مگر علامہ شامی کا رجحان امام محمدؒ کے قول کی تصحیح وترجیح کی طرف ہے کہ باوجود مطلع صاف ہونے کے بھی عید کرلیں گے۔لیکن جہاں تشویشِ عوام کا اندیشہ ہو شیخین کے قول پرفتویٰ دینا مناسب ہے۔بلکہ اس گواہ کو تنبیہ بھی کرنا چاہئے۔

في رد المحتار: قال في الدرر: ويعزر ذلک الشاهد أي لظهور كذبه. ص: ۱۵۱). (۲)

اور جو گواہ خود شہر میں موجود تھا اور اس وقت حاضر نہ ہوا اور ایک مہینہ کے بعد آکر بیان کرے تو اس کا اعتبار نہ کیا جاوے؛ کیونکہ اس نے ترک واجب کیا اس لئے عادل نہ رہا۔اور ایسا شخص مقبول الشہادۃ نہیں رہا۔

في الدرالمختار وهل له أي للفاسق أن يشهد إلیٰ قوله و يجب على الجارية المخدرة أن تخرج. ج: ۲،ص: ۱۴۵-۱۴۶. (۳)

البتہ اگر وہ اس توقف کا کوئی عذر جو شرعاً مسموع ہو بیان کرے تو مقبول ہوگا۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، قبيل مطلب في رؤية الهلال نهارًا، مكتبه زكريا ديوبند۳/ ۳۶۰، كراچي ۲/ ۳۹۱۔

(۲) شامي، كتاب الصوم، قبيل مطلب في رؤية الهلال نهارًا، مكتبه زكرياديوبند ۳/ ۳۶۰، كراچي ۲/ ۳۹۱۔

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، قبيل مطلب لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۲-۳۵۳، كراچي ۲/ ۳۸۵-۳۸۶۔

كما في رد المحتار صفحه مذكور وقول الشارح وهل له يفيد عدم الوجوب بناء علىٰ عدم علمه باعتقاد القاضى(١) الخ. وفي رد المحتار وعليه تفرع ما لو شهدوا في اٰخر رمضان برؤية هلاله قبل صومهم بيوم إن كانوا في المصر ردّت لتركهم الحسبة وإن جاؤا من خارج قبلت من الفتح ملخصاً. ج: ٢ ، ص : ١٤٥ . (٢)

(تتمہ ثالثہ،ص۸۰)

رمضان وعید کی رؤیت کی شہادت میں عدالت کی شرط

سوال (۹۲۹): قدیم۲/ ۱۰۷- ہلال عیدو رمضان کی شہادت کے لئے شاہدوں میں عدل کی ضرورت ہے یا نہیں اور عدل کی کیا تعریف ہے؟ یعنی رویت ہلال کے بارہ میں فاسق فاجر یا مستور الحال کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار: للصوم مع علة كغيم وغبار خبر عدل أو مستور علىٰ ما صححه البزازى علىٰ خلاف ظاهر الرواية لا فاسق اتفاقاً إلىٰ قوله وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة الخ. وفي رد المحتار العدالة ملكة تحمل على ملازمة التقوىٰ والمروة والشرط أدناها وهو ترك الكبائر والإصرار على الصغائر وما يخل بالمروة ج :٢، ص :١٤٥ . (٣)

اور یہ شرط خبر واحد میں ہے اور جمع عظیم مفید تواتر میں یہ شرط نہیں۔ (تتمہ ثالثہ،ص:۸۲)

---

(١) شامي، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، قبيل مطلب: لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٥٣، كراچي ٢/٣٨٥ـ

(٢) شامي، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، قبيل مطلب: لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم، مكتبه زكريا ديوبند٣/٣٥٢، كراچي ٢/٣٨٥ـ

(٣) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، قبيل مطلب لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٥٢-٣٥٣، كراچي ٢/٣٨٥-٣٨٦ـ

وإذا كان بالسماء علة تمنع الرؤية قبل الحاكم وكذا أهل بلدة لا حاكم فيها ←

اختلاف مطالع کا اعتبار اور حدیث ابن عباس کا مطلب

سوال (۹۳۰): قدیم ۲/ ۱۰۷- رُویتِ ہلال کے بارے میں کس قدر دور دراز کی خبر ایک شہر سے دوسرے شہر میں مانی جاسکتی ہے اس میں کچھ علماء کا اختلاف ہے یا نہیں؟ اور مذہب حنفیہ میں اس کی بابت مفتیٰ بہ قول کیا ہے؟

الجواب: في الدر المختار: واختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذهب وعليه أكثر المشائخ وعليه الفتوىٰ. بحر عن الخلاصة فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رُؤية أولئک بطريق موجب إلىٰ قوله قال الكمال الأخذ بظاهر الرواية أحوط، ج: ۲، ص ۱۵۴، ۱۵۵.(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں۔

۲۵/ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص ۸۲)

← في هلال رمضان خبر عدل أو مستور في الأصح لا فاسق خلافًا للطحاوي (إلى قوله) وقبل في هلال الفطر وذي الحجة وبقية الأشهر التسعة شهادة حرين أو حر و حرتين بشرط العدالة ولفظ الشهادة. وفي مجمع الأنهر: العدالة ملكة تحمل على ملازمة التقوى والمروة وأدناها ترک الكبائر والإصرار على الصغائر. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۴۸-۳۴۹)

وقبل بعلة خبر عدل ولوقنا أو أنثىٰ لرمضان وحرين وحرتين للفطر (كنز) وفي البحر: حقيقة العدالة ملكة تحمل على ملازمة التقوىٰ والمروة والشرط أدناها وهو ترک الكبائر والإصرار على الصغائر وما يخل بالمروء ة (إلى قوله) وأما مستور الحال وهو المستور كما علمت أما مع تبين الفسق فلا تأمل به عندنا (إلى قوله) وأما هلال الفطر ...... فيشترط فيه ما يشترط في سائر حقوقهم (العباد) من العدالة والحرية والعدد وعدم الحد في قذف ولفظ الشهادة. (البحر الرائق، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴٦۵، كوئٹه ۲/ ۲٦٦-۲٦۷)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳٦۳-۳٦۴، كراچي ۲/ ۳۹۳-۳۹۴۔ ←

سوال (۹۳۱): قدیم ۲/ ۱۰۷- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مدرسہ اشرفیہ راندیر کا ایک طالب علم رُویت ہلال کی گواہی دور کی قبل عید الضحیٰ کے نامنظور رکھتا ہے اور موافق ذہن اپنے کے اُس پر دلیل عبارت شامی کی جو کہ ذیل میں لکھی گئی ہے پیش کرتا ہے تو یہ موافق شرع شریف کے ہے یا نہیں؟

يفهم من كلامهم في كتاب الحج إن اختلاف المطالع فيه معتبر فلا يلزمهم شيء لوظهر أنه رؤى في بلدة أخرى قبلهم بيوم وهل يقال كذالک فی حق الأضحية لغير الحاج لم أراه والظاهر نعم. اه مختصراً. (۱)

← **ولا عبرة باختلاف المطالع فإذا رأه أهل بلد ولم يره أهل بلدة أخرى وجب عليهم أن يصوموا برؤية أولئک إذا ثبت عندهم بطريق موجب ويلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب. وقيل: يعتبر فلا يلزمهم برؤية غيرهم إذا اختلاف المطلع وهو الأشبه كذا في التبين: والأول ظاهر الرواية وهو الأحوط، كذا في فتح القدير: وظاهر المذهب وعليه الفتوى كذا في الخلاصة.** (البحر الرائق، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤۷۱، كوئٹه ۲/ ۲۷۰)

ولاعبرة باختلاف المطالع (كنز) وفي النهر: فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب في ظاهر المذهب وعليه الفتوى كذا في الخلاصة. وقيل: يعتبر فلا يلزمهم قال الشارح: وهو الأشبه؛ لكن قال في الفتح: الأخذ بظاهر الرواية أحوط وعلى الأول فإنما يلزمهم إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريق موجب. (النهر الفائق، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ١٤)

وإذا ثبت في مصر لزم سائر الناس فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب في ظاهر المذهب (إلى قوله) ثم إنما يلزم متأخرى الرؤية إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريق موجب ...... والأخذ بظاهر الرواية أحوط. (فتح القدير كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۸-۳۱۹)

(۱) شامي، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳٦٤، كراچي ۲/ ۳۹۳-۳۹٤۔

الجواب: قیاس تو مقتضی ہے اس کو کہ اختلاف مطالع معتبر ہو مگر حنفیہ نے بنا بر قول علیہ السلام **لانکتب ولانحسب الحدیث**. (۱) اس کا اعتبار نہیں کیا کہ خالی حرج و رعایت قواعد ہیئت سے نہ تھا پس مقتضیٰ حدیث مسطور کا یہ ہے کہ اختلاف مطالع مطلقاً معتبر نہ ہو۔ نہ قبل وقوع عبادت نہ بعد وقوع عبادت، بلکہ ہر مقام کی رُویت ہر مقام کے لئے کافی ہوجائے۔ چنانچہ قبل وقوع تو کہیں بھی اعتبار نہیں کیا گیا۔ ہاں بعض مواقع میں جیسے بعض بعض صُور حج میں اس کا اعتبار کرنا بظاہر مفہوم ہوتا ہے مگر رائے ناقص میں وہ اعتبار اختلاف مطالع کا نہیں **لاطلاق الحدیث** بلکہ عمل اس حدیث پر ہے **الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والأضحیٰ یوم تضحون الحدیث** (۲) **أو کما قال** چنانچہ صاحب ہدایہ نے مسئلہ حج میں اسی کو دلیل ٹھہرایا حیث **قال وفي الأمر بالإعادة حرج** (۳) اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے ہر چند کہ بناء عدم قبول شہادت کے اعتبار اختلاف مطالع پر ٹھہرائی ہے مگر اس کو کسی نے صراحۃً نقل نہیں فرمایا بلکہ یفہم من کلامہم کہا جس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کے کلام سے یہ اعتبار مستخرج ہوتا ہے تو اصل حنفیہ کے نزدیک کل جگہوں میں عدم اعتبار اختلاف مطالع ٹھہرا'' **کما ہو ظاہر من اطلاقاتہم**'' اور استنباط علامہ شامی کا مسئلہ اضحیہ میں اسی بناء پر ہے کہ انھوں نے عدم قبول شہادت کو بعض مسائل حج میں مبنی بر اعتبار اختلاف مطالع ٹھہرایا؛ حالانکہ عند التامل یہ امر غیر صحیح ہے۔ بلکہ بناء اس عدم قبول کی وہی حرج ہے پس جب بناء ہی صحیح نہیں تو مبنیٰ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ کتب مذہب کے خلاف ہو۔ پس صورت مسئولہ میں رد شہادت صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

۶/ ربیع الثانی بروز پنجشنبہ ۱۳۰۵ھ (امداد، ص: ۱۸۶، ج: ۱)

---

(۱) **عن ابن عمر عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال: أنا أمۃ أمیۃ لا نکتب ولانحسب الشہر ہکذا وہکذا یعني مرۃ تسعًا وعشرین ومرۃ ثلاثین.** (صحیح البخاري، کتاب الصوم، باب قول البني صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا نکتب ولا نحسب، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۲۵۶، رقم: ۱۸۷۵، ف: ۱۹۱۳)

(۲) **أخرجہ الترمذي عن أبي ہریرۃؓ في نفسہ، أبواب الصوم، باب ما جاء أن الفطر یوم یفطرون والأضحیٰ یوم تضحون.** (النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۱۵۰، دار السلام رقم: ۶۹۷)

(۳) ہدایۃ، کتاب الحج، باب الہدی، مسائل منثورۃ، مکتبہ أشرفیۃ دیوبند ۱/ ۳۰۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۹۳۲): قدیم ۲/ ۱۰۸- کیا حدیث ابن عباسؓ (۱) سے جو ترمذی و بخاری میں مروی ہے فقہاء نے صرف اختلاف مطالع استنباط کیا ہے؟

حدیث مذکور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ منقول نہیں۔ صرف ابن عباسؓ نے کریبؓ کی شہادت کو جو شام سے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے قبول نہیں کیا، کیا استدلال کیا جا سکتا ہے کہ بوجہ اختلاف مطالع یا تنہا شہادت کی وجہ سے قبول نہیں کیا جن فقہاء نے اختلاف مطالع کو معتبر نہ سمجھا (جیسا کہ درمختار (۲) وفتوىٰ عالمگیری (۳) میں تحریر ہے) اُنھوں نے اس حدیث پر عمل کس وجہ سے نہیں کیا؟ اس حدیث پر بصراحت روشنی ڈالئے۔

الجواب: قائلین باعتبار اختلاف المطالع نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور حدیث اس کو محتمل ضرور ہے۔ لیکن نافین اعتبار اختلاف المطالع اس کا وہ جواب دے سکتے ہیں جو امام نووی نے اس حدیث کے ذیل میں بعض شافعیہ سے نقل کیا ہے۔

---

(۱) عن كريب أن أمر الفضل بنت الحارث بعثته إلى معاوية بالشام قال: فقدمت الشام فقضيت حاجتها واستحل على رمضان وأنا بالشام فرأيت الهلال ليلة الجمعة، ثم قدمت المدينة في آخر الشهر فسألني عبد الله بن عباس، ثم ذكر الهلال. فقال: متى رأيتم الهلال فقلت رأيناه ليلة الجمعة فقال: أنت رأيته فقلت: نعم! وراه الناس وصاموا وصام معاوية. فقال: لكنا رأيناه ليلة السبت فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلثين أو نراه فقلت: أو لا تكتفي برؤية معاوية وصيامه. فقال: لا هكذا أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديث (صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب بيان ان لكل بلد رؤيتهم، النسخة الهندية ١/ ٣٤٨، بيت الأفكار الدولية١٠٨٧)

سنن الترمذي، كتاب الصوم، باب ماجاء لكل أهل بلد رؤيتهم، النسخة الهندية١/ ١٤٨، دار السلام رقم:٦٩٣۔

(۲) اختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذهب وعليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، مكتبه زكريا ديوبند٣/ ٣٦٣-٣٦٤، كراچي ٢/ ٣٩٣)

(۳) ولا عبرة لاختلاف المطالع في ظاهر الرواية، وعليه فتوى الفقهيه أبي الليث.

(هندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، مكتبه زكريا قديم١/ ١٩٨، جديد ١/ ٢٦١)

وقال بعض أصحابنا: تعم الروية في موضع جميع أهل الأرض فعلى هذا نقول إنما لم يعمل ابن عباس بغبر كريب؛ لأنه شهادة فلا تثبت بواحد. (۱)

اور حدیث اس کو بھی محتمل ہے۔

فإذا جاء الإحتمال بطل الاستدلال اسی طرح **هكذا أمرنا رسول الله** ﷺ میں دونوں احتمال ہیں، اس حالت میں نووی کا اس کے بعد کہنا **لكن ظاهر حديث الخ** خصم پر حجت نہیں ہوسکتا۔

۱۴؍ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۳۷۵)

دوربین، دریا، آئنہ وغیرہ کے ذریعہ رؤیت ہلال

سوال (۹۳۳)(۲): قدیم ۲/ ۱۰۹- شخصے در دوربین ماہ ہلال عید الفطر امسال بتاریخ بست ونہم دیدہ است آیا ایں رویتِ ہلال صحیح باشد یانہ؟

الجواب: (۳) دوربین محض آلہ تحدید بصر ست ورُویت ببصر واقع ست پس حکمش مثل عینک باشد وبریں دیدن رُویت کہ مدار جواب احکام ست صادق ست، پس لامحالہ صحیح ومعتبر ومناط احکام باشد (۴)

---

(۱) حاشية النووي على صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب بيان ان لكل بلد رؤيتهم، النسخة الهندية ۱/ ۳٤۸۔

(۲) **سوال کا ترجمہ**: اس سال ایک شخص نے ۲۹؍تاریخ کو دوربین کے ذریعہ عید الفطر کا چند دیکھا ہے، تو کیا یہ رؤیت معتبر ہوگی یا نہیں؟

(۳) **جواب کا ترجمہ**: دوربین کے ذریعہ محض آنکھ کی روشنی میں اضافہ ہوتا ہے اور دیکھنا آنکھ ہی کے ذریعہ ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کا حکم چشمہ کے مانند ہوگا اور اس پر رؤیت جس پر احکام کے جواب کا مدار ہے، صاق آتی ہے۔ لہٰذا یقینی طور پر یہ رؤیت صحیح، معتبر اور احکام کی بنیاد ہوگی، تاہم اگر دلائل فن سے یہ امر ثابت ہوجائے کہ اس دوربین کی خاصیت یہ ہے کہ چاند افق کے نیچے ہونے کے باوجود اس (دوربین) کے ذریعہ نظر آجاتا ہے حتی کہ سورج افق میں طلوع نہ ہونے کے باوجود اس میں نظر آجاتا ہے، تو ایسی صورت میں دوربین کے ذریعہ رؤیت معتبر اور صحیح نہ ہوگی (لیکن ایسا ہے نہیں؛ اس لئے دوربین سے چاند دیکھنا چشمہ کے ذریعہ چاند دیکھنے کے مانند ہے)

(۴) حضرت والا تھانویؒ نے دوربین اور خوردبین سے چاند دیکھنے کو عینک اور چشمہ لگا کر دیکھنے کی طرح قرار دیا ہے؛ لہٰذا دوربین اور خوردبین سے چاند دیکھنے کی صورت میں رؤیت معتبر ہوجائے گی۔ ←

البتہ اگر بدلائل فن ایں امر بہ ثبوت پیوندد کہ خاصیت آں دوربین چنیں ست کہ ہلال باوجود تحتِ افق بودن بواسطۂ آں بنظر می آید حتیٰ کہ شمس ہم باوجود عدم طلوع از افق دراں طالع فی نماید آرے صحیح ومعتبر نباشد۔

۱۹/ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۱۶۰)

ایضاً

سوال (۹۳۴): قدیم ۲/ ۱۰۹- ذیل کے سوالات میں اپنی تحقیق از روئے کتب حدیث وفقہ تحریر فرما کر ممنوع فرمادیں۔

← اس کے برخلاف حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ جدید ۳/ ۴۵۲ میں دوربین اور خوردبین کے ذریعہ سے دیکھے ہوئے چاند کو غیر معتبر قرار دیا ہے اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے اسی کو درس ترمذی ۲/ ۵۲۰ میں نقل فرمایا ہے اور حضرت مولانا مفتی یوسف لدھیانویؒ نے آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ۴/ ۵۲۲ میں سخت الفاظ میں غیر معتبر ہونے کو نقل فرمایا ہے۔

پھر اس کے برخلاف مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی نے جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۴ میں مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری نے کتاب المسائل ۲/ ۱۲۴ میں اور راقم الحروف نے انوار رحمت ص: ۵۲۷/ اور فتاوی قاسمیہ ۱۱/ ۴۴۳ دار العلوم جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے افتاء بورڈ نے فتاوی حقانیہ ۴/ ۱۲۶ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے فتوی کے موافق دوربین اور خوردبین سے رؤیت کو معتبر تسلیم فرمایا ہے؛ اس لئے کہ دوربین اور خوردبین سے عدم وجود کو وجود میں نہیں لایا جاتا؛ بلکہ جو چیز اپنی جگہ موجود ہوتی ہے، اس کو دور والا عینک کی طرح صاف دکھائی دیتا ہے اس سے آگے مزید کچھ نہیں، جن حضرات نے عدم اعتبار کی بات کہی ہے ان کے اعتبار سے ان لوگوں کی رؤیت بھی معتبر نہ ہوگی جو عینک اور چشمہ سے دیکھتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ ان کی رؤیت سے غلبہ ظن ہو جاتا ہے اور وہ شرعاً معتبر ہے۔

ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلين مع العلة للضرورة (إلى قوله) وقبل بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير ......وهي الإمام أنه يكتفي بشاهدين واختاره في البحر. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب لاعبرة ، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۴ تا ۳۵۶، كراچي ۲/ ۳۸۶ تا ۳۸۸) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۱) ۲۹؍تاریخ کو دوسرے شخص کمزور بینائی والے سفر میں جارہے تھے جنگل میں مغرب کے وقت چشمہ یا خوردبین سے اُن دونوں نے عیدالفطر کا چاند دیکھ لیا لیکن بلا مدد چشمہ یا خوردبین کے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ اور سوائے اُن دونوں کے اور لوگوں نے چاند نہیں دیکھا ایسے حال میں وہ دونوں دوسرے روز روزہ رکھیں گے یا عیدالفطر کی نماز پڑھیں گے اور جن لوگوں نے نہیں دیکھا ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) دو شخص دریا میں جارہے ہیں۔ ۲۹؍رمضان کو پانی میں دونوں کو چاند کا عکس صاف نظر آیا۔ لیکن آسمان پر دیکھنے سے چاند نہیں معلوم ہوا۔ خواہ نظر کی کمزوری سے خواہ اور کسی وجہ سے اور ان دو شخصوں کے سوا اور کوئی چاند دیکھنا بیان نہیں کرتا ہے ایسے وقت میں اُن کے لئے اور دوسروں کے لئے کیا حکم ہے۔

(۳) دو شخص کسی جگہ پر ہیں۔ ۲۹؍رمضان المبارک کو آئینہ کے اندر دونوں کو چاند صاف معلوم ہوا لیکن آسمان پر دونوں نہیں دیکھ سکے ایسی حالت میں وہ کیا کریں گے؟

الجواب: (۱) دوربین یا خوردبین سے دیکھنے کا کوئی جدا حکم نہیں بلا آلہ دیکھنے کے جو احکام ہیں وہی اس کے بھی ہیں پس اگر افق پر ابر و غبار ہے تب تو ان کی رویت بشرط عدم مانع اوروں کے لئے کافی ہے سب عمل کریں۔ اور اگر ابر وغیرہ نہیں ہے تو اوروں کو بھی عمل جائز نہیں اور خود ان کو بھی عمل جائز نہیں بلکہ روزہ رکھیں۔(۱)

(۲) دریا کو بھی مثل چشمہ وغیرہ کے رویت کا ایک آلہ کہا جاوے گا اور اس کا حکم بھی مثل جواب سوال نمبر: ۱؍ کے ہوگا۔

(۳) اس کو بھی مثل دریا کے ایک آلۂ رویت کہیں گے اور اس میں بھی وہی تفصیل ہوگی جو نمبر: ۱؍ میں مذکور ہوئی۔

۱۸؍ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص: ٦٦)

---

(۱) وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ أشهد وعدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد (إلى قوله) ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة، وأفطروا بإخبار عدلين (إلى قوله) وقبل بلا علة جمع عظيم يقع العلم (الدر) وفي الشامية: قوله نصاب الشهادة أي على الأموال، وهو رجلان أو رجل وامرأتان. (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، مكتبه زكريا ديوبند ٣٥٣/٣، كراچي ٣٨٦/٢-٣٨٨)

وشرط لهلال الفطر أي لثبوته وثبوت غيره من الأهلة إذا كان بالسماء علة لفظ ←

رؤیت ہلال کے فیصلہ پر ایک شخص کی شہادت کا حکم

سوال (۹۳۵): قدیم ۲/۱۱۰- کسی مقام کے قاضی کے حکم کی تصدیق کے لئے دوسرے مقام پر صرف ایک آدمی کی شہادت کی ضرورت ہوگی یا دو کی اور عدالت کی شرط ہوگی یا نہیں؟ مثلاً زید نے رؤیت شوال کی با قاعدہ شہادت لیکر اپنے شہر الہ آباد میں افطار کا حکم دیا۔ اب بکر جو اس وقت الہ آباد ہی میں مقیم تھا شہر کانپور میں جا کر اس بات کی خبر دی کہ فلاں شہر میں زید نے با قاعدہ شہادت لیکر افطار کا حکم دیا ہے اب تم لوگ بھی افطار کرلو تو ایسی صورت میں اگر چہ یہ مسلّم ہے کہ قاضی کا حکم حجت شرعی ہے دوسرے شہر کے لئے بھی مگر اثبات حکم پر۔

← **الشهادة الحاصلة من حرين مسلمين مكلفين غير محدودين في قذف أو حر وحرتين لكن بلا اشتراط تقدم دعوى على الشهادة كعتق الأمة، وطلاق الزوجة، وإذا رأي الهلال في الرستاق، وليس هناك والٍ ولاقاضٍ، فإن كان ثقة يصوم الناس بقوله: وفي الفطر إن أخبر عدلان برؤية الهلال، وبالسماء علة لا بأس بأن يفطروا بلا دعوىٰ ولاحكم للضرورة وإذا لم يكن بالسماء علة فلابد للثبوت من شهادة جمع عظيمة لرمضان والفطر وغيرهما.** (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، دار الكتاب ديوبند ص:٦٥٤)

وإذا كان بالسماء علة تمنع الرؤية قبل الحاكم، وكذا أهل بلدة لا حاكم فيها ...... في هلال الفطر وذي الحجة وبقية الأشهر التسعة شهادة حرين أوحر وحرتين بشرط العدالة ولفظ الشهادة وعدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد؛ لكن لا يشترط الدعوىٰ، وإن لم يكن بالسماء علة فلا بد في الكل من جمع عظيم يقع العلم الشرعي وهو غلبة الرأي بخبرهم. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٤٩)

رأي مكلف هلال رمضان أو الفطر ورد قوله بدليل شرعي صام مطلقًا وجوبًا. (الدر المختار) وفي الشامية: **وشمل ما لو كان الرائي إما ما فلا يأمر الناس بالصوم، ولا بالفطر إذا رآه وحده ويصوم هو كما في الإمداد و أفاد الخير الرملي أنه لو كانوا جماعة وردت شهادتهم لعدم تكامل الجمع العظيم فالحكم فيهم كذلك.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٥٠، كراچي ٢/٣٨٤) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

سو دریافت طلب یہ امر ہے کہ صرف بکر کی شہادت زید کے حکم کے اثبات کے لئے کانپور والوں کے لئے کافی ہوگی یا نہیں؟ یا ایک اور شہادت کی ضرورت ہوگی اور زید اگر خود کانپور میں جا کر اپنی با قاعدہ شہادت لینے کی خبر کرے تو کانپور والوں کو افطار کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ اور جنھوں نے صرف بکر کی شہادت پر کانپور میں افطار کرلیا ان کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب: في الدر المختار: في أحكام هلال رمضان وتقبل شهادة واحد على اٰخر كعبد وانثى ولو على مثلهما الخ۔ وفي رد المحتار: بخلاف الشهادة على الشهادة في سائر الأحكام، حيث لا تقبل مالم يشهد على شهادة كل رجل رجلان أورجل وامرأتان۔ وفي الدر المختار: أحكام هلال الفطر وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ أشهد وعدم الحد في لقذف لتعلق نفع العبد؛ لكن لا تشترط الدعوى (إلىٰ قوله) ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة، وأفطروا بإخبار عدلين مع العلة للضرورة۔ (۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بکر کی شہادت ہلال رمضان میں معتبر ہو جاوے گی۔

لأن الشهادة على القضاء كالشهادة على الشهادة لكونهما موجبين اوراسی طرح زید کا قول بھی معتبر ہوگا۔ "**لأنه شهادة على الشهادة**" اور ہلالِ فطر میں عدد بھی شرط ہے کالاصل۔

وإن سقط لفظ الشهادة في سائر الأحكام أي في غير أحكام هلال رمضان.

اور یہ بھی ان روایات سے ثابت ہوا کہ عدالت ہر حال میں شرط ہے۔

۱۷ر شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص:۹۲)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۵۳-۳۵۴، كراچي ۲/۳۸٦

ويقبل خبره لو شهد على شهادة واحد مثله لأن العدد في الأصول ليس بشرط، فكذا في الفروع (مراقي الفلاح) وفي حاشية الطحطاوي: بخلاف الشهادة على الشهادة في سائر الأحكام حيث لا تقبل ما لم يشهد على شهادة كل شاهد رجلان أو رجل وامرأتان. وقوله على مثله بل ولو على غير مماثله كحر وعبد وذكر وانثىٰ، وفي مراقي الفلاح: وشرط لهلال الفطر أي لثبوته و ثبوت غيره من الأهلة إذا كان بالسماء علة لفظ الشهادة الحاصلة من حرين ←

طریق موجب کے بغیر رؤیت ہلال کی حکایت معتبر نہیں

سوال (۹۳۶): قدیم ۲/ ۱۱۱- یہاں میرے پڑوسی نائب تحصیلدار بحکم گورنمنٹ بصرہ بغداد کو گئے تھے۔ اب وہ رخصت لیکر ۲۰/ جون کو بغداد سے دجلہ میں کشتی پر سوار ہو کر چلے تو رمضان المبارک کا چاند بدھ کے روز یعنی پنجشنبہ کی شب میں انہوں نے اور سب ہمراہیوں نے دیکھا، اور جمعرات کو روزہ رکھا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اُن کا چاند دیکھنا یہاں والوں کے لئے مانا جاوے گا یا نہیں؟ رہا یہ امر کہ ان کی شہادت بھی شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اس سے بحث نہیں دیگر کوئی خبر جناب کے یہاں بھی ایسی موصول ہوئی ہے جو قابل اعتبار ہو اور اس پر عمل کیا جاوے اس سے مطلع فرمایا جاوے؟

← **مسلمين مكلفين غير محدودين في قذف أو حر وحرتين لكن بلا اشتراط تقدم دعوى على الشهادة كعتق الأمة وطلاق الزوجة، وإذا رأي الهلال في الرستاق، وليس هناك والٍ ولاقاضٍ، فإن كان ثقة يصوم الناس بقوله، وفي الفطر إن أخبر عدلان برؤية الهلال، وبالسماء علة لابأس بأن يفطروا بلا دعوى ولا حكم للضرورة.** (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، دارالكتاب ديوبند ص:٦٥٣-٦٥٤)

أما هلال الفطر فلأنه تعلق به نفع العباد وهو الفطر فأشبه سائر حقوقهم فيشترط فيه ما يشترط في سائر حقوقهم من العدالة والحرية والعدد وعدم الحد في قذف ولفظ الشهادة والدعوى على خلاف فيه إن أمكن ذلك وإلا فقد تقدم أنهم لو كانوا في بلدة لاقاضٍ فيها ولا والٍ فإن الناس يصومون بقول الثقة ويفطرون بإخبار عدلين للضرورة. (إلى قوله) أنه يقبل في هلال رمضان شهادة واحد عدل على شهادة واحد عدل بخلاف الشهادة على الشهادة في سائر الأحكام حيث لا تقبل ما لم يشهد على شهادة رجل واحد رجلان أورجل وامرأتان. (البحرالرائق، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٦٥-٤٦٦، كوئٹه ٢/ ٢٦٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: ایک خبر یہاں بھی بجنور سے آئی ہے بابومردان علی صاحب لکھتے ہیں کہ بدھ کے روز یہاں بھی چاند نہیں دیکھا گیا مگر جمعرات کے روز صبح کو جہاں آباد سے رُویت ہلال کے گواہ معتبر آگئے اور ہم نے روزہ رکھ لیا۔ انتہی ۔ یہ دو خبریں ہیں: قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ ایسی خبر کے معتبر ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ طریق موجب سے پہونچے اور طریق موجب یہ ہیں:

(۱) شہادت بالرؤیت، (۲) شہادت علی الشہادت بالرؤیت، (۳) شہادت علی حکم الحاکم، (۴) استفاضہ جو حکم حاکم کے حکم میں ہے اور مجرد حکایت معتبر نہیں ہے۔ (زوال السنہ، ج:۱، ص:۱۵) (۱)

---

(۱) شهدوا أنه شهد عند قاضي مصر كذا شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضىٰ القاضي به ووجد استجماع شرائط الدعوىٰ قضى أي جاز لهذا القاضي أن يحكم بشهادتهما لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به، لا لوشهدوا برؤية غيرهم؛ لأنه حكاية، نعم لو استفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصحيح من المذهب (الدرالمختار) وفي الشامية: لأنه حكاية فإنهم لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم. قلت: وكذا لو شهدوا برؤية غيرهم وأن قاضي تلك المصر أمر الناس بصوم رمضان؛ لأنه حكاية لفعل القاضي أيضًا وليس بحجة، بخلاف قضاء ه الخ.

(الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب: لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۸-۳۵۹، كراچي ۲/ ۳۹۰)

وفي مجموع النوازل: شاهدان شهدا عند قاضي مصر لم ير أهله الهلال على ان قاضي مصر كذا شهد عنده شاهدان برؤية الهلال، وقضىٰ به ووجد شرائط صحة الدعوىٰ قضى بشهادتهما. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الثاني في رؤية الهلال، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۶۶، رقم: ۴۵۸۴)

البحر الرائق، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۷۲، كوئٹه ۲/ ۲۷۰۔

فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب كما مر (الدر المختار) وفي الشامية: قوله: (بطريق موجب) كأن يتحمل اثنان الشهادة ←

اسی طرح خبر واحد کے معتبر ہونے کے لئے علت یعنی ابر وغیرہ شرط ہے۔ اسی طرح رائی کا ثقہ ہونا شرط ہے۔ کذا فی کتب الفقہ۔(۱)

پس دجلہ کی خبر میں آسمان پر علّت ہونا ثابت نہیں، اور شہادت دینے والے ایک صاحب ہیں اور اوروں کے دیکھنے کی روایت محض حکایت ہے جو معتبر نہیں، اور اگر یہ صاحب ثقہ نہیں ہیں تو قبولِ ہدایت سے ایک دوسرا امر بھی مانع ہے اور جہاں آباد کی خبر ہم لوگوں تک طریق موجب سے نہیں پہونچی؛ لہٰذا دونوں خبریں حجت نہیں ہیں۔(اشرف علی)

۲۷/ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ، ص:۳۳)

← **أويشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه لأنه حكاية.** (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳٦٤، كراچي ۲/۳۹٤)

موسوعة الفقهية الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الصيام، المطلب الثاني، اختلاف المطالع، مكتبه أشرفية ديوبند ۲/٥۳٤۔

حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، دارالكتاب ديوبند ص:٦٥۳۔

(۱) **وإذا كان بالسماء علة تمنع الرؤية قبل الحاكم وكذا أهل بلدة لا حاكم فيها في هلال رمضان خبر عدل أو مستور في الأصح لا فاسق.** (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳٤۸)

للصوم مع علة كغيم وغبار خبر عدل أو مستور على ماصححه البزازي على خلاف ظاهر الرواية لا فاسق اتفاقًا. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، مكتبه زكريا ديوبند۳/۳٥۲، كراچي ۲/۳۸٥)

فإن كان بالسماء علة أي غبار أو سحاب قبل الإمام شهادة الواحد العدل في رؤية الهلال الخ .

(الجوهرة النيرة، كتاب الصوم، دارالكتاب ديوبند ص:۱٦٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صوم وافطار کے متعلق اہل ہیئت کا قول معتبر نہیں

سوال (۹۳۷): قدیم ۲/۱۱۲- علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا تحریر فرماتے ہیں کہ اخبار ہمدم لکھنؤ مورخہ ۱۰/جولائی ۱۹۱۷ء میں ایک مضمون چھپا ہے جو لفظ بلفظ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ اس پر شرعاً عمل درآمد کرنے کے لئے کیا حکم ہے؟ اور اس پر عمل درآمد کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور ان امور کا ماننا درست ہے یا نہیں؟

اوقات صوم وصلوٰۃ

(۱) ملاحظہ ہو روز نامہ ہمدم مورخہ ۲۱/جون ۱۹۱۷ء (جس میں ایک مضمون اوقات کے متعلق تھا جس سے مسئلہ ہذا سے کوئی خاص تعلق نہیں)

(۲) مسلمان اگر علم ہیئت سیکھیں تو اُن کو معلوم ہو کہ ''الشمس و القمر بحُسبان'' کی کس قدر تصدیق ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو قرآن مجید نمبر ۵۵، سورۂ رحمٰن، آیۃ: ۵۔

(۳) افلاک ارضی وقمر بیضاوی شکل کے ہیں؛ لہٰذا حساب واقعی طلوع اور غروب شمس بحساب مخروطی کرنا لازم ہوتا ہے۔ اشکال مدور اور بیضاوی میں فرق ہوتا ہے۔ ہند میں معیار وقت بلحاظ شمس وسطی ہوتا ہے لہذا جب واقعی طلوع اور غروب کا وقت کسی جگہ کا نکالنا ہو تو جو فرق شمس وسطی اور شمس واقعی میں ہو اُس کو دفع کرنا لازم ہوتا ہے۔ اسی سبب سے بعض روز دو ایک دقیقہ کی کمی یا زیادتی بغیر تسلسل کے ہوتی ہے۔

(۴) لیل ونہار ہمیشہ ۲۴ گھنٹے کے ہیں۔ کبھی طلوع اور غروب میں کمی اور زیادتی ہوئی تو بھی ۲۴ گھنٹے میں فرق نہیں ہوسکتا۔

(۵) پنجشنبہ ۵/جولائی ۱۹۱۷ء کو ۹ء ۸ دقیقہ ۳ گھنٹہ پر قبل ظہر خسوف یعنی چاند گرہن تھا۔ اس وقت عمر قمر کی چودہ روز سے زائد تھی اور اس روز پندرہ رمضان ۱۳۳۵ھ میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا ہے۔

(۶) غرّہ رمضان المبارک میں بوجہ عدم رُویت کے فرضیت نہیں ہوسکتی تھی لیکن ہلال اور بدر کے مشاہدہ سے کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ جمعہ ۲۰/جولائی ۱۹۱۷ء کو ۳۰/رمضان المبارک ہے اور اس روز اگر مطلع صاف نہ ہو تو رؤیت کی حاجت نہیں ہے۔ بلحاظ علم ہیئت اور مشاہدہ شنبہ ۲۱/جولائی ۱۹۱۷ء کو غرۂ شوال ۱۳۳۵ھ ہونا لازم ہے اور اس روز صوم بلاشبہ حرام ہے۔

الجواب: اول تو ان مقدمات ریاضیہ میں بعضے مخدوش بھی ہیں۔

دوسرے قطع نظر اس سے شریعت میں اُن کا بالکل اعتبار نہیں کیا گیا حدیث **"نحن امة امية لانكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا"** (۱) اس کی صریح نفی کر رہی ہے۔ یعنی ان کے اعتبار کی قطع نظر وقوع سے اور یہ ہر قانون کو اختیار ہے کہ باوجود کسی امر کے واقع ہونے کے اس پر اپنے احکام کو مبنی نہ کرے جیسے عدالت کے متعلق قانون ہے کہ حاکم اپنے عینی علم پر بدون ضابطہ کی شہادت کے عمل نہیں کرسکتا (۲) کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ حاکم کے علم کی واقفیت کی نفی کی گئی ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ باوجود واقعی ہونے کے اُس پر حکم کا مبنی کرنا جائز نہیں رکھا گیا، اسی طرح یہاں سمجھ لیا جاوے کہ اس قانون شرعی پر خلافِ عقل ہونے کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ اور راز اس کا وہی ہے جس کی طرف حدیث مذکور میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی شریعت کا سہل قواعد پر مبنی ہونا ہے نہ کہ دقائق پر۔

---

(۱) عن ابن عمر رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: إناأمة أمية لانكتب ولا نحسب، الشهر هكذا وهكذا يعنى مرة تسعة وعشرين ومرة ثلاثين.
(صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب ماقول النبي صلى اللّٰه‌عليه وسلم لانكتب ولانحسب، النسخة الهندية ۱/۲۵۶، رقم:۱۸۷۵، ف:۱۹۱۳)

صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال الخ، النسخة الهندية ۱/۳۴۷، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۰۸۰۔

سنن ابي داؤد، كتاب الصوم، باب الشهر يكون تسعاوعشرين، النسخة الهندية ۱/۳۱۷، دارالسلام ، رقم: ۲۳۱۹۔

(۲) إعلم أن الكتابة بعلمه كالقضاء بعلمه في الأصح، فمن جوزه جوزها ومن لا فلا، إلا أن المعتمد عدم حكمه بعلمه في زماننا(إلى قوله) والمختار الآن عدم حكمه بعلمه مطلقا كما لايقضي بعلمه في الحدود الخالصة لله تعالى كزنا وخمر مطلقا ...... وعن الإمام: إن علم القاضي في طلاق وعتاق وغصب يثبت الحيلولةعلى وجه الحسبة لا القضاء (الدر) وتحته في الرد: أي بأن يأمر بأن يحال بين المطلق وزوجته والمعتق وأمته أوعبده والغاصب وما غصبه بأن يجعله تحت يد امين إلى أن يثبت ما علمه القاضيبوجه شرعي
(الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضيوغيره، مطلب في قضاء القاضي بعلمه ، مكتبه زكرياديوبند ۸/۱۴۰-۱۴۱، كراچي ۵/۴۳۸-۴۳۹) ←

تیسرے نمبر:۶ر میں جب عدم فرضیت صوم مان لی گئی تو شنبہ کو غرّہ شوال یقینی ماننا اُس کے منافی ہے؛ کیونکہ جمعہ کو ۳۰ قرار دینا مستلزم ہے پنجشنبہ کے غرّہ ہونے کو گواس کا ظہور بعد میں ہوا ہو اور پنجشنبہ کا غرّہ ہونا مستلزم ہے اس میں فرضیت صوم کو تو لازم آتا ہے فرضیت اور عدم فرضیت صوم کا مجتمع ہونا اور یہ اجتماع خود محال ہے اور مستلزم محال کو محال۔ پس یہ فتویٰ دینا کہ شنبہ کو روزہ رکھنا یقینی حرام ہے بوجہ مبنی ہونے کے مقدمات مستحیلہ پر یقیناً باطل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ رائے محض غلط ہے اور اس پر عمل کرنا بالکل حرام ہے اسکو اچھی طرح شائع کر دیجئے۔ کتبہ اشرف علی

۲۵ر رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تتمہ:۵ ص:۳۲)

افطار وصوم میں جنتری کا حساب معتبر نہیں

سوال (۹۳۸): قدیم ۲/۱۱۳- غرّہ ذیقعدہ جنتری کی رُو سے تسلیم کیا گیا ہے اور رُویت نہیں ہوئی، اس حساب سے شوال کے ۲۹ یوم ہوتے تھے۔ اب ذی الحجہ کی رُویت بھی نہیں ہوئی۔ اور ۳۰ یوم پورے کر کے پہلی تاریخ پنجشنبہ کی قرار دی گئی، اب شبہ یہ واقع ہے کہ ذی قعدہ کی رؤیت ہوئی نہیں، جنتری کے اعتبار پر شوال ۲۹ر کا قرار دیا گیا تھا۔ اب اگر اُس کو بھی ۳۰ یوم کا قرار دیتے ہیں تو پہلی جمعہ کی ہونی چاہئے؛ کیونکہ رؤیت ذی قعدہ تو ہوئی نہیں تھی۔ اب ارشاد فرمایا جاوے کہ ذی الحجہ کی پہلی قرار دینے کے لئے شوال کے ۳۰ یوم پورے ماننے پڑیں گے یا مطابق جنتری کے ۲۹ یوم جیسے قرار دیئے تھے سمجھے جائیں گے نیز اگر چند ماہ تک بوجہ ابر وغبار مثلاً چھ ماہ تک رؤیت نہیں ہوئی۔ تو کیا ایسے سب مہینوں کو ۳۰ یوم کا قرار دینا چاہئے۔ اگر ایسا عمل ہوگا تو خدشہ ہوتا ہے کہ قمری سال کے ۳۵۵ دن ہوتے اس میں ضرور زیادتی ہوگی، اور اگر سب کو ۳۰ یوم کا نہ قرار دیا جائے تو یہ شبہ ہے کہ جب رؤیت نہیں ہوئی تو ۳۰ یوم کا کیوں نہ مانا جائے؟

← ينبغي أن يكون هذا على رأي المتقدمين من جواز قضاء القاضي بعلمه إما على رأي المتأخرين وهو المفتى به من أنه لايقضي بعلمه في زماننا فينبغي أن يتوقف على الثبوت الخ (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الكفالة، مكتبه زكريا ديوبند ٣٦١/٦، كوئٹه ٢١٥/٦)
النهر الفائق، كتاب الكفالة، مكتبه زكريا ديوبند ٥٥٤/٣ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: شریعت میں یا تو رُؤیت حجت ہے یا شہادت رؤیت یا تکمیل ثلاثین، اگر اولین نہ ہوں تو ثالث متعین ہے، (۱) اور جو خدشہ لکھا ہے یہ اُس وقت صحیح ہوتا جب شریعت اس قاعدہ کو تسلیم کرتی کہ قمری سال ۳۵۵ سے نہیں بڑھتا اس لازم کے بطلان کی کیا دلیل ہے۔

۱۱رذی الحجہ ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ،ص:۱۰۳)

---

(۱) عن عبدالله بن عمر رضى الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الشهر تسع وعشرون ليلة، فلا تصوموا حتى تروه، فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم إذارأيتم الهلال فصوموا، النسخة الهندية ١/٢٥٦، رقم: ١٨٦٩،ف:١٩٠٧)

وقال الحافظ في الفتح: قوله:(فلا تصوموا حتى تروه) ليس المراد تعليق الصوم بالرؤية في حق كل أحد بل المراد بذلك رؤية بعضهم وهو من يثبت به ذلك إما واحد على رأي الجمهور أو إثنان على رأي آخرين ووافق الحنفية على الأول إلا أنهم خصوا ذلك بما إذا كان في السماء علة من غيم وغيره وإلا فمتى كان صحو لم يقبل إلا من جمع كثير يقع العلم بخبرهم. (فتح الباري، دارالريان للتراث ٤/١٤٧، مكتبه اشرفية ديوبند ٤/١٥٤)

عن أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن غمي عليكم فأكملوا العدد (الحديث) قال النووي تحته: قوله صلى الله عليه وسلم صوموا لرؤيته وأفطرولرؤيته، المراد رؤية بعض المسلمين ولايشترط رؤية كل إنسان بل يكفي جميع الناس رؤية عدلين وكذا عدل على الأصح. الخ (صحيح المسلم مع شرح النووي، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان، النسخة الهندية ١/٣٤٧، بيت الأفكار الدولية رقم: ١٠٨١)

عمدة القاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم إذا رأيتم الهلال الخ، دارإحياء التراث العربي ١٠/٢٨١، مكتبه اشرفية ديوبند ٨/٤٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رؤیت نہ ہونے کی وجہ سے غرہ رمضان وشوال میں روزہ کا حکم

سوال (۹۳۹): قدیم ۲/۱۱۴- مشرقی بنگال میں اکثر منگل کے روز روزہ رکھ کر جمعرات کو عید کی اب ہم لوگ جو پیر کو روزہ نہیں رکھا اور بدھ کو عید نہ کر کے جو روزہ نہ رکھا اس میں ہم سب گنہ گار ہوئے یا کیا؟

الجواب: اگر پیر کے روز کی خبر معتبر طور سے آ گئی تو ایک روزہ قضاء کرنا ہوگا۔(۱)

---

(۱) **إذا شهد الشهود على هلال رمضان في اليوم التاسع والعشرين أنهم رأوا الهلال قبل صومكم بيوم إن كانوا في هذا المصر ينبغي أن لا تقبل شهادتهم لأنهم تركوا الحسبة وإن جاؤا من مكان بعيد جازت شهادتهم لإنتفاء التهمة كذا في الخلاصة.** (هندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، مكتبه زكريا ديوبند جديد ۱/۲۶۱، قديم ۱/۱۹۸)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل الأول في الشهادة على هلال رمضان، مكتبه أشرفية ديوبند ۱/۲۵۰۔

إذا صام أهل مصر ثلاثين يوما برؤية وأهل مصر آخر تسعة وعشرين يوما برؤية فعليهم قضاء يوم إن كان بين المصرين قرب بحيث يتحدالمطالع وإن كان بعد بحيث يختلف لايلزم أحد المصرين حكم الأخر (مجمع الأنهر، كتاب الصوم، قبيل باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۵۳)

إذا صام أهل بلدة ثلاثين يوما للرؤية وصام أهل بلدة تسعة وعشرين يوما للرؤية فعليهم قضاء يوم وفي "القدوري" إذا كان بين البلدتين تفاوت لاتختلف المطالع لزم حكم إحدى البلدتين حكم البلدة الأخرى، فإما إذا كان تفاوت تختلف المطالع فيه لم يلزم حكم إحدى البلدتين حكم البلدةالأخرى (المحيط البرهاني، كتاب الصوم، الفصل الثاني: ما يتعلق برؤية الهلال، المجلس العلمي ۳/۳۴۲، رقم: ۳۰۶۵)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، زكريا ديوبند ۳/۳۶۵، رقم: ۴۵۸۰-۴۵۸۲

ولوقال رأيته في الليلة الماضية فإن كان هلال رمضان وكان قبل نصف النهار فمن لم يأكل بعد الصبح يصوم ومن أكل يقضية. (العرف الشذي على جامع الترمذي، كتاب الصوم، باب ماجاء في الصوم بالشهادة، النسخة الهندية ۱/۱۴۹)

اور بدھ کے روزہ سے نہ تو گناہ ہوگا اور نہ پیر کے روزہ کے عوض محسوب ہوگا۔(۱)

۹/ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ، ص:۱۷)

عاشورہ کا ایک روزہ رکھنے کا حکم و تحقیق

سوال وجوابی تحقیق (۹۴۰): قدیم ۲/۱۱۴- بندہ اب تک یہ فتویٰ دیتا تھا کہ دسویں محرم کا ایک روزہ رکھنا بلا کراہت درست ہے مگر درمختار وغیرہ میں اس کے خلاف جزئیہ نکلا۔ لہٰذا میں اس سے رجوع کرکے اب موافق اس جزئیہ کے فتویٰ دیتا ہوں کہ دسویں تاریخ محرّم کو اکیلا روزہ رکھنا مکروہ ہے اُس کے ساتھ نویں کا بھی رکھنے سے کراہت دُور ہوگی، اسی طرح اگر دسویں کے ساتھ گیارہویں کا بھی رکھ لے تب بھی کراہت نہ رہے گی۔ مگر اوّل صورت اولیٰ ہے یعنی نویں دسویں کا وہ جزئیہ ہے۔

المکروه تحريماً كا لعيدين وتنزيهًا كعاشوراء وحده. و في رد المحتار: قوله: وعاشوراء وحده أي مفرداً عن التاسع أو عن الحادي عشر امداد لأنه تشبه باليهود. محيط، ص: ۳۴، ج: ۲ ـ (۲) فقط

(ترجیح الراجح،ص:۸۰،ج:۴)

---

(۱) **وأما صوم الدَيْن: فالأيام كلها محل له ويجوز في جميع الأيام إلاستة أيام يومي الفطروالأضحى وأيام التشريق ويوم الشک، أما ماسوى صوم يوم الشک فلورود النهي عنه والنهي وإن كان غيره أو لغيره فلا شک إن ذلک الغير يوجد بوجود الصوم في هذه الأيام، فأوجب ذلک نقصانا فيه والواجب في ذمته صوم كامل فلا يتأدى بالناقص.** (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، صوم الدين، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۱۹)

لايجزي القضاء في الأيام المنهي عن صومها كأيام العيد. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصيام المبحث الثاني، قضاء الصوم و كفارته، الهدى إنتر نيشنل ديوبند ۲/ ۵۹۷)

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۳۶، كراچي ۲/ ۳۷۵۔

وصوم عاشوراء وحده والنيروز والمهرجان مكروه تنزيها. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۴۳) ←

ایضاً

سوال (۹۴۱): قدیم ۲/۱۱۴- ضروری دریافت یہ ہے کہ احقر نے بہشتی زیور(۱) کے تیسرے حصہ میں نفل روزہ کے بیان میں دیکھا کہ محرم کی دسویں تاریخ میں روزہ رکھنا مستحب ہے۔ احقر نے دسویں تاریخ کو ایک روزہ ہی رکھا اب بعضے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نویں و دسویں کا رکھنا چاہیئے۔ ایک روزہ میں اختلاف ہے ایک نہیں رکھنا چاہیئے۔ اختلاف کیساتھ ارشاد فرمایا جائے؟

الجواب: واقعی دو ہی روزے رکھنا چاہئیں۔ بہشتی زیور کی تالیف کے وقت اس مسئلہ کی پوری تحقیق نہ تھی۔ لیکن اگر نویں کو نہ رکھے تو گیارہویں کو رکھ لے۔ (۲)

۹/ رج: ۱۳۳۲ھ (ترجیح: ۵، ص: ۱۵۳)

← **وأما المكروه فهو قسمان مكروه تنزيها ومكروه تحريما الأول الذي كره تنزيها كصوم يوم عاشوراء منفرداً عن التاسع أو عن الحادي عشر الخ.** (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في صفة الصوم ، دارالكتاب ديوبند ص: ٦٤٠)

المسنون أن يصوم عاشوراء مع التاسع كذا في فتح القدير ويكره صوم عاشوراء مفرداً. (هندية، كتاب الصوم، الباب الثالث فيما يكره قبيل الباب الرابع، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢٠٢/١، جديد ٢٦٤/١)

المكروه تنيزيها هو إفراد صيام يوم عاشوراء(العاشرمن المحرم) عن التاسع أو عن الحادي عشر. (الفقة الإسلامي وأدلتة، كتاب الصيام، المبحث الثاني فرضية الصيام وأنواعه، النوع الثالث: الصوم المكروه، الهدى انتر نيشنل ديوبند ٥١٥/٢)

(۱) اختری بہشتی زیور، باب ششم نفل روزہ کا بیان ۱۰/۳

(٢) **المكروه تحريما كالعيدين وتنزيها كعاشوراء وحده (الدر المختار) وتحته في الشامية: أي مفردا عن التاسع أوعن الحادي‌عشر إمداد لأنه تشبه باليهود.** (مكتبه زكريا ديوبند ٣٣٦/٣، كراچي ٣٧٥/٢)

المكروه تنزيها هو إفراد صيام يوم عاشوراء (العاشرمن المحرم) عن التاسع أوعن الحادي‌عشر. (الفقه الإسلامي وأدلته، الصيام، المبحث الثاني فرضية الصوم وأنواعه، النوع الثالث: الصوم المكروه، الهدى إنتر نيشنل ديوبند ٥١٥/٢) ←

رسالہ کلمۃ القوم فی حکمۃ الصوم

سوال (۹۴۲): قدیم ۲/۱۱۴- تمہید: ایک صاحب نے اپنے خط کے ساتھ ایک مولوی صاحب کا ایک مضمون دیکھنے کے لئے بھیجا اس کے متعلق یہاں ایک تحقیق لکھی گئی۔ ذیل میں دونوں منقول ہیں۔

مضمون: صوم رمضان کے متعلق ایک نہایت ضروری اصلاح کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ جہاں تک مجھے یاد ہے آپ نے اب تک اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ نہیں دلائی ہے۔

یہ مسلّم ہے کہ رمضان کے روزوں کا اصلی مقصد قوت بہیمیہ کو مغلوب اور قوتِ ملکیہ کو غالب کرنا ہے؛ اسی لئے شارع نے ان مہیجات ومحرکات سے چند دنوں کے لئے روکا ہے جن سے قوت بہیمیہ میں ہیجان پیدا ہوتا ہے، یعنی کھانا پینا، عورتوں سے متمتع ہونا اوران تینوں چیزوں کے چھوڑ دینے کے بعد مادی حیثیت سے روزے کی حقیقت مکمل ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم اسرار الدین کے ماہرین نے روزے کی تکمیل کے لئے جو باتیں ضروری قرار دی ہیں اُن میں ایک یہ ہے کہ غذا میں جہاں تک ممکن ہو کمی کی جائے؛ چنانچہ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ روزے کی تکمیل کی پانچویں شرط یہ ہے کہ افطار کے وقت حلال کھانا بھی

← موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الصيام، المبحث الثاني الصوم المكروه، مكتبه أشرفية ديوبند ۲/ ۵۱۵۔

اتفق الفقهاء على سنية صوم يوم عاشوارء وتاسوعاء وهما: اليوم العاشر والتاسع من المحرم (إلى قوله) وصرح الحنفية: بكراهة صوم يوم عاشوراء منفرداً عن التاسع أو عن الحادي عشر (إلى قوله) واستحب الحنفية والشافعية صوم الحادي عشر إن لم يصم التاسع. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۸۹-۹۰)

وأما القسم الثالث: وهو المسنون فهو صوم يوم عاشوراء فإنه يكفر السنة الماضية مع صوم التاسع لصومه صلى الله عليه وسلم العاشر، وقال: لئن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع (مراقي الفلاح) وفي حاشية الطحطاوي: قوله: مع صوم التاسع أي أو الحادي عشر لما يأتي للمصنف فتنتفي الكراهة بضم يوم قبله، أو بعده. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، فصل في صفة الصوم، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۶۳۹)۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس قدر نہ کھایا جائے کہ پیٹ میں امتلاء پیدا ہوجائے۔ کیونکہ خدا کے نزدیک کوئی ظرف اُس پیٹ سے زیادہ مبغوض نہیں جو حلال کھانے سے بھرلیا جائے۔ درحقیقت روزے سے خدا کے دشمن کی شکست اور خواہش نفسانی کی مغلوبیت کیونکر ممکن ہے جب کہ روزے دار اپنے افطار کے وقت اس کمی کی تلافی کرے جو دن میں کی گئی ہے بلکہ بسا اوقات طرح طرح کے کھانے وغیرہ سے وہ اس پر اضافہ کرلیتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ ایک مستقل عادت ہوگئی ہے کہ رمضان کے لئے ہر قسم کے کھانے مہیا کئے جاتے ہیں اور اس میں وہ کھانے مہیا کئے جاتے ہیں جو اور مہینوں میں نہیں کھائے جاتے؛ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ روزے کا مقصد بھوکا رہنا اور خواہش نفسانی کو شکست دینا ہے تاکہ نفس کو تقویٰ حاصل کرنے کی قوت حاصل ہو؛ لیکن جب معدے کو صبح سے شام تک خالی رکھا جائے یہاں تک کہ اس کی خواہش طعام میں ہیجان پیدا ہوجائے اور اسکی رغبت غذا کی طرف زیادہ ہوجائے، پھر اس کو لذیذ کھانے کھلا کر آسودہ وسیر کردیا جائے تو اسکی لذت طلبی بڑھ جائے گی۔ اُس کی قوت دُوگنی ہوجائے گی، اور وہ خواہشیں اُبھر جائیں گی جو تقریباً دبی ہوئی تھیں۔ غرض روزے کی رُوح ان قوتوں کو ضعیف کرنا ہے جو بُرائی کی طرف میلان پیدا کرنے میں شیطان کا آلہ ہیں اور یہ غرض صرف تقلیل غذا سے حاصل ہوسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ روزہ دار صرف وہی کھانا کھائے جو رمضان کے علاوہ معمولاً کھاتا تھا؛ لیکن اگر صبح وشام دونوں وقت کا کھانا ملا کر کھائے جو رمضان کے روزوں میں نہیں چاہیے تو اس کو روزے سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا؛ بلکہ آداب صوم میں یہ ہے کہ روزہ دار بہت نہ سوئے تاکہ اس کو بھوک اور پیاس کا احساس ہو اور اپنی قوت کا ضعف معلوم ہونے لگے۔ (احیاء العلوم، ج: ۱، مطبوعہ مجتبائی پریس، ص: ۱۴۷) (۱)

---

(۱) الخامس أن لایستکثر من الطعام الحلال وقت الإفطار بحیث یمتلي فما من وعاء أبغض إلی اللہ عزوجل من بطن ملئ من حلال وکیف یستفاد من الصوم فهو عدو اللہ وکسر الشهوة إذا تدارک الصائم عند فطره ما فاته ضحوة نهاره وربما یزید علیه في ألوان الطعام حتی استمرت العادات بأن یدخر جمیع الأطعمة لرمضان فیؤکل من الأطعمة فیه مالایؤکل في عدة أشهر ومعلوم أن مقصود الصوم الخواء وکسر الهوی لتقوي النفس علی التقوی وإذا دفعت المعدة من ضحوة نهار إلی العشاء حتی ها جتّ شهوتها وقویت رغبتها ثم أطعمت من اللذات وأشبعت زادت لذتها وتضاعفت قوتها وانبعث من الشهوات ماعساها کانت راکدة ←

احادیث کے مطالعہ سے بھی اُس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ عہد نبوت اور عہد صحابہؓ میں رمضان میں کھانے کا کوئی مزید اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ معمولی غذا رمضان میں بھی کھائی جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کھجور یا پانی سے افطار کرتے تھے، سحر میں بھی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے صرف کھجوریں کھائیں بعد کو بعض صحابہ ستو گھول کر لائے تو ستو پی لیا اس سے زیادہ مجھے اُس مبارک عہد میں غذاؤں کی رنگینی اور بوقلمونی نظر نہیں آئی۔ لیکن اسوقت مسلمانوں کی حالت کیا ہے رمضان نے ایک تہوار یا تقریب کی صورت اختیار کر لی ہے، معمولی آدمی کے لئے بھی افطار کے وقت گھنگنی اور پھلوڑی (پھلکی) تو لازمی ہے سحر کے لئے دودھ بھی ایک اہم چیز فرض کر لی گئی ہے۔ کھانے میں جو شخص دال روٹی کھاتا تھا وہ کم ازکم ترکاری کا اضافہ کر ہی لیتا ہے۔ اہل مقدرت کے دسترخوان تو رمضان میں گویا رنگینی غذاؤں کا گلدستہ بن جاتے ہیں، دعوتوں کا ہنگامہ گرم ہو جاتا ہے، روزہ کشائی کی رسم تو خالص شادی کی تقریب بن جاتی ہی یہ حالت معمولی دنیاداروں کی نہیں ہے۔ علماء وصوفیہ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ رمضان میں بجائے اس کے کہ حدیث وقرآن کا درس دیا جائے راحت طلبی کے لئے ہمارے عربی مدارس میں تعطیل ہو جاتی ہے میں نے ایک خالص تصوف کے مرکز کے متعلق ایک مضمون پڑھا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مغرب سے سحر کے وقت تک تمام لوگ جو اس مرکز سے روحانی فیض اٹھاتے ہیں بیدار رہتے ہیں اور زیادہ تر عمدہ غذاؤں کا لطف حاصل کرتے ہیں تراویح سے پہلے تراویح کے بیچ میں اور تراویح کے بعد تین بار چائے کا دور چلتا ہے چونکہ آپ نے زیادہ تر علماء وصوفیہ کا فیض صحبت اٹھایا ہے اس لئے براہ کرم مجھ کو اور ناظرین سچ (اخبار) کو اس معاملہ میں اپنی معلومات سے فائدہ پہنچایئے اور یہ بتایئے کہ اس کی سند کیا ہے اور یہ حالت مقاصد صوم کے منافی ہے یا نہیں؟

← لو تركت على عادتها فروح الصوم وسره تضعف القوى ألتي هي وسائل الشيطان في القود إلى الشر، ولن يحصل ذلک إلا بالتقليل وهو أن يأكل أكلته ألتي كان يأكلها أكل ليلة أولم يصم فأما إذاجمع ماكان يأكل ضحوة إلى ماكان يأكل ليلا فلم ينتفع بصومه بل من الآداب أن لايكثر النوم بالنهار حتى يحس بالجوع والعطش ولستشعر ضعف القوى فيصفو عندذلک قلبه. (إحياء العلوم، كتاب اسرار الصوم، الفصل الثاني في اسرار الصوم وشروطه الباطنة، مكتبه نول كشور ۱/۱۳٤) شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تحقیق : بعد الحمد والصلوٰۃ تحقیق مقصود کے قبل بعض مبادی کی ضرورت ہے۔

(۱) احکام باعتبار ثبوت کے تین قسم ہیں۔ منصوص، اجتہادی، ذوقی، اجتہادی میں اجتہاد سے مراد وہ ہے جس کو فقہاء اجتہاد کہتے ہیں اور ایسے اجتہاد سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں وہ واقع میں نص ہی سے ثابت ہوتے ہیں اجتہاد سے صرف ظاہر ہو جاتے ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے: ''**القیاس مظھر لا مثبت**'' اور ذوقی وہ احکام ہیں جو نص کا مدلول نہیں، نہ بلا واسطہ جو منصوص کی شان ہوتی ہے نہ بواسطہ جیسے اجتہادیات کی شان ہوتی ہے بلکہ وہ احکام محض وجدانی ہوتے ہیں۔ اور اس ذوق واجتہاد میں فرق یہ ہے کہ احکام اجتہادیہ تو مدلولِ نص ہیں اور یہ مدلول نص نہیں اسی واسطے مجتہدین سے ایسے احکام منقول نہیں، نہ کسی پر اُن احکام کا ماننا واجب ہے محض اہل ذوق کا وجدان اُن احکام کا مبنیٰ ہوتا ہے البتہ ان میں بعض احکام ایسے ہوتے ہیں کہ اشارات کتاب وسنّت سے اُن کی تائید ہو جاتی ہے تو اس صورت میں اُن کا قائل ہونا جائز ہے۔ اور اگر کتاب وسنّت کے خلاف ہو تو اس کا رد واجب ہے اور اگر کتاب وسنّت سے نہ متائید ہوں نہ اُس کے خلاف ہوں تو اس میں جانبین میں گنجائش ہے۔ اسی طرح اگر ایک صاحبِ ذوق کو متائید معلوم ہوں اور دوسرے کو خلاف تب بھی اس میں جانبین میں گنجائش ہے اور اجتہادیات جز وفقہ ہیں اور ذوقیات جز وتصوّف۔

(۲) احکامِ اجتہادیہ کا مبنیٰ علّت ہوتی ہے۔ جس سے حکم کا تعدیہ کیا جاتا ہے۔ اور ذوقیات کا مبنیٰ محض حکمت اور وہ بھی غیر منصوص جس سے حکم متعدّی نہیں ہوتا نہ حکم کا وجود وعدم اُسکے ساتھ دائم ہوتا ہے اور یہ عدم دورانِ حکمت منصوصہ میں بھی عام ہے جیسے طواف میں رمل کہ اس کی بناء ایک حکمت تھی۔ مگر وہ مدار حکم نہیں رہی، مگر تمام مسائل تصوّف کو اس شان کا نہ سمجھا جاوے ان میں بھی بعض اجتہادی ہیں اور بعض منصوص بھی ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اُنمیں جو ذوقیات ہیں اُنکی یہ شان ہے جو مذکور ہوئی۔

(۳) ایک دوسرے اعتبار سے احکام کی اور دو قسمیں ہیں۔ مقاصد اور مقدمات یہ احکام ذوقیہ صرف مقدمات ہوتے ہیں مقاصد نہیں ہوتے۔ مقاصد صرف منصوص ہوتے ہیں یا اجتہادی۔

(۴) احکام منصوصہ واجتہادیہ شریعت ہے۔ احکام ذوقیہ شریعت نہیں البتہ اسرارِ شریعت انکو کہا جاسکتا ہے اور یہ سب مبادی ماہر قواعد شرعیہ کے نزدیک ظاہر ہیں اب مقصود عرض کرتا ہوں کہ مسئلہ زیر بحث نہ منصوص ہے نہ اجتہادی صرف ذوقی ہے اور ذوقی بھی مختلف فیہ۔ چنانچہ امام غزالیؒ کا یہی ذوق ہے

اور جو کچھ اس باب میں احیاء العلوم میں فرمایا ہے وہ اسی ذوق پر مبنی ہے اور ان کے نزدیک کچھ رمضان کی تخصیص نہیں۔ مطلق جوع کے باب میں وہ اسی کے قائل ہیں۔ اور بعض کا ذوق اس کے خلاف ہے؛ چنانچہ علی قاریؒ شرح شمائل ترمذی میں ابن الجوزیؒ سے نقل کرتے ہیں:

ومن جهلة الصوفية تقليل المطعم وأكل الدسم حتى ييبس بدنه ويعذب نفسه بلبس الصوف ويمتنع من الماء البارد وما هذه طريقة رسول الله ﷺ ولا طريقة صحابته واتباعهم وإنما كانوا يجوعون إذا لم يجد شيئاً فإذا وجدوا أكلوا. الخ (١) (من حاشية تقليل الطعام بصورة الصيام)

اور حضرت شاہ ولی اللہؒ **حجة الله البالغه أبواب الصوم** میں فرماتے ہیں:

ثم أن تقليل الأكل والشرب له طريقان أحدهما أن لا يتناول منهما إلا قدرًا يسيرًا و الثاني: أن تكون المدة المتخللة بين الأكلات زائدة على القدر المعتاد والمعتبر. في الشرائع: هو الثاني لأنه يخفف وينفه ويذيق بالفعل مذاق الجوع والعطش ويلحق البهيمية حيرة ودهشة ويأتي عليها اتياناً محسوسا والأول إنما يضعف ضعفا يمر به ولايجد بالاحتى يدنفه. وأيضا فإن الأول لايأتى تحت التشريع العام إلا بجهد فإن الناس على منازل مختلفة جداً. الخ (٢)

اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ مسئلہ متکلم فیہا میں ذوق مختلف ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسا ذوق اُقرب الی الکتاب والسنۃ ہے اس کا موازنہ ذوق کے مؤیدات میں غور کرنے سے ہوسکتا ہے۔ سو ذوق اول کے یہ مؤیدات ہوسکتے ہیں:

الف: كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون. أي كى تحذروا المعاصى فإن الصوم يعقم الشهوة التى هى امها أو يكسرها. (٣)

---

(١) جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب ماجاء في صفة إدام رسول الله صلى الله عليه وسلم، المطبعة الشرفية مصر ١/٤٠٢۔

(٢) حجة الله البالغة، من أبواب الصوم، الصوم ترياق لدفع السموم، مكتبه رشيدية دهلي ٢/٤٩۔

(٣) روح المعاني، سورة البقرة، تفسير رقم الآية: ١٨٣۔

ب: قال رسول الله ﷺ یامعشر الشباب من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج فإنه أغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فإنه له وجاء رواه الشیخان. (۱)

ج: احادیث فضیلت جوع وذم شبع مگران سب استدلالات میں شبہات ہیں:

(الف) میں یہ کہ یہ تفسیر متعین نہیں دوسری تفسیر بھی محتمل ہے۔ چنانچہ ابن جریر نے سدی سے نقل کیا ہے۔

فتتقون من الطعام والشراب والنساء مثل ما اتقوا قبلکم. (۲)

اور تفسیر نیشا پوری میں ہے:

لعلکم تتقون بالمحافظة علیها لقد مها وبعد أسطر أو لعلکم تنتظمون في سلک أهل التقویٰ فإن الصوم شعارهم. (۳)

اور اگر وہی تفسیر مان لی جاوے تب بھی دلالت علی المقصود میں یہ شبہ ہے کہ کسر قوت بہیمیہ تقلیل طعام پر موقوف نہیں۔ کما مر قریبا عن حجة الله البالغة وسیأتی أیضا اور (ب) میں یہ کہ اس میں صوم کی خاصیت بیان کی گئی ہے۔ تشریع صوم کی حکمت بیان نہیں کی گئی اور یہ خاصیت موقوف نہیں ہے تقلیل اکل پر۔ کیوں کہ تجربہ ہے کہ باوجود شبع من اللذّات کے رمضان میں ضعف معتدبہ ہو جاتا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ عادت تھی دو وقت رغبت کے ساتھ کھانے کی اور اب رغبت کے ساتھ صرف ایک وقت کھایا جاتا ہے۔ یعنی شام کو اور سحر کے وقت عادت نہ ہونے کے سبب رغبت سے نہیں کھایا جاتا؛ اس لئے وہ جزوِ بدن اور بدل ما یتحلل نہیں بنتا۔ پھر جب وقت معتاد آتا ہے عادت کے سبب طبیعت کو اشتیاق ہوتا ہے

---

(۱) صحیح البخاري، کتاب النکاح، باب قول النبي صلی الله علیه وسلم من إستطاع منکم البائة الخ: النسخة الهندیة ۲/۷۵۸، رقم: ٤٨٧٤، ف:٥٠٦٥۔

صحیح المسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه، النسخة الهندیة ۱/٤٤٩، بیت الأفکار الدولیة رقم: ١٤٠٠۔

(۲) تفسیر الطبري، سورة البقرة، تحت رقم الآیة: ١٨٣، مؤسسة الرسالة: ۳/٤١٣۔

(۳) تفسیر النیسابوري، سورة البقرة، تحت رقم الآیة: ١٨٣، مکتبه دارالکتب العلمیة بیروت ۱/٤٩٤۔

اور باوجود اشتیاق کے کھانے کو نہیں ملتا اس لئے طبیعت ضعیف ہوجاتی ہے۔ چنانچہ یہ ضعف عشرہ وسطیٰ میں کمی کے ساتھ اور عشرہ اخیرہ میں زیادتی کے ساتھ بیّن طور پر محسوس ہوتا ہے۔ البتہ اگر کئی مہینے کے روزے ہوتے تو چند روز میں کھانے کے اوقات معتادہ بدل جاتے، پھر رغبت سے دونوں وقت کھانا کھایا جاتا اور جزو بدن بنتا اور ضعف نہ ہوتا اور قوت شہویہ میں انکسار نہ ہوتا اور اسی راز سے صوم دہر پسند نہیں کیا گیا اور صوم داؤدی میں عادت قدیمہ نہیں بدلتی۔ اس لئے اُس کی اجازت مع بیان الفضیلت دی گئی۔ اور یہی تقریر (الف) میں بھی ہوسکتی ہے۔ کہ اگر اس تفسیر کو متعین بھی مان لیا جاوے تب بھی صوم ہر حالت میں قوت شہویہ کا کاسر ہے۔

وهذا هو الذى وعدناه قريبا في قولنا وسيأتى أيضا

اور (ج) میں یہ کہ احادیث فضل جوع وذم شبع (۱) میں یہ احتمال ہے کہ جوع سے مراد جوع اضطراری ہو یعنی اگر میسر نہ ہو تو اس کی فضیلت کو یاد کر کے صبر کرے۔ جیسے نصوص میں بیماری کے فضائل بیان کئے گئے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمداً بیمار ہوجایا کرے؛ چنانچہ آیت ''**ولنبلونكم الخ**'' میں جوع کو مصائب میں شمار فرمایا ہے، اور سب مصائب مذکورہ آیت غیر اختیاری ہیں تو جوع سے بھی مراد وہی ہوگا جو غیر اختیاری ہو، اسی طرح شبع مذموم میں یہ احتمال ہے کہ شبع مفرط یعنی فوق الشبع مراد ہو، چنانچہ ایک حدیث میں اکثرہم شبعا (۲) فرمایا ہے من شبع منہم نہیں فرمایا سوایسے شبع کو فقہاء نے بھی حرام فرمایا :

---

(۱) **عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أهل الشبع في الدنياهم أهل الجوع في الأخرةغداً.** (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۱/۲۱۳، رقم: ۱۱۶۹۳)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من جاع أواحتاج فكتمه الناس كان حقا على الله عزوجل أن يرزقه رزق سنة من حلال. (شعب الإيمان للبيهقي، السبعون من شعب الإيمان، باب في الصبر على المصائب، فصل في ذكر ما في الأوجاع والأمراض الخ: مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ۷/۲۱۵، رقم: ۱۰۰۵٤)

(۲) **عن ابن عمر قال: تجشا رجل عند النبي صلى الله عليه وسلم فقال: كف عنا جشاءك فإن أكثرهم شبعا في الدنيا أطولهم جوعا يوم القيٰمة.** (سنن الترمذي، أبواب صفة القيامة، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/۷٤-۷۵، مكتبه دار السلام، رقم: ۲٤۷۸)

سنن ابن ماجة، كتاب الأطعمة، باب الإقتصاد في الأكل و كراهة الشبع، النسخة الهندية ص: ۲٤۰، مكتبه دارالسلام رقم: ۳۳۵۱۔

كذا في الدرالمختار ورد المحتار كتاب الكراهة"(۱)

یہ تو ذوق اوّل کے مؤیدات پر کلام تھا، اب ذوق ثانی کے مؤیدات عرض کرتا ہوں، (د) حدیث میں ہے۔

"شهر يزاد فيه رزق المؤمن كذا في المشكوٰة عن البيهقى" (۲)

تو کیا یہ امر معقول ہے کہ زرق زائد تو رمضان میں دیا جاوے اور اس سے منتفع ہونے کے لئے شوال کے انتظار کا حکم دیا جاوے، (ہ) افطار کے وقت حضور ﷺ سے یہ قول منقول ہے:

ذهب الظماء وابتلت العروق وثبت الأجر، رواه أبوداود. (۳)

انشاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہے کہ ذہاب ظماء وابتلال عروق بدون سیراب ہو کر پانی پینے کے نہیں ہوسکتا اور باوجود اس کے وہ منقص اجر نہیں ہو؛ چنانچہ "وثبت الأجر" اس میں نص ہے اور کھانے اور پانی میں کوئی معقول فرق نہیں کہ ایک سے سیری پسندیدہ ہو اور دوسرے سے ناپسندیدہ ہو۔

(و) حدیث میں اشباع صائم کی فضیلت اور ثواب وارد ہے۔ (مشكوة عن البيهقي) (۴)

---

(۱) وحرام وهو مافوقه أي الشبع وهوأكل طعام غلب على ظنه أنه افسد معدته وكذا فيالشرب إلا أن يقصد قوة صوم الغد أولئلا يستحي ضيفه أو نحوذالک(الدر) وفيالرد: أطوال الناس عذابا أكثرهم شبعا. الخ (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، كراچي ٦/٣٣٩، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٤٨٩-٤٩٠)

(۲) عن سلمان الفارسي قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فيآخر يوم من شعبان (إلى أن قال) هو......شهرالصبروا لصبر ثوابه الجنة وشهر المواساة وشهر يزاد فيه رزق المؤمن الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، الفصل الثالث، مكتبه اشرفية ديوبند١/١٧٣) شعب الإيمان للبيهقي، باب في الصيام، فضائل شهر رمضان، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٣٠٥، رقم: ٣٦٠٨۔

(۳) عن مروان بن سالم المفقع قال: رأيت ابن عمر يقبض على لحيته فيقطع مازادت على الكف وقال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذاأفطرقال: ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الأجر إن شاء الله تعالىٰ. (سنن ابي داؤد، كتاب الصيام، باب القول عند الإفطار، النسخة الهندية ١/٣٢١، دارالسلام رقم:٢٣٥٧)

(۴) عن سلمان الفارسي قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في آخر يوم من شعبان فقال: يأيها الناس قد أظلكم شهر عظيم (إلى أن قال) ومن اشبع صائما سقاه الله ←

اگر شبع ناپسندیدہ ہوتا تو اشباع جو کہ اس کا سبب اور معین ہے وہ بھی ناپسندیدہ ہوتا ''لأن مقدمة الشیئ ملحق به'' نہ کہ موجب اجر ہوتا۔

(ز) شبع اور ری (یعنی پیٹ بھرنا اور سیرابی) تو مقدمات شہوت سے ہیں اور جماع خود قضاء شہوت ہے اگر شبع اور ری مفوّت رُوح صوم ہے تو جماع بدرجہ اولیٰ اس کا مفوّت ہے، مگر اس کی تقلیل کی کسی نے ترغیب نہیں دی بلکہ اس کی اجازت وسیعہ کو موقع امتنان میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (۱)

اور اس کے ساتھ کلوا و اشربوا کو بھی مقرون فرمادیا گیا ہے اور سب کیلئے غایت فرمائی:

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجر. (۲)

(ح) اگر تقلیل طعام فی رمضان کوئی امر مقصود ہے تو فضائل صوم کے ساتھ اس کی فضیلت اور منکرات صوم کے ساتھ شبع کی مذمت نصوص میں یا مجتہدین کے کلام میں کیوں نہیں وارد ہوئی، کیا اس سے أکملت لکم دینکم (۳) میں اشکال نہیں وارد ہوتا، یہ پانچ مؤیدات ہیں ذوق ثانی کے جو اس وقت ذہن میں حاضر ہوگئے اگر اہل ذوق اول ان تائیدات میں بھی کوئی خدشہ نکالیں، ہم کو مضر نہیں، کیونکہ احکام مختلفہ فیہا میں جانبین میں گنجائش ہوتی ہے، اس لئے اس کا بھی مطالبہ کیا جاوے گا کہ اہل ذوق اول بھی اہل ذوق ثانی پر طعن وتشنیع اور ان کی تحقیر و تقبیح نہ فرمادیں، کیونکہ ذوقیات میں ایسا اختلاف کوئی امر منکر نہیں ہے، چنانچہ قوم میں دعا، وترک دعاء کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور مباشرت اسباب وترک اسباب کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور بہت مسائل ایسے ہی ہیں اسی طرح یہ مسئلہ فقہی نہیں جس کا اتنا اہتمام کیا جاوے؛

← **من حوضي شربة لايظمأ حتى يدخل الجنة (الحديث)** (مشكاة المصابيح، كتاب الصوم، الفصل الثالث، مكتبه اشرفية ديوبند ١٧٤/١)

شعب الإيمان للبيهقي، باب في الصيام، فضائل شهر رمضان، دارالكتب العلمية بيروت ٣٠٥/٣، رقم:٣٦٠٨۔

(۱) سورة البقرة، رقم: الآية:١٨٧۔

(۲) سورة البقرة، رقم: الآية: ١٨٧۔

(۳) سورة المائدة رقم الآية:۳۔

چنانچہ فقہاء نے باوجود یہ کہ مستحبات تک کی تدوین فرمائی مگراس سے کہیں تعرض نہیں فرمایا اوراگر فقہی بھی ہوتا تو مختلف فیہ ہونے کی صورت میں پھر بھی یہی حکم ہوتا، اس تقریر سے امید ہے کہ اصل اجزاء مسئول عنہا کا جواب ہوگیا ہوگا، باقی بعض زوائد کے متعلق بھی کچھ مختصر عرض کئے دیتا ہوں۔

(۱) صحابہؓ کے وقت میں اہتمام نہ ہونا حجت نہیں کیونکہ ان کے یہاں ہر چیز میں سادگی تھی اسی عادت کے موافق بھی عمل تھا، نیز جب صحابہؓ کو رمضان کے لئے تکثیر اطعمہ کا اہتمام نہ تھا، اسی طرح رمضان کی خصوصیت سے تقلیل کا بھی اہتمام نہ تھا، پھر اس سے مدعا یعنی حکمت خاصہ کی بناپر اہتمامِ جوع بھی کیسے ثابت ہوا۔

(۲) اوراس کو تقریب بنالینا، اگر حدود کے اندر ہوتو کیا حرج ہے، خود حدیث میں ہے کہ رمضان کے لئے جنت کی زینت سال بھر تک ہوتی رہتی ہے، (مشکوۃ عن البیہقی) (۱) سو اگر اسکی تقلید میں یہاں بھی کچھ اہتمام ہوتو کیا حرج ہے۔

(۳) دعوتوں کا ہنگامہ یہ فرد ہے مواسات کی، حدیث میں اس کو شہر المواساۃ فرمایا گیا ہے (مشکوۃ عن البیہقی) (۲)

(۴) روزہ کشائی کی تقریب بھی ایک فرد ہے فرحت عند الفطر کی اولاد کی توفیق دین فرح کیوں مذموم ہو قرآن مجید میں اس کو قرۃ العین فرمایا گیا ہے۔

---

(۱) **عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الجنة تزخرف لرمضان من رأس الحول إلى حول قابل قال فإذا كان أول يوم من رمضان هبت ريح تحت العرش من ورق الجنة على الحور العين فيقلن يارب إجعل لنا من أزواجا تُقرّبهم أعيننا وتَقرُّأعينهم بنا**

(مشكاة المصابيح، كتاب الصوم، الفصل الثالث، مكتبه أشرفية ديوبند ۱/ ۱۷۴)

شعب الإيمان للبيهقي، باب في ا الصيام، فضائل شهر رمضان، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۱۲، رقم: ۳۶۳۳۔

(۲) **عن سلمان الفارسي قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في اٰخر يوم من شعبان فقال: يـأيها الناس قدأظللكم شهر عظيم شهر مبارک، شهر فيه ليلة خير من ألف (إلى أن قال) وهو شهر الصبر والصبر ثواب الجنة وشهر المواساة(الحديث).** (مشكاة المصابيح، كتاب الصوم، الفصل الثالث، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۱۷۳)

(۵) تعطیل مدارس کی راحت اوراعمال رمضان کے لیے کیوں منکر ہےاوروہ اس کے ساتھ عادۃً جمع نہیں ہوسکتے۔

(۶) صوفیہ کی طرف سے جواب دینا خودصوفیہ کے مذاق کے خلاف ہے، وہ بیچارے خودہی اپنے کو سب سے اخس اورادون سمجھتے ہیں، اپنی نصرت سے خوداس طرح منع کرتے ہیں۔

بامدعی مگوئیداسرارعشق ومستی بگزارتابمیر دددرنج خودپرستی

اس احقر کوصوفیہ کےاوراعمال میں توان کی تقلید کی توفیق نہیں ہوئی، مگر یہ رسم سُنکر جواب تک نہ سُنی تھی ضرورحرص ہوئی کہ واقعی چائے کا دورجاگنے کی اچھی تدبیر ہے، مگرحرص ہی ہوکررہ گئی۔اس لئے کہ پھر نیند سے محرومی ہوجائے گی جس میں اس سے زیادہ حریص ہوں اور جس طرح تقلیل طعام میں وہ ذوق پسند آیا جس میں شبع بھی ہاتھ آوےاسی طرح تقلیل منام میں وہ مسلک پسند ہے جومخل نوم نہ ہو، وہ مسلک یہ ہے:۔

حدیث: من صلی العشاء في جماعة فکأ نما قام نصف اللیل ومن صلی الصبح في جماعة فکأ نما صلی اللیل کله لما لک ومسلم۔(۱)

تفسیر: عن انس تتجافي جنوبهم عن المضاجع قال مابین المغرب والعشاء وعنه أیضًا نزلت في إنتظار الصلوٰة التی تدعی العتمة. (۲)

شعب الإیمان للبیهقي، باب في الصیام، فضائل شهر رمضان، دارالکتب العلمیة بیروت ۳۰۵/۳، رقم: ۳۶۰۸۔

(۱) رفعه مسلم إلی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم في صحیحه، کتاب المساجدومواضع الصلاة ، باب فضل صلاة الجماعة وبیان التشدید الخ: النسخة الهندیة ۲۳۲/۱، بیت الأفکار الدولیة ، رقم: ٦٥٦

عن عبد الرحمٰن بن أبي عمرة الأنصاري أنه قال جاء عثمان بن عفان إلی صلاة العشاء فرأی أهل المسجد قلیلا(إلی قوله) فقال له(ابن عمرة) عثمان من شهدالعشاء فکأنما قام نصف لیلة ومن شهد الصبح فکأنما قام لیلة (المؤطا للإمام مالك، العمل في القراءة، ماجاء في العتمه والصبح، مکتبه بلال دیوبند ص:٤٦)

(۲) تفسیر الطبري، سورة السجدة، تحت رقم الایة: ١٦، مؤسسة الرسالة: ۱۷۹/۲۰-۱۸۰۔

وعنه أيضًا في قوله تعالىٰ كانو قليلا من الليل ما يهجعون قال يتيقظون يصلون مابين هاتين الصلاتين مابين المغرب والعشاء وعن محمد بن على قال لا ينامون حتىٰ يصلوا العتمة وعن أبي العالية قال لا ينامون بين المغرب والعشاء (تفسير ابن جرير) (۱)

وفي الدر المنثور: (۲) كانوا لا ينامون الليل كله. اه فالقليل لا يقابل الكثير بل يقابل الجميع فهو في معنى البعض (كذا في بيان القرآن) (۳) أثر قال سعيد بن المسيب من شهد العشاء من ليلة القدر فقد أخذ بحظ منها (مؤطا الإمام المالكؒ) (۴)

قلت: وكانه تفسير للمرفوع من حرم خيرها فقد حرم (۵) فالذى شهد في جماعة لم يحرم خيرها.

اس نوم کی پسندیدگی سے وہ چائے کی حرص بھی جاتی رہی اور اپنی جی کو یوں سمجھا لیا کہ اللہ تعالیٰ نا کاروں کو بھی بخش ہی دیں گے۔ اس اُمید مغفرت پر کلام کو ختم کرتا ہوں اور چونکہ اس کی مقدار معتد بہ ہوگئی اس لئے اس کا لقب بھی بمناسبت مضمون کے تجویز کیے دیتا ہوں، یعنی "**كلمة القوم في حكمة الصوم**"

ضمیمہ : یہ بھی محتمل ہے کہ امام غزالیؒ کے ارشاد کو اختلاف ذوق پر محمول نہ کیا جائے، بلکہ اپنے زمانہ کے قویٰ کو دیکھ کر بطور مجاہدہ اس طریق کو تجویز فرمایا اور مجاہدہ زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتا ہے۔

---

(۱) تفسير الطبري، سورة الذاريات، تحت رقم الاٰية: ۱۷، مؤسسة الرسالة: ۲۲/۴۰۷-۴۰۸۔

(۲) الدر المنثور، سورة الذاريات، تحت رقم الاٰية: ۱۷، دارالكتب العلمية بيروت ۶/۱۳۴۔

(۳) مكمل بيان القرآن، تحت تفسير رقم الاٰية ۱۷، من سورة الذاريات، تاج پبليشرز دهلي ۱۱/۵۹۔

(۴) المؤطا للإمام مالك، قبيل كتاب الإعتكاف، مكتبه بلال ديوبند ص:۹۹۔

(۵) **عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أتاكم رمضان شهر مبارك فرض الله عزوجل عليكم صيامهُن فتح فيه أبواب السماء وتغلق فيه أبواب الجحيم وتغل فيه مردة الشيا طين لله فيه ليلة خير من الف شهر من حرم خيرها فقد حرم** (سنن النسائى، كتاب الصيام، باب فضل شهر رمضان، ذكر الإختلاف على معمر فيه، النسخة الهندية ۱/۲۳۰، دارالسلام رقم: ۲۱۰۶)

اب قویٰ ایسے ضعیف ہیں کہ اتنی تقلیل یقیناً طاعات مقصودہ میں مخل ہو جاوے گی، باقی یہ کہ حضرت امام نے عنوان تاکید سے کیوں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات صوفیہ پر بعض حالات کا یا بعض اصلاحات کا غلبہ ہوتا ہے اسمیں اس قسم کا عنوان بے ساختہ صادر ہو جاتا ہے اور اس مقام پر ایک اور نکتہ قابل سمجھنے کے ہے، گویا قواعد طریقت سے وہ رُوح ہے مسئلہ کی، وہ یہ کہ مقصود سالک کا حسب تصریح ائمہ تشبہ ہے ملائکہ کے ساتھ، اور یہ تشبہ جس طرح شبع مفرط سے فوت ہوتا ہے اسی طرح جوع مشوش سے بھی کیونکہ ملائکہ دونوں سے منزّہ ہیں اور یہ سب تحقیق اس تقدیر پر ضروری ہے کہ صوم میں حکمت کسر قوت شہوت کو مان لیا جائے ورنہ اگر وہ امر تعبدی ہو جیسا خود روزہ کا عدد کہ اسمیں کوئی حکمت معلوم نہیں تو ان تمام سوال و جواب ہی کی گنجائش نہیں، اور بعض الفاظ حدیث سے یہ احتمال تعبد کا ظاہر اور قوی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

من صام رمضان إيمانا واحتسابا رواه الشيخان (۱) حيث جعل الباعث عليه الإيمان وطلب الثواب لا شيئًا من الحكمة والمصلحة وهذا هو التعبد والله اعلم.

۲۵ رشعبان ۱۳۵۲ھ (النور، ص: ۹ شوال ۵۳ھ)

روزہ کی نیت رات سے کرنے کی روایات میں تطبیق

سوال (۹۴۳): قدیم ۲/۱۲۲- کتاب بہشتی زیور (۲) حصہ سوم میں صفحہ: ۳ رزیر عنوان: ''رمضان شریف کے روزہ کا بیان'' یہ مسئلہ درج ہے۔

---

(۱) **عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من صام رمضان إيمانا وإحتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه (الحديث)** (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب فضل ليلة القدر، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۰، رقم: ۱۹۶۹، ف: ۲۰۱٤)

صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في قيام رمضان الخ: النسخة الهندية ۱/۲۵۹، بيت الأفكار الدولية رقم: ۷٦۰۔

سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، أبواب شهر رمضان، باب في قيام شهر رمضان، النسخة الهندية ۱/۱۹٤، دارالسلام رقم: ۱۳۷۲۔

(۲) اختری بہشتی زیور، رمضان شریف کے روزے کا بیان، کتب خانہ اختری حصہ سوم ص: ۳۔

مسئلہ: اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کو ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے پہلے رمضان کے روزہ کی نیت کر لینا درست ہے'' خاکسار نے رمضان شریف کے پہلے اس مسئلہ کو دیکھا تھا اور اسی کے موافق سفر میں چند روزے رکھے، بعض دفعہ خیال ہوا کہ اگر دس گیارہ بجے تک سفر میں زیادہ تکان یا تکلیف محسوس نہ ہوئی، تو روزہ رکھ لوں گا ورنہ نہیں رکھوں گا، چنانچہ چند روزوں کی نیت دس بجے دن کے وقت کی، اس وقت میں کتاب تیسیر الوصول الی جامع الاصول مترجم اردو کا چوتھا حصہ دیکھ رہا ہوں، اس میں صفحہ: ۵ پر روزے کی نیت کے بیان میں یہ احادیث درج ہیں۔

عن حفصةؓ قالت: قال رسول اللهﷺ: من لم يُجمع الصيام قبل الفجر فلا صيام له أخرجه أصحاب السنن. (۱)

وعن عائشة وحفصة رضى الله تعالىٰ عنهما أنهما قالتا: لا يصوم إلا من اجمع الصيام قبل الفجر أخرجه مالك (۲) والنسائي (۳)

ان کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ جس نے قبل فجر کے روزہ کی نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں، حضور براہ مہربانی جلد فرمائیں کہ اس کتاب میں یہ احادیث درج ہیں یہ صحیح ہیں یا نہیں؟ اور اگر صحیح ہیں تو پہلے مسئلہ سے ان کی تطبیق کیا ہے اور خاکسار نے جو روزے ایسے رکھے جن کی نیت دس بجے کے قریب کی وہ ہو گئے یا نہیں؟

---

(۱) سنن ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء لاصيام لمن لم يعزم الخ: النسخة الهندية ۱/ ۱۵٤، مكتبه دارالسلام، رقم: ۷۳۰۔

سنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب النية فى الصيام، النسخة الهندية ۱/ ۳۳۳، مكتبه دارالسلام، رقم: ۲٤٥٤۔

سنن نسائي، كتاب الصيام، ذكر اختلاف الناقلين لخبر حفصة، النسخة الهندية ۱/۲٤۹، مكتبه دارالسلام، رقم: ۲۳۳۳۔

عن حفصة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاصيام لمن لم يفرضه من الليل.

(سنن ابن ماجة، كتاب الصيام، باب ماجاء في فرض الصوم من الليل، النسخة الهندية ص: ۱۲۲، مكتبه دارالسلام، رقم: ۱۷۰۰)

(۲) المؤطا للإمام مالك، كتاب الصيام، من اجمع الصيام قبل الفجر، مكتبه بلال ديوبند ص: ۸٦۔

(۳) سنن نسائي، كتاب الصيام، ذكر اختلاف الناقلين لخبر حفصة الخ: النسخة الهندية ۱/ ۲٥۰، مكتبه دارالسلام، رقم: ۲۳٤۱۔

الجواب: روی مسلم عن عائشة قالت: دخل النبی ﷺ ذات یوم فقال هل عندکم شيء فقلت یارسول اللہ ما عندنا شيء فقال فإني صائم الحدیث (۱) وروی الشیخان (۲) وغیرهما أن النبی ﷺ بعث رجلا ینادی في الناس یوم عاشوراء ان من اکل فلیصم (أي لیمسک) بقیة یومه ومن لم یأ کل فلایأ کل (التعلیق المجد) (۳)

پہلی حدیث سے نفل کی نیت دن میں اور دوسری حدیث سے فرض روزہ کی نیت دن میں معلوم ہوتی ہے کیونکہ اولاً روزہ عاشورہ کا فرض تھا'' به ورد کثیر من الأخبار کما أخرج الطحاوي'' (۴)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب جواز صوم النافلة من النهار الخ: النسخة الهندیة ۱/۳٦٤، بیت الأفکارالدولیة رقم: ۱۱٥٤۔

(۲) صحیح البخاري، کتاب الصوم، باب إذا نوی بالنهارصوما، النسخة الهندیة ۱/۲٥۷، رقم:۱۸۸٥،ف:۱۹۲٤۔

صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، النسخة الهندیة ۱/۳٦۰، بیت ا لأفکار الدولیة رقم: ۱۱۳٥۔

سنن نسائي، کتاب الصیام، إذالم یجمع من الیل هل یصوم الخ: مکتبه دارالسلام رقم: ۲۳۲۱۔

(۳)التعلیق الممجد علی هامش المؤطا للإمام محمد، کتاب الصوم، باب النیة فی الصوم من اللیل، نبراسي بك ڈپو دیوبند ص:۱۹۱۔

(۴) عن الربیع بنت معوذ قال سألتها عن صوم یوم عاشوراء فقالت: بعث رسول الله صلی الله علیه وسلم في الأمصار: من کان أصبح صائما فلیقم علی صومه ومن کان أصبح مفطرا فلیتم أخر یومه فلم نزل نصومه بعد ونصومه صبیاننا وهم صغار ونتخذ لهم اللعبة من العهن فإذا سألونا الطعام اعطینا هم اللعبة.

وعن عائشة رضي الله عنها أخبرته أن رسول الله صلی الله علیه وسلم أمر بصیام یوم عاشوراء قبل أن یفرض رمضان فلما فرض رمضان فقال من شاء صام عاشوراء ومن شاء أفطر.

وعن جابر بن سمرة رضي الله عنه قال: کان رسول اللهصلی الله علیه وسلم یأمرنا بصوم عاشوراء ویحثنا علیه ویتعاهدنا علیه فلما فرض رمضان لم یامرنا ولم ینهناولم یتعاهدنا علیه←

عن الربیع وعائشۃ وعن جابر وعن قیس وفي الباب اخبار اخر مخرجۃ ۔ في السنن والصحاح (التعلیق الممجد) (۱) اور رمضان بوجہ موقت ہونے کے مشابہ روز عاشورہ کے ہے جو اول فرض تھا، پس نفل اور موقت فرض میں دن کو بھی نیت جائز ٹھہری، پس لامحالہ تطبیق بین الاحادیث کے لئے احادیث مذکورۂ سوال محمول ہوں گی ان صیام کے غیر پر جیسے قضاء وکفارہ ونذر مثلاً، آپ کے روزے بلاشبہ صحیح ہوگئے۔

۲۵ ر رمضان المبارک ۱۳۳۲ ہجری (تتمہ ثانیہ، ص: ۱۶۷)

بچے کو نماز کی طرح مار کر روزہ رکھوانے کا حکم

سوال (۹۴۴): قدیم ۲/۱۲۳- بہشتی زیور مسئلہ نمبر: ۱۲ جب لڑکا یا لڑکی روزہ رکھنے کے لائق ہوجاویں تو ان کو بھی روزہ کا حکم کرے، اور جب دس برس کی عمر ہوجاوے تو مار کر روزہ رکھاوے، اگر سارے روزے نہ رکھ سکے تو جتنے رکھ سکے رکھادے، (بہشتی زیور حصہ (۲) ص: ۲۳ مجتبائی دہلی، مسئلہ نمبر: ۱۴ فتاویٰ رشیدیہ) جب کہ بچوں کیساتھ حکم نماز کا بعمر سات برس کے سکھلانے کا ہے اور دس برس کے بعد مارنے کا تو کیا روزہ کی نسبت بھی یہی حکم ہے؟

الجواب: روزہ کی نسبت یہ حکم نہیں (۳) فقط (ص: ۱۳۴ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم قاسمی دیوبند) بظاہر دونوں کتابوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، واضح فرمایا جاوے۔

← **عن قیس بن سعد بن عبادۃ قال: أمرنا بصوم عاشوراء قبل أن یفرض رمضان فلما فرض رمضان لم نؤمر ولم ننہ عنہ ونحن نفلہ.** (طحاوي شریف، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۳۰-۱۳۱، رقم: ۳۱۹۸-۳۲۰۳-۳۲۰۶)

(۱) التعلیق الممجد علی ہامش المؤطا للإمام محمد، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، نبراس بك ڈپو دیوبند ص: ۱۹۲۔

(۲) اختری بہشتی زیور، روزہ کے فدیہ کا بیان، کتب خانہ اختری، حصہ سوم ص: ۲۱

غیر مدلل مکتبہ ادارۂ اشاعت دینیات دہلی ۳/ ۱۴۷

(۳) اور جواب میں فتاوی رشیدیہ حصہ دوم مکتبہ قاسمی دیوبند کے حوالہ سے یہ عبارت ہے روزہ کی نسبت یہ حکم نہیں۔ فقط ←

الجواب: **في الدر المختار أول كتاب الصلوٰة بعد ذكر حديث مروا أولادكم بالصلوٰة وهم أبناء سبع واضربوهم عليها وهم أبناء عشر مانصه والصوم كالصلوٰة على الصحيح كما في صوم القهستاني معزيا للزاهدى. اھ (۱)**

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں دو قول ہیں، پس ایک کتاب میں ایک قول کو لے لیا گیا، دوسری کتاب میں دوسرے قول کو لے لیا گیا، پس کچھ اشکال نہیں۔ واللہ اعلم

۲/ ذیقعدہ ۵۴ھ (النور، ص: ۲۰ ذیقعدہ ۵۵ھ)

← ہمارے پاس فتاوی رشیدیہ کا ایک نسخہ مکتبہ زکریا دیوبند موجود ہے اس میں جواب اس کے خلاف ہے اور اس کی عبارت یہ ہے۔

جواب روزہ کی نسبت بھی یہی حکم ہے، ملاحظہ فرمائے فتاوی رشیدیہ مبوّب مکتبہ زکریا دیوبند مسئلہ ۶۸۴۔

اور پرانہ نسخہ جو مکتبہ گلستاں کتاب گھر دیوبند کا اس میں وہی عبارت ہے، جس کو لیکر سائل نے حضرتؒ سے سوال کیا ہے، کہ روزہ کی نسبت یہ حکم نہیں فقط۔ ص: ۴۵۰

لہٰذا حضرتؒ کا جواب اسی نسخہ کے مطابق ہے، اور یہی حکم بھی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، كراچي ۱/ ۳۵۲، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبنا عشر وفرقوا بينهم في المضاجع. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، دارالسلام رقم: ۴۹۵)

قال الرازي: يؤمر الصبي إذا أطاقه وذلك أبوجعفر إختلاف مشايخ بلخ رحمه الله تعالى فيه والأصح أنه يؤمر وهذا إذا لم يضر الصوم ببدنه فإن أضر لايؤمر به وإذا أمر فلم يصم فلا قضاء عليه وسئل أبوحفص أيضرب ابن عشر سنين على الصوم قال اختلفوا فيه والصحيح أنه بمنزلة الصلاة هكذا في الزاهدى. (هندية، كتاب الصوم، الباب السابع في الإعتكاف، المتفرقات، قديم زكريا ۱/ ۲۱۴، جديد ۱/ ۲۷۸)

النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتة زكريا ديوبند ۲/ ۳۴۔

رمضان وغیرہ کے چاند کی شہادت سے متعلقہ بعض مسائل

سوال (۹۴۵): قدیم ۲/۱۲۴- ہلال رمضان کی شہادت بقاعدۂ شرعیہ باہر سے غیر قاضی کے پاس آوے اور قاضی اس کو تسلیم نہ کرے تو اس شخص کے لئے ۳۰/رمضان کے صوم کا کیا حکم ہے جب کہ قاضی اور عام اہل شہر کے نزدیک وہ ۲۹/تاریخ ہے اور ابر کی وجہ سے رویت نہ ہو، جیسا کہ امسال ہوا اور آیا اس پر ضروری ہے کہ عام اہل اسلام کو اس شہادت معتبرہ کا اور اس کی بناء پر ایک روزے کی قضاء کا اعلام کرے یا عرفي قاضی پر چھوڑ دے کہ مرجع عوام شہر وہی سمجھا جاتا ہے اور اسی پر اعلان اور عدم اعلان کا بار رہے، بہرحال قاضی عرفي کے اختلاف پر یہ شخص اپنے اذعان اور شہادت معتبرہ مامون من التزویر میں کن کن باتوں کا مامور ہے؟

الجواب: ظاہراً قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے ساتھ اختلاف نہ کرے نہ عملاً نہ اعلاماً یا اعمالاً (۱)

← **ویؤمر الصبي بالصوم إذا اطاقه وعن محمد أنه یؤدب حینئذٍ وقال أبو حفص: أنه یضرب ابن عشر سنا علی الصوم کما علی الصلاة وهو الصحیح فلو لم یصم لیس علیه القضاء کما في الزاهدي.** (مجمع الأنهر، کتاب الصوم، قبیل الفصل الأول نذر صوم یومي العید الخ: دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۳۷۳)

حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الصوم، فصل في العوارض، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۲۰۳، مکتبه إمدادیة ملتان ۱/۳۳۹۔

(۱) **أمر السلطان إنما ینفذ إذا وافق الشرع وإلا فلا (الدر المختار) أي یتبع ولا تجوز مخالفته (إلی قوله) إن طاعة الإمام في غیر معصیة واجبة فلو أمر بصوم یوم وجب** (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب طاعة الإمام واجبة، مکتبه زکریا دیوبند ۸/۱۱۷، کراچي ۵/۴۲۲)

إذا کان فعل الإمام مبنیا علی المصلحة فیما یتعلق بالأمور العامة لم ینفذ أمره شرعا إلا إذا وافقه (ألأشباه) وفی هامش الحموي: إطاعة الإمام فی غیر المعصیة واجبة فلو أمر الإمام بصوم یوم وجب. (شرح الحموي مع الأشباه، کتاب الفن الأول في القواعد الکلیة، النوع الثاني، القاعدة الخامسة، مکتبه زکریا دیوبند جدید ۱/۳۳۱، قدیم، ص:۱۸۹)

تعذر کے وقت اس باب خاص میں وہ قائم مقام قاضی شرعی کے ہے،(۱) البتہ جب قاضی کی خطا اس کو متیقن ہوجائے تو خاص لوگوں کو حقیقت کی اطلاع ایسے طور سے کردے کہ تشویش وفتنہ نہ ہو۔

۵/شوال ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ،ص:۵۵)

---

(۱) **إذا لم يكن سلطان ولامن يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الاٰن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولى قاضيا ويكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا إماما يصلي بهم الجمعة.** (شامي، كتاب القضاء، مطلب في حكم تولية القضاء في بلاد تغلب عليهم الكفار، مكتبه زكريا ديوبند ٤٣/٨ ،كراچي ٣٦٩/٥)

البحرالرائق، كتاب القضاء، فصل في التقليد، مكتبه زكريا ديوبند ٤٦١/٦ ، كوئٹه ٢٧٤/٦ـ

العالم الثقة في بلدة لاحاكم فيه قائم مقامه. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصوم، مكتبه بلال ديوبند ٢٤٦/١) ***شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ***

۳/ باب ما يفسد به الصوم أو يكره وما يوجب القضاء والكفارة

بیان اُن چیزوں کا جن سے روزہ فاسد یا مکروہ ہوتا ہے اور قضاء یا کفارہ لازم آتا ہے۔

حقہ پینا مفسدِ صوم ہے یا نہیں؟

سوال (۹۴۶): قدیم ۲/۱۲۴- حقہ مفطر صوم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کن وجوہ سے اور روزہ حقہ سے افطار کیا جا سکتا ہے یا نہیں روزہ میں کوئی نقص تو نہیں آوے گا؟

الجواب: في الدر المختار: ولو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان (إلی قوله) فليتنبه له في رد المحتار: وبه علم حكم شرب الدخان ونظمه شرنبلالی في شرحه علی الوهبانية بقوله ۔

ويمنع من بيع الدخان وشربه — وشاربه في الصوم لا شك يفطر
ويلزمه التكفير لوظن نافعا — كذا دافعا شهوات بطن فقرروا (۱)

اس روایت میں تصریح ہے کہ حقہ پینا مفسد صوم ہے اور موجب کفارہ (*) رہا خود اس سے افطار کرنا جو شخص بعذر پیتا ہے اس کیلئے مکروہ نہیں، اور جو محض شوقاً وشغلاً پیتا ہے اس کے لئے مکروہ ہے۔

۱۰/ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد، ج:۱،ص:۱۷۳)

(*) افطار کو نفس شرب پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے؛ کیونکہ نفس شرب کا حکم ضرورت وعدم ضرورت سے مختلف ہوسکتا ہے، مگر افطار میں کوئی ضرورت نہیں ہے؛ اس لئے افطار میں مطلقاً کراہت ہونی چاہئے۔

إلا إذا لم يكن هناك مفطر ما آخر۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص:۳۱۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۶٦، كراچي ۲/۳۹۵۔

من أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأي صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبراً ←

انزال کے ساتھ بوس وکنار موجب قضا ہے

سوال (۹۴۷): قدیم ۲/۱۲۵- ایک شخص نے نیت روزہ رمضان کی کی اور علی الصباح اتفاقیہ طور پر زوجہ سے اختلاط کیا، حالت اختلاط میں بحالت بے اختیاری انزال ہوگیا، اسی وقت اُس نے غسل کیا اور نماز صبح باجماعت ادا کی، اور تمام دن روزے سے رہا، ایسی حالت میں اس شخص کو قضاء اور کفارہ دونوں دینا چاہیئے؟ یا صرف قضاء کرے یا قضاء کفارہ دونوں معاف ہیں کیا صبح صادق سے طلوع آفتاب تک وہی احکام ہوں گے جو بعد طلوع آفتاب یا غروب کے ہیں؟

← **أوعود أوغيرهما حتى من تبخر ببخور فاٰواه إلى نفسه واشتم دخانه ذاكرا الصومه أفطر لا مكان التحرز عن إدخال المفطر جوفه ودماغه (إلى قوله) وسنذكر الكفارة بشربه، فقال في باب ما يفسد به الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء وعلى هذا البدعة التي ظهرت الأن وهو الدخان إذا شربه في لزوم الكفارة نسأل الله العفو والعافية.** (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب في بيان ما لا يفسد الصوم، دارالكتاب ديوبند ص: ٦٦٠-٦٦٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٥/٢٨)

ما يفسد الصوم ويوجب القضاء والكفارة معا وهو إثنان وعشرون شيئاً تقريبًا إذا فعل الصائم المكلف منها شيئًا مبيتا النية في أداء رمضان متعمدًا طائعًا غير مضطر ولم يطرأ ما يبيح الفطر بعده كمرض أو قبله كسفر (إلى قوله) الأول: أن يتناول غذاء أو ما في معناه بدون عذر شرعي كالأكل والشرب والدواء والدخان المعروف والأفيون، والحشيش ونحوهما من المحذرات. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصيام، المبحث السابع ثانيًا ما يفسد الصوم ويوجب القضاء والكفارة معًا، هدىٰ انٹرنیشنل دیوبند ٥٧٥/٢-٥٧٦)

تجب الكفارة في شرب الدخان عند الحنفية والمالكية فإنه ربما أضر البدن؛ لكن تميل إليه بعض الطباع وتنقضي به شهوة البطن يضاف إلى ذلک أنه مفتر وحرام لحديث أمّ سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: نهي رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كل مسكر ومفتر.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٦٠-٦١) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الهداية: ولو أنزل بقُبلة أو لمس فعليه القضاء دون الكفارة.(۱)
اس سے ثابت ہوا کہ اگر بوس وکنار سے انزال ہوجاوے تو اس روزے کی قضاء لازم آوے گی کفارہ نہ ہوگا؛ لیکن اُس روز بھی کھانا پینا دن بھر جائز نہ ہوگا (۲) اور یہ جواب اس صورت میں ہے کہ سوال میں اختلاط سے مراد بوس وکنار ہو اور اگر مراد صحبت وجماع ہے تو دوسر جواب ہے کہ قضاء وکفارہ

---

(۱) الهداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۲۱۷۔

عن الهزهاز: أن ابن مسعودؓ قال: في القبلة للصائم قولا شديدًا يعنى يصوم مكانه وهذا عندنا فيه إذا قبل فأنزل. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصيام، باب وجوب القضاء على من قبل فأنزل، دار الفكر بيروت ٦/ ٢٦١، رقم: ٨١٨٩٨)

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصيام، باب ما قالوا في الصائم حين يمنى۔ مؤسسة علوم القرآن بيروت ٦/ ٢٥٩، رقم: ٩٥٧٢۔

قيل ولو قبلة فاحشة بأن يدغ أو يمص شفتيها أو لمس ولو بحائل لا يمنع الحرارة...... فأنزل...... قضي في الصور كلها فقط. (شامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٧٩، كراچي ٢/ ٤٠٤)

فان أنزل بقبلة أو لمس فعليه القضاء دون الكفارة. (الجوهرة النيرة، كتاب الصوم، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٦٧۔

لو أنزل بالقبلة لا يثبت به حكم المصاهرة ويفسد به الصوم ولو أنزل بقبلة فعليه القضاء لوجود معنى الجماع وهو الإنزال بالمباشرة دون الكفارة لقصور الجناية فانعدم صورة الجماع (إلى قوله) والمس في جميع ما ذكرنا كالقبلة. (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٧٠-١٧١، امدادية ملتان ١/ ٣٢٤)

(٢) **والأخيران يمسكان بقية يوممهما وجوبًا على الأصح وتحته في الشامية: وقيل يستحب وأجمعوا على أنه لا يجب على الحائض والنفساء والمريض والمسافر وعلى لزومه لمن أفطر خطأً أو عمدًا أو يوم الشك ثم تبين أنه رمضان.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم، مطلب في جواز الافطار بالتحرى، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٨٣، كراچي ٢/ ٤٠٧)

دونوں لازم ہیں جیسا کہ ظاہر ہے (۱) اور طلوع صبح صادق کے بعد کے وقت کا وہی حکم ہے جو طلوع آفتاب کے بعد کا حکم ہے۔ (۲) واللہ اعلم

۱۱/ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ (امداد، ج:۱ص:۱۷۶)

حالت صوم میں گھوڑا دوڑاتے وقت انزال کا حکم

سوال (۹۴۸): قدیم ۲/ ۱۲۵- ایک شخص کو بعض اوقات یہ بات پیش آتی ہے کہ جسوقت گھوڑے پر سوار ہو کر اس کو دوڑاتا ہے تو شرمگاہ حرکت کر کے منی کو ذکر خارج کرتا ہے حسب اتفاق ایک روز ماہ رمضان میں روزہ کی حالت میں گھوڑے پر سوار ہو کر ایک جگہ جاتا تھا یہی واقعہ پیش آیا، اس بارہ میں جو حکم شرع شریف ہو مطلع فرمائیے گا، کیا کفّارہ ہو گا یا قضاء؟

---

(۱) **ومن جامع في أحد السبيلين عامدًا فعليه القضاء والكفارة.** (هداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۲۱۹)

هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد ومالا يفسد النوع الثاني ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲۰۵، جديد ۱/ ۲۶۷۔

الصائم إذا جامع امرأته متعمدًا في نهار رمضان فعليه القضاء والكفارة إذا توارت الحشفة أنزل أو لم ينزل. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل الثالث فيما يفسد الصوم وفيما لا يفسد، الجنس في المجامعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۲۵۹)

(۲) **قال أصحابنا وقت الصوم من حين يطلع الفجر الثاني وهو الفجر المستطير المنتشر في الأفق إلى غروب الشمس.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الأول في بيان وقت الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۵۳، رقم: ۴۵۴۷)

المحيط البرهاني، كتاب الصوم، الفصل الأول في بيان وقت الصوم، المجلس العلمي بيروت ۳/ ۳۳۴، رقم: ۳۰۴۰۔

هندية، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه وتقسيمه وسببه ووقته، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۹۴، جديد ۱/ ۲۵۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اس پر نہ قضاء ہے نہ کفارہ، بلکہ اس کا روزہ صحیح اور باقی ہے۔(*)

في الدرالمختار أو إحتلم أو أنزل بنظر أو بفكر. اھ (۱) قلت وهذا المسئول عنه دونه كما هو ظاهر والله أعلم و أيضا في الدرالمختار: أومس فرج بهيمة أو قبلها فأنزل إلىٰ قوله لم يفطر. اھ (۲) قلت وهذا المسئول عنه دونه أيضاً.

۱۸/رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد، ج:۱،ص:۱۷۸)

(*) احتیاطًا قضاء رکھدینا چاہئے، اس جواب پر بھی بعض علماء نے کلام کیا ہے، جو ملحقات تتمہ اولیٰ ص:۳۲۶ کے حوالہ سے اس کے بعد سوال نمبر:۹۴۹/میں درج ہے اور تصحیح الاغلاط ص:۱۳۱/میں اس پر کلام کرکے احتیاطًا قضا کرنے کا حکم لکھا ہے۔۱۲ محمد شفیع غفرلہ

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب يكره السهر إذا خاف فوت الصبح، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳٦۷، كراچي ۲/۳۹٦۔

وإذا نظر إلى امرأة بشهوة في وجهها أو فرجها كرر النظر أو لا لا يفطر إذا أنزل وكذا لا يفطر بالفطر إذا أمنى. (هندية، كتاب الصوم، الفصل الرابع ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۲۰٤، جديد ۱/۲٦٦)

وإذا نظر إلى امرأته بشهوة فامنى وهي الخانية أو تفكر فامنى لا يفسد وفي الظهيرية. وكذا إن إحتلم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الرابع، ما يفسد الصوم ومالا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۸٦، رقم: ٤٦٥۲)

أو احتلم أو أنزل بنظر أي لا يفطر لحديث السنن لا يفطر من قاء ولا من احتلم ولا من احتجم. (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۹۹-٤۰۰، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۷۲-۳۷۳)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لايفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۷۲-۳۷۳۔

لو مس فرج بهيمة أو قبلها فأنزل لم يفسد صومه إجماعًا. (النهر الفائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكرياديوبند ۲/۱٦)

وإن مس فرج بهيمة فأنزل لا يفطر كذا في الذخيرة. (الجوهرة النيرة، كتاب الصوم، دار الكتاب ديوبند ۱/۱٦۷)

لو قبل بهيمة أو مس فرجها فأنزل لا يفسد صومه بالإجماع. (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱٦۹، امدادية ملتان ۱/۳۳۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۹۴۹): قدیم ۲/۱۲۶- شرمگاہ سے بوقت سواری اسپ حرکت کر کے منی نکلے، روزہ جاتا رہا یا نہیں؟

الجواب: نہ۔

تسامح: (۱) درلفظ قلت وہذا المسئول دونہ۔

اصلاح تسامح: (۲) از تجربہ معلوم ست کہ بوقت سواری فرج بسرج سودہ میشود بسبب حرکت اسپ از مزاج رقیق منی بدفق وشہوت ولذت بیروں می آید اغلب کہ مراد سائل ہمیں طور ست پس ازیں قاعدہ وعبارت رد المحتار روزہ آں شکستہ معلوم میشود قضاء ست کفارہ نیست۔

قوله (أو مس فرج بهيمة أو قبلها فأنزل) وكذا لا يفسد صومه بدون إنزال بالأولىٰ ونقل في البحر: وكذا الزيلعي وغيره الإجماع على عدم الإفساد مع الإنزال واستشكله في الإمداد بمسئلة الاستمناء بالكف.

---

(۱) **تسامح کا ترجمہ**: لفظ "قلت وهذا المسئول دونه" میں تسامح ہے۔

(۲) **اصلاح تسامح کا ترجمہ**: تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت میں شرمگاہ اس کی زین سے مس کرتی ہے اور گھوڑے کے حرکت کرنے کی وجہ سے شرم گاہ سے شہوت ولذت کے ساتھ اچھل کر مادۂ منویہ باہر آتا ہے اور اغلب یہ ہے کہ سائل کی مراد سوال مذکور سے یہی ہے؛ لہٰذا قاعدہ اور شامی کی عبارت سے اس کے روزے کا فساد معلوم ہوتا ہے، جس میں صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ **قوله: أو مس فرج بهيمة أوقبلها (إلى قوله) من فيض الفتاح العليم**۔ اھ ظاہر ہے کہ ہماری بحث جس سے متعلق ہے اس میں فرج (شرمگاہ) کی مباشرت ہے نہ کہ فرج (شرمگاہ) میں مباشرت ہے جو کہ استمناء بالکف، استمناء بالتفخیذ اور استمناء بالتبطین کے مشابہ ہے؛ اس لئے کہ شرمگاہ کے زین سے لگنے کے بعد انزال ہوا ہے، جس سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے بر خلاف اس صورت کے جس میں جانور کی شرمگاہ کو چھونے یا بوسہ دینے، تصور و بدنظری کی وجہ سے انزال ہوا ہے ہو کہ اس صورت میں شرم گاہ مباشر (مس کرنے والی) نہیں ہے؛ لہٰذا جو مسئلہ یہاں زیر بحث ہے وہ جانور کی شرم گاہ کو مس کرنے اور تصور و بدنظری کے مسئلے سے بڑھ کر ہے نہ کہ کم پس غور کرلیا جائے؛ اس لئے کہ مسئلہ انتہائی دقیق اور مشکل ہے اور اعتدال سے کام لیا جائے؛ اس لئے کہ اعتدال ہی بہترین اوصاف میں سے ہے؛ چونکہ کوئی خاص جزئیہ دستیاب نہیں ہوسکا؛ اس لئے جناب مجیب قدس سرہ اس جواب میں غور وفکر کے ساتھ نظر ثانی فرمائیں؛ اس لئے کہ شامی کی درج ذیل روایت نے بندہ کو خوف خشیت میں ڈال رکھا ہے جس کی وجہ سے بدن پر لرزہ طاہری ہوگیا ہے کیا بعید ہے: اس لئے کہ ہماری مثالیں مسئلہ کو فتوی پر قیاس کر کے دی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی درستگی تک پہونچانے والا ہے، غلطی سے بچانے والا ہے۔ **قوله: القاضي إذا قاس مسئلة على مسئلة (إلى قوله) الخصومة معهما۔**

قلت: والفرق أن هناك إنزالاً مع مباشرة بالفرج وهنا بدونها وعلیٰ هذا فالأصل إن الجماع ،المفسد للصوم هو الجماع صورة وهو ظاهر ومعنی فقط وهو الإنزال عن مباشرة بفرجه لا في فرج أو في فرج غير مشتهی عادة أو عن مباشرة بغير فرجه في محل مشتهی عادة ففي الإنزال بالكف أو بتفخيذ أو بتبطين وجدت المباشرة بفرجه لا في فرج وكذا الإنزال بعمل المرأتين فإنها مباشرة فرج بفرج لا في فرج وفي الإنزال بوطی ميتة أوبهيمة وجدت المباشرة بفرجه في فرج غير مشتهی عادة وفي الإنزال بمس اٰدمی أو تقبيله وجدت المباشرة بغير فرجه في محل مشتهی أما الإنزال بمس أو تقبيل بهيمة فإنه لم يوجد فيه شئی من معنی الجماع فصار كالإنزال بنظر أو فكر فلذا لم يفسد الصوم إجماعًا هذا ما ظهر لی من فيض الفتاح العليم ۱۲ . ردالمحتار،ص۱۶۱،ج:۲۔(۱)

ظاہرست کہ درما نحن فیہ مباشرت فرج لافی فرج ثابت ست مانند استمناء بالکف او بالتخیذ او بالتبطین۔ چراکہ فرج بسرج مباشر شدہ بعدہ انزال شد روزہ فاسد بخلاف انزال بمس فرج بہیمہ وتقبیل آں، وانزال بسبب نظر وفکر کہ دراں فرج مباشر نیست پس ما نحن فیہ فوق شدنہ دون آن۔ فتدبر فانہ دقیق وانصف فان الانصاف خیر الاوصاف؛ چونکہ خاص جزئی دستیاب نشد جناب مجیب مدظلہ قدس سرہ، دریں جواب نظر ثانی بامعان فرمایند کہ بندہ را روایۃ ذیل ردالمحتار درخوف وخشیت انداختہ ست کہ براندام لرزہ افتادہ است چہ امکان ست کہ امثال ما قیاس مسئلہ برفتویٰ دہند واللہ تعالیٰ ہو المصوب والعاصم۔

القاضی إذا قاس مسئلة علی مسئلة وحكم ثم ظهر رواية بخلافه فالخصومة للمدعی عليه يوم القيامة مع القاضی والمدعی (الیٰ ان قال) لأن احدا ليس من أهل الاجتهاد في زماننا وبعض أذكياء خوارزم قاس المفتی علی القاضی (إلیٰ أن قال) والكلام في الخصومة في الآخرة ولا شك أن كلامن المباشر والمتسبب ظالم آثم وللمظلوم الخصومة معهما. ۱۲ رد المحتار ، ج : ۳ ، ص : ۵۳. (۲)(تتمہ اولیٰ صفحہ:۳۳۶)

---

(۱) شامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكف، مكتبه زكرياديوبند ۳/۳۷۲، كراچي ۲/۳۹۹۔

(۲) شامي، كتاب القضاء، مطلب: إذا قاس القاضي وأخطأ، مكتبه زكريا ديوبند۸/۱۱۲-۱۱۳، كراچي ۲/۴۱۸-۴۱۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

روزہ کی حالت میں کان یا ناک میں کوئی چیز ڈالنا

سوال (۹۵۰): قدیم ۲/ ۱۲۷- اے علماء دین ومفتیان شرع متین! صائم رمضان کو سوراخ بینی وگوش یا آنکھ میں کوئی شے مائع مثل تیل یا عرق یا پانی وغیرہ کے یا کوئی چیز خشک مثل سفوف وغیرہ کے دواءً ڈالنا اور سر میں تقویت دماغ کے لئے تیل یا کوئی عرق یا پانی وغیرہ ڈالنا اور پانی کے اندر حدث کرنا اور غوطہ لگانا اور غرارہ کرنا اور سر پر یا اور کہیں ضماد لگانا اور زخم عمیق میں سر پر ہو یا پیٹ میں یا اور کہیں مرہم یا عرق یا تیل وغیرہ دواءً ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بر تقدیر عدم جواز کے اگر کوئی صائم باوجود علم عدم جواز کے عمداً یا خطاءً یا بلا علم عدم جواز کے عمداً یا خطاءً، ان امور میں سے کسی امر کا مرتکب ہو تو اس پر کس صورت میں کفارہ کس صورت میں قضاء اور کس صورت میں نہ کفارہ ہے اور نہ قضاء؟

الجواب: سوراخ بینی وگوش میں دوائی تر ڈالنا مفسد صوم ہے اور کفارہ واجب نہیں.

ومن احتقن أو استعط أو أقطر في أذنه أفطر ولا كفارة عليه (هداية) (۱)

اور خشک میں اگر وصول یقینی ہو تو مفسد ہے۔ ''**وإلا لا كما بحثه الشامي (۲)**''

اور آنکھ میں کوئی دواء ڈالنا اور سر میں لگانا مفسد نہیں۔

---

(۱) هداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۲۲۰۔

ويجب القضاء فقط لو أفطر خطأً أو مكرها أو احتقن أو استعط أو أقطر في أذنه. (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵٦)

مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، دار الكتاب ديوبند ص: ٦۷۲۔

(۲) **إن ما وقع في ظاهر الرواية من تقييد الإفساد بالدواء الرطب مبنى على العادة من أنه يصل وإلا فالمعتبر حقيقة الوصول حتى لو علم وصول اليابس أفسد أو عدم وصول الطريّ لم يفسد.** (شامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۷٦، كراچي ۲/ ۴۰۲)

ولا بأس بالكحل ودهن الشارب (هداية) (۱)

اور پانی پہنچانا مواضع مذکورہ میں علی الاصح مفسد نہیں۔

ولو اقطر في أذنيه الماء أو دخلهما لا يفسد صومه (هداية) (۲)

اور پانی میں حدث کرنے اور غوطہ لگانے سے کچھ نہیں ہوتا؛ البتہ اگر پانی اندر پہونچ گیا تو فاسد ہوجائے گا۔

ولو بالغ في الاستنجاء حتىٰ بلغ موضع الحقنة فسد وهذا قلما يكون ولو كان فيورث داء عظيما (درمختار) (۳)

---

(۱) هداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه اشرفية ديوبند ۲۲۱/۱۔

أما إذا اكتحل أو أقطر بشئ من الدواء في عينه لا يفسد الصوم عندنا وإن وجد طعم ذلك في حلقه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الرابع ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند۳/۳۷۹، رقم: ٤٦٣٠)

هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند قديم۱/۲۰٤، جديد۱/۲٦٦۔

(۲) هداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه اشرفية ديوبند ۲۲۰/۱۔

هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند قديم۱/۲۰٤، جديد۱/۲٦٦۔

إذا استعط أو أقطر في أذنه ...... إن كان شيئًا لا يتعلق به صلاح البدن كا لماء قال مشايخنا: ينبغي أن لا يفسد صومه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الرابع ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند۳/۳۷۷، رقم: ٤٦٢٠)

المحيط البرهاني، كتاب الصوم، الفصل الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد، المجلس العلمي ۳/۳٤۷، رقم: ۳۰۸۱۔

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب يكره السهر إذا خاف، مكتبه زكريا ديوبند۳/۳٦۹، كراچي ۲/۳۹۷۔

مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳٥٦۔ ←

اور کفارہ لازم نہ آئے گا، کما فی مسئلۃ الاحتقان فی الہدایۃ ،علی ہذا القیاس غرغرہ کرنے میں اگر پانی حلق سے اتر گیا تو فاسد ہوگا والّا لا اور سر وغیرہ پر ضماد کرنا جائز ہے قیاساً علی العین ودہن الشارب اور اگر زخم سَر وشکم اس قدر عمیق ہے کہ ام الدماغ یا جوف تک پہنچا ہو تو اس میں دوا ڈالنے سے روزہ جاتا رہے گا، بشرطیکہ وہ جوف یا دماغ میں پہنچ گئی ہو۔

ولو داوی جائفة أو اٰمة فوصل إلیٰ جوفه أو دماغه أفطر (هداية)(۱)

اور چونکہ دوائی تر میں ظاہر وصول ہے اس لئے اس میں افطار کا مطلقاً حکم دیا جاوے۔ **إلا أن يعلم عدم وصوله إلى الجوف والدماغ،** اُوخشک کا حکم بالعکس ہوگا۔ اور باقی زخموں میں دوا ڈالنا مفسد نہیں خشک میں تفصیل مذکور ہے اور صور مذکورہ میں سے جن میں روزہ فاسد نہیں ہوا ان میں نہ قضا ہے نہ کفارہ اور جن میں فاسد ہوگیا ہے ان میں قضاء ہے کفارہ نہیں اگر عمداً ہو خواہ علم مسئلہ کا ہو یا نہ ہو۔ (۲)

لأن الجهل لا يعتبر في ضروريات الدين.

اور اگر ناسیاً ہو تو روزہ باقی رہتا ہے کیونکہ جب اکل وشرب جو کمل مفطرات اور موجب کفارہ ہیں وقت نسیان مفسد نہیں تو غیر اس کا بدرجۂ اولیٰ وقت نسیان مفسد نہ ہوگا، واللہ اعلم

۱۳۰۴ھ (امداد، ج:۱،ص:۱۷۹)

← **الصوم إنما يفسد إذا وصل الماء إلى موضع الحقنة وقلما يكون ذلك.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، قبيل فصل فيما يجوز به الاستنجاء، دار الكتاب ديوبند ص:٤٨)

(١) هداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه اشرفية ديوبند ١/ ٢٢٠ـ

النهر الفائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٣ـ

داوي جائفة أو آمة بدواء رطب فوصل الدواء أي جوفه أو دماغه أفطر ولزمه القضاء دون الكفارة. (الجوهرة النيرة، كتاب الصوم، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٧١)

(٢) **إن الجهل بالحكم لا يمنع حصول الفطر بخلاف النسيان.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الصيد، دار الكتب العلمية بيروت ١١/ ٢٣٩) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کان میں بالقصد پانی ڈالنا مفسد صوم ہے یا نہیں؟

سوال (۹۵۱): قدیم ۲/ ۱۲۸- شرح وقایہ کی کتاب الصوم **باب ما یوجب الإفساد** میں لکھاہے ''**أوصب في إحليله دهن وفي أذنه ماءٌ إلیٰ قوله لم يفطر**'' اورمولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی نوراللہ مرقدہٗ نے اس عبارت کی توجیہ یہ لکھی ہے:

أما في صب الدهن في الاحليل فلأنه ليس بين المثانة وبين الجوف منفذ يصل به إليه حتیٰ يوجد المفطر ، وفي صب الماء في الأذُن؛لأنه ليس فيه صلاح البدن بخلاف الدهن. (۱)

میں نے عبارت مذکورہ کے مطالعہ سے یہ سمجھا تھا کہ صائم اگر قصداً کان کے اندر پانی ڈالے تو روزہ باطل نہ ہوگا، پس دل کی تسلی کے لئے گزشتہ خط میں آپ سے عرض کیا تھا کہ روزہ دار اگر اپنے کان کے اندر پانی ڈالے تو روزہ باطل ہوگا یا نہ؟ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ قصداً ڈالنے سے روزہ باطل ہوگا، اب عرض کرتا ہوں کہ میری سمجھ غلط ہے، نہ آپ کی اور معتبر و مفتیٰ بہ قول سے فرماتے ہیں بتلا دیجئے؟

الجواب: اصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے تصحیح دونوں جانب ہے شاید میں نے احتیاط پر عمل اولیٰ سمجھ کر لکھدیا ہوگا، بہرحال دونوں طرف گنجائش ہے ہدایہ وتبیین ومحیط وولوالجیہ میں عدم فساد کو ترجیح دی ہے اور خانیہ وبزازیہ وفتح وبرہان میں فساد کو ترجیح دی ہے۔

كذا في رد المحتار: باب ما يفسد الصوم وما لا يفسدهٗ. (۲)

۸/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، صفحہ:۶۳)

---

(۱) شرح الوقاية مع حاشية عمدة الرعاية، كتاب الصوم، باب ما يوجب الإفساد، مكتبه بلال ديوبند ۱/ ۲٤۸۔

(۲) أو دخل الماء في أذنه وإن كان بفعله على المختار (الدر المختار) وتحته في الشامية: قوله: وإن كان بفعله اختاره في الهداية والتبيين وصححه في المحيط والولوالجيه: أنه المختار، وفصل في الخانية بأنه إن دخل لا يفسد وإن أدخله يفسد في الصحيح لأنه وصل إلى الجوف بفعله فلا يعتبر فيه صلاح البدن ومثله في البزازية واستظهره في الفتح، ←

رات سمجھ کر فجر کے وقت میں روزہ دار کے جماع کرنے کا حکم

سوال (۹۵۲): قدیم ۲/ ۱۲۸- ایک شخص کی جاڑے کے رمضان میں شب کو بہ نیت صوم حجرہ کے اندر اپنی زوجہ کے پاس آنکھ کھلی، تو بخیال شب جماع کیا، باہر آن کر دیکھا تو صبح ہوگئی تھی پس اُن دونوں نے اس خیال سے کہ روزہ صحیح نہیں ہوا پانی پی لیا۔ اس صورت میں ان دونوں پر کفارہ ہے یا صرف قضاء اور اسی صورت میں اگر وہ دونوں پانی نہ پیتے تو ان پر کفارہ تھا یا صرف قضا یا روزہ صحیح ہو جاتا؟

← **والبرهان شرنبلاليه ملخصا والحاصل الإتفاق على الفطر بصب الدهن وعلى عدمه بدخول الماء واختلف التصحيح في إدخاله.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب يكره السهر إذا خاف فوت الصبح، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٦٧، كراچي ٢/٣٩٦)

لو أقطر في أذنيه الماء أو دخلهما لا يفسد صومه. (هداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه اشرفية ديوبند ١/٢٢٠)

تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ٢/١٨٢، امدادية ملتان ١/٣٢٩۔

المحيط البرهاني، كتاب الصوم، الفصل الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد، المجلس العلمي ٣/٣٤٧، رقم: ٣٠٨١۔

الفتاوى الولوالجية، كتاب الصوم، الفصل الأول فيما يفسد صومه، مكتبه زكريا ديوبند ١/٢٢٠۔

إن صب الماء في أذنه اختلفوا فيه والصحيح هو الفساد لأنه وصل إلى الجوف بفعله فلا يعتبر فيه صلاح البدن. (خانية على هامش الهندية، كتاب الصوم، الفصل الخامس فيما لايفسد الصوم، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٢٠٩، جديد ١/١٠٣)

بزازية على هامش الهندية، كتاب الصوم، الفصل الثالث فيما يفسده وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٤/٩٨، جديد ١/٦٥۔

فتح القدير، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٣٤٧۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: جب بظن شب جماع کیا اور بعد میں صبح طالع دیکھی یہ روزہ صحیح نہیں ہوا، لیکن تمام دن کھانا پینا نہ چاہئے اور کفّارہ لازم نہ آئے گا۔

وإذا تسحر وهو يظن أن الفجر لم يطلع فإذا هو قد طلع أمسک بقية يومه ولا كفارة عليه (هداية (ا)) في الدرالمختار: في موجبات القضاء أو جامع على ظن عدم الفجر.(۲)

اوراگردن میں پانی پی لیا، تارک تعظیم رمضان کا ہوا کفارہ لازم نہیں قضاء ہرصورت میں لازم ہے پانی خواہ پیا یا نہ پیا۔ واللہ اعلم

۱۳۰۴ھ (امداد، جلد:۱،ص:۱۸۰)

(ا) هداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه اشرفية ديوبند ١/٢٢٥۔

ولو قدم مسافر أو طهرت حائض أو تسحر يظنه ليلا والفجر طالع أو أفطر كذلک والشمس حية أمسک يومه وقضى ولم يكفر كأكله عمدًا بعد أكله ناسيًا (إلى قوله) أنه يجب عليه الإمساک؛لأنه وجب قضاء لحق الوقت لأنه وقت معظم. (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٠٨، كوئٹه٢/٢٩١)

إذا تسحر وهو يظن أن الفجر لم يطلع فإذا هو قد طلع أو أفطر وهو يرى أن الشمس قد غربت ثم تبين أنها لم تغرب أمسک بقية يومه قضاء لحق الوقت فقد تضمنت هذه المسألة خمسة أحكام أحدها أنه يفسد صومه. والثاني: أن عليه القضاء لأنه فوت الأداء. والثالث: أنه لا كفارة. والرابع: أنه يمسک بقية يومه. والخامس: أنه لا إثمه عليه لقوله تعالىٰ: وليس عليكم جناح فيما أخطأ تم به. (الجوهرة النيرة، كتاب الصوم، قبيل باب الإعتكاف، دارالكتاب ديوبند ١/١٧٤)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٧٤، كراچي ٢/٤٠١۔

مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، دارالكتاب ديوبند ص:٦٧٥۔

المراد بالمخطئ من فسد صومه بفعل المقصود دون قصد الإفساد كمن تسحر على ظن عدم الفجر أو أكل يوم الشک ثم ظهر أنه في الفجر ورمضان وظاهر أن التسحر ←

حالت صوم میں غلطی سے حلق تک پانی پہونچ جانے کا حکم

سوال (۹۵۳): قدیم۲/ ۱۲۹- اگرکوئی صائم رمضان دریا میں تیر رہا ہے اور دھوکے سے بلا اختیار باوجود یاد روزہ کے یہ شخص کئی بار پانی پی گیا تو اس پر کفارہ ہے یا صرف قضاء؟

الجواب: باوجود یاد ہونے کے روزہ کے بلا قصد جب پانی پی گیا تو یہ شخص محض مخطی ہے، اس پر قضاء ہے۔

ولو كان مخطئا أو مكرها فعليه القضاء (هداية (۱)) **في موجبات القضاء من الدرالمختار وإن أفطر خطاء بأن تمضمض فسبقه الماء.** (۲) واللہ اعلم

(امداد، ج:۱،ص:۱۸۰)

← **ليس قيدًا بل لو جامع على هذا الظن فهو مخطئ أيضًا.** (النهر الفائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱٦)

منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكرياد يوبند۲/ ٤٧٥، كوئٹه۲/ ۲۷۲۔

(۱) هداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۲۱۷۔

البحر الرائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤٧٤، كوئٹه۲/ ۲۷۱۔

لو أكل مكرها أو مخطئا عليه القضاء دون الكفارة كذا في فتاوى قاضيخان. (هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند قديم۱/ ۲۰۲، جديد۱/ ۲٦٤)

(۲) الد رالمختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۷٤، كراچي ۲/ ٤۰۱۔

وإن أكل مخطأ أو مكرهًا فعليه القضاء عندنا. فالمخطئ هو أن يكون ذاكرًا للصوم غير قاصد للشرب كما إذا تمضمض وهو ذاكر للصوم فسبق الماء إلى حلقه. (الجوهرة النيرة، كتاب الصوم، دارالكتاب ديوبند ص:١٦٦-١٦٧) ←

بحالت استنشاق ناک میں پانی جانے کا حکم

سوال (۹۵۴): قدیم ۲/ ۱۲۹- اگر کسی صائم رمضان کی ناک کی طرف سے حالت استنشاق میں باوجود یاد صوم کے خطاءً یا عمداً دماغ تک پانی پہونچ گیا، یا دماغ تک نہ پہنچا، مگر اتنی دور تک کہ اس کو بہت تکلیف ہوئی تو اس پر کس صورت میں کفارہ ہے کس صورت میں قضاء اور کس صورت میں نہ کفارہ نہ قضا؟

الجواب: ناک کی راہ سے پانی پہنچانے سے بروایت متون روزہ نہیں جاتا۔(۱)

قیاساً علیٰ إدخاله الأذن و اللّٰه اعلم.

۱۳۰۴ھ (امداد، ج:۱ص ۱۸۱)

← **ولو أكل مكرها أو مخطأ بأن تمضمض فوصل الماء جوفه فسد صومه وعليه القضاء دون الكفارة.** (خانية على هامش الهندية، كتاب الصوم، الفصل السادس فيما يفسد الصوم، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲۰۹، جديد ۱/ ۱۳۱)

ويجب القضاء فقط بغير كفارة لو أفطر خطأ كما إذا تمضمض فدخل الماء حلقه.

(مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵۵)

(۱) حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا کہ ناک کے راستہ سے پانی پہنچانے سے بروایت متون روزہ نہیں جاتا قیاسًا علی ادخالہ الأذن عبارت یہ ہے:

أو دخل الماء في أذنه وإن كان بفعله على المختار. وتحته في الشامية: بأنه إن دخل لا يفسد وإن أدخله يفسد في الصحيح؛ لأنه وصل إلى الجوف بفعله فلا يعتبر فيه صلاح البدن.

(الدر المختار مع الشامي، مطبوعة زكريا ديوبند ۳/ ۳۶۷، كراچي ۲/ ۳۹۶)

اور اگلی عبارت میں حضرت والا نے فتاوی امدادیہ مطبوعہ مجتبائی ۱/ ۱۸۱/ کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اگر ناک کے راستہ سے حلق میں پانی پہنچائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس میں کوئی تردد نہیں صرف دماغ تک پہنچنے کی صورت میں تردد ہے، شاید حضرتؒ کی نظر میں دماغ اور جوف معدہ کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے؛ لیکن حضرات فقہاءؒ نے دونوں کے درمیان منفذ ثابت فرمایا ہے اور اس پر فساد صوم کا حکم بھی لگایا ہے۔ ←

← حضرات فقہاء کرام کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

أو أفطر خطأ بسبق ماء المضمضة أو الاستنشاق إلى جوفه أو دماغه لوصول المفطر محله . وتحته في حاشية الطحطاوي: قوله: أو د ماغه أي إذا وصل دماغه وصل جوفه لأن التحقيق ان بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذًا أصليا فمتي وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن. (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، دارالكتاب ديوبند ص:٦٧٣)

ولو استنشق ووصل الماء إلى دماغه أفطر فجعل الدماغ كالجوف لأن قوام البدن بهما. (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ١٨٢/٢، امدادية ملتان ٣٢٩/١)

وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ عن المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أفطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه، أما إذا أوصل إلى الجوف فلا شك فيه لوجود الأكل من حيث الصورة وكذا إذا وصل إلى الدماغ لأن له منفذا إلى الجوف فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف وقد روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: للقيط بن صبرة: بالغ في المضمضة والاستنشاق إلا أن تكون صائمًا ومعلوم أن استثناء ه حالة الصوم للإحتراز عن فساد الصوم وإلا لم يكن للاستثناء معنىً. (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، مفسداته، مكتبه زكريا ديوبند٢ /٢٤٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تتمہ مسئلہ مذکورہ

از ملحقات تتمہ اولیٰ امدادالفتاویٰ

اطلاع نمبر (*) (۹۵۴): قدیم ۲/ ۱۲۹- فتاویٰ امدادیہ مطبوعہ مجتبائی جلد اول صفحہ ۱۸۱ میں جو مسئلہ مذکور ہے کہ ناک کی راہ سے دماغ میں پانی پہنچانے سے روزہ نہیں جاتا آھ اس مسئلہ میں بعض وجوہ سے تردد ہوگیا، یعنی اگر ناک سے حلق میں پانی چلا آیا، تب تو روزہ فاسد ہو ہی جاوے گا، اس میں تردد نہیں (۱) صرف دماغ تک پہنچنے کی صورت میں تردد ہے، تحقیق کرلیں، بعض علماء نے شرح المجمع سے یہ عبارت نقل کرکے اطلاع دی ہے ''**لو استنشق فوصل الماء إلیٰ دماغه أفطر ۱۲**'' (۲) شرنبلالی حاشیہ دررالمکارم نمبر ۲۰۳، ناظرین اس کی بھی تحقیق علماء سے کرلیں، اشرف علی۔

ف: اور انہی عالم نے یہ بھی لکھا ہے کہ در بعض (۳) مسائل فتاویٰ امدادیہ تسامح واقع ست، اگر جناب اجازت دہند، بحضور فرستادہ آیند بعدہ بطور الحاق طبع کنانند تاکہ عوام در غلطی نہ افتند ۔اھ میں نے اس کی اجازت ممنونیت کے ساتھ لکھ دی ہے، اگر میرے پاس اس کی فہرست آگئی انشاءاللہ

(*) امدادالفتاوی طبع سابق میں اس جگہ چند اطلاعات ابواب کے متعلق لکھی ہیں، اسباب کے متعلق ۳ رکی اطلاع تھی وہ یہاں نقل کی گئی ۔۱۲ محمد شفیع غفرلہ

---

(۱) **ولو تمضمض أو استنشق فسبق الماء حلقه ودخل جوفه فإن لم یکن ذاکرا لصومه لا یفسد صومه؛ لأنه لو شرب لم یفسد فهذا أولیٰ وإن کان ذاکرا فسد صومه عندنا.**

(بدائع الصنائع، کتاب الصوم، أرکانه، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۲۳۸)

(۲) حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ویوجب القضاء، دار الکتاب دیوبند ص: ۶۷۲۔

تبیین الحقائق، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۱۸۲، امدادیة ملتان ۱/ ۳۲۹۔

(۳) فتاوی امدادیہ کے بعض مسائل میں تسامح ہے، اگر جناب والا اجازت دیں تو جناب کے حضور میں بھیج دیا جائے، پھر بطور الحاق شائع کردیا جائے تاکہ عوام غلطی نہ کریں۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کسی موقع پر اس کی اشاعت کردوں گا، ورنہ ناظرین کی سہولت کے لئے میں ان کا پتہ لکھے دیتا ہوں، تا کہ اُن سے بطور خود تحقیق کرلیں اور بہتر یہ ہے کہ ان سے ان مقامات کا پتہ دریافت کر کے ایسے علماء سے بھی اطمینان کرلیں جن پر پہلے سے اطمینان ہے، پتہ اُن کا یہ ہے۔ مولوی محمد بخش صاحب ڈاکخانہ شہر چوٹی ضلع ڈیرہ غازی خاں، ملک پنجاب، وجہ اس مشورۂ اخیرہ کی یہ ہے کہ مجھ کو ان سے نیاز حاصل نہیں اور نہ کافی حالات معلوم ہیں۔ اشرف علی

(تتمہ اولیٰ، ص: ۳۲۸)

تکملہ مضمون ف مندرجہ اطلاع نمبر ۳

اس فؔ کے تحت میں جس فہرست کا ذکر ہے، پھر وہ میرے پاس دوبار کر کے آگئی، ایک ۳۰؍ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ کی لکھی ہوئی (*) یہاں اس کو بعینہ نقل کئے دیتا ہوں جن صاحبوں کو اطمینان ہو جاوے فبہا ورنہ اطمینان کی جگہ سے تحقیق فرمالیں۔ (**) اشرف علی

۵؍ رجب ۱۳۳۲ھ (ملحقات تتمہ اولیٰ، ص: ۳۳۰)

صبح کے وقت منہ میں سے پان دانتوں سے دبا ہوا نکلا اس کا حکم

سوال (۹۵۵): قدیم ۲/ ۱۳۰- بہت سے لوگ شب رمضان میں شب کو بہ نیت صوم پان کھا کر لیٹ گئے، اتفاق سے سب کو نیند آگئی، سب کے سب بدونِ کلّی غرارہ کئے ہوئے پان منہ میں لئے ہوئے سو گئے، صبح کو جاگے تو کسی کے منہ میں کُل پان اور کسی کے چنے سے زیادہ اور کسی کے منہ میں بقدر چنے کے اور کسی کے منہ میں بقدر ماش کے اور کسی کے منہ میں صرف ایک دو پتی باقی ہے اور کسی کے منہ میں کچھ بھی نہیں؛ لیکن شب کو کلی غرارہ نہیں کیا تھا تو اس صورت میں کس کس کا روزہ صحیح ہوگا؟ اور کس کس پر قضاء واجب ہے؟ اور جس کا روزہ اگر صحیح نہیں ہوگا اس نے اگر افطار کر ڈالا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا؟ اور جس کا روزہ صحیح ہوگا اگر اس نے لاعلمی سے افطار کر ڈالا تو اسپر کفارہ یا قضاء؟

(*) پھر تیسری فہرست ۱۸؍ رجب ۱۳۳۲ھ کی لکھی ہوئی پہونچی۔ ۱۲

(**) یہ فہرست مسائل اس جلد دوم کے آخر میں طبع کر دی گئی ہے، اس کو دیکھ لیا جاوے۔ ۱۲ محمد شفیع

الجواب: اگر سوتے وقت پان منہ میں لے کر سوئے اور صبح تک منہ میں رہا، روزہ جاتا رہے گا جس صورت میں پان منہ میں نہ پایا تو ظاہر ہے کہ نگل گیا اور یہی کہا جاوے گا کہ بعد صبح کے نگلا ہے۔

لأن الحادث يضاف إلىٰ أقرب الأوقات على ما في قواعد الفقة. (۱)

اور اگر پان سالم بھی پایا تب بھی غالب ہے کہ اس کا عرق ضرور حلق میں گیا ہوگا دلیل اس کی یہ ہے کہ حکماء واطباء اصل السوس وغیرہ منہ میں ڈال کر سونے کو بتلاتے ہیں، اگر عرق نہیں پہونچتا تو اس سے کیا نفع جب وصول ثابت ہو گیا تو حالاتِ نوم میں افطار کرنے سے قضا لازم آتی ہے "**شرب نائماً درمختار في موجبات القضاء**" (۲) اور اگر سونے سے پہلے پان تھوک دیا اور غرغرہ نہیں کیا تو اگر منہ میں بقدر نخود یا زیادہ تھا اور سونے میں نِگل گیا موجب قضاء ہے اور جو اس سے قلیل ہو مفسد نہیں۔

ولو أكل لحماً بين أسنانه فإن كان قليلاً لم يفطر وإن كان كثيراً أفطر والفاصل مقدار الحمص وما دونها قليل هداية. (۳)

اور افطار صحیح الصوم وفاسد الصوم کا گزر چکا، فتذکر، البتہ باوجود صحت صوم کے افطار کر ڈالا، تو کفارہ وقضا ہر دو لازم ہیں "**لأن ظنه ليس بمستند إلىٰ دليل شرعي**" واللہ اعلم

۱۳۰۴ھ (امداد، جلد: ۱، ص: ۱۸۱)

---

(۱) الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثالثة، قبيل القاعدة الرابعة، مكتبه زكريا قديم ص: ۱۲٤، جديد ۱/ ۲۲٤۔

تبيين الحقائق، كتاب الإعتاق، باب العبد يعتق بعضه، مكتبه زكريا ۳/ ۳۵۲، امدادية ملتان ۳/ ۷۵۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكف، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۷٤، كراچي ۲/ ٤۰۱۔

لو كان الصائم نائمًا فصب أحد في فمه ماء أو سقط ماء المطر في فمه فدخل جوفه فإنه يقضى ولا كفارة عليه. (مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵۹)

كتاب الفقة على المذاهب الأربعة، كتاب الصوم، ما يوجب القضاء دون الكفارة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵٦٦۔

(۳) هداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۲۱۸۔ ←

منھ میں پان کی سرخی رہ جانے کا حکم

سوال (۹۵۶): قدیم ۲/۱۳۱- ایک مولوی صاحب نے یہاں یہ مسئلہ بیان کیا ہے جس سے عوام کو مشکل پڑگئی وہ یہ کہ مولوی صاحب نے فرمایا ہے جس طرح ریشم کا تاگا بانٹنے والے کے ریشم مُنہ میں جانے سے اس کا رنگ تھوک میں آجاتا ہے اگر حالت روزہ میں اس تھوک کو نگل جائے گا تو روزہ جاتا رہے گا، ایسے ہی پان کھانے والوں کا چونکہ باوجود مُنہ صاف کر لینے کے پھر بھی سُرخی پان کی تھوک میں صبح آتی رہتی ہے، تو جو شخص پان کھانے والا تھوک کو باوجود صاف کر لینے مُنہ کے نگل جاوے گا روزہ نہیں ہوگا، سو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس پان کا قیاس ریشم کے مسئلہ پر کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو تمام عمر کے روزوں کا اعادہ سحری کے کھانے والوں پر لازم ہوگا یا نہیں، اگر یہ ہوگا تو جو لوگ تمباکو کھانے کے عادی بوجہ امراض کے ہیں ان کو سخت تکلیف ہوگی، روزہ صحیح ہونے کی کوئی صورت ہو باوجود تھوک نگل جانے کے تو تحریر فرمایا جاوے؟

الجواب: تاگا بٹنے والے کا مسئلہ تو مقید ہے حالت صوم کے ساتھ یعنی اس نے روزہ کی حالت میں ایسا تاگا مُنہ میں تر کر کے باٹا اور ریق میں اس کا رنگ آگیا، اور اس کو کوئی نگل گیا اور یہاں پان حالتِ روزہ میں نہیں کھایا جاتا، پہلا کھایا ہوا ہوتا ہے جس کا اثر خود روزہ میں بھی باوجود سعی ازالہ کے رہتا ہے، جو اختیار سے خارج ہے اور ایسے غیر اختیاری آثار مفسد صوم نہیں خود حالت صوم میں دخول غبار یا ذباب یا دخان فی الحلق کو اسی بناء پر عذر کہا ہے لعدم امکان التحرز عنہ اسی طرح کہا گیا ہے۔

← **وإن أكل لحمًا بين أسنانه إن كان قليلا لا يفطر وإن كان كثيرًا أفطر ولا كفارة (إلى قوله) والفاصل بين القليل والكثير أن مقدار الحمصة فما دونها قليل وما فوقها كثير.** (الجوهرة النيرة، كتاب الصوم، دار الكتاب ديوبند ١/١٧٠)

وأما أكل ما بين أسنانه فلأنه لا يمكن الاحتراز عنه ولهٰذا لا يبطل به الصوم فصار كالريق إلا إذا كان كثيرًا فتفسد به صلاته كما يفسد به صومه والفاصل بينهما مقدار الحمصة. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ١/٣٩٩، امدادية ملتان ١/١٥٩)

هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٢٠٢، جديد ١/٢٦٥۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

أوبقي بلل في فيه بعد المضمضة وابتلعه مع الريق كطعم أدوية ومص إهليلج الخ كذا في الدر المختار. (۱)

۷؍رجب ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ، ص:۶۳)

رات میں روزہ کی نیت توڑ دینے کا حکم

سوال (۹۵۷): قدیم ۲/۱۳۱- کسی نے شبِ رمضان میں صوم رمضان کی نیت کی یا غیر رمضان میں شب کو یا دن کو صوم نفل کی نیت کی، اب وہ شب کو یا دن کو بعذر یا بلاعذر نیت فسخ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر نیت صوم کو شب کو یا دن کو بعذر یا بلاعذر فسخ کر کے افطار کر لیا، تو اس پر کفّارہ ہے یا صرف قضاء؟

الجواب: فسخ نیت رات کو ممکن ہے کہ افطار کا عزم کر لے، اور دن کو جب روزہ شروع ہو گیا اب فسخ لغو ہے۔

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب يكره السهر إذا خاف فوت الصبح، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳٦۷، كراچي ۲/۳۹٦۔

أو بقي بلل بفيه بعد المضمضه وابتلعه مع الريق فلا يفسد صومه. (كتاب الفقة على المذاهب الأربعة، كتاب الصيام، ما يوجب القضاء دون الكفارة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۵٦٦)

ولو بقي بلل بعد المضمضة فابتلعه مع البزاق لم يفطره ...... ولو مص الهليلج فدخل البزاق حلقه لم يفسد ما لم يدخل عينه. (هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، مكتبه زكرياديوبند قديم ۱/۲۰۳، جديد ۱/۲٦٦)

البحر الرائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكرياديوبند ۲/٤۷۷، كوئٹه ۲/۲۷۳۔

من ذاق الدواء ووجد طعمه في حلقه ولا يمكن الامتناع عنه فصار كالغبار والدخان (تبيين) **وفي حاشية الشلبي: قوله: ووجد طعمه في حلقه أي كمن أخذ حنظلة في فمه فوجد مرارتها في حلقه أو ماء فوجد عذوبته أو نداوته في حلقه...... لا يفسد صومه.** (تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۷۰، امداية ملتان ۱/۳۲۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ولا تبطل بالمشية (أي قوله إنشاء الله) بل بالرجوع عنها بأن يعزم ليلاً على الفطر ونية الصائم الفطر لغو (درمختار)(۱)

پس صوم رمضان میں اگر شب کو نیت کر کے فسخ کر دی اور دن کو افطار کیا تو صرف قضاء لازم آوے گی۔

ومن أصبح غير ناوٍ للصوم فأكل لا كفارة عليه. (۲)

اور اگر دن کو فسخ کر کے افطار کیا تو کفارہ لازم آوے گا۔ ''**لما مر من أن نية الصائم الفطر لغو**'' اور اگر غیر رمضان میں شب کو نیت فسخ کر دی تو نہ قضاء ہے نہ کفارہ۔ ''**لما مر أنها تبطل بالرجوع ليلا**'' اور دن کو فسخ کیا تو قضاء لازم آوے گی ''**لأنها لغو كما مر**'' اور صوم معین میں بلا عذر فسخ جائز نہیں اور غیر معین الوقت میں جائز ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۰۴ھ (امداد، ج:۱،ص:۱۸۲)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، قبيل مبحث في صوم يوم الشك، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳٤٥، كراچي ۲/۳۸۰۔

إعلم أن النية من الليل كافية في كل صوم بشرط عدم الرجوع عنها حتى لو نوى ليلا أن يصوم غدا ثم عزم في الليل على الفطر لم يصبح صائمًا فلو أفطر لا شيئ عليه إن لم يكن رمضان ولو مضى عليه لا يجزيه لأن تلك النية انتقضت بالرجوع ولو نوى الصائم الفطر لم يفطر حتى يأكل. (البحر الرائق، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/٤٥۸، كوئٹه ۲/۲٦۲)

ولو نوى من الليل ثم رجع عن نيته قبل طلوع الفجر صح رجوعه في الصيامات كلها كذا في السراج الوهاج (إلى قوله) إذا نوىٰ الصائم الفطر ولم يحدث شيئًا غير النية فصومه تام. (هندية، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه وتقسيمه وسببه ووقته وشرطه، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۱۹٥، جديد ۱/۲٥۸)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، فصل فيما لا يشترط تبييت النية الخ، دارالكتاب ديوبند ص:٦٤٥۔

(۲) هداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه أشرفية ديوبند ۱/۲۲٤۔

أو أصبح غيرنا وللصوم فأكل عمدًا ...... قضى فقط. (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۷۷-۳۸۱، كراچي ۲/٤۰۳-٤۰٦) ←

جس نے روزہ کی نیت ہی نہیں کی اس کے افطار کا حکم

سوال (۹۵۸): قدیم ۲/۱۳۲- جس شخص نے شب رمضان کو نہ نیت صوم کی کی، نہ عدم صوم کی، تو دن کو اسے کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کچھ نہ کھایا پیا تو اسکا روزہ صحیح ہوگا یا نہیں، اور اگر افطار کرلیا تو اس پر قضاء ہے یا کفارہ؟

الجواب: اگر صائم رمضان نے قبل زوال تک نیت نہ کی تو روزہ اس کا صحیح نہیں ہوا، اگرچہ دن کو بھوکا پیاسا رہا(۱) لیکن کھانا پینا بوجہ حرمت وقت کے جائز نہیں (۲) اور اگر کھالیا تو صرف قضاء لازم آوے گی۔ **لما مر أن من أصبح غيرنا الخ.** (۳) واللہ اعلم.

۱۳۰۴ھ (امداد، ج:۱، ص:۱۸۲)

← **فإن أصبح غيرنا وللصوم ثم نوى قبل الزوال ثم أكل فلا كفارة عليه.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت ۳/۸۷)

مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۵۹۔

هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، قبيل الباب الخامس، مكتبه زكرياديوبند قديم ۱/۲۰۶، جديد ۱/۲۶۹۔

ويشترط الدوام عليها فلو رجع عما نوى ليلا لم يصر صائمًا ولو أفطر لا شيئ عليه إلا القضاء بإنقطاع النية بالرجوع فلا كفارة عليه في رمضان إلا أن يعود إلى تجديد النية. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، قبيل فصل فيما يثبت به هلال، دارالكتاب ديوبند ص:۶۴۵)

(۱) **أو لم ينو في رمضان كله صوما ولا فطرا مع الإمساك لشبهة خلاف زفر.** (الدر المختار) وتحته في الشامية: **فلو أمسك بدونها (النية) لا يكون صائمًا ويلزمه القضاء دون الكفارة.** (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لايفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۷۷، كراچي ۲/۴۰۳)

وبإمساك بلا نية صوم وفطر أي يجب عليه القضاء إن أمسك في رمضان عن الأكل ←

← **والشرب بلا نية صوم ولا فطر.** (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۰۷، امدادية ملتان ۱/۳٤۱)

أو لم ينو في رمضان صومًا ولا فطرا مع الإمساك فيجب القضاء لعدم العبادة بفقد النية. (مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳٥۹)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، دار الكتاب ديوبند ص:٦٧٥۔

(۲) **الأصل في هذه المسائل أن كل من صارفي آخر النهار بصفة لو كان في أول النهار عليها للزمه الصوم فعليه الإمساك.** (شامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في جواز الافطار بالتحري، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۸٤، كراچي ۲/٤۰۸)

النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند۲/۳۳۔

البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/٥۰٥، كوئٹه ۲/۲۸۹۔

(۳) **من أصبح غيرنا وللصوم فأكل لا كفارة عليه.** (هداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه أشرفية ديوبند ۱/۲۲٤)

إن أصبح غيرنا وللصوم ثم نوى قبل الزوال ثم أكل فلا كفارة عليه. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت۳/۸۷)

هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، قبيل الباب الخامس، مكتبه زكريا ديوبند قديم۱/۲۰٦، جديد۱/۲٦۹۔

مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳٥۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بنو ہاشم کو فدیۂ صوم وصلاۃ دینے کا حکم

سوال (۹۵۹): قدیم ۲/۱۳۲- فوت شدہ نمازوں کے کفارہ کے مصرف میں ایک شبہ پیدا ہوا ہے کہ اگر مرحومہ وصیت کر جاتی تب تو ثلث مال سے اس کا نکالنا واجب ہوتا اور یہ کفارہ صدقہ واجبہ میں شمار ہو کر مثل زکوٰۃ وعشر وصدقہ فطر وکفارہ صوم ہاشمیوں کو نہ دینا چاہئے تھا لیکن جبکہ وصیت نہ تھی تو یہ فعل تبرع ہوا اور یہ صدقہ نافلہ ہوا لہذا مثل دیگر صدقات نافلہ کے ہاشمیوں کو دینا جائز ہونا چاہئے۔ میں نے اس مسئلہ کو تلاش کیا کہیں نہیں ملا۔ بہشتی زیور کی عبارت سے کہ ''اگر کفارہ نکالیں تو اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمالیں اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ کفارہ تبرع ہے؟

الجواب: بالکل تبرع ہے(۱) اور اس کا مقتضا ظاہراً بیشک یہی ہے کہ بنی ہاشم کے لئے جائز ہو مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود فدیہ کے احکام لازمہ سے یہ ہے کہ بنی ہاشم اس کا مصرف نہ ہوں (۲) اور راز اس میں یہ ہے کہ گو یہ تبرع ہے مگر ملحق ہے واجب کے ساتھ بوجہ فدیہ ہونے کے ورنہ اس میں اس اثر کی امید نہ ہوگی جو فدیہ میں ہے۔ پس اس کی مثال نفل نماز کی ہوگی کہ وضو وغیرہ اس کے لئے بھی شرط ہے (۳)

---

(۱) **وإن لم يوص وتبرع وليه جاز إن شاء الله ويكون الثواب للولي.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۴۰۷، كراچي ۲/۴۲۵)

العناية مع فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۵۸۔

وإن تبرع الولي به أي بالإطعام من غير وصية صح ويكون له ثواب ذلک. (مجمع الأنهر، كتاب الصوم، الفصل الأول، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۶۸)

(۲) **كل الصدقات حرام على بني هاشم زكاة أو عمالة فيها أو عشرا أو كفارة أومنذورة إلاالتطوع.** (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند جديد ۱/۴۴۸)

قال رحمه الله أو هاشمي أي لا يجوز دفعها إلى بني هاشم لقوله عليه السلام: إن هذه الصدقات إنما أو ساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۲۶، امدادية ملتان ۱/۳۰۳)

(۳) **يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ.** [المائدة:٦] ←

اس کی نظیر فقہاء کے کلام میں یہ ہے کہ عقیقہ کے احکام مثل قربانی کے لکھے ہیں حالانکہ عقیقہ واجب نہیں (۱) بلکہ خود قربانی ہی اگر نفل ہو اس کے بھی وہی احکام وشرائط ہیں جو واجب کے ہیں غور فرمایا جائے، دوسرے علماء سے بھی مراجعت مناسب ہے۔

جمادی الاول ۱۳۳۸ھ

کفارۂ صوم میں تعیین سال اور تتابع ضروری ہے

سوال (۹۶۰): قدیم ۲/۱۳۳- ایک شخص پر دو رمضان کے دو روزوں کے کفارے تھے چند سال ہوئے کہ اس نے بلاتعین اس سال کے کہ جس میں روزہ توڑا تھا، ایک روزہ کا کفارہ دیا تو یہ کفارہ کسی رمضان کا صحیح ہوا یا نہیں اور کون سے رمضان کا ہوا، پہلے کا یا بعد کا، اب دوسرے رمضان کا کفارہ بتعین سال اب دے رہا تھا پندرہ روزے رکھے تھے کہ سولھویں روزے کو رات سے نیت کرنا بھول گیا، اور بعد از زوال یاد آیا کہ میں فلاں سال کے روزے کا کفارہ دے رہا ہوں اور آج نیت کرنا تمام شب مجھ کو یاد نہ آیا غرض وہ بھی روزہ پورا کیا اور آئندہ روزہ رکھ رہا ہے تو اب یہ فرمائے کہ جب ساٹھ روزے رکھ لیوے تو کفارہ پورا ہو جاویگا یا نہیں، کیونکہ کفارہ میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے کہ جو اس نے سہواً ترک کی اور اگر اول کے روزے میں نیت شرط ہو تو معلوم نہیں، اور اگر اس کی بیوی نے حسب معمول روزمرہ کے خواب سے اس کو

← **عن ابن عمرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تقبل صلاة بغير طهور ولا صدقة من غلول.** (سنن الترمذي، أبواب الطهارة، باب ما جاء لا تقبل صلاة بغير طهور، النسخة الهندية ١/٢، دار السلام رقم: ١)

(۱) **هي (العقيقة) في الجنس والسن والسلامة من العيوب مثل الأضحية من الأنعام الإبل والبقر والغنم.** (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، الباب الثامن الأضحية والعقيقة، المبحث الأول العقيقة، مكتبه اشرفية ديوبند٣/٦٣٣)

يجزئ في العقيقة الجنس الذي يجزئ في الأضحية وهو الأنعام من إبل وبقر وغنم ولا يجزئ غيرها وهذا متفق عليه بين الحنفية والشافعية والحنابلة وهو أرجح القولين عند المالكية. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٠/٢٧٩) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جگا کر کھانا سحر کا کھلایا ہو اور اس کو کھانا کھاتے میں روزے کا خیال نہ آیا یا قریب صبح کے پانی پینے کی ضرورت ہوئی اور اس نے بخیال اس کے کہ اب صبح ہوگئی ہوگی اس لئے پانی نہ پیا ہو مگر روزے کا خیال نہ آیا ہو تو بھی وہ کفارہ صحیح ہو جاوے گا یا نہیں اگر نہ ہوگا اس ایک روزے کی اگر قضاء ادا کرے تو صحیح ہوگا یا نہیں؟ یا اور از سر نو ساٹھ روزے رکھے؟

الجواب: في الدر المختار: والشرط للباقي من الصيام (أقول ومنها صوم الكفارة) قران النية للفجر ولو حكمًا وهو تبييت النية للضرورة وتعيينها۔ آه (۱)

وفيه ولو تكرر فطره ولم يكفر للأول يكفيه واحدة ولو في رمضانين عند محمد وعليه الإعتماد۔ في رد المحتار قوله وعليه الإعتماد ونقله في البحر عن الأسرار ونقل قبله عن الجوهرة لو جامع في رمضانين فعليه كفارتان وإن لم يكفر للأولى في ظاهر الرواية وهو الصحيح۔ آه قلت فقد اختلف الترجيح كما ترى ويتقوى الثاني بأنه ظاهر الرواية۔ آه (۲)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، قبيل مبحث في صوم يوم الشك، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳٤٤-۳٤٥، كراچي ۲/۳۸۰۔

وأما القسم الثاني: وهو ما يشترط له تعيين النية وتبييتها ليتأدى به ويسقط عن المكلف فهو قضاء رمضان و قضاء ما أفسده من نفل وصوم الكفارات بانواعها. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل فيما لا يشترط تبييت النية، دارالكتاب ديوبند ص:٦٤٥)

قال رحمه الله: وما بقي لم يجز إلا بنية معينة مبيتة أي ما عدا ما ذكرنا من الأنواع لم يجز إلا بنية معينة مبيتة من الليل وهي قضاء رمضان والكفارات والنذر المطلق. (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱٥٤، امدادية ملتان ۱/۳۱٦)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في الكفارة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۹۱، كراچي ۲/٤۱۳۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يفسد به الصوم وتجب به الكفارة، دار الكتاب ديوبند ص:٦٦۳۔

البحر الرائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/٤۸٤، كوئٹه ۲/۲۷۷۔

وفي الدر المختار: باب الظهار والأصل نية التعيين في الجنس المتحد سببه لغو وفي المختلف سببه مفيد وفي رد المحتار ولذا كان صوم رمضان من قبيل الأول والصلوة من الثاني وكذا صوم يومين من رمضانين (۱) (أي هو من قبيل المختلف السبب)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ جب اول کفارہ میں اس نے سال کی تعیین نہیں کی تو کسی سال کا بھی کفارہ ادا نہیں ہوا (*) اگر ایک کی تعیین کر لیتا تو اس کا ادا ہو جاتا، خواہ وہ اول ہوتا خواہ دوسرا، مگر دوسرا کفارہ بوجہ اس کے کہ درمیان میں ایک روزہ صحیح نہیں ہوا درست نہیں ہوا اب از سر نو دونوں روزوں کے کفارے ادا کرنا پڑیں گے، فقط واللہ اعلم۔

۳۰ رشوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ ص: ۵۹، ج: ۱)

(*) یہ حکم جب ہے کہ روزہ جماع سے توڑا ہو، اگر غیر جماع سے توڑا تو قول راجح پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا؛ لہٰذا تعیین کی ضرورت نہ رہی اور دونوں سالوں کا کفارہ ادا ہو گیا۔۱۲ رشید احمد عفی عنہ

← النهر الفائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۲۔

أما إذا جامع في رمضان في سنة فلم يكفر حتى جامع في رمضان آخر فعليه لكل جماع كفارة في المشهور؛ لأن لكل شهر حرمة على حدة وذكر محمد أنه يجزيه كفارة واحدة. (الجوهرة النيرة، كتاب الصوم، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱۷۰)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الكفارة، قبيل باب اللعان، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۱۴۷-۱۴۸، كراچي ۳/ ۴۸۱-۴۸۲۔

إن نية التعيين في الجنس الواحد لغو وفي المختلف مفيد (إلى قوله) والأصل أن ما اختلف سببه فهو المختلف وما اتحد سببه فهو المتحد فالصلوات كلها من قبيل المختلف حتى الظهرين من يومين وصوم أيام رمضان من قبيل المتحد إن كان في سنة واحدة وإن كان من سنتين فهو من قبيل المختلف. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل في الكفارة، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۱۸۶، كوئٹه ۴/ ۱۱۰-۱۱۱)

النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب الظهار، فصل في الكفارة، قبيل باب اللعان، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۶۱-۴۶۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تداخل کفارات صوم یعنی کئی روزوں کے لئے ایک کفارہ کافی ہے

سوال (۹۶۱): قدیم ۲/۱۳۴- اوائل عمر میں مجھ سے کچھ روزے قصداً فوت ہوئے اور جہاں تک مجھے یاد ہے تخمیناً پندرہ یا بیس ہوں گے، اب ان کی اگر قضاء کرنا چاہوں تو بموجب حکم شرع ہر روزہ کے عوض دو مہینے کے روزے چاہئے اور متتابعین بھی شرط ہے اس شرط پر عمل درآمد بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ نقاہت بوجہ قلت غذا کے فی الحال بہت ہے اور باوجود اس کے بھی دو چار برس تک برابر روزہ رکھوں تو غالباً بوجہ زیادتی نقاہت فرائض عبادات میں بھی قصور ہوگا اور علاوہ اس کے بہت سے حقوق ضائع ہونگے پس ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: قضاء تو ان روزوں کی عدد میں برابر کرنا ظاہر ہے کہ ضروری ہے، یعنی بیس روزے تھے تو بیس روزے رکھنا چاہئے (۱)، اب رہ گیا کفارہ بوجہ اس کے کہ روزوں کو عمداً توڑا ہے، یعنی جب کہ شروع کر کے توڑ دیئے ہوں تو اس میں اقوال مختلفہ ہیں، امام محمدؒ کے نزدیک دو رمضان یا زیادہ کے روزوں کے کفارہ

---

(۱) وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ. [البقرة:۱۸۵]

من أفطر أياما من رمضان كالمريض والمسافر قضى بعدة ما فاته لأن القضاء يجب أن يكون بعدة ما فاته. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/۷۵)

القضاء يكون بالعدد، فإذا كان رمضان تسعة وعشرين يومًا وجب قضاء ذلك المقدار فقط من شهر آخر. (موسوعة الفقة الإسلامي والقضايا المعاصرة، كتاب الصيام، المبحث الثامن: قضاء الصوم، مكتبه اشرفية ديوبند ۲/۵۹۷)

قالوا فيمن أفطر شهرًا لعذر ثلاثين يومًا ثم قضى شهرا بالهلال فكان تسعة وعشرين يومًا إن عليه قضاء يوم اٰخر؛ لأن المعتبر عدد الأيام التي أفطر فيها دون الهلال؛ لأن القضاء على قدر الفائت والفائت ثلاثون يومًا فيقضي يومًا آخر تكملة لثلاثين. (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، شروط صحة الأداء، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۲۵)

من فاته رمضان وكان ناقصا يلزمه قضاءه بعدد الأيام لا شهر كامل. (البحر الرائق، كتاب الصوم، كوئٹه ۲/۲۶۳، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۵۹)

میں بھی تداخل ہوجاتا ہے، کمافی الدرالمختار(۱)، پس اگر حالت مذکورہ سوال میں اس قول پر عمل کرلیا جاوے جائز ہے، پس اس بناء پر ساٹھ روزے علی التواتر کفارہ کی نیت سے رکھنا واجب ہوگا اس سے کسی طرح مفر نہیں اور اگر شروع کرکے نہیں توڑے بلکہ سرے سے نیت ہی نہیں کی تو صرف برابر سرابر قضاء لازم ہے کفارہ لازم نہیں۔(۲) فقط

۳۰/ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۶۰)

---

(۱) **ولو تكرر فطره ولم يكفر للأول يكفيه واحدة ولو في رمضانين عند محمد وعليه الاعتماد بزازية ومجتبى وغيرهما.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في الكفارة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۹۱، كراچي ۲/۴۱۳)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يفسد به الصوم وتجب به الكفارة، دار الكتاب ديوبند ص:۶۶۳۔

ولو جامع في رمضانين فعليه كفارتان وإن لم يكفر للأولىٰ في ظاهر الرواية وهو الصحيح كذا في الجوهرة وقال محمد عليه واحدة قال في الأسرار وعليه الاعتماد .

(البحر الرائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند۲/۴۸۴)

النهر الفائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند۲/۲۲۔

الجوهرة النيرة، كتاب الصوم، دارالكتاب ديوبند ۱/۱۷۰۔

(۲) **أو أصبح غيرنا وللصوم فأكل عمدًا و لو بعد النية قبل الزوال** ...... **قضى فقط.**

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند۳/۳۷۷-۳۸۱، كراچي۲/۴۰۳-۴۰۶)

من أصبح غيرنا وللصوم فأكل لا كفارة عليه. (هداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه اشرفية ديوبند۱/۲۲۴)

هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، قبيل الباب الخامس، مكتبه زكريا ديوبند قديم۱/۲۰۶، جديد۱/۲۶۹۔

المبسوط للسرخسي، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت۳/۸۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تداخل کفارات صوم کی تحقیق و تفصیل

سوال (۹۶۲): قدیم ۲/۱۳۴- ایک رمضان کے چار پانچ روزوں کی طرف سے ایک کفارہ (یعنی ساٹھ روزے) کافی ہے یا نہ اگر کافی ہے تو اس کے کافی ہونے میں یہ شرط بھی ہے کہ سب روزے ایک ہی سبب سے ٹوٹے ہوں یا یہ شرط نہیں؟

الجواب: سوال آئندہ کے جواب میں اس کا جواب بھی آجاوے گا۔ ۲۰/ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ

سوال نمبر ۲: بہشتی زیور حصہ سوم میں مرقوم ہے۔(۱)

مسئلہ: اگر ایک ہی رمضان کے دو تین روزے توڑ ڈالے تو ایک ہی کفارہ واجب ہے البتہ اگر یہ دونوں روزے ایک رمضان کے نہ ہوں تو الگ الگ کفارہ دینا پڑے گا۔ انتہی. اس مسئلہ سے مطلقاً معلوم ہوتا ہے کہ خواہ کوئی بھی سبب سے کئی ایک روزے گئے ہوں ایک کفارہ کافی ہے اور کسی سبب کی تحقیق نہیں بشرطیکہ ایک رمضان کے ہوں، بہشتی گوہر (۲) میں تتمہ حصہ سوم بہشتی زیور میں مذکور ہے۔

مسئلہ: سوائے جماع کے اور کسی سبب سے اگر کفارہ واجب ہوا ہو اور ایک کفارہ ادا نہ کرنے پایا ہو کہ دوسرا واجب ہو جائے تو ان دونوں کے لئے ایک ہی کفارہ کافی ہے اگرچہ دونوں کفارے دو رمضان کے ہوں ہاں جماع کے سبب سے جو روزے فاسد ہوئے ہوں ہر ایک کا کفارہ علیحدہ رکھنا ہوگا اگرچہ پہلا کفارہ ادا نہ کیا ہو انتہی. اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر روزے بسبب جماع کے گئے ہوں تو ایک کفارہ کافی نہیں اگرچہ ایک رمضان کے ہوں اور اگر سوائے جماع کے دوسرے سبب سے کفارہ واجب ہوا ہو تو ایک کفارہ کافی ہے اگرچہ دو رمضان کے ہوں پس مثلاً اگر کسی شخص کے دو رمضان کے ملا کر پانچ روزے کسی اور سبب سے سوائے جماع کے گئے تو مطابق مسئلہ اولیٰ کے ایک کفارہ کافی ہے اور مطابق مسئلہ ثانیہ کے پانچ کفارے رکھنا پڑیں گے پس کون سی بات ٹھیک ہے۔(*)

(*) حاشیہ بہشتی گوہر: از مولانا ظفر احمد صاحب قدس سرہ- اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں: ایک یہ کہ قبل کفارہ مطلقاً تداخل ہوسکتا ہے۔ ←

---

(۱) اختری بہشتی زیور، کفارے کا بیان، کتب خانہ اختری حصہ سوم ص: ۱۷۔

(۲) بہشتی گوہر تتمہ حصہ سوم اختری بہشتی زیور، روزے کا بیان، کتب خانہ اختری، گیارھواں حصہ ص: ۱۰۶۔

الجواب: بہشتی زیور کی سند میں تو اس وقت کوئی روایت نہیں ملی، مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے معلوم نہیں وہ مسئلہ کہاں سے لکھا البتہ بہشتی گوہر کے موافق روایت درمختار وردالمحتار (۱) میں موجود ہے لیکن اول مسئلہ تو بلا اختلاف اور دوسرا با ختلاف۔ فقط

← دوم: یہ کہ ایک رمضان میں مطلقاً تداخل ہوسکتا ہے اور دو رمضان میں مطلقاً نہیں ہوسکتا۔

سوم: یہ کہ کفارہ جماع میں مطلقاً تداخل نہیں ہوسکتا اور کفارہ غیر جماع میں مطلقاً تداخل ہوسکتا ہے۔

بہشتی زیور میں مسلک دوم کو اختیار کیا ہے اور بہشتی گوہر میں مسلک سوم کو، یہ اختلاف رائے مولوی احمد علی صاحب مؤلف بہشتی زیور و مولوی عبدالشکور صاحب علم فقہ کا ہے اور حضرت مولانا مرحوم ومغفور نے تتمہ ثانیہ امداد الفتاوی ص: ۳۷ر میں ایک سوال کے جواب مسئلہ بہشتی زیور کو غیر معلوم السند اور مسئلہ بہشتی گوہر کو مستند الی الدر المختار وردالمحتار خیال فرمایا ہے اور ہم نے اس کی اصلاح میں ثابت کیا ہے کہ مسئلہ بہشتی زیور ماخوذ از ردالمحتار رہے اور وہی ان کے نزدیک راجح ہے۔

من شاء التفصیل فلیرجع إلی إصلاحاتنا المتعلقة بالتتمة المذکور. ۱۲ تصحیح الاغلاط

پھر بعد میں بہشتی گوہر کے مسلک پر بھی ترمیم کردی گئی۔ اب حاصل مسئلہ کا یہ ہے کہ غیر جماع میں تو مطلقا تداخل جائز ہوسکتا ہے اور جماع میں ایک رمضان کے کفارات متداخل ہوسکتے ہیں دو رمضان کے نہیں؛ کیونکہ جماع میں مطلقاً تداخل نہ ہونا خلاف ظاہر روایت ہے ''کما یظہر من الشامیۃ ومراقی الفلاح فلیراجع'' خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر روایت میں ایک رمضان کے کفارات متداخل ہوسکتے ہیں جب ہنوز کوئی کفارہ ادا نہ ہو دو رمضان کے متداخل نہیں ہوسکتے اور اس میں جماع غیر جماع سب مساوی ہیں، مگر ہم نے غیر جماع میں قول صحیح ومعتمد کو لے لیا ہے۔ ۱۲ ظفر احمد

---

(۱) **ولو تکرر فطره ولم یکفر للأول یکفیه واحدة ولو في رمضانین عند محمدؒ وعلیه الاعتماد. بزازیة ومجتبی وغیرهما واختار بعضهم للفتوی أن الفطر بغیر الجماع تداخل وإلا لا (الدرالمختار) وتحته في الشامیة: أي وإن کان الفطر المتکرر في یومین بجماع لاتتداخل الفکارة، وإن لم یکفر للأول لعظم الجنایة ولهذا أوجب الشافعي الکفارة به دون الأکل والشرب.** (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لایفسده، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ۳۹۱-۳۹۲، کراچي ۲/ ۴۱۳)

حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یفسد به الصوم وتجب به الکفارة، دارالکتاب دیوبند ص: ۶۶۳. **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

قضا اور کفارہ کے روزوں میں سے پہلے کون سے رکھے

سوال (۹۶۳): قدیم ۲/ ۱۳۶- جناب نے قضا روزوں کی بابت تحریر فرمادیا تھا کہ سب روزوں کا کفارہ ساٹھ روزے ہوں گے، اب یہ عرض ہے کہ قضاء روزے پہلے رکھے جاویں یا کفارہ کے روزے پہلے رکھے جاویں؟

الجواب: في رد المحتار: تحت قول الدر المختار قضى و كفر مانصه وإنما قدم القضاء إشعاراً بأنه ينبغي أن يقدمه على الكفارة الخ، ج: ۲، ص: ۱۷۴. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ زیادہ بہتر تو یہی ہے کہ قضا روزے اول رکھے جاویں لیکن اگر کفارہ کے روزے اول رکھ لے تب بھی جائز ہے۔ (۲)

۹/ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۳۸)

طاعونی ٹیکہ مفطر صوم نہیں

سوال (۹۶۴): قدیم ۲/ ۱۳۶- چند جراثیم طاعونی کو بکری یا بھیڑی کی یخنی یا دودھ وغیرہ سیال شے میں ڈال دیتے ہیں جہاں وہ اپنی نسلیں بڑھا لیتے ہیں، پھر اس سیال سے ایک ایسا عرق تیار کرتے ہیں

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مکتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۸۸، كراچي ۲/ ۴۱۱۔

يجب القضاء والكفارة ككفارة الظهار على من جامع. (ملتقي الأبحر) وفي الدر المنتقي: قدم القضاء لندب تقديمه على الكفارة. (الدر المنتقي على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵۳-۳۵۵)

حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، کوئٹه ۱/ ۴۵۷۔

(۲) **هل يجوز تقديم الكفارة على القضاء قيل يجوز وهو ظاهر.** (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصوم، مکتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۵۰، امداية ملتان ۱/ ۳۱۴) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

جس میں جراثیم طاعون کی خفیف زہریلی تاثیر موجود ہوتی ہے، اب اس مادہ مذکور میں سے ذرا سا لے کر بذریعہ جلدی پچکاری ایک خرگوش یا چوہے وغیرہ کے جسم میں داخل کر دیتے ہیں جس سے اس چوہے یا خرگوش میں علامات مرض طاعون ظاہر ہوجاتے ہیں اور جب اس کو افاقہ ہوجاتا ہے تو پھر اور تھوڑا سا مادہ مذکورہ اس کے جسم میں داخل کرتے ہیں اس دفعہ علامات طاعون بہ نسبت اول کے خفیف ہوتے ہیں، اسی طرح مادہ مذکور کو چند بار داخل جسم کرنے سے اس خرگوش یا چوہے کی ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ پھر تھوڑی مقدار مادہ مذکورہ سے اس میں علامات طاعون پیدا ہی نہیں ہوتے کیونکہ اس کا خون مادہ مذکور کی سمیت سے ایسا متاثر ہوجاتا ہے کہ پھر اس قسم کی ذرا سی سمّیت کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اب اس خرگوش یا چوہے کے خون سے سیرم مائیت خون لیکر بذریعہ جلدی پچکاری کسی تندرست آدمی کے جسم میں داخل کرتے ہیں تو اس سے خفیف علامات پیدا ہوں گے جن سے وہ جلد شفایاب ہوگا اور پھر اسی مرض طاعون میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ رہے گا اور اگر مبتلا ہو بھی جاوے تو اس سے خفیف قسم کا طاعون ہوگا مہلک نہ ہوگا اور اس کی تاثیر چھ ماہ تک رہتی ہے، چھ ماہ بعد ضرورت ہو تو دوبارہ ٹیکہ لگالینا چاہئے بہرحال اس مفصل حالت اور کیفیت لکھنے سے میرا اصل منشاء اور غرض جو باعث ہیں اس عریضہ ارسال کرنے کی یہ ہے کہ صائم کو اس ٹیکہ لگانے سے روزے میں تو کوئی خلل نہیں ہے یا اس سے روزہ جاتا رہتا ہے بر تقدیر چلے جانے کے قضاء کیساتھ کفارہ بھی لازم آوے گا یا نہیں، اس کا لحاظ رہے کہ طاعونی ٹیکہ از قسم تداوی ہے اور بائیں ہاتھ کے بازو پر لگایا جاتا ہے، پچکاری کی نوک جو لوہے کی ہے اور لمبی .... اس لکیر کے برابر ہوتی ہے سب کی سب جسم میں داخل کر دی جاتی ہے جس کا اثر تمام رگ رگ میں اور دماغ وغیرہ میں ہوتا ہے یہ ایک فتویٰ کی شکل کا عریضہ خدمت اقدس میں ابلاغ ہے؟

الجواب: اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا(۱)؛ البتہ تداوی بالنجس ہے اس لئے مختلف فیہ ہے۔(۲)

۲۶/رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۶۲)

---

(۱) أما ما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوي الجائفة والأمة فإن داواها بدواء يابس لا يفسد ...... وإن داواها بدواء رطب يفسد عند أبي حنيفة وعندهما لا يفسدهما هما اعتبرا المخارق الأصلية؛ لأن الوصول إلى الجوف ←

← **من المخارق الأصلية متيقن به ومن غيرها مشكوك فيه فلا نحكم بالفساد مع الشك.**
(بدائع الصنائع، كتاب الصوم، مفسداته، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲٤۳، كراچي ۲/۹۳)

الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من الطنافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر.
(شامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند۳/۳٦۷، كراچي ۲/۳۹۵)

وما يدخل من مسام البدن من الدهن لا يفطر. (هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند قديم۱/۲۰۳، جديد ۱/۲٦٦)

(۲) اختلف فيالتداوي بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر؛ ولكن نقل المصنفؒ ثمة وهنا عن الحاوي وقيل يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى. (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه مطلب في التداواي بالمحرم، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳٦٥ -۳٦٦، كراچي ۱/۲۱۰)

وكتاب النكاح، باب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ٤/۳۹۷-۳۹۸، كراچي۳/۲۱۱۔

البحر الرائق، كتاب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۸۹، كوئٹه۳/۲۲۳۔

ولو أن مريضًا أشار إليه الطبيب بشرب الخمر روي عن جماعة من أئمة بلخ أنه ينظر إن كان يعلم يقينًا أنه يصح حل له التناول وقال الفقهيه عبد الملك حاكيا عن أستاذه أنه لايحل التناول كذا في الذخيرة. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداواي والعالجات، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/۳٥٥، جديد ٥/٤۱۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بحالت صوم مُنہ میں دوا رکھنے کا حکم

سوال (۹۶۵): قدیم ۲/ ۱۳۷- اگر کسی شخص کے دانت میں درد ہو اس کے دفعیہ کے لئے کوئی دوا استعمال کریں بایں طور کہ وہ دوا حلق کے اندر نہ جائے یا پان کھانے والا پان گلوری مُنہ میں رکھ کر چبائے اور لعاب اندر نہ جانے دے، یا نسوار (یعنی ناس) جو تمبا کو پیس کر بناتے ہیں اور پنجاب کے لوگ اکثر منہ میں ڈالتے ہیں اور بعض لوگ ناک سے سونگھتے ہیں اس کو یعنی نسوار کو صرف منہ میں رکھ کر عادت پوری کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں۔ جواب مدلّل عنایت فرمایئے، بینوا توجروا؟

الجواب: **في درالمختار: وكره له ذوق شئي وكذا مضغه بلا عذر قيد فيهما(١) اه ثم عد عذرا مست إليها الحاجة في الحال ككون الزوج سئى الخلق وخوف الغبن في الشراء.**

---

(١) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب فيما يكره للصائم، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٩٥، كراچي ٢/ ٤١٦-

الدر المنتقي على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٦٤-

ويكره للصائم أن يذوق شيئًا ومن أصحابنا من قال هذا في الصوم الفرض، أما في الصوم التطوع لا يكره ومنهم من قال: في الصوم الفرض إنما يكره إذا كا ن له منه بد، أما إذا لم يكن له منه بد، بأن احتاج إلى شراء شئ مأكول، وخاف أنه إن لم يذق يغبن فيه أولا يوافقه لايكره. (الفتاوى التاتار خانيه، كتاب الصوم، الفصل السادس، فيما يكره للصائم الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٩٥، رقم: ٤٦٨٥)

المحيط البرهاني، كتاب الصوم، الفصل السادس فيما يكره للصائم الخ، المجلس العلمى ٣/ ٣٥٦، رقم: ٣١١٧-

كره ذوق شئ ومضغه بلاعذر كذا في الكنزومن العذر في الأول مالو كان زوج المرأة وسيد ها سيئ الخق فذاقت المرقة ومن العذر. في الثاني: أن لاتجد من يضغ الطعام لصبيها من حائض أونفساء أو غيرهما ممن لايصوم ولم تجد طبيخا ولالبنا حليبا. (هندية، كتاب الصوم، الباب الثالث فيما يكره للصائم ومالايكره، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ١٩٩، جديد، ١/ ٢٦١)

اس سے معلوم ہوا کہ صور مسئول عنہا سب مکروہ ہیں۔

لاسیماءُ قد أید الکراهة الحدیث من قوله علیه السلام أفطر الحاجم والمحجوم(۱) وقوله علیه السلام من یرتع حول الحمی أوشک أن یقع فیه.(۲)

۱۲؍رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ،ص:۶۵)

قے کو مفطر صوم جان کر پھر قصداً کھانے سے کفارہ وقضاء کا حکم

سوال (۹۶۶): قدیم ۲/ ۱۳۷- ایک بیمار شخص رمضان شریف کا روزہ دار تھا، صبح اس پر قے غالب ہوئی اور اس نے منہ بھر قے کی، پھر تشنگی غالب ہوئی مگر بخوف روزہ فاسد ہوجانے کے کچھ دوا نہیں پی، کیونکہ وہ شخص جانتا تھا کہ قے ہونے سے روزہ نہیں جاتا مگر ایک دوسرے آدمی سے یہ خیال صحیح کرنے کے لئے بعد نماز جمعہ پوچھا کہ قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ تو اس آدمی نے کہا کہ قے ہونے سے روزہ جاتا رہا، اگر تکلیف ہے تو افطار کرلو، چنانچہ اس بیمار نے بعد نماز جمعہ دوا دافع تشنگی پی لی،

---

(۱) صحیح البخاري، کتاب الصوم، باب الحجامة والقئ للصائم، النسخة الهندیة ۱/ ۲۶۰۔

سنن أبوداؤد، کتاب الصیام، باب في الصائم یحتجم، النسخة الهندیة ۱/ ۳۲۲، دارالسلام رقم:۲۳۶۷۔

سنن ابن ماجه، کتاب الصیام، باب ماجاء في الحجامة للصائم، النسخة الهندیة ص: ۱۲۱، دارالسلام رقم: ۱۶۸۰۔

(۲) بخاری میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں،، **عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحلال بین والحرام بین وبینهما أمور مشتبهة فمن ترک ماشبه علیه من الإثم کان لما استبان أترک ومن اجترأ علی ما یشک فیه من الإثم أوشک أن یواقع ما استبان والمعاصی حمی الله، من یرتع حول الحمی یوشک أن یواقعه.** (صحیح البخاري، کتاب البیوع، باب الحلال بین والحرام بین الخ، النسخة الهندیة ۱/ ۲۷۵، رقم: ۲۰۰۵، ف:۲۰۵۱)

سنن النسائي، کتاب البیوع، باب اجتناب الشبهات في الکسب، النسخة الهندیة ۱/ ۱۸۶، دار السلام رقم: ۴۴۵۳۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بعدازاں معلوم ہوا کہ قے ہونے سے روزہ نہیں جاتا، پس اس صورت میں اس روزہ کی قضاء رکھنا پڑے گی یا دونوں یعنی کفارہ وقضا ادا کرنا پڑیں گے؟ اور بیمار مذکور کا افطار کرنا قصداً سمجھا جائے گا یا غلطی سے؟ اگر قصدا ہے تو قضاوکفارہ دونوں دینے پڑیں گے اور اگر مغالطہ سے ہے تو قضاء وکفارہ کچھ نہیں ہونا چاہئے، مالا بدمنہ فارسی (۱) میں لکھا ہے کہ اگر دوا یا غذا قصداً خورد کفارہ واجب بود مگر محشی صاحب خزانۃ المفتین وعالمگیری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ایں سخن وقتے ست کہ دوا وغذا برائے اصلاح بدن وبدل ما یتحلل مقرر بودہ باشد یعنی اورا از جنس دوا وغذا اقرار دادہ باشند والا کفارہ لازم نیاید، آرے قضا واجب شود **كذا في خزانة المفتين هكذا في العالمگيرية. (۲)**

(۲) کفارۂ روزۂ رمضان کا کیا قاعدہ ہے، اس کی مقدار کیا ہے؟ فقط

الجواب: عامی کا فتوی مورث شبہ شرعا نہیں: لہٰذا یہ افطار متعمدا سمجھا جائے گا، پس اگر تشنگی قابل برداشت تھی تو افطار سے قضاوکفارہ دونوں لازم ہیں۔

في الدرالمختار إذا احتجم فظن فطره به فأكل عمدا قضىٰ وكفر لأنه ظن في غير محله حتى لو أفتاه مفت يعتمد على قوله الىٰ قوله لم يكفر للشبهة و في رد المحتار ويشترط أن يكون المفتى ممن يوخذ منه الفقة ويعتمد على فتواه في البلدة ،ج:۲،ص:۱۷۴۔(۳)

---

(۱) مالابد منہ، کتاب الصوم، فصل درموجبات قضا و کفارات، مکتبہ بلال دیو بند ص:۸۹۔

(۲) إذ أكل متعمدا ما يتغذى به أو يتداوي به يلزمه الكفارة وهذا إذاكان مما يؤكل للغذاء أو للداواء فأما إذا لم يقصد لهما فلا كفارة وعليه الفضاء كذ في خزانة المفتين.

(الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الرابع، النوع الثاني، مكتبه زكريا قديم۱/ ۲۰۵، جديد ۱/ ۲۶۷)

(۳) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم وما لايفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۸۸، كراچي ۲/ ۴۱۱۔

لو ذرعه القيء فظن أنه يفطره فأفطر لاكفارة عليه لوجود شبهة الإشتباه بالنظير فان القيء والاستقاء متشابهان لأن مخرهما من الفم......وإن علم أن ذٰلك لايفطره فعليه الكفارة ←

(۲) کفارہ کے ساٹھ روزے متواتر رکھے۔(۱) فقط

۸/ر رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۶۶)

← ......**لو احتجم أو اغتاب فظن أنه يفطره، ثم أكل إن لم يستفت فقيها ولا بلغه الخبر فعليه الكفارة......وإن استفتى فقيها لا كفارة عليه لأن العامي يجب عليه تقليد العالم إذا كان يعتمد على فتواه......وفي النهاية ويشترط أن يكون المفتى ممن يؤخذ منه الفقه ويعتمد على فتواه في البلدة وحينئذٍ تصير فتواء شبهة ولا معتبر بغيره.** (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض قبيل فصل عقد بيان مايوجبه العبد الخ مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۱۲-۵۱۳، كوئٹه ۲/۲۹۳)

ومما يوجب الكفارة أكله عمداً بعد غيبة أو بعد حجامة أو مس أوقبلة بشهوة أو دهن شارب ظانا أنه أفطر بذٰلک لأنه متعمد ولم يستند ظنه إلى دليل شرعى فلزمته الكفارة ......إلا إذا أفتاه فقيه (مراقى الفلاح) وتحته في حاشية الطحطاوى: ويشترط في المفتي أن يكون ممن يؤخذ عنه الفقه ويعتمد على فتواه في البلدة وحينئذٍ تصير فتواه شبهة ولا معتبر بغيره وفيه أننا لم نلتزم صحة فتواه وإنما اعتبرت شبهة مسقطة للكفارة وهذا يقضى بعدم التقييد بماذكره. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، قبيل فصل في الكفارة ومايسقطها عن الذمة، دارالكتاب ديوبند ص:۶۶۷-۶۶۸)

(۴) **والكفارة تحرير رقبة......فإن عجزعنه صام شهرين متتابعين ليس فيها يوم عيد ولاأيام التشريق للنهي عن صيامها.** (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في الكفارة وما يسقط عن الذمة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص:۶۶۹-۶۷۰)

إذا أفطر متعمداً يعتق رقبة فإن لم يجد رقبة فعليه صيام شهرين متتابعين. (الفتاوى الولوالجية، كتاب الصوم، الفصل الثاني فيما يوجب الكفارة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۲۵)

كفارة الفطر وكفارة الظهارواحدة وهي عتق رقبة مؤمنة أوكافرة فإن لم يقدرعلى العتق فعليه صيام شهرين متتابعين الخ.(هندية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، المتفرقات قبيل كتاب المناسك، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۲۱۵، جديد ۱/۲۷۸) *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

دھونی مفطر صوم ہے یا نہیں؟

سوال (۹۶۷): قدیم ۲/ ۱۳۸- ماقولكم أيها العلماء الكرام دام فضلكم، طحطاوی حواشي مراقي الفلاح میں ہے۔

في سكب الأنهر لو وجد بدا من تعاطي ما يدخل غباره في حلقه أفسد لو فعل اه ويدل عليه التعلل بعدم إمكان الاحتراز. انتهى (۱)

اور محقق ابن عابدین شامی حواشی درمختار میں لکھتے ہیں:

إذا وجد بدا من تعاطي ما يدخل غباره في حلقه أفسد لو فعل شرنبلا ليه انتهى. (۲)

ان دونوں عبارت وامثال ذالک سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر روزہ دار کو ایسے فعل سے بچنا اور احتراز کرنا بدون نقصان وحرج کے ممکن ہو جو اس کے حلق میں غبار یا دخان کے داخل ہونے کا باعث ہو، باوجود اس کے اس فعل کو کرے تو روزہ فاسد ہوگا، تب رمضان شریف کے دن مجلس سوم یا چہارم اموات یا محفل میلاد شریف وغیرہ قریب مجمع واثناء حلقہ روزہ داران لوبان جلانا، اگر کی بتی سلگانا جو ضروری امر نہیں ہے بغیر اس کے بھی بذریعہ چھڑکنے عرق گلاب وغیرہ اور تقسیم عطر کے حاضرین میں یا حلقہ روزہ داران سے کسی قدر دوری وفصل پر لوبان، بتی اگر کی جلانے سے انتشار خوشبو کا ان مجالس میں ممکن ہے، خواہ مخواہ باثناء وقرب مجمع روزہ داران لوبان یا بتی اگر کی جلانا اور اس کے گرداگرد وقریب ایسے موقع سے روزہ داران کا بیٹھنا جس سے دھواں حلق ودماغ میں ان لوگوں کے یقینی اور ضروری پہنچتا رہے بوجہ ارتکاب فعل موجب داخل ہونے دخان کے حلق ودماغ میں باوصف چارہ وامکان احتراز کے اور نہ ہونے کسی مجبوری ولاچاری کے بفحوائے عبارت أفسد لو فعل موجب فساد صوم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: قیود مذکورہ سوال کے ساتھ یہ بخود مفسد صوم وموجب قضاء ہوگا۔

---

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب في بيان مالا يفسد الصوم، دارالكتاب ديوبند ص: ٦٦٠۔

(۲) شامي، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده مطلب: يكره السحر إذا خاف فوت الصبح، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ٣٦٦، كراچي ۲/ ٣٩٥۔

في الدر المختار: أودخل حلقه غبار أو ذباب أودخان ولو ذاكرا استحسانا لعدم إمكان التحرز عنه ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان أوعودا أو عنبراً لو ذاكراً لإمكان التحرز عنه فليتنبه له كما بسطه الشرنبلا لي. وفي رد المحتار: قوله: لو أدخل حلقه الدخان أي بأي صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فأواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه وهذا ما يغفل عنه كثير من الناس ولا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسک لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسک وشبهه وبين جوهر دخان وصل إلىٰ جوفه بفعله. امداد، وبه علم حكم شرب الدخان الخ. (۱)

۱۹/ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۶۷)

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب يكره السهر إذا خاف فوت الصبح، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳٦٦، كراچي ۲/۳۹۵-

مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب في بيان مالا يفسد الصوم، دارالكتاب ديوبند ص: ٦٦٠-

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳٦۱-

مالايفسد الصوم عند الحنفية هو أربعة وعشرون تقريباً. التاسع: دخول الدخان أوالغبار ولو غبار الطاحون أوالذباب أو أثرطعم الأدوية إلى الحلق بلاصنع الصائم أي رغما عنه وهو ذاكر الصوم لأنه لايمكن الاحتراز أو الامتناع عنها؛ لكن لوتبخر ببخور فأواه إلى نفسه واشتم دخانه ذاكراً لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه ولا يتوهم أنه كشم الوردو مائه والمسک لوجود الفرق بين هواء تطيب بريح المسک وشبهه وبين جو هر دخان وحمل إنه إلى جوفه بفعله. (الفقه الإسلامي وأدلته، الصيام، المبحث السابع مايفسد الصوم ومالايفسده، الهدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ۲/۵۷۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قضاء روزوں کی تعداد کے متعلق تخمینہ پر عمل کیا جائے

سوال (۹۶۸): قدیم ۲/ ۱۳۹- اگر کسی شخص کے دو تین سال کے رمضان کے چند روزے گئے لیکن سال یاد نہیں کہ کس کس سال کے رمضان کے گئے ہیں مگر غالب گمان سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں فلاں سال کے رمضانوں کے روزے گئے ہیں لیکن کسی رمضان میں تو بعض روزے بسبب جماع کے گئے ہیں اور بعض کسی دوسرے سبب سے گئے ہیں جس سے صرف قضاء واجب ہوتی ہے اور کسی رمضان میں صرف قضاء والے روزے گئے ہیں مگر پورے طور سے یاد نہیں کہ اس رمضان میں کفارے والا روزہ نہ گیا ہے اور یہ بھی یاد نہیں کہ ہر رمضان میں کتنے روزے گئے ہیں مگر اندازا معلوم ہوتا ہے کہ پانچ یا چھ روزے گئے ہونگے اور یہ یاد نہیں کہ ہر رمضان میں کتنے روزے بسبب جماع کے گئے ہیں اور کتنے روزے دوسرے سبب سے گئے ہیں یعنی اسی سبب سے جس سے صرف قضاء واجب ہے تو اب ان روزوں کی قضاء وکفارہ کس طرح ادا کرے اور نیت بھی کس طرح کرے؟

الجواب: غالب تخمینہ پر عمل کرے (۱) احتیاط کے لئے دو چار اور بڑھا دے۔ (۲)

---

(۱) **الظن طرف الراجح وهو ترجيح جهة الصواب أوالوهم رجهان جهة الخطاء وأما أكبر الرأى وغالب الظن فهو الطرف الراجح إذا أخذ به القلب وهو المعتبر عند الفقهاء كما ذكره اللا مشى في أصوله وتحته في شرح الحموي: قوله: فهو الطرف الراجح إذا أخذ به القلب، قيل إن أراد بأخذالقلب الجزم فهو ينافي كونه راجحا والفرض أنه كذالک وإن أراد أقصى مراتب الظن بحيث يقرب من مرتبة الجزم فلا بأس به.** (الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، القاعدة الثالثة اليقين لايزول بالشك الفائدة الثانية، قديم ص: ۱۲۳، مكتبه زكريا جديد ۱/ ۲۲۲)

(۲) **الثالث: شک فيما عليه من ا لصيام الرابع شكت فيما عليها من العدة هل هى عدة طلاق أووفاة ينبغى أن يلزم الأكثر عليها وعلى الصائم، أخذا من قولهم لوترک صلاة وشک أنها أية صلاة تلزمه صلاة يوم وليلة عملا بالإحتياط.** (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة: اليقين لايزول بالشك قبيل قاعدة الأصل العدم، مكتبه زكريا ديوبند قديم ص:۱۰۸-۱۰۹، جديد ۱/ ۱۹۸)

اورنیت میں اول صوم واجب کہہ لینا کافی ہے۔(۱)

۲۱/ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۳۵)

غیبت اشد من الزنا ہونے کے باوجود مفطر صوم نہیں

سوال (۹۶۹): قدیم ۲/ ۱۴۰- کنز الدقائق میں آیا ہے کہ:

ومن جامع أوجومع أو أكل أو شرب غذاءً ، أو دواً، عمداً قضىٰ و كفر. (۲)

اورحدیث شریف میں آیا ہے:

وعن أبي سعيدؓ وجابرؓ قالا قال رسول الله ﷺ الغيبة أشد من الزنا. الخ (۳)

جب زنا سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو غیبت سے بدرجہ اولیٰ ٹوٹنا چاہیئے اس وجہ سے کہ یہ اس سے زیادہ سخت ہے؟

---

(۱) **وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعين كل صلاة فإذا أراد تسهيل الأمرعليه نوى أول ظهـر عليه أوآخره وكذا الصوم الذي عليه من رمضان إذا أراد قضاء ه يفعل مثل هذا.** (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، دارالكتاب ديوبند ص: ٤٤٦)

كثـرت الفوائت نوى أول ظهر عليه أوآخره وكذا الصوم لومن رمضانين هو الأصح. (الـدرالـمـخـتـار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، قبيل باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥٣٨، كراچي ٢/ ٧٦-٧٧)

إذا كـان عـلـيـه قـضـاء يـومـيـن من رمضان واحد فأراد القضاء ينبغى أن ينوى أول يوم وجـب عليه قضاء ه من هذا الرمضان أو أخر يوم وجب عليه قضاء ه وإن لم يعين ونوى قضاء رمـضان لاغير يجز ئه سواء كان عن رمضان واحد أوعن رمضانين . (المحيط البرهانى، كتاب الصوم ، الفصل الثالث ما يتعلق بالنية، المجلس العلمي ٣/ ٣٤٤، رقم: ٣٠٧٢)

الـفتـاوى التـاتـار خـانية، كتـاب الـصـوم،الـفـصل الثالث في النية،مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٧٢، رقم: ٤٦٠٥۔

(۲) كنز الدقائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مطبوعه مجتبائى دهلى ص: ٦٨۔

(۳) المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتاب العلمية بيروت ٥/ ٦٤، رقم: ٦٥٩٠۔

الجواب: اشد ہونے سے مفطر ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ اشدیت باعتبار گناہ کے ہے نہ باعتبار منافات رکن صوم کے، بخلاف اکل وشرب وجماع کے کہ منافی ہے رکنِ صوم یعنی ''إمساک عن المفطرات الثلث'' کے غایت یہ کہ وہ صوم بسبب اقتران گناہ کے قابل قبول نہ ہو(۱)، لیکن عدم قبول سے عدم صحت لازم نہیں جس طرح اسبال ازار سے نماز قبول نہیں ہوتی، لیکن صحیح ہوجاتی ہے(۲) اور یہ اشد یہ بھی من کل الوجوہ نہیں بلکہ خود حدیث میں وہ وجہ خاص آئی ہے کہ زنا توبہ سے معاف ہوتا ہے اور غیبت بدون عفو مغتاب کے معاف نہیں ہوتی (۳)۔

۱۶/ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۷۰)

---

(۱) **قال ابن التینؒ: ظاهرا لحديث أن من اغتاب في صومه فهو مفطر وإليه ذهب بعض السلف وذهب الجمهور إلى خلافه لكن معنى الحديث إن الغيبة من الكبائر وأن إثمها لايعفي له بأجر صومه فكأنه في حكم المفطر.** (فتح الباري، كتاب الأدب، باب قول الله تعالى واجتنبوا قول الزورتحت رقم الحديث: ٦٠٥٧، مكتبه اشرفية ديوبند ٥٨١/١٠، دارالريان للتراث ٤٨٩/١٠)

(۲) **عن أبي هريرة قال: بينما رجل يصلى مسبلا إزاره إذا قال له رسول اللهﷺ صلّى الله عليه وسلم اذهب فتوضأ فذهب فتوضأ ثم جاء، ثم قال اذهب فتوضأ فذهب فتوضأ ثم جاء، فقال له رجل يا رسول الله مالك أمرته أن يتوضأ قال إنه كان يصلى وهو مسبل إزاره وإن الله جعل ذكره لايقبل صلاة رجل مسبل إزاره.** (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب الإسبال في الصلاة، النسخة الهنديهة ٩٣/١، دارالسلام رقم: ٦٣٨)

مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الستر، مكتبه اشرفيه ٧٣/١۔

وقال الملا على القاريؒ تحت هذالحديث: قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم أى بعد صلاته لكون صلاته صحيحة فأراد أن يبين له أنها غير مقبولة فقال اذهب فتوضأ الخ.

(مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الستر، مكتبه إمداديه ملتان ٢٣٤/٢)

(۳) **عن جابر بن عبد اللهؓ وأبى سعيد الخدريؓ قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغيبة أشد من الزنا قيل: وكيف؟قال: الرجل يزني ثم يتوب فيتوب الله عليه وإن صاحب ←**

تشنگی کی وجہ سے روزہ میں ٹھنڈک حاصل کرنے کا حکم

سوال (۹۷۰): قدیم ۲/۱۴۰- درحالت صوم از شدت تشنگی برائے تفریح وتبرید غسل کردن جائز ست یانہ؟

الجواب: في الدرالمختار: لاتكره حجامة وتلفف بثوب مبتل ومضمضة أواستنشاق أو اغتسال للتبرد عند الثاني وبه يُفتى وفي رد المحتار قوله و به يُفتى لأن النبي صلى الله عليه وسلم صب على رأسه الماء وهو صائم من العطش أو من الحر. رواه أبوداؤد وكان ابن عمر رضی اللہ عنہ يبل الثوب ويلفه عليه وهو صائم ولأن هذه الأشياء بها عون على العبادة ودفع الضجر الطبيعي وكرهها أبوحنيفة رحمہ اللہ لما فيها من إظهار الضجر في العبادة كما في البرهان. امداد ١/١٨٣. (١)

ازیں روایت معلوم شد کہ اگر غسل کردن بدیں طور است کہ ازو اظہار بےصبری می شود کراہت دارد واگر بطور تسہل عبادت واستعانت بِرو باشد غیر مکروہ است وہو وجہ التوفیق بین قول الامام والثانی۔

۱۲/رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۷۷)

← الغيبة لايغفر له حتى يغفر له صاحبه. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ٦٤/٥، رقم: ٦٥٩٠)

شعب الإيمان للبيهقي، باب فى تحريم إعراض الناس، دارالكتب العلمية بيروت ٣٠٦/٥، رقم: ٦٧٤١ ـ

(١) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مطلب في حديث المتوسعة على العيال الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٣٩٩/٣، كراچي ٤١٩/٢ ـ

عن أبي بكر بن عبد الرحمن عن بعض أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر الناس في سفره عام الفتح بالفطر وقال: تقووا العدوكم وصام رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أبو بكر: قال الذي حدثني لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بالعرج يصب على رأسه الماء وهو صائم من العطش أو من الحر. (أبو داؤد شريف، كتاب الصوم، باب الصائم يصب عليه الماء من العطش الخ النسخة الهندية ٣٢٢/١، دارالسلام رقم: ٢٣٦٥) ←

حالت صوم میں تازہ مسواک کا حکم

سوال (۹۷۱):قدیم۲/۱۴۰- روزہ میں نیم کی ہری مسواک کرنی جائز ہے یانہیں؟

الجواب: جائز ہے۔

لما في الدرالمختار: ولا سواک ولو عشيا أورطبا بالماء على المذهب. في رد المحتار أما الرطب الأخضر فلا بأس به اتفاقا كذا في الخلاصة نهر ص:۱۸۳،ج:۲۔ (۱)

۳؍شوال ۱۳۳۳ھ(تتمہ ثالثہ،ص:۸۷)

← **عن عبد الله بن أبي عثمان قال: رأيت ابن عمر وهو صائم يبل الثوب ثم يلقيه عليه.** (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصيام، ماذكر في الصائم يتلذذ بالماء، مؤسسة علوم القرآن ١٨٦/٦، رقم: ٩٣٠٣)

ولايكره له المضمضة والاستنشاق وقد فعلهما لغيروضوء ولاالإغتسال ولا التلفف بثوب متبل قصد ذلک للتبرد ودفع الحر على المفتى به وهو قول أبي يوسف لأن النبى صلى الله عليه وسلم صب على رأسه الماء وهو صائم من العطش أومن الحر رواه أبو داؤد وكان ابن عمر رضى الله عنهما يبل الثوب ويلفه عليه وهو صائم ولأن بهذه عونا على العبادة ودفعا للضجر الطبيعى وكرهها أبو حنيفةؒ لما فيه من إظهار الضجر في إقامة العبادة. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل فيما يكره للصائم، دارالكتاب ديوبند ص:٦٨٢)

ويكره عند الإمام الاستنشاق للتبرد وصب الماء على رأسه وكذا الاغتسال والتلفف بثوب مبلول لما فيه من إظهارالتضجر في إقامة العبادة ولا يكره ذالک عند أبي يوسف لورود الأثر وهذه الأشياء عون على العبادة ودفع للتضجر الطبيعى وبه يفتى. (مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، قبل فصل يباح الفطر الخ،دارالكتب العلمية بيروت ٣٦٤/١-٣٦٥)۔

(١) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ٣٩٩/٣، كراچي ٤١٩/٢ ۔ ←

روزہ کی حالت میں منجن استعمال کرنا

سوال (۹۷۲): قدیم ۲/۱۴۱- بہشتی زیور کے حصہ۳ صفحہ ۱۵ (۱) پر روزہ توڑنے والی چیزوں کے بیان میں لکھا ہے۔

مسئلہ: کوئلہ چبا کر دانت مانجنا اور منجن سے دانت مانجنا مکروہ ہے اور اگر اس میں سے کچھ حلق میں اتر جائے گا تو روزہ جاتا رہے گا امسال ایک شخص نے اس پر بہت اعتراض کیا اور یہ کہا کہ جب تک حلق کے اندر نہ جائے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی اور یہ بات بالکل غلط ہے اور یہ اردو کے رسائل ہیں انکا کیا اعتبار بلکہ یہاں تک زیادتی کی کہ اگر کوئلہ یا منجن سے دانت مانجنے سے روزہ مکروہ ہوگا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں

← النهر الفائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، قبيل فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٧۔

ولابأس بالسواك الرطب واليابس بالغداة والعشي عندنا، وعند الشافعي يكره في العشي، وقال أبو يوسفؒ: يكره المبلول بالماء لأن فيه إدخال الماء فى الفم من غير ضرورة. وفى ظاهر الرواية: لابأس بذالك لأن المقصود هو التطهير فكان بمنزلة المضمضة وأما الرطب الأخضر فلا بأس به عند الكل . (خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، قبيل الفصل السادس في الاعتكاف، مكتبه اشرفية ديوبند ١/٢٦٦)

ولايكره له السواك آخر النهار بل هو سنة كأوله ......ولو كان رطبا أخضر أو مبلولا بالماء. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، قبيل فصل في العوارض،مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ٦٨١-٦٨٢)

وأما السواك فلا بأس به للصائم، أطلقه فشمل الرطب واليابس والمبلول وغيره وقبل الزوال وبعده لعموم قوله صلى الله عليه وسلم: لولا أن أشق على أمتي لأمر تهم بالسواك عند كل وضوء وعند كل صلاة، لتناوله الظهر، والعصر، والمغرب. (البحرالرائق، كتاب الصوم، قبل فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٩١، كوئٹه ٢/٢٨١)

(۱) اختری بہشتی زیور، جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اور جن سے ٹوٹ جاتا ہے، کتب خانہ اختری سہارنپور حصہ سوم صفحہ:۱۳۔

اور اس شخص کی وجہ سے چند آدمیوں نے امسال تمام رمضان پھر کوئلہ اور منجن سے دانت مانجے، بلکہ مجھ کو و نیز دوسرے خداموں کو خوب جتا جتا کر دانت مانجے، اگر کوئی روایت فقہ کی اس کے ثبوت میں تحریر فرمادی جاوے تو کیا عجب ہے کہ ان لوگوں کی اصلاح ہو جاوے اور اگر ان لوگوں کی اصلاح نہ ہوئی یعنی انھوں نے نہ مانا جیسا کہ اس زمانہ میں تجربہ ہو رہا ہے، تو کم از کم اتنا نفع تو ضرور ہوگا کہ اپنے آدمیوں کو زیادہ تقویت ہو جاوے گی؟

الجواب: في الدرالمختار أوذاق شيئًا بفمه وإن كره لم يفطر في رد المحتار: قوله: إن كره أي إلالعذر كما ياتي ص: ۱۶۲. (۱) ثم قال في الدرالمختار وكره له ذوق شيئ وكذا مضغه بلا عذر قيد فيهما قاله العينى ككون زوجها أو سيدها سيئى الخلق فذاقت وفي كراهة الذوق عند الشراء قولان ووفق في النهر بأنه إن وجد بداً ولم يخف غبنا كره وإلا لا إلىٰ قوله وكره مضغ علك أبيض ممضوع وإلا فيفطر. في رد المحتار: قوله: أبيض قيده بذالک لأن الأسود غير الممضوع وغير الملتئم يصل منه شئى إلى الجوف الىٰ قوله فإن كان مما يصل عادة حكم بالفساد لأنه كالمتيقن. ۲/۱۸۰. (۲)

ان روایات سے واضح ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے اور اگر عادۃً جوف کے اندر پہونچ جاوے تو مفسد صوم ہے۔

۲/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، صفحہ: ۹۶)

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مطلب فى حكم الاستمناء بالكف، مكتبهزكريا ديوبند ۳/۳۷۳، كراچي ۲/ ۴۰۰۔

(۲) الدرالمختار مع رد المحتار كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مطلب فيما يكره للصائم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۹۵-۳۹۶، كراچي ۲/۴۱۶۔

وكره ذوق شيئ مفطر من غذا أوداء...... ومضغه بلا عذر وإن كان فى فيه فإن احتاج إلى المضغ فلاشيئ وفى التبيين لابأس بأن تذوق المرأة المرقة بلسانها إذا كان زوجها أو سيدها سيئ الخلق وفى الفتح: وليس من الأعذار الذوق عند الشراء ليعرف الجيد من الردى بل يكره لكن فى المحيط عدم الكراهة خوفا للغبن فى المشترى وكره مضغ العلك. قيل: إذا كان أبيض ممضوغا وإلا يفطر (إلى قوله) وفى الفتح: إذا فرض فى بعض العلك معرفة الوصول منه عادة وجب الحكم فيه بالفساد؛ ولأنه كالمتيقن. (مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۶۳-۳۶۴)

عذر کی وجہ سے افطار کرنے والے کا اعلانیہ کھانے کا حکم

سوال (۹۷۳): قدیم ۲/۱۴۲- رمضان میں جو بیمار ہو یا حائضہ اس کو روزہ داروں کے روبرو پان یا روٹی وغیرہ کھانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: في النهاية: قيل: تأكل الحائض سرا وقيل هي والمسافر والمريض جهرا، جامع الرموز. ۱/۱۶۳. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ پوشیدہ ہوکر کھاوے۔

۲۰/ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۱۰۹)

← كره ذوق شيئ ومضغه بلاعذر (كنز) وتحته في النهر: بلاعذر قيد فيهما وجعله الشارح قيدا في الثاني فقط والأول أولىٰ فمن العذر في الأول مالوكان زوجها أوسيدها سيئ الخلق فذاقت المرقة وليس منه ذوق نحو العسل ليعرف الجيد أوالرديئ منه عند الشراء كما في الفتح وفي المحيط: يجوزأن يقال:إن لابأس به كيلا يغبن وعبارته في المجتبى يكره ذوق العسل، والدهن، عند الشراء لمعرفة جوده كما للمرأة ذوق المرقة وقيل: لابأس به إذا لم يجد بداً من شرائه ويخاف الغبن وينبغي حمل الأول على ما إذا وجد بُدًّا ، والثاني على ما إذا لم يجده وقد خشي الغبن ...... وكره أيضا مضغ العلك، وحمله المشايخ على الأبيض الممضوغ أو الأسود إما غير الممضوغ مطلقا فيفطر بالقطع بأن عدم الإفطار معلل بعدم الوصول ، فإذا فرض في بعض العلك معرفة الوصول عادة وجب الحكم فيه بالفساد لأنه كالمتيقن الخ. (النهر الفائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، قبيل فصل فى العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۵)

(۱) قيل: الحائض تأكل سراً لاجهراً وقيل تأكل سراً وجهراً وللمريض والمسافر الأكل جهراً كذا في النهاية. (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۰۵، كوئٹه ۲/۲۸۹) ←

منھ میں مصنوعی دانت ہونے کی وجہ سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا

سوال (۹۷۴): قدیم ۲/۱۴۲- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے دانت ٹوٹ گئے ہیں وہ مصنوعی دانت ہر وقت اپنے مُنہ میں لگائے رہتا ہے، دانتوں کی ساخت میں سنگ مرمر اور ربڑ ہے یعنی ان ہی دو چیزوں سے مصنوعی دانت بنے ہیں نہ ان میں بو ہے نہ مزہ، نہ ان دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز پانی میں حل ہونے والی ہے، اب وہ شخص روزہ رکھنا چاہتا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ اگر روزہ کی حالت میں یہ مصنوعی دانت منہ میں رہیں تو روزہ مکروہ تو نہ ہوگا، جواب باصواب سے اطلاع دیجئے؟

الجواب: مکروہ نہ ہوگا۔(۱)

۱۸/شعبان ۳۸ھ (تتمہ خامسہ، ص:۱۵۲)

← **وهل تأكل الحائض سراً أوجهراً قيل سراً وقيل جهراً ، وللمسافر والمريض الأكل جهراً، رواية واحدة كذا في السرا ج الوهاج.** (هندية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، المتفرقات، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٢١٥، جديد ١/٢٧٨)

(۱) مصنوعی دانت دو طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) وہ دانت جو کبھی بھی الگ نہیں ہوتا ہے وہ جسم کا جزو بن جاتا ہے۔

(۲) وہ دانت جس کو جب چاہے الگ کیا جا سکتا ہے۔

دونوں طرح کے دانتوں کے منھ میں رہنے کی وجہ سے روزہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا، جیسا کہ ذیل کے جزئیہ سے واضح ہوتا ہے۔

ولو مص الهليلج فدخل البزاق حلقه لم يفسد مالم يدخل عينه. (هندية، كتاب الصوم،الباب الرابع فيما يفسد ومالا يفسد، مكتبه زكريا قديم١/٢٠٣، جديد ١/٢٦٦)

وإذا مص هيلجة يابسة ولم يدخل عينها فى جوفه لايفسدصومه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الرابع: مايفسد الصوم وما لايفسد، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٨٢، رقم: ٤٦٣٨)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم،الفصل الثالث، فيما يفسد الصوم وفيما لايفسد الخ، مكتبه اشرفيه ديوبند ١/ ٢٥٤۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبل الغروب چاند دیکھ کر روزہ افطار کرنے سے کفارہ کا وجوب

سوال (۹۷۵): قدیم ۲/۱۴۲- گزشتہ رمضان روز جمعرات سے شروع ہو کر تیس تاریخ جمعہ کو ختم ہونے کے بعد سنیچر کی رات کو چاند عید الفطر کا نظر آیا اور تمام ہندوستان میں شنبہ کو عید کی، مگر کہیں اتفاق سے ایسا ہو گیا کہ بوجہ جہل یا نادانی کے جمعہ کو دوپہر کے بعد یا اس سے پہلے ہی ہو چاند نظر آنے پر دن ہی کو یعنی تیس تاریخ میں افطار کر دیا، تو اس صورت میں ان پر فقط قضاء آوے گی یا کفارہ بھی دینا پڑے گا، عبارت کتب معتبرہ جواب میں تحریر فرما کر مشرف فرمادیں اور دوپہر سے پہلے اور بعد دیکھنے سے دونوں کا ایک ہی حکم ہے یا کچھ فرق ہے، اگر فرق ہے تو کیا؟

الجواب: في الدر المختار: ورؤيته بالنهار لليلة الآتية مطلقا على المذهب ذكره الحدادى وفي رد المحتار مطلقا أي سواء رؤى قبل الزوال أو بعده وقوله على المذهب أي الذى هو قول أبي حنيفة ومحمدؒ قال في البدائع: فلا يكون ذٰلک اليوم من رمضان عندهما قال أبويوسفؒ: إن كان بعد الزوال فكذلک وإن كان قبله فهو لليلة الماضية ويكون اليوم من رمضان وعلىٰ هذا الخلاف هلال شوال فعندهما يكون للمستقبلة مطلقا ويكون اليوم من رمضان وعنده لوقبل الزوال يكون للماضية ويكون اليوم يوم الفطر الخ وبعد نحو نصف صفحة لأن الخلاف على ما صرح به في البدائع والفتح إنما هو في رويته يوم الشک وهو يوم الثلاثين من شعبان أو من رمضان فإذا كان يوم الجمعة المذكور يوم الثلاثين من الشهر و رؤي فيه الهلا ل نهاراً فعند أبي يوسف ذلک اليوم أول الشهر (أي بالقيد المذكور) وعندهما لا عبرة لهذه الروية ويكون أوّل الشهر يوم السبت سواء وجدت هذه الروية أولا الخ ج: ۲، ص: ۵۲، ۵۳. (۱)

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب فى رؤية الهلال نهارا، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۶۱-۳۶۲، كراچي ۲/۳۹۲ ـ

بدائع الصنائع، كتاب الصوم، اثبات الأهلة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۲۳-۲۲۴، كراچي ۲/۸۲ـ

وفي الدرالمختار أو احتجم فظن فطره به فأكل عمدًا قضى وكفر؛ لأنه ظن في غير محله حتىٰ لو أفتاه مفت يعتمد علىٰ قوله أو سمع حديثا ولم يعلم تاويله لم يكفّر للشبهة وإن اخطأ المفتى ولم يثبت الأثر إلا في الإدهان وكذا الغيبة عند العامة زيلعي؛ لكن جعلها في الملتقى كالحجامة ورجحهٗ في البحر للشبهة في رد المحتار: قوله: يعتمد على قوله ويشترط أن يكون المفتى ممن يوخد منه الفقه ويعتمد على فتواه في البلدة وحينئذٍ تصير فتواه شبهة ولا معتبر بغيره اه وبه يظهر أن يعتمد مبنى للمجهول فلا يكفي اعتماد المستفتى وحده فافهم قولهم وكذا الغيبة لأن الفطر بها يخالف القياس والحديث وهو قوله ﷺ ثلاث تفطر الصائم مؤول بالاجماع بذهاب الثواب بخلاف حديث الحجامة فإن بعض العلماء أخذ بظاهره مثل الأوزاعى وأحمد إمداد ولم يُعتد بخلاف الظاهرية في الغيبة لأنه حديث بعد ما مضى السلف علىٰ تاويله بما قلنا فتح وفي الخانية قال بعضهم هذا والحجامة سواء وعامة المشائخ قالوا عليه الكفارة علىٰ كل حال لأن العلماء أجمعوا على ترك العمل بظاهر الحديث وقالوا أراد به ثواب الاٰخرة و ليس في هذا قول معتبر فهذا ظن ما استند الىٰ دليل فلا يورث شبهة اه، ج: ۲، ص: ۱۷۴، ۱۷۵. (۱)

← فتح القدير، كتاب الصوم، فصل فی رؤية الهلال، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۱۸۔

مع حاشية الشلبی تبين الحقائق، كتاب الصوم، قبيل باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۶۵۔

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، قبيل مطلب في الكفارة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۸۸-۳۸۹، كراچي ۲/۴۱۱-۴۱۲۔

خانية على هامش الهندية، كتاب الصوم، الفصل السابع فيما يسقط الكفارة ومالا يسقط، قديم، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۱۶-۲۱۷، جديد ۱/۱۳۵۔

ومما يوجب الكفارةأكله عمدا بعد غيبه أوبعد حجامة أومس أوقبلة بشهوة أودهن شارب ظانا أنه أفطر بذلک؛لأنه متعمد ولم يستند ظنه إلى دليل شرعي فلزمته الكفارة...... إلا إذا أفتاه فقيه......فلا كفارة عليه لأن الواجب على العامي الأخذ بقول المفتي فتصير الفتوى شبهة في حقه وإن كانت خطأ في حقها أو إلا إذا سمع المحتجم أوالحاجم الحديث ←

ان روایات سے مستفاد ہوا کہ زوال کے بعد جو ۳۰ تاریخ کو چاند نظر آیا وہ بالا جماع آئندہ شب کا ہے اور کسی کے نزدیک وہ دن یکم شوال نہیں ہے، پس نہ تو کوئی کسی عالم کا مذہب ہے اور نہ حدیث ”صوموا لرؤیتہٖ وأفطرو لرؤیتہٖ“ (۱) کے کسی کے نزدیک یہ معنی ہیں، پس یہ فعل نہ کسی حدیث کی طرف مستند ہوا نہ کسی فتویٰ کی طرف پس کوئی ایسی دلیل شرعی اس لئے نہیں پائی گئی جس سے شبہ معتبرہ پیدا ہو

← **وهو قوله صلى الله عليه وسلم أفطر الحاجم والمحجوم ولم يعرف تأويله على المذهب وفي حاشية الطحطاوي تحت قوله إلا إذا أفتاه فقيه قال في البحر ويشترط في المفتي أن يكون ممن يؤخذ عنه الفقيه ويعتمد على فتواه في البلدة، وحينئذٍ تصير فتواه شبهة ولا معتبر بغيره وفيه أننا لم نلتزم صحة فتواه وإنما اعتبرت شبهة سقطه للكفارة وهذا يقضي بعدم التقييد بماذكره.** (حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، قبيل فصل فى الكفارة ومايسقطها عن الذمة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص:٦٦٧-٦٦٨)

البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل فى العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥١٢-٥١٣، كوئٹه ٢/٢٩٣۔

وكذا يجب القضاء والكفارة لواحتجم الصائم أو إغتاب من الغيبة فظن أنه أى كل واحد من الاحتجام والاغتياب فطره فأكل عمداً لعدم الفطرصورة ومعنى فقوله عليه السلام: الغيبة تفطر الصائم مأول بالإجماع بذهاب الثواب ولهذا يجب عليه القضاء والكفارة إذا أكل عمدا إن ظن أنه أفطره سواء بلغه الحديث أولم يبلغه عرف تاويله أولم يعرف افتاه مفت أولم يفت لأن الفطر بالغيبة يخالف القياس بخلاف حديث الحجامة وهو قوله عليه الصلاة والسلام أفطر الحاجم والمحجوم فان بعض العلماء أخذ بظاهره من غير تاويل مثل الأوزاعى وأحمد ولهذا إذاسمعه فأفطر إعتماد اعلى ظاهره لاتجب الكفارة عند محمد ...... وكذا إذا أفتاه مفت بفساد صومه فحينئذٍ لاكفارة عليه؛لأن الواجب على العامى الأخذ بفتوى المفتى فتصير الفتوى شبهة فى حقه وإن كان خطأ فى نفسها الخ. (مجمع الانهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، دارالكتب العلميه بيروت ١/٣٥٥)

(١) **عن أبي هريرة رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فان غمى عليكم فأكملوا العدد.** (صحيح مسلم ، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، النسخة الهندية ١/٣٤٧، بيت الافكار الدولية، رقم: ١٠٨١) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس لئے ان لوگوں پر قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں؛ البتہ اگر قبل زوال چاند نظر آتا تو اس میں یہ تفصیل ہوتی کہ اگر افطار حدیث موصوف کی بنا پر ہوتا تو یہی حکم ہوتا، کیونکہ حدیث کے یہ معنی کسی کے نزدیک نہیں اور اگر ابو یوسفؒ کے قول پر ہوتا تو اگر اس قول کی اطلاع مفطر کو ہوتی یا کوئی معتبر مفتی اس کا فتویٰ دیتا، تو صرف قضا لازم آتی اور اگر یہ دونوں امر بھی نہ ہوتے تب بھی قضا وکفارہ دونوں لازم آتے، اگر چہ وہ فعل ابو یوسفؒ کے موافق ہوتا کیونکہ اس شخص کے شبہ کی تو کوئی وجہ نہ تھی۔

۸/ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۱۶۲)

جو شخص تمام عمر سفر میں رہے وہ قضاء کرے یا نہیں

سوال (۹۷۶): قدیم ۲/۱۴۴- ایک شخص اکثر سفر میں رہتا ہے اور رمضان بھی سفر میں گزرتا ہے رمضان کے بعد اس کو اقامت کا موقع نہیں ملتا ہے، اگر ساری عمر اس کو اقامت کا موقع نہ ملے تو قضاء رمضان اس پر لازم ہوگی یا نہیں اور وصیت فدیہ بھی اس پر لازم ہے یا نہیں؟ **بينوا ولكم عند الله الأجر الجزيل.**

الجواب: نص قرآنی میں قضائے مسافر ومریض کا سبب وجوب صیام عدۃ من ایام اُخر کا ادراک بتلایا ہے، سو اگر ادراک ایام ہوا تو قضائے صوم بقدر ادراک واجب ہے، ورنہ وجوب نہیں ہوتا خواہ مرض وسفر تمام عمر رہے۔

فلا تجب عليهم الوصية بالفدية لعدم إدراكهم عدة من أيام أخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصية بقدر إدراكهم عدة من أيام اٰخر كذا في الدرالمختار. (۱)

(تتمہ خامسہ، ص: ۱۴۹)

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۴۰۶/۳، كراچي ۴۲۴/۲۔

ولو فات صوم رمضان بعذرالمرض أو السفر واستدام المرض والسفر حتى مات لا قضاء عليه ...... فإن برئ المريض أوقدم المسافر وأدرك من الوقت بقدر ما فاته فيلزمه قضاء جميع ماأدرك، فإن لم يصم حتى أدركه الموت فعليه أن يوصى بالفدية. (هندية، كتاب الصوم، الباب الخامس فى الاعذار التى تبيح الافطار، مكتبه زكريا قديم ۲۰۷/۱، جديد ۲۷۰/۱) ←

بحالت روزہ اندام نہانی میں ربڑ داخل کرنے کا حکم

سوال (۹۷۷): قدیم ۲/۱۴۴- ایک ضروری مسئلہ اس وقت پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عورت بوجہ امراض رحمی کے سخت بیمار ہے اور ضعف و ناتوانی بھی زیادہ ہے حکیمی علاج بوجہ نہ ملنے ہشیار دائی کے چھوڑ کر ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا، ڈاکٹری علاج میں جو مِس ہشیار ہے اس کا علاج ہو رہا ہے مِس کہتی ہیں کہ بوجہ کجی رحم یہ شکایات ہیں سو رحم میں داخلاً اگر ربڑ کا حلقہ ماہ دو ماہ تک بذریعہ عمل بالید چڑھا رہے تو آرام ہو جاوے گا اس پر اپنا تجربہ بتلاتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ رمضان شریف آ گئے، اس حلقہ کے موجود ہوتے ہوئے جو کہ داخل اعضاء اندرونی ہے، روزہ میں تو کچھ خرابی نہ واقع ہوگی؟ اور اگر خرابی روزہ کی وجہ سے تا رمضان اس علاج کو موقوف رکھا جاتا ہے تو مرض کی اور زیادتی ہوتی جاتی ہے آیا اس حالت میں روزہ ترک کر کے علاج مذکور کرنا جائز ہے یا نہیں؟

← **ولا قضاء على المريض والمسافر إذا ماتا قبل الصحة والإقامة لأنهما لم يدركا عدة من أيام أخر فلم يوجد شرط وجوب الأداء فلم يلزم القضاء قيد به لأنه لو صح المريض أو أقام المسافر ولم يقض حتى مات لزمه الإيصاء بقدره وهو مصرح به في بعض نسخ المتن لوجود الإدراك بهذا المقدار.** (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٩٥، كوئٹه ٢/٢٨٣)

ولاقضاء إن ماتا عليهما أي لاقضاء على المسافر والمريض إن ماتا على حالهما لأنهما لم يدركا عدة من أيام أخر ...... وإن صح المريض أو أقام المسافر ولم يقض حتى مات لزمه القضاء بقدر الصحة والإقامة أي لزمه الإيصاء به أعمالا للعلة بالقدر الممكن الخ. (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ٢/١٩١، مكتبه امدادية ملتان ١/٣٣٤)

النهرالفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٩ ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: خودروزہ کی حالت میں یہ چھلاّ چڑھانا مفسد صوم ہے،(۱) لیکن اگر غیر حالت صوم میں چڑھایا ہوا حالتِ صوم میں داخل بدن باقی رہے تو اس سے روزہ میں کوئی خلل نہیں آتا۔(۲)

۲۷؍شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ (حوادث خامسہ،ص:۱۶)

انجکشن مفطر صوم ہے یا نہیں

سوال (۹۷۸): قدیم ۲/۱۴۴- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آجکل جو انجکشن کے ذریعہ دوا بدن میں پہونچائی جاتی ہے یہ مفسد صوم ہے یا نہیں؟ ادلہ شرعیہ سے جواب عنایت فرمایا جائے!

---

(۱) **المرأة إذا جعلت القطنة في قبلها إن انتهت إلى الفرج الداخل انتفض صومها؛ لأنه ثم الدخول أراد به أنها دخلت بالكلية الخ.** (خلاصة الفتاوی، کتاب الصوم، الفصل الثالث فيما يفسد الصوم وفيما لايفسد، مکتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۲٦۰)

ولـوادخلت قطنة إن غابت فسد، وإن بقئ طرفهافي فرجهاالخارج لا. (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مطلب يکره السهر إذا خاف فوت الصبح، مکتبه زکريا ديوبند ۳/ ۳٦۹، کراچي ۲/ ۳۹۷)

(يفسد الصوم ويوجب القضاء من غير كفارة إذا) أدخل قطنة أوخرقة أوخشبة أو حجرا فـى دبـره أوأدخـلته في فرجها الداخل وغيبها لأنه تم الدخول بخلاف ما لوبقئ طرفه خارجا لأن عـدم تـمام الدخول كعدم دخول شئ بالمرة الخ. (مـراقـی الفلاح مع حاشية الطحطاوي، کتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء الخ۔مکتبه دارالکتاب ديوبند ص:٦۷۷)

الـفـقـه الاسلامي وأدلتة، کتاب الصيام، المبحث السابع ما يفسدالصوم ومالا يفسده، الهدیٰ انٹر نيشنل ديوبند ۲/ ۵۷۵۔

(۲) **(مسـئلة) في امرأة تـضـع معهـا دواء وقـت الـمجامعة (إلى قوله) وهل إذا بقى ذلک الـدواء معهـا بـعـد الـجـمـا ع ولـم يخرج يجوز لهاالصلاة والصوم بعد الغسل أم لا؟ (الـجـواب)أمـا صـومهـا وصلاتها فصحيحة وإن كان ذلک الدواء فی جوفها.** (فتاوی تيمية ۱/ ٦۰، بحوالة فتاوی رحيمية، مکتبه زکريا ديوبند ۷/ ۲۵۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوفِ عروق میں پہونچائی جاتی ہے اورخون کے ساتھ شرائیین یا اَوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں دوانہیں پہونچتی اورفسادِ صوم کے لئے مفطر کا جوفِ دماغ یاجوفِ بطن میں پہونچنا ضروری ہے، مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یاعروق (شرائین واوردہ) کے جوف میں پہونچنا مفسدِ صوم نہیں ؛ لہٰذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بدن میں پہونچائی جاتی ہے مفسد صوم نہیں ،فقہا کی عبارتیں دوطرح پرتقریباً بلکہ حقیقتاً اس دعوے کی تصریح کرتی ہیں اول تو یہ کہ فقہاء نے زخم پر دوا ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں فرمایا بلکہ جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے؛ کیونکہ انہیں دوقسم کے زخموں سے دوا جوفِ دماغ یا جوفِ بطن کے اندر پہونچتی ہے، ورنہ جوف عروق کے اندرتو دوسری قسم کے زخموں سے بھی دواپہونچ جاتی ہے۔

دوسرے بہت سی جزئیات فقہیہ مسلمات فقہاء میں سے ایسی ہیں جن میں دواوغیرہ مطلقاً جوف بدن میں توپہونچ گئی لیکن چونکہ جوف دماغ یا جوف بطن میں نہیں پہونچی اس لئے اس کومفطر ومفسد صوم نہیں قرار دیا جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندردوایا تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسدنہیں ہوتا۔

كما صرح به الشامي: حيث قال وأفاد أنه لوبقي في قصبة الذكر لا يفسد إتفاقا ولا شک في ذلک. شامي ۲/۱۰۳. (۱) و مثله في الخلاصة ۱/ ۲۵۳. (۲) نقلا عن أبي بكر البلخيؒ.

اگردوامثانہ تک پہونچ جائے تب بھی امام اعظمؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک مفسدصوم نہیں، امام ابویوسفؒ جومثانہ میں پہونچ جائے اس کومفسد قراردیتے ہیں وہ بھی اس بناپر کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ مثانہ اورمعدہ کے درمیان منفذ ہے جس سے دوا معدہ میں پہونچ جاتی ہے ورنہ نفس مثانہ میں پہونچنے کو وہ بھی مفسد نہیں فرماتے۔اسی لئے صاحب ہدایہ نے اس اختلاف کے متعلق فرمایا ہے:

---

(۱) شامي، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم وما لايفسده ، مطلب في حكم الإستمناء بالكف ، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۷۲، كراچي ۲/ ۴۰۰۔

(۲) خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل الثالث فيما يفسد الصوم وفيما لايفسد الخ، مكتبهاشرفية ديوبند ۱/ ۲۵۳۔

فكأنه وقع عند أبي يوسفؒ ان بينه وبين الجوف منفذا ولهذا يخرج منه البول ووقع عند أبي حنفية أن المثانة بينهما حائل والبول يترشح منه وهذا ليس من باب الفقة.محقق ابن همام.

اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

يفيد أنه لا خلاف لو اتفقوا على تشريح هذا العضو فإن قول أبي يوسفؒ بالإفساد إنما هو على بناء قيام المنفذ بين المثانة والجوف (الىٰ قوله) قال في شرح الكنز وبعضهم جعل المثانة نفسها جوفاً عندأبي يوسفؒ وحكى بعضهم الخلاف مادام في قصبة الذكر وليسا بشئى انتهى (١)

الغرض اسی طرح اگر کان میں پانی ڈالے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا، کما صرح به في الدر المختار والخلاصة، حالانکہ کان بھی ایک جوف ہے اسی طرح اگر کوئی انگور وغیرہ کو ایک دھاگے میں باندھ کر نگل جائے اور پھر معدہ میں پہونچنے سے پہلے کھینچنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

كما قال في الخلاصة: وعلى هذا لو ابتلع عنبا مر بوطا بخيط ثم أخرجه لا تفسد صومه خلاصه ا/ ٢٦ (٢). ومثله في العالمگيرية مطبوعة الهند، ص: ٢٠٢ (٣) ولفظه ومن ابتلع لحما مربوطًا على خيط ثم انتزعه من ساعته لايفسد وإن تركه فسد كذا في البدائع (۴)

اگر مطلق جوف بدن میں کسی شے کا پہونچنا مفسد ہوتا تو خود پیشاب گاہ بھی ایک جوف ہے اور مثانہ تو بدرجہ اولیٰ جوف ہے، کان اور حلق بھی جوف ہیں، ان میں پہونچنا بلا خلاف مفسد صوم ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جوفِ بدن میں مفطر چیزوں کا پہونچنا مفطر صوم نہیں بلکہ خاص جوف دماغ اور جوف بطن میں مراد ہیں بلکہ جوف دماغ بھی اس میں اصل نہیں وہ بھی اس وجہ سے لیا گیا ہے کہ جوف دماغ میں پہونچنے کے بعد بذریعہ منفذ جوف معدہ میں پہونچ جانا عادتِ اکثریہ ہے جیسا کہ صاحب بحر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے۔

---

(١) فتح القدير، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، مكتبه زكريا ديوبند ٣٤٨/٢۔

(٢) خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل الثالث فيما يفسد الصوم وفيما لايفسد، قبيل الفصل الرابع، مكتبه اشرفية ديوبند ٢٦٠/١۔

(٣) هندية، كتاب الصوم،الباب الرابع فيمايفسد ومالايفسد، مكتبه زكريا قديم ٢٠٤/١، جديد ٢٦٧/١۔

(۴) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، مفسداته، مكتبه زكريا ديوبند ٢٤٤/٢، كراچي ٩٣/٢۔

قال في البحر: (۱) والتحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذا أصليا فما وصل إلىٰ جوف الرأس وصل إلىٰ جوف البطن من الشامي ۱۰۶/۲. (۲)

اس عبارت میں اس مقصد کی بالکل تصریح ہوگئی کہ جوف سے مراد صرف جوف بطن ہے اور جوف دماغ سے چونکہ جوف بطن میں پہونچنا لازمی ہے اس لئے اس میں پہونچنے کو بھی تبعاً لجوف المعدہ مفسد قرار دیا ہے، اسی طرح حقنہ وغیرہ کو تبعاً لجوف المعدہ مفسد کہا گیا ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

أما الحقنة والوجور فلانه وصل إلى الجوف مافيه صلاح البدن وفي القطور والسعوط لأنه وصل إلى الراس ما فيه صلاح البد ن. (۳)

اس عبارت سے بھی یہ ہی معلوم ہوا کہ جس جوف میں پہنچنا مفسد صوم ہے وہ جوف معدہ اور جوف دماغ ہے مطلقا جوف مراد نہیں اور خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت اس مضمون کے لئے بالکل نص صریح ہے۔

وهى هذا وما وصل إلى جوف الرأس والبطن من الأذن والأنف والدبر فهو مفطر بالإجماع وفيه القضاء هى مسائل الإفطار في الأذن والسعوط والوجور والحقنة وكذا من الجائفة والأٰمة عند أبي حنيفة ؒ. (۴)

اسی طرح عالمگیری کے الفاظ بھی اس کے قریب ہیں: **وفي دواء الجائفة والأٰمة أكثر المشائخ علىٰ أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ. عالمگیریہ مطبوعة الهند ۱/۲۰۲ (۵)**

---

(۱) البحرالرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۴۸۸/۲، كوئٹه ۲۷۹/۲۔

(۲) شامي، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مطلب فى حكم الإستمناء بالكف، مكتبه زكريا ديوبند ۳۷۶/۳، كراچي ۴۰۳/۲۔

(۳) خانية علی هامش الهندية، كتاب الصوم، الفصل السادس فيما يفسد الصوم، مكتبه زكريا قديم ۲۱۰/۱، جديد ۱۳۱/۱۔

(۴) خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل الثالث فيما يفسد الصوم وفيما لايفسد، مكتبه اشرفية ديوبند ۲۵۳/۱۔

(۵) هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد ومالا يفسد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۲۰۴/۱، جديد ۲۶۶/۱۔

اور بدائع کی عبارت ان سب سے زیادہ اس مضمون کے لئے اصرح واوضح ہے۔

وهذا وما وصل إلى الجوف أو الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه وأما ما أوصل إلى الجوف أو الىٰ الدماغ عن غير المخارق الأصليه بأن داوىٰ الجائفة والأمة فإن داواها بدواء يابس لا يفسد لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلىٰ الدماغ ولوعلم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفةؒ بدائع . ۱/۹۳(۱) هذا والله سبحانه وتعالىٰ اعلم بالصواب وإليه المتاب في كل باب.

کتبہ الاحقر محمد شفیع غفرلہ، خادم دارالافتاء دیوبند

۱۱/ربیع الاول ۱۳۵۰ھ **الجواب صحيح و هو رائى منذ برهة من الزمان۔** اشرف علی۔

۱۵/ربیع الاول ۱۳۵۰ھ (النور، ص: ۷، رمضان ۱۳۵۰ھ)

سوال (۹۷۹): قدیم ۲/ ۱۴۷- میں نے آج اخی المکرّم جناب ڈاکٹر صاحب سے انجکشن کے مفسد صوم ہونے کے بارہ میں گفتگو کی، ڈاکٹر صاحب نے یہ فرمایا کہ وہ تمام اشیاء جو جسم میں مالش سے جذب ہوتی ہیں وہ ضرور بتدریج جوف میں پہنچتی ہیں چنانچہ ایک دوا فیلپا کے لئے ران میں باندھ دی جاتی ہے اور جب وہ بتدریج مسامات کے ذریعہ سے جذب ہوکر جوف معدہ میں پہونچ جاتی ہے تو اس سے بہت قے آتی ہے اسی طرح انجکشن کا بھی حال ہے کہ وہ بھی بالضرور جوف میں پہونچتا ہے چنانچہ مارفیا (افیون) مقئی ہے تو اس کا انجکشن بھی مقئی ہے، معدہ میں ریاح بھر جاتے ہیں اور جب وہ خارج نہیں ہوتے تو ان کے دفع کیلئے بازو میں انجکشن لگا کے انھیں دفع کردیا جاتا ہے؟

الجواب: مطلقاً پہونچنا مفسد صوم نہیں بلکہ جب منفذ سے پہونچے اور مسام سے پہنچنا مفسد نہیں (۲)

ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ (النور، ص: ۸، شعبان ۱۳۵۱ھ)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، مفسداته، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۴۳، كراچي ۲/۹۳۔

(۲) **وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أوإلى الدماغ فسد صومه** ←

جوف ومنفذ کی تحقیق

سوال (۹۸۰): قدیم ۲/ ۱۴۷- نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ کان میں تیل یا دوا ڈالی جائے تو اس کے معدہ میں کسی طرح پہونچنے کا امکان نہیں ہے اس لئے کہ یہ ظاہری سوراخ ایک جلد پر جسے پردہ کہا جاتا ہے ختم ہو جاتا ہے اور وہ جلد اس طرح کان میں لگی ہوئی ہے جس سے وہ مثل ایک بند صندوق کے ہے جس کا راستہ صرف بیرونی سوراخ ہے سوائے اس کے کہ کسی شخص کے کسی خاص مرض کی وجہ سے پردہ میں سوراخ ہوں، البتہ سوراخوں سے اندر پہونچنے کا امکان ہے اسی طرح زخم دماغ (آمہ) کے متعلق بھی وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے بھی کوئی منفذ معدہ تک نہیں ہے اور نہ دماغ کی دوا معدہ میں پہونچ سکتی ہے سوائے اس کے کہ ناک کے سوراخ سے کوئی چیز ڈالی جائے، تو وہ حلق میں اور حلق سے معدہ میں پہونچ سکتی ہے، یہ تمام امور جدید تشریح ومشاہدہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو گئے ہیں وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ آمہ وجائفہ کے متعلق فقہاء کے مسائل غلط نہیں ہیں بلکہ انہی کی جو تشریح معلوم ہوئی وہ غلط ہے اس لئے ان امور پر از سر نو نظر کر کے فتاویٰ مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

← ......**وأما ماوصل إلى الجوف أوإلى الدماغ عن غير المخارق الأصلية بان داوي الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس لايفسد لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ ولو علم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفةؒ وإن داواها بدواء رطب يفسد عند أبي حنيفةؒ وعندهما لايفسد هما اعتبرا المخارق الأصلية لأن الوصول إلى الجوف من المخارق الأصلية متيقن به ومن غيرها مشكوك فيه فلا نحكم بالفساد مع الشك.** (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، مفسداته، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۴۳، كراچي ۲/ ۹۳)

والمفطر الدخل من المنافذ كالمدخل والمخرج لامن المسام الذي هو خلل البدن للاتفاق فيمن شرع في الماء يجد برده في بطنه ولا يفطر. (فتح القدير، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۵، كوئٹه ۲/ ۲۵۷)

الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علىٰ أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر. (شامي، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۳۶۷، كراچي ۲/ ۳۹۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: جوف معدہ کے ساتھ خاص نہیں، دماغ اور معدہ دونوں کو شامل ہے۔(۱)

۸/ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ (النور، ص:۹، شعبان ۱۳۵۱ھ)

مہمان کے خاطر نفل روزہ توڑ دینے کا حکم

سوال (۹۸۱): قدیم ۲/ ۱۴۸- رسالہ قشیریہ (۲) باب حفظ قلوب المشائخ میں بسند ایک حکایت منقول ہے:

---

(۱) **وإن احتقن أو إستعط أو أقطر في أذنه أوداوى جائفة أو آمة بدواء ووصل إلى جوفه أودماغه أفطر؛ لأن الفطر مما دخل ...... والمراد بالإقطار في أذنه الدهن وأما إذا أفطر فيها الماء فلا يفطر، ولو استنشق ووصل الماء إلى دماغه أفطر فجعل الدماغ كالجوف لأن قوام البدن بهما الخ.** (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۸۱-۱۸۲، امدادية ملتان ۱/ ۳۲۹)

وماوصل إلى جوف الرأس والبطن من الأذن والأنف والدبر فهو مفطر بالإجماع وفيه القضاء هى مسائل الإفطار فى الأذن والسعوط والوجور والحقنة وكذا من الجائفة والآمة عند أبي حنيفةؒ. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل الثالث فيما يفسد الصوم وفيما لايفسد، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۲۵۳)

وفي دواء الجائفة والآمة أكثر المشايخ على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ. (هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲۰۴، جديد ۱/ ۲۶۶)

وماوصل إلى الجوف أوإلى الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أوإلى الدماغ فسد صومه......وأما ماوصل إلى الجوف أوإلى الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس لايفسد لأنه لم يصل إلى الجوف ولاإلى الدماغ ولو علم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفة الخ. (بدائع الصنائع كتاب الصوم، مفسداته، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۴۳، كراچي ۲/ ۹۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) کتاب دستیاب نہیں ہوئی۔

إن شقيقا وأبا تراب قدما على أبي يزيد فقدمت السفرة وشاب يخدم أبا يزيد فقالا له كل معنا يا فتى فقال أنا صائم فقال أبو تراب كل ولك أجر صوم شهر فأبي فقال شقيق كل ولك أجر صوم سنة فأبي فقال أبو يزيد دعوا من سقط من عين الله فأخذ ذلك الشابَّ في السرقة بعد سنة فقطعت يده. آه

اس میں دو اشکال ہیں، ایک یہ کہ ایسی فضیلت کا وعدہ بدون نص کے کیسے جائز ہے دوسرا یہ کہ جو عمل شرعاً واجب نہ ہو بلکہ شاید جائز بھی نہ ہو، مثلاً افطار اس کے ترک پر عقوبت کیسے مرتب ہوئی؟

الجواب: ثبوت درجہ قطع یا ظن میں تو ضرور موقوف ہے نص پر وہ نص جس درجہ کی بھی ہو، لیکن ثبوت درجہ احتمال میں بفحوائے انا عند ظن عبدی بی (۱) محض بشارت الہامی سے بھی ممکن ہے، ان بزرگوں کو ایسی بشارت ہوئی ہوگی خواہ ابتداء خواہ بطو اجابت دعاء یا ابرار المقسم کے (*) یہ پہلے اشکال کا جواب ہے اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ غالباً روزہ نفل ہوگا جس کا افطار مضیف کو ضیف کے لئے اور ضیف کو مضیف کے لئے؛ بلکہ مدعو کو داعی کے لئے بلکہ ایک روایت میں جس کو بعض محققین نے اختیار کیا ہے بلا عذر بھی بشرط عزم قضاء جائز ہے، وہذا کلہ مذکور فی الدر المختار (۲) اور مباح بعض عوارض سے مندوب اور مندوب بعض

(*) اشارہ ہے حدیث **لو اقسم على الله لأبرّه** یعنی اللہ کے بعض مقبول بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ کوئی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اس کو پورا کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

---

(۱) **عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله يقول: أنا عند ظن عبدي بي وأنا معه إذا دعاني.** (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعا والتوبة والإستغفار، باب فضل الذكر والدعاء والتقرب إلى الله، النسخة الهندية ۲/۳۴۳، بيت الأفكارالدوليه رقم: ۲۶۷۵)

سنن الترمذي، كتاب الزهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء في حسن الظن بالله، النسخة الهندية ۲/۶۴، دارالسلام رقم: ۲۳۸۸۔

(۲) **ولايفطر الشارع فى نفل بلاعذر فى رواية وهى الصحيحة وفى أخرى يحل بشرط أن يكون من نيته القضاء واختار ها الكمال وتاج الشريعة وصدرها في الوقاية وشرحها والضيافة عذر للضيف والمضيف إن كان صاحبها ممن لا يرضى بمجرد حضوره ويتأذى بترك الإفطار فيفطر وإلا لا هو الصحيح من المذهب.** (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۴۱۳، كراچي ۲/۴۲۸-۴۲۹) ←

عوارض سے ایک درجہ میں موکد ہو جاتا ہے اور ان عوارض میں سے ایک عارض وعدہ بھی ہے اور وعدہ عام ہے قولی و فعلی سے اور کسی کے ساتھ عقیدت کا معاملہ وعدۂ فعلی ہے عدم ایذا کا، اس قصہ میں اس خادم کی طرف سے ایسا ہی وعدہ متحقق ہوا اور اس کے اباء سے ان بزرگوں کو اذیت ہوئی جس سے تحرز مؤکد ہو گیا تھا اور گو وہ موکد اس درجہ کا نہ تھا کہ اس پر ایسی عقوبت مرتب ہو مگر عقوبت خفیفہ اس پر مرتب ہو سکتی ہے اور وہ عقوبت خفیفہ ضعف تھا ہمت طاعت و ترک معاصی کا اور یہی ضعف ہمت (جس کی دوسری تعبیر قلت توفیق ہے) محمل ہے ابویزید کے اس قول کا سقط من عین اللّٰہ اور اس ضعف کا تدارک اور اس کی مقاومت اس کے اختیار میں تھا، اگر اختیار سے کام لیتا عقوبت سے محفوظ رہتا مگر اس نے اپنے اختیار سے کام نہیں لیا اور معصیت کا مرتکب ہوا پھر اس معصیت پر عقوبت مرتب ہو گئی، پس وہ اذیت ان وسائط سے اس عقوبت تک مفضی ہو گئی۔

وهكذا سنة الله في أولياء ه ومن آذاهم بغير عذر.

سو اس میں کوئی محذور لازم نہیں آیا۔ واللہ اعلم

۸/محرم ۱۳۵۴ھ (النور، ص: ۹، ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ)

بواسیری مسّہ آبدست کرنے کے بعد چڑھانے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

سوال (۹۸۲): قدیم ۲/ ۱۴۹- بواسیر کے مسّے اجابت کے وقت باہر نکل آتے ہیں اور آبدست کرنے کے بعد ان کو دبا کر اوپر چڑھا دیا جاتا ہے، اس صورت میں اگر پانی خشک نہ کر کے ان کو چڑھا لیا گیا تو روزہ رہے گا یا نہیں؟

← وللمتطوع الفطر أيضا بغير عذر من الأعذار الآتية فى رواية عن أبي يوسف بشرط أن يكون من نيته القضاء كما فى السراج وهذه الرواية اختارها تاج الشريعة وصدرها. في الوقاية وشرحها: قال في الفتح: وهى الأوجه في اعتقادي وظاهر الرواية أنه لايباح إلا من عذر ومنه الضيافة فى الأظهر كما فى النهاية وغيرها يعني في حق المضيف والضيف كما في شرح الوقاية وقال المرغيناني: الصحيح أن صاحب الدعوى إذالم يرض بمجرد حضوره كانت عذر إلا أن رضى الخ. (النهر الفائق، كتاب الصوم فصل فى العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب:في رد المحتار عن الفتح خرج سُرمه فغسله فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه وإلا فلا لأن الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل أن يصل إلى الباطن بعود المقعدة اه قبله في نظيره عن الطحاوی ومحله إذا كان ذاكراً للصوم وإلا فلا فساد كما في الهنديه عن الزاهدی ۱۵، ج: ۱، ص: ۱۵۸ (۱)

ان روایات سے جواب ظاہر ہوگیا کہ روزہ فاسد ہوگیا، بشرطیکہ روزہ اس وقت یاد ہو۔

۱۶/رمضان المبارک ۴۳ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۳۶۸)

تتمہ : اس کے ایک ماہ بعد یہ سوال دوسرے مقام سے آیا جس میں یہ اشکال ظاہر کیا کہ خشک کرنے سے بیحد سوزش وقبض وآمد خون کی ہوتی ہے اس وجہ سے تری چڑھانے کی عادت پچیس برس سے ہے تو گزشتہ روزوں کا کیا کرے، اور آئندہ کس طرح روزے رکھے اس کا جواب: مولوی ظفر احمد نے لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ فساد صوم مقید ہے موضع حقنہ تک تری پہونچ جانے سے اور وہ موضع بہت بعید ہے، معمولاً وہاں تک تری نہیں پہنچتی اس لئے فساد کا حکم نہ کیا جاوے گا، امداد الاحکام میں وہ جواب ۲/ذی قعدہ ۴۳ھ کی تاریخ کا لکھا ہوا ہے۔ (*)

۳/ذیقعدہ ۴۳ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۳۶۹)

(*) علاوہ ازیں ردالمحتار کی عبارت میں جو جزئیہ بلفظ خرج سرمہ مذکور ہے وہ مسہ کے لئے صریح نہیں، کیونکہ سُرم اور چیز ہے مسّہ بواسیر اور سُرم حسب تصریح اہل لغت وکتب تشریح معیٰ مستقیم کا نام ہے، جس کو اُردو میں کانچ بولتے ہیں وہ بعض اوقات باہر آجاتی ہے اور جب چڑھائی جاتی ہے تو موضع حقنہ تک پہونچتی ہے بخلاف مسّہ بواسیر کے کہ مبرز کے اوپر پیدا ہوجاتے ہیں کبھی باہر اور کبھی اندر وہ موضع حقنہ تک عادةً نہیں پہونچتے اس لئے جو تری ان تک رہی وہ موضع حقنہ تک نہیں جاتی اس لئے مفسد صوم نہیں۔ واللہ اعلم، بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

---

(۱) شامي، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مطلب يكره السهر إذا خاف فوت الصبح مكتبه زكريا ديوبند ۳۶۹/۳، كراچي ۳۹۷/۲۔

والحد الذي يتعلق بالوصول إليه الفساد قدر المحقنة قال فى الخلاصة: وقلما يكون ذلک نعم لو خرج سرمه فغسله ثبت ذلک الوصول بلا استبعاد فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه بخلاف ما إذا نشفه لأن الماء اتصل بظاهر ثم زال قبل أن يصل إلى الباطن بعود المقعدة.

(فتح القدير، كتاب الصوم باب مايوجب القضاء والكفارة، مكتبه زكريا ۳٤٦/۲، كوئٹه ۲٦٦/۲) ←

سوال (۹۸۳): قدیم ۲/۱۵۰- زید بہ مرض بواسیر مبتلا ہے اور بول و براز کے وقت و نیز دیگر اوقات میں مسّہ اندرونی باہر آجاتے ہیں۔ اُکڑ و بیٹھنے سے و رفتار سے یا زیادہ دیر کھڑے ہونے سے اور بغیر نم دیئے مسّہ اپنی جگہ نہیں جاتے اور نہ قائم رہتے ہیں اگر کچھ دب کر اندر ہو بھی جاتے ہیں تو قائم نہیں رہتے ہیں باہر رہنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے اور نم دینے کی بابت یہ سنا گیا ہے کہ پانی کی تری دینے سے اوران کو اندرونی حصہ میں پہونچانے سے روزہ جاتا رہتا ہے۔ پس ایسی حالت میں جب زید کو سخت مجبوری ہو تو کیا عمل کرے۔

الجواب: **في رد المحتار: وفي الفتح خرج سرمه فغسله، فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه وإلا فلا؛ لأن الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل أن يصل إلى الباطن بعود المقعدة ج: ۲، ص: ۲۵۸۔(۱)**

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں روزہ جاتا رہے گا۔ پس دن کے وقت ایسا کرنے سے احتراز کرے البتہ اگر ایسا کرے کہ تر کر کے کپڑے سے پوچھ ڈالے پھر اندر داخل کر دے تو روزہ نہ جاوے گا۔

۶ر شوال ۱۳۳۴ھ

← حاشية الشلبي مع تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۸۲، مكتبه امداديه ملتان ۱/۳۲۹۔

واذاخرج دبره وهو صائم ينبغي أن لايقوم من مقامه حتى ينشف ذلك الموضع بخرقة كي لايدخل الماء جوفه فيفسد صومه وقبله في نظيره: هذا إذا كان ذاكرا للصوم وهذا تنبيه حسن يجب أن يحفظ لأن الصوم إنما يفسد في جميع الفصول إذاكان ذاكرا للصوم وإلا فلا. (هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد ومالا يفسد، مكتبه زكريا قديم ۱/۲۰۴، جديد ۱/۲۶۷)

حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، مكتبه زكرياديوبند ۲/۱۸۳، مكتبه امداديه ملتان ۱/۳۳۰۔

(۱) شامي، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسده، مطلب يكره السهر إذا خاف الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۶۹، كراچي ۲/۳۹۷) ←

فدیۂ صوم سے متعلق چند مسائل

سوال (۹۸۴): قدیم ۲/۱۵۰- ایک شخص اتنا بوڑھا ہوگیا ہے کہ روزہ نہیں رکھ سکتا، تو رمضان گزر جانے کے بعد سب روزوں کا فدیہ ایک دن میں ایک ہی فقیر کو دینا درست ہے یا نہیں اور رمضان ختم ہونے سے پہلے تمام رمضان کا فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور قسم کا کفارہ ایک دن میں ایک آدمی کو سب دیدیں تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: **في الدرالمختار: للشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدی وجوبا ولو في أوّل الشهر وبلا تعدد فقير كالفطرة لو موسرا وإلا فيستغفرالله. وفي رد المحتار: قوله: وبلا تعدد فقير أي بخلاف نحو كفارة اليمين للنص فيها على التعدد فلو أعطى منها مسكينا صاعًا عن يومين جاز، لكن في البحر عن القنية أن عن أبي يوسفؒ فيه روايتين وعند أبي حنيفةؒ لا يجزيه كما في كفارة اليمين وعن أبي يوسفؒ لو أعطى نصف صاع من بر عن يوم واحد لمساكين يجوز قال الحسن وبه نأخذ. اه ومثله في القهستاني (فصل في العوارض) (۱)**

← **وإذا خرج دبره وهو صائم ينبغي أن لايقوم من مقامه حتى ينشف ذلک الموضع بخرقة کیٔلایدخل الماء جوفه فيفسد صومه.** (هندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، مكتبه زكريا قديم ۱/۲۰۴، جديد ۱/۲٦۷)

ولوخرجت مقعدته فغسلها ثم أدخلها فسد صومه إلا أن يجففها قبله(تبيين) وتحته في حاشية الشلبي لأن الماء اتصل بظاهر ثم زال قبل أن يصل إلى الباطن بعود المقعدة. (تبيين الحقائق مع حاشية الشبلی، كتاب الصوم، باب مايفسدالصوم ومالا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۸۳، مكتبه امداية ملتان ۱/۳۳۰)

والحد الذي يتعلق بالوصول إليه الفساد قدر المخفنة قال في الخصلاة وقلما يكون ذلک نعم لو خرج سرمه فغسله ثبت ذلک الوصول بلا استبعاد فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه بخلاف ما إذا نشفه لأن الماء اتصل بظاهر ثم زال قبل أن يصل إلى الباطن بعود المقعدة. (فتح القدير، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳٤٦، كوئٹه ۲/۲٦٦)

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/٤۱۰، كراچي ۲/٤۲۷۔ ←

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے:

اوّل: ایسے بوڑھے کو فدیہ دینا درست ہے۔

ثانی: رمضان شروع ہونے کے بعد تمام رمضان کا فدیہ دینا بھی درست ہے، خواہ رمضان ختم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

ثالث: کئی روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا بھی درست ہے لیکن خاص اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے اس لئے احتیاط تو یہی ہے کہ کئی روزوں کا ایک کو نہ دے، لیکن دیدینے میں گنجائش بھی ہے، رابع:۔ ایک روزے کا فدیہ کئی مسکینوں کو دے دینا درست ہے۔ خامس:۔ پورا کفّارہ یمین ایک کو دینا درست نہیں۔

۱۶؍ جمادی الأخریٰ ۱۳۵۳ھ (النور، ص: ۹، جمادی الثانی ۵۴ھ)

← **وللشيخ الفاني وهو يفدى فقط أى له الفطر وعليه الفدية......وهو الذى كل يوم في نقص إلى أن يموت** (إلى قوله) **وفي القنية ولو تصدق الشيخ الفاني بالليل عن صوم الفدية يجزئه وفي فتاوى أبى حفص الكبير إن شاء أعطى الفدية في أول رمضان بمرة وإن شاء أعطاها في آخره بمرة وعن أبي يوسف لوأعطى نصف صاع من بر عن يوم واحد لمسا كين يجوزقال الحسن وبه نأخذ وإن أعطى مسكينا صاعا عن يومين فعن أبي يوسف روايتان وعند أبي حنيفة لا يجزئه كا لإطعام في كفارة اليمين.** (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في **العوارض.** (مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰۱-۵۰۲، كوئٹه ۲/ ۲۸۷)

النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل فى العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۲۔

ويجوز الفطر لشيخ فان وعجوز فانية سمى فانيا لأنه قرب إلى الفناء أوفنيت قوته وعجز عن الأداء وتلزمها الفدية لكل يوم نصف صاع من بر (مراقي الفلاح) **وتحته في حاشية الطحطاوي قوله: وتلزمها الفدية ثم إن شاء أعطى فى أول رمضان وإن شاء أعطى في آخره ولايشترط في المدفوع إليه العدد۔** (حاشية الطحطاوي، على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۶۸۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شیخ فانی کی تعریف

سوال (۹۸۵): قدیم ۲/۱۵۱- شیخ فانی کی جس کو روزہ معاف ہے کیا تعریف ہے یعنی کس عمر اور حالت میں شیخ فانی سمجھا جاوے گا؟

الجواب: في الدر المختار: وللشيخ الفانى العاجز من الصوم الفطر ويفدى الخ وفي رد المحتار أي الذى فنيت قوته أو أشرف على الفناء ولذا عرفوه بأنه الذى كل يوم في نقص إلى أن يموت، نهر، ومثله ما في قهستانى عن الكرمانى المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض. اه وكذا ما في البحر لو نذر صوم الأبد فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة له أن يطعم ويفطر لأنه استيقن أنه لا يقدر على القضاء. ج:۲، ص:۱۹۱.(۱)

ان روایات سے ملخص شیخ فانی کے مفہوم کا یہ نکلا کہ اُس کی موجودہ حالت سے یہ معلوم ہوا کہ اُس کو نہ فی الحال روزہ پر قدرت ہے نہ آئندہ اُمید ہے اور اس عدم قدرت کی وجہ خواہ پیرانی سالی ہو خواہ مرض۔

۲۵/ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ٤١٠، كراچي ۲/ ٤٢٧)

ويجوز الفطر لشيخ فان وعجوز فانية سمى فانيا لأنه قرب إلى الفناء أوفنيت قوته وعجز عن الأداء وتلزمهاالفدية وكذا من عجزعن نذر (مراقي الفلاح) وفي حاشية الطحطاوي: قوله لشيخ فان هو الذي كل يوم فيءنقص إلى أن يموت وإنما لزمته باعتبار شهوده الشهر وأبيح له للحرج وأفادالقهستاني عن الكرماني مالى أن المريض إذا تحقق اليأس من الصحة أى صحة يقدر معها على الصوم فعليه الفدية لكل يوم (إلى قوله) **أو فنيت قوته أى التي يتمكن بها من الصيام وعليه فهو حقيقة.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص:٦٨٨)

وللشيخ الفاني وهو يفدى فقط...... وهوالذي كل يوم فيءنقص إلى أن يموت وسمى به ←

← إما لأنه قرب من الفناء أو لأنه فنيت قوته ...... وإنما أبيح له الفطر لأجل الحرج وعذره ليس بعرض الزوال حتى يصار إلى القضاء فوجب الفدية ......لو نذر صوم الأبد فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة له أن يطعم ويفطر لأنه استيقن أن لايقدر على قضائه الخ. (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۰۱، كوئٹه ۲/۲۸۶)

لاشک إن كل من سمع أن الشيخ الفاني الذي لايقدر على الصوم يجزئ عنه الإطعام علم أن سبب ذلک عجزه عجز امستمراً إلى الموت فإن الشيخ الفاني الذي علق عليه هذا الحكم هو الذي كل يوم فى نقص إلى أن يموت فيكون الوارد في الشيخ الفاني واردا في المريض الذي هو بتلک الصفة لافرق الخ. (فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في العوارض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۶۳، كوئٹه ۲/۲۷۸۔ *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

۴/ باب الاعتکاف

معتکف کا دوکان کی چھت پر نکل جانا

سوال (۹۸۶): قدیم ۲/ ۱۵۱- جن مساجد کا اندر کا درجہ تو بھراؤ پر بنا ہوا اور صحن دوکانوں پر ہو یہ تو معلوم ہے کہ صحن میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب تو نہیں ملے گا، دریافت کرنا یہ ہے کہ جو شخص اندر کے درجہ میں اعتکاف کرے اس کو جماعت سے نماز ادا کرنے کو صحن مسجد میں آنا (کیونکہ جماعت اکثر اوقات آج کل باہر ہی ہوتی ہے) مفسد اعتکاف ہوگا یا نہیں؟ اور صاحبین اور امام صاحب سے جو اختلاف مفسد اعتکاف مسجد سے نکلنے میں ایک ساعت اور ایک وقت نماز کامل خارج مسجد سے رہے اس میں کون سا قول راجح تر ہے؟

الجواب: اوّل تو اگر دوکانیں مسجد کے لئے وقف ہوں تو بعض روایاتِ فقہیہ کی رو سے اس سطح کو مسجد کہنے کی گنجائش ہے (۱) ضرورت جماعت میں اس روایت پر عمل جائز ہے اور دوسرے اگر قول راجح ہی لیا جاوے کہ اس کا حکم مسجد کا نہیں تاہم معتکف کو ضرورت کی وجہ سے خروج عن المسجد جائز ہے، خواہ وہ ضرورت طبعی ہو یا دینی اور ادراک جماعت مثل ادراک جمعہ ضرورت دینیہ ہے اس لئے خروج جائز ہے (۲)،

---

(۱) **وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفا عليه صار مسجدا شرنبلالية.** (شامي، كتاب الوقف، مطلب في احكام المسجد، مكتبة زكريا ديوبند ٦/ ٥٤٧، كراچي ٤/ ٣٥٧)

لو جعل تحته حانوتا وجعله وقفا على المسجد قيل: لا يستحب ذلك؛ ولكنه لوجعل في الإبتداء هكذا صار مسجدا وما تحته صار وقفا عليه ويجوز المسجد والوقف الذي تحته.الخ (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل ومن بني مسجدا لم يزل ملكه عنه، مكتبة زكريا ديوبند ٤/ ٢٧١، امدادية ملتان ٣/ ٣٣٠)

(۲) **وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعية كبول وغائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد كذا في النهر، أو شرعية: كعيد، وأذان لومؤذنا وباب المنارة** ←

تیسرے جب پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ کو یہاں تک آنا پڑے گا تو گویا نیت استثناء کی ہوگئی اور استثناء کے وقت خروج جائز ہے۔(۱) چوتھے صاحبین کے قول کو بعض نے ترجیح دی ہے، **كما في الدر المختار.** (۲) فقط.

۲۰/ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد، ص: ۱۸۳، ج: ۱)

← **خارج المسجد والجمعة.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۴۳۴-۴۳۵، كراچي ۲/ ۴۴۴-۴۴۵)

النهر الفائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۶

مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۷۰۲

(۱) **لو شرط وقت النذر أن يخرج لعيادة مريض وصلاة جنازة وحضور مجلس علم جاز ذلك فليحفظ** (الدر) **وتحته في الشامية: قلت يشير إليه قوله في الهداية وغيرها عند قوله ولا يخرج إلا لحاجة الإنسان؛ لأنه معلوم وقوعها فلابد من الخروج فيصير مستثنىٰ. والحاصل: أن ما يغلب وقوعه يصير مستثنىٰ حكمًا وإن لم يشترطه وما لا فلا إلا إذا شرطه.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند۳/ ۴۳۹، كراچي۲/ ۴۴۸)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الثاني عشر الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند۳/ ۴۴۵، رقم: ۴۸۰۸۔

هندية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند قديم۱/ ۲۱۲، جديد۱/ ۲۷۶

(۲) **فلو خرج ولو ناسيًا ساعة زمانية لا رملية بلا عذر فسد فيقضيه إلا إذا افسده بالردة واعتبرا أكثر النهار قالوا: وهو الاستحسان وبحث فيه الكمال** (الدر) **وتحته في الشامية: حيث قال: قوله وهو استحسان يقتضى ترجيحه؛ لأنه ليس من المواضع المعدودة التي رجح فيها القياس على الاستحسان.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۴۳۷-۴۳۸، كراچي ۲/ ۴۴۷)

فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۰۱-۴۰۲، كوئٹه ۲/ ۲۱۰-۲۱۱

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۷۰۳۔ *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

معتکف کے لئے مسجد میں ریح خارج کرنے کا حکم

سوال (۹۸۷): قدیم ۲/۱۵۲- اعتکاف کے بارہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ حدث اندر مسجد کے کیا جاوے یا باہر مسجد کے، بعض شاگرد استاذ مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اوّل مدرسہ سہارنپور ودیگر مفتیین مولانا گنگوہی علیہ الرحمتہ حدث کو اندر مسجد کا رائے فرماتے ہیں وبعض شاگردان حضرت اس کو پیشاب پاخانہ پر قیاس کرتے ہیں اوراس کو عذر شرعی قرار دے کر باہر مسجد کے اجازت دیتے ہیں اور حضرت مولانا صاحب مذکور سے بھی اندر مسجد کے جواب پایا گیا اور مولانا گنگوہی علیہ الرحمتہ کی طرف قول کو نسبت کرتے ہیں اور حدث کو عذر شرعی پر قیاس کرنا بوجہ عدم نقل تسلیم نہیں کرتے، اس واسطے اُمید قوی ہے کہ بندہ کو جواب شافي سے ممنون فرماویں اگر دلیل موجود ہو تو بحوالۂ کتب عنایت فرمانا ہو تو نور علیٰ نور ہے تاکہ مخالفین ہمارے ساکت ہوویں؟ فقط

الجواب: في رد المحتار: وكذا لا يخرج فيه الريح من الدبر كما في الأشباه واختلف فيه السلف فقيل لا بأس وقيل يخرج إذا احتاج اليه وهو الأصح حموى عن شرح الجامع الصغير للتمرتا شي. ١/٦٨. (١)

اس سے معلوم ہوا کہ گنجائش تو مسجد کے اندر بھی ہے مگر زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل جانا چاہئے اور روایت اپنے اطلاق سے معتکف وغیر معتکف دونوں کو شامل ہے۔

۱۴/رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۶۹)

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٤٢٩، كراچي ١/٦٥٦

واختلف في الذي يفسو في المسجد فلم ير بعضهم بأسا وبعضهم قالوا: لا يفسو ويخرج إذا احتاج إليه وهو الأصح. كذا في التمر تاشي. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٥/٣٢١، جديد٥/٣٧١)

وإخراج الريح فيه من الدبر وتحته في شرح الحموي: أي يكره أقول: في شرح الجامع الصغير للتمرتاشي في كتاب الكراهية اختلف السلف في الذي يفسو في المسجد ←

مرض یا دوا کے عذر کی وجہ سے معتکف کا مسجد سے نکلنا

سوال (۹۸۸): قدیم ۲/۱۵۳- معتکف مسجد میں اکیلا ہے اور رات کو بیمار ہو گیا ہے تو اس وقت اس کو دوا لا کر دینے والا شخص اس کے پاس موجود نہیں تو کیا وہ خود گھر جا کر دوا منگانے کا انتظام کرا سکتا ہے یا خود ہسپتال جا کر دوا لا سکتا ہے؟

الجواب: في الدرالمختار: وحرم عليه الخروج إلالحاجة الإنسان طبعية كبول وغائط وغسل لواحتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد كذا في النهر أو شرعية واذان لومؤذنا وباب المنارة خارج المسجد والجمعة (۱).الخ

ثم فيه وان خرج بعذر يغلب وقوعه وهو ما مر لا غير لا يفسد. وفي رد المحتار:

← **فلم ير به بعضهم بأسا وعند بعضهم لا يفسو بل يخرج إذا احتاج إليه وهو الأصح.** (الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، الفن الثالث: الجمع والفرق، القول في أحكام المسجد، مكتبة زكريا ديوبند جديد۳/۱۹۱-۱۹۲)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۴۳۴-۴۳۵، كراچي ۲/۴۴۴-۴۴۵۔

عن عائشةؓ قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا اعتكف يدني إليّ رأسه فأرجله، وكان لا يدخل البيت إلا لحاجة الإنسان. (صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، النسخة الهندية ۱/۱۴۲، بيت الأفكار الدولية رقم:۲۹۷)

ولا يخرج منه إلا لحاجة شرعية كالجمعة والعيدين والأذان لو كان مؤذنا وباب المئذنة خارج المسجد (إلى قوله) أو لحاجة طبيعية كالبول والغائط والغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد. (النهر الفائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۶)

مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص:۷۰۲۔

قوله: وهو ما مرأي من الحاجة الطبيعة والشرعية (١) ثم فيه ولأن الخروج لمرض وحيض ونسيان إذا كان مفسدا الخ ٢/١١ ٢-٢١٦ (٢)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ اس صورت میں خروج جائز نہیں۔

۴؍محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۵)

---

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ٤٣٨/٣، كراچي ٤٤٧/٢

فإن خرج لضرورة كشراء مأكول أو مشروب ولطهارة أو قضاء حاجة أو غسل جنابة أو عذر شرعي كالخروج لصلاة الجمعة فلا يبطل اعتكافه من غير زيادة على قدر الضرورة وإلا بطل. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الاعتكاف، مبطلات الاعتكاف، الهدىٰ انٹر نیشنل دیوبند ٦٣٢/٢)

فإن خرج ساعة بلا عذر فسد (كنز) وفي البحر: وأراد بالعذر ما يغلب وقوعه كالمواضع التي قدمها (لحاجة شرعية كالجمعة أو طبيعية كالبول والغائط) . (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ٥٢٩/٢، كوئٹه ٣٠٢/٢)

النهر الفائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ٤٧/٢

(٢) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ٤٣٩/٣، كراچي ٤٤٨/٢

إن الخروج عامدًا أو ناسيًا أو مكرها ...... أو لعذر المرض مفسد عند الإمام وعلله في المرض بأنه لا يغلب وقوعه فلم يصر مستثنىٰ عن الإيجاب. (النهرالفائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ٤٦/٢-٤٧)

خانية على هامش الهندية، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، مكتبة زكريا قديم ٢٢٢/١، جديد ١٣٨/١

فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ٤٠١/٢، كوئٹه ٣١١/٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

معتکف کے حق میں دیوارِ مسجد کا حکم

سوال (۹۸۹): قدیم ۲/۱۵۳- معتکف کو مسجد کے کنارے پر جو دیوار ہے اس میں بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: معلوم نہیں بانی نے اس کو اپنی نیت سے مسجد میں داخل کیا ہے یا نہیں۔(۱)

(تتمہ خامسہ ص:۹۲)

مسجد شرعی کی دیوار داخل مسجد ہے یا نہیں

سوال (۹۹۰): قدیم ۲/۱۵۳- مسجد کی فصیل یعنی منڈیر مسجد کے اندر داخل ہے یا خارج؟

الجواب: مسجد کے اندر کسی جزو کے داخل یا خارج ہونے کا مدار بانی وواقف کی نیت پر ہے اگر وہ موجود نہ ہو تو قرائن پر ہے(۱) تو میرے نزدیک قرائن عرفیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے خارج ہے

---

(۱) مسجد کی دیوار کا جس کے اوپر مسجد کی چھت قائم ہوئی ہے، اس کے داخل مسجد ہونے کے بارے میں فقہی جزئیات سے اشارہ ملتا ہے اور صحن مسجد سے متصل جو منڈیر اور فصیل پرانے زمانہ میں ہوا کرتی تھی، اس کے بارے میں تردد ہے، اس کا مدار بانیٔ مسجد کی نیت پر ہے، اس کے بارے میں سوال نمبر: ۹۹۰/ کے حاشیہ میں مختصر وضاحت آرہی ہے۔

(۱) مسجد شرعی کی جماعت خانہ سے متصل جو دیوار ہوتی ہے، اس کے بارے میں بعض فقہی جزئیات سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ دیوار مسجد حکم مسجد میں داخل ہے؛ لہٰذا اگر مجمع کثیر ہونے کی صورت میں مسجد کی چھت بھی نمازیوں سے بھر جائے اور چھت کی موٹی چوڑی دیوار پر کوئی نماز پڑھے تو اس کو حدود مسجد کا ثواب ملے گا اور اس کے اوپر معتکف جاکر بیٹھ جائے تو اعتکاف نہیں ٹوٹے گا، پرانے زمانہ میں عمارتوں کی دیواریں بہت موٹی چھوڑی ہوا کرتی تھیں۔

اور صحن مسجد کے منڈیر اور فصیل کے بارے میں حضرت والا تھانویؒ نے تردد کا اظہار فرمایا ہے؛ اس لئے کہ بسا اوقات خود صحن مسجد کا بھی حدود مسجد شرعی کے اندر داخل ہونے میں تردد ہوتا ہے، جس کا مدار مسجد کے بانی اور ذمہ دار کی نیت پر ہے؛ اس لئے اگر خارج ہونا ظن غالب ہو تب بھی اس کا احترام باقی رکھنا ضروری ہے، ←

اگرکسی کواس کا خلاف قرائن سے محقق ہوجائے تو داخل سمجھنا چاہیئے لیکن خارج ہونے کی صورت میں بھی وہاں بیٹھ کرکوئی ایسا فعل نہ کرے جس کا اثر مسجد میں پہونچ کر موجب تفویت اس کے احترام کا ہو مثلاً حقہ وغیرہ وہاں بیٹھ کر پینا حدیث میں ہے ’’من أکل الثوم فلا یقربن مصلانا (۱)‘‘اس میں ’’لایقربن‘‘ کا لفظ اس دعویٰ مذکور کا مؤید ہے۔

۱۵؍شوال ۱۳۲۱ھ (امداد ثالث،ص:۱۳۹)

← اس پر بیٹھ کر حقہ، بیڑی وغیرہ پینا احترام کے خلاف ہے،اور دیوار مسجد کا مسجد کے حکم میں داخل ہونے میں جن عبارات سے اشارہ ملتاہے وہ حسب ذیل ہیں:

فإذا کان هذا في الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد ولایجوز أخذ الأجرة منه ولا أن یجعل شیئًا منه مستغلا ولا سکنی (الدر المختار) وتحته في الشامیة: ولو علی جدار المسجد مع أنه لم یأخذ من هواء المسجد شیئًا ونقل في البحر قبله: ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد، وإن کان من أوقافه قلت: وبه علم حکم ما یصنعه بعض جیران المسجد من وضع جذوع علی جداره فإنه لا یحل ولو دفع الأجرة قوله: ولا أن یجعل الخ هذا إبتداء عبارة البزازیة والمراد بالمستغل أن یؤجر منه لأجل عمارته وبالسکنی محلها وعبارة البزازیة علی ما في البحر ولا مسکنا وقد رد في الفتح ما بحثه في الخلاصة من أنه لو احتاج المسجد إلی نفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ینفق علیه بأنه غیر صحیح. قلت: وبهذا علم أیضًا حرمة أحداث الخلوات في المساجد کالتي في رواق المسجد الأموي ولا سیما ما یترتب علی ذلک من تقذیر المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه ورأیت تألیفا مستقلا في المنع من ذلک. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف، قبیل مطلب لو خرب المسجد أو غیره، مکتبة زکریا دیوبند ٦/٥٤٨، کراچي ٤/٣٥٨)

ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد، وإن کان من أوقافه. (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد، مکتبة زکریا دیوبند ٥/٤١٩، کوئٹه٥/٢٥٠)

(١) عن ابن عمر أن النبي صلی الله علیه وسلم قال: في غزوة خیبر من أکل هذه الشجرة یعنی الثوم فلا یقربن مسجدنا. (صحیح البخاري، کتاب الأذان، باب ما جاء في الثوم النيء والبصل والکراث، النسخة الهندیة ١/١١٨، رقم:٨٤٦، ف:٨٥٤)

صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب نهی من أکل ثوما أو بصلا، النسخة الهندیة ١/٢٠٩، بیت الأفکار الدولیة رقم:٥٦٤۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تبرید کے لئے غسل خانہ میں جا کر غسل کرنے کا حکم

سوال (۹۹۱): قدیم ۲/۱۵۳- گرمی کی وجہ سے غسل خانہ میں جا کر روزانہ نہانا جائز ہے؟

الجواب: نہیں۔(۱)

سوال (۹۹۲): قدیم ۲/۱۵۴- اگر بوجہ ناواقفیت کے نہایا ہو تو اس کے اعتکاف ہوئے یا نہیں؟

الجواب: جتنے دن ایسا کیا ہے اُتنے دن کے اعتکاف کی قضا کرے۔(۲)

۱۵/ رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ، ص:۹۲)

---

(۱) ہاں البتہ اس کے لئے یہ شکل اختیار کرنے کی گنجائش ہے کہ پائخانہ پیشاب کی ضرورت ہو تو کپڑے مسجد میں اتار کر صرف لنگی یا پائجامہ بنیان میں پائخانہ پیشاب کے لئے نکلے اور وضو تو کرنا ہی ہے، تو ایسے بیت الخلا وغسل خانہ ہو تو ساتھ ہی جلدی سے ضمناً بدن پر پانی بھی ڈال کر بہت جلدی غسل کر کے نکل آئے تو اس کی گنجائش ہے۔ دیکھئے فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۵/۲۷۹، ڈابھیل ۱۰/۲۴۳، فتاوی قاسمیہ ۱۱/۵۷۰، آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ۴/۴۳۰۔

وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعية كبول وغائط وغسل لو احتلم و لايمكنه الاغتسال في المسجد. وتحته في الشامية: والتقييد بعدم الإمكان يفيد أنه لو أمكن كما قلنا فخرج أنه يفسد . (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ٣/٤٣٤-٤٣٥، كراچي ٢/٤٤٤-٤٤٥)

النهر الفائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٤٦۔

ولا يخرج منه من معتكفه...... إلا لحاجة شرعية كالجمعة والعيدين ...... أو حاجة طبيعية كالبول والغائط وإزالة نجاسة واغتسال من جنابة باحتلام لأنه عليه السلام كان لا يخرج من معتكفه إلا لحاجة الإنسان. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص:٧٠٢)

(٢) لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع وإن لزوم قضاء جميعه أو باقيه مخرج على قول أبي يوسف أما على قول غيره فيقضي اليوم الذي أفسده لاستقلال كل يوم بنفسه وإنما قلنا أي باقيه بناء على أن الشروع ملزم كالنذر وهو لو نذر العشر يلزمه كله متتابعا ولو أفسده بعضه قضى باقيه والحاصل أن الوجه يقتضي لزوم كل يوم شرع فيما عندهما ←

حالت اعتکاف میں خاموش رہنے کا حکم

سوال (۹۹۳): قدیم ۲/۱۵۴- علم الفقہ (۱) وبہشتی گوہر (۲) میں لکھا ہے کہ چپ اعتکاف میں بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے، لہذا اکتنی دیر چپ رہنا مکروہ تحریمی ہوگا، خادم کی عادت ہے کہ بعد عشاء تراویح وغیرہ جب سوتا ہے تو پاس انفاس کا ذکر کرتا رہتا ہے، جو ابتداء میں حضور ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے، تو یہ چپ میں تو نہ شمار ہوگا؟ اور کتب دینیات کا دیکھنا یا وعظ وغیرہ کا یہ بھی تو چپ رہنے میں شمار نہ ہوگا اور معتکف بات چیت کچھ کرسکتا ہے یعنی ضروری بات ضرورت کے مطابق میں اس وقت قصداً اپنے نفع کے لئے بالکل خاموش ہوں اشارہ سے کام لے لیتا ہوں، یا تحریر سے تو یہ کوئی حرج تو نہیں ہے؟

← **بناء على لزوم صومه بخلاف الباقي لأن كل يوم بمنزلة شفع من النافلة الرباعية، وإن كان المسنون هو اعتكاف العشر بتمامه.** (شامي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۴۳۴، كراچي ۲/۴۴۴-۴۴۵)

ومقتضى النظر أنه لو شرع في المسنون اعنى العشر الأواخر بنيته ثم أفسده أن يجب قضاءه تخريجًا على قول أبي يوسف في الشروع في نفل الصلاة ناويا أربعا لا على قولهما. (فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۹۸، كوئٹہ ۲/۳۰۸)

لو شرع في المسنون وهو العشر الأواخر من رمضان بنيته ثم أفسده يجب عليه قضاؤه أي قضاء العشر كله في رأي أبي يوسفؒ وقضاء اليوم الذي أفسده لاستقلال كل يوم بنفسه في رأي جمهور الحنفية. (الفقه الإسلامي وأدلته، باب الاعتكاف، المبحث الرابع ما يلزم المعتكف وما يجوز له، الهدىٰ انٹر نیشنل ديوبند ۲/۶۲۲)

(۱) علم الفقہ کامل اعتکاف کے مسائل، مکتبہ فاروقیہ لکھنؤ حصہ سوم ص: ۵۶۔

(۲) بہشتی گوہر حصہ سوم، اعتکاف کے مسائل اختری بہشتی زیور ۱۱/۱۱۰۔

الجواب: **في الدر المختار: ويكره تحريما صمت إن اعتقده قربة وإلا لا، لحديث من صمت نجا ويجب أي الصمت كما في غرر الأذكار عن شروتكلم الابخير ۲/ ۲۱۷. (۱)**

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جیسا سکوت آپ کا ہے یہ مکروہ نہیں بلکہ خیر ہے، البتہ جو کوئی سکوت ہی کو عبادت مستقلہ سمجھے وہ مکروہ ہے۔

۲۵/ رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ، ص:۹۴)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند۳/ ۴۴۱، كراچي ۲/ ۴۴۹

ذهب الحنفية إلى ان الصمت مكروه تحريما حالة الاعتكاف إن اعتقده قربة أما إذا لم يعتقده قربة فلا لحديث من صمت نجا ويجب الصمت عن الغيبة وانشاد العشر القبيح وترويج سلعة وغير ذلك. (الموسوعة الفقهية الكويتية۵/ ۲۲۷)

وكره الصمت ان اعتقده قربة لأنه منهي عنه لأنه صوم أهل الكتاب وقد نسخ وأما إذا لم يعتقده قربة فيه؛ ولكنه حفظ لسانه عن النطق بما لا يفيد فلا بأس به ولكنه يلازم قراءة القرآن والذكر والحديث والعلم ودراسة وسير النبي صلى الله عليه وسلم وقصص الأنبياء عليهم السلام وحكاية الصالحين وكتابة أمور الدين وأما التكلم بغير خير فلا يجوز لغير المعتكف وتحته في حاشية الطحطاوي: فالمعتكف أولىٰ. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۷۰۴-۷۰۵)

ويكره له الصمت إن اعتقد أن الصمت قربة للنهى عنه وإلا فلا يكره ويكره الكلام إلا بخير أي مما لا أثم فيه فإن حرمة التكلم الشر في وقت الاعتكاف أشد منه في غيره. (مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۸۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اعتکاف سے متعلق چند مسائل

سوال (۹۹۴): قدیم ۲/۱۵۴- (۱) اگر کوئی ضعف جسمانی کی وجہ سے عشرہ اخیرہ کاملہ کا اعتکاف نہ کر سکے اور ۳ یا ۵ یوم کا ۲۱ و ۳۰ کے مابین اعتکاف کرے تو سنیت کا کچھ اجر ملے گا یا دیگر ایام رمضان کے اعتکاف کی طرح محض نفل سمجھا جائے گا۔

(۲) عشیرہ اخیرہ رمضان کے اعتکاف مسنون میں جمعہ کے یا تبرید کے لئے غسل کرنے کی غرض سے خروج عن المسجد مفسد اعتکاف ہے یا متمم یا جائز غیر مفسد اور خروج عن المسجد سے مراد احاطہ مسجد ہے یا وہ حصہ جو نماز کے لئے حکم مسجد میں ہے، اگر غسل خانہ صدر دروازہ کے اندر ہو تو اس میں غسل کرنا اور باہر غسل کرنا مساوی ہے یا کیا؟

الجواب: (۱) سنت بقید عشر ہے، جب قید نہیں مقید نہیں، اور وہی سنت تھا، پس سنت نہیں اور جزو سنت بحال انفراد کے لئے جزو سنت بحالت اجتماع مع سائر الاجزاء کے حکم میں ہونا لازم نہیں اور نہ ثابت۔(۱)

(۲) جس یوم کا اعتکاف شروع ہو گیا ہے اس کے لئے مفسد ہے بقیہ ایام کے لئے منہی و متمم ہے، البتہ منذور کے لئے مجموعہ کا بھی مفسد ہے(۲) اور مسجد وہی موضع ہے جہاں نماز پڑھی جاتی ہے نہ کہ کل احاطہ۔(۳)

۵/شوال ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص: ۵۵)

---

(۱) **وينقسم إلى واجب وهو المنذور ...... وإلى سنة مؤكدة وهو في العشر الأخير من رمضان وإلى مستحب وهو ما سواهما هكذا في فتح القدير.** (هندية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، مكتبة زكريا قديم ۱/۲۱۱، جديد ۱/۲۷۴)

فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۹۴، كوئٹہ ۲/۳۰۴

وهو ثلاثة أقسام واجب بالنذر وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان، مستحب في غيره من الأزمنة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۴۳۰، كراچي ۲/۴۴۱)

(۲) **وحرم عليه أي على المعتكف اعتكافا واجبا أما النفل فله الخروج لأنه منه له لامبطل. وفي الشامية: أي متمم للنفل وفي الدر المختار: فلو خرج ولو ناسيًا ساعة زمانية←**

← لارملية بلا عذر فسد فيقضيه. وتحته في الشامية: أي لو واجبًا بالنذر وأما التطوع لو قطعه قبل تمام اليوم فلا (إلى قوله) غير أنه لو كان شهر معينا يقضى قدر ما فسد وإلا استقبله. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ٤٣٤ تا ٤٣٧، كراچي ۲/ ٤٤٤ تا ٤٤٧)

البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ٥٢٧ تا ٥٣٠، کوئٹہ ۲/ ۳۰۱ تا ۳۰۳۔

ذهب الحنفية في الظاهر من المذهب والشافعية والحنابلة إلى أنه إذا خرج من الاعتكاف المسنون فقد انقطع اعتكافه وإذا رجع لابد من تجديد نية اعتكاف مندوب آخر لأن الخروج من المسجد منه للاعتكاف المندوب لا مبطل له. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ٢١١)

إتفق الفقهاء على أن الخروج من المسجد للرجل والمرأة ...... إذا كان لغير حاجة فإنه يفسد الاعتكاف الواجب وألحق المالكية وأبوحنيفة في رواية الحسن عنه بالواجب الإعتكاف المندوب أيضًا سواء كان الخروج يسيرًا أم كثيرًا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ٢٢٠)

(٣) اتفق الفقهاء على أن المراد بالمسجد الذي يصح فيه الاعتكاف ما كان بناء معدًا للصلاة فيه أما رحبة المسجد وهي ساحته التي زيدت بالقرب من المسجد لتوسعته وكانت محجرا عليها فالذي يفهم من كلام الحنفية والمالكية والحنابلة في الصحيح من المذهب أنها ليست من المسجد. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ٢٢٤) *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

۶/ کتاب الحج

۱/ باب وجوب الحج وشرائطها

حج کے لئے ہر شخص کے حال کے مناسب زادِ راحلہ شرط ہے

سوال (۹۹۵): قدیم۲/۱۵۵- جو شخص رئیس ہے ہمیشہ ملازم خدمت کرتے ہیں، ریل میں فرسٹ کلاس میں سفر کرتا ہے تو اس شخص پر حج جب فرض ہوگا کہ روپیہ قابل کرایہ آ گبوٹ فرسٹ کلاس کے ہو، اورملازم کے لائق بھی کرایہ ہو، کیونکہ ظاہر ہے کہ رؤسانہ بغیر ملازم گزر کرسکتے ہیں اور طوطق میں تو کیا عجب ہے کہ مریض ہوجاویں، غرض اس تخمینہ میں ایسے لوگوں پر یک ہزار روپیہ ضرور ہوگا یا اُن پر بھی تین سو روپے سے ہی حج فرض ہوجائے گا؟

الجواب: **في الدرالمختار: ذي زاد يصح به بدنه فالمعتاد اللحم ونحوه إذا قدر على خبز وجبن لا يعد قادرًا. و في رد المحتار: ليس من الحوائج الأصلية ما جرت به العادة المحدثة برسم الهدية للأقارب والأصحاب فلا يعذر بترك الحج لعجزه عن ذلك.** (ص:۲۳۱، ج:۲) (۱)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۴۵۸-۴۶۱، كراچي ۲/۴۵۹، ۴۶۱۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الحج، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۷۲۷۔

وأطلق في الزاد فأفاد أنه يعتبر في حق كل إنسان مايصح به بد نه والناس متفاوتون من ذلك (البحر) وتحته في منحة الخالق: وههنا فائدة ينبغي للعامة التنبه لها وهي إن عدم القدرة على ما جرت به العادة المحدثة للكثير من أهل الثروة برسم الهدية للأقارب والأصحاب ليس بعذر مرخص لتأخير الحج فإن هذا ليس من الحوائج الشرعية فمن إمتنع ←

ان عبارات سے مستفاد ہوا کہ جو عادت ایسی ہو جن کے ترک سے بیمار ہو جاوے اس عادت کے موافق سامان ہونا شرط ہے وجوب حج کی اور یہ بھی مستفاد ہوا کہ ہدایا تحائف لانے پر قدرت شرط نہیں اور اسی کے حکم میں ہے مدینہ طیبہ کا سفر اور اس کی استطاعت بھی شرط حج نہیں، اور یہ معلوم ہی ہے کہ اگر حوائج اصلیہ سے زائد کچھ سامان ہو اور نقد روپیہ نہ ہو تو اُس سامان کو فروخت کر دینا واجب ہے اور اس کے ہونے سے بھی حج فرض ہو جاوے گا۔ (۱)

۲۲/ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ (حوادث اول، ص:۱۴۱)

← **من الحج بمجرد ذلک حتی مات فقد مات عاصیا فالحذرمن ذلک (قوله: والناس متفاوتون فی ذلک) قال فی الفتح فلیس کل من قدرعلی ما تیسر من خبز وجبن دون لحم قادرا علی الزاد بل ربما یهلک بمداومته ثلاثة أیام مرضا إذا کان مترفها معتاد اللحم والأطعمة المترفهة .** (منحة الخالق علی هامش البحر الرائق، کتاب الحج، مکتبه زکریا دیوبند ۵٤۷/۲، کوئٹۃ ۳۱۲/۲)

إن الزاد الذي یشترط ملکه هو ما یحتاج إلیه في ذهابه وإیابه من مأکول ومشروب وکسوة بنفقة وسط لا إسراف فیها ولا تقتیر، فلوکان یستطیع زادا أدنی من الوسط الذی إعتاده لا یعتبر مستطیعا للحج (إلی قوله) لیس من الحوائج الأصلیة ماجرت به العادة المحدثه لرسم الهدیة للأقارب والأصحاب فلا یعذر بترک الحج لعجزه عن ذلک. (الموسوعة الفقیة الکویتیة ۱۷/۳۰-۳۳)

(۱) إذا کانت له دار لایسکنها ولایؤاجرها ومتاع لایمتهنه وعبد لایستخدمه وجب علیه أن یبیعه ویحج به وحرم علیه أخذ الزکاة إذا بلغ نصابا؛ لأنه إذاکان کذلک کان فاضلا عن حاجته کسائر الأموال وکان مستطیعا فیلزمه فرض الحج الخ. (بدائع الصنائع، کتاب الحج، شرائط فرضیته، مکتبه زکریا دیوبند ۲۹۸/۲، کراچي ۱۲۳/۲)

وإن کان له مسکن فاضل لایسکنه أوعبد لایستخدمه أومتاع لایمتهنه أو کتب لایحتاج إلی استعمالها وهي من العلوم الشرعیة وما یتبعها من الألات العربیة أوثیاب لایحتاج إلیٰ لبسها...... أونحو ذلک مما لایحتاج إلیها یجب بیعها إن کان به وفاء بالحج (غنیة الناسك، باب شرائط الحج، ادارة القرآن کراچي جدیدص:۲۱)

حاشیة الشبلي علی تبیین الحقائق، کتاب الحج، مکتبه زکریا دیوبند ۲۳۸/۲، امدایة ملتان ٤/۲ ۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عورت کے لئے محرم کا ہونا اور نہ ہونے پر آخیر عمر میں وصیت کرنا

سوال (۹۹۶): قدیم ۲/ ۱۵۵- ایک عورت بیوہ ہے اور مقدار حج اس کے پاس روپیہ ہے، لیکن اس کے ساتھ جانے والا محرم نہ کوئی بیٹا ہے نہ باپ ہے نہ بھائی ہے، غرض کوئی شخص نہیں، ایسی صورت میں اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو غیر شخص کے ساتھ جا سکتی ہے یا تنہا؟ اور جو حج اس پر فرض نہیں ہے اور یہ عورت کچھ روپیہ یا مقدار حج سارا روپیہ کسی نیک کام میں خرچ کرے تو اس کو حج کا ثواب مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر روپے کی مقدار اتنی ہے کہ صرف اس عورت کے حج کو کافی ہو جاوے تب تو حج فرض ہی نہیں۔

في الدرالمختار ومع زوج أو محرم بالغ عاقل إلیٰ قوله مع وجوب نفقة لمحرمها علیها وفي رد المحتار قوله مع وجوب النفقة الخ أي فیشترط أن تکون قادرة علیٰ نفقتها ونفقته اھ، ج: ۲، ص: ۲۳۴ (۱)

اور دو شخصوں کے لائق خرچ ہے تو نفس وجوب تو اس پر ہو گیا ہے وجوب ادا نہیں ہوا بوجہ محرم نہ ہونے کے، اس لئے اس کو اجنبی کے ساتھ سفر کرنا تو جائز نہیں، لیکن روپیہ محفوظ رکھے شاید کوئی محرم میسر ہو جاوے اور اگر اخیر عمر تک میسر نہ ہو تو وصیت کر جاوے (*) کہ مرنے کے بعد اس کی طرف سے حج بدل کرا دیا جاوے۔

(*) یا قبل موت ایسی حالت ہو جائے کہ اگر محرم بھی مل جائے تب بھی سفر نہ کر سکے تب بھي حج بدل کرا سکتی ہے۔ ۱۲ منہ

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الحج، مطلب في قولهم: یقدم حق العبد علی حق الشرع، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ٤٦٤، کراچي ۲/ ٤٦٤۔

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم: لاتسافر المرأة إلا مع ذي محرم ولا یدخل علیها رجل إلا ومعها محرم فقال رجل: یارسول الله إنی أرید أن أخرج في جیش کذا وکذا وامرأتي ترید الحج فقال أخرج معها. (صحیح البخاري، کتاب جزاء الصید، باب حج النساء، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۰، رقم: ۱۸۲٤، ف: ۱۸٦۲)

وأما الذي يختص النساء فشرطان: أحدهما: أن يكون معها زوجها أومحرم لها←

في رد المحتار: والذي اختاره في الفتح أنه مع الصحة وأمن الطريق شرط وجوب الأداء فيجب الإيصاء الخ. ج: ۲، ص: ۲۳۵. (۱) فقط

۲۲/رجب ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۷۲)

اولاد کی پرورش اور نکاح پر حج کا مقدم ہونا

سوال (۹۹۷): قدیم ۲/۱۵۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فقیر ہے گذر توکل علی اللہ، چار اولاد بالغ اور چار نابالغ رکھتا ہے صاحب جائداد نہیں، البتہ علاوہ مکان سکونتی کے اس کی دوسری حویلی تھی،

← فإن لم يوجد أحدهما لايجب عليها الحج وهذا عندنا (إلى قوله) إن المحرم أوالزوج من ضرورات حجها بمنزلة الزاد والراحلة إذلايمكنها الحج بدونه كما لايمكنها الحج بدون الزاد والراحلة. (بدائع الصنائع، كتاب الحج شرائط فرضيته، مكتبه زكريا ديوبندجديد ۲/۲۹۹-۳۰۰، قديم ۲/۱۲۳)

يشترط لوجوب الحج على المرأة إن تكون قادرة على نفقة نفسها ونفقة المحرم إن طلب منها النفقة لأنه يستحقها عليه عند الحنفية. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۷/۳۷)

(۱) شامي، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع، مكتبه زكريا ديوبند ۳/٤٦٥، كراچي ۲/٤٦٥۔

ووجودالمحرم للمرأة من شرائط الوجوب أو الأداء فعلى قول من يجعلها من شرائط الوجوب إذا مات قبل الحج لا يلزمه الإيصاء وعلى قول من يجعلها من شرائط الأداء يلزمه...... والذي يترجح كونها شرط الأداء بما قلناه آنفا إن هذه العبادة مما يتأدى بالنائب الخ. وعلى هذا فجعل عدم الحبس والخوف من السلطان شرط الأداء أولىٰ ومن قدر حال صحته ولم يحج حتى أقعد أوزمن أو فلج أو قطعت رجلاه تقررفي ذمته بالاتفاق حتى يجب عليه الإحجاج الخ. (فتح القدير، كتاب الحج، مكتبه زكريا ديوبند ۲/٤۲۲، كوئٹة ۲/۲۲۷)

والذياختاره الكمال بن الهمام فى الفتح إن وجود المحرم مع توافر الصحة وأمن الطريق شروط وجوب الأداء فيجب الإيصاء الخ. (موسوعة الفقهة الإسلامي والقضايا المعاصرة، الحج والعمرة، المطلب الأولى شروط الحج والعمر، مكتبه اشرفية ديوبند ۳/۹٤) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس نے اس کو بعوض پانصد کے فروخت کرکے سو روپے اپنے قرض دیدیئے، اب ان چار سو روپے میں وہ ان بالغ اولاد کے نکاح سے فارغ ہوجاوے یا ان مبالغ کو نابالغ بچوں کی پرورش کا سرمایہ سمجھیں، یا اس قدر یک مشت روپے کی ملکیت سے اس پر حج فرض ہوگیا وہ حج کو چلا جاوے؟ بینوا توجروا

الجواب: في الدر المختار: فضلا عما لابد منه (إلى قوله) وحرر في النهر: أنه يشترط بقاء رأس المال لحرفته إن احتاجت لذلك وإلا لا. وفي الأشباه معه الف وخاف العزوبة إن كان قبل خروج أهل بلدة فله التزوج ولو وقته لزمه الحج وفضلا عن نفقة عياله ممن تلزمه نفقته لتقدم حق العبد إلىٰ حين عوده وقيل بعده بيوم وقيل بشهر مع أمن الطريق بغلبة السلامة ولو بالرشوة على ما حققه الكمال. اھ، وفي رد المحتار: قوله إلىٰ حين عوده متعلق بقوله فضلاً أو بمالا بدمنه؛ لأنه بمعنى ما يحتاجه أو بنفقة أي فلايشترط بقاء نفقة لما بعد عوده وهذا ظاهر الرواية. اھ ج: ۲، ص: ۲۳۲ (۱)

بنا بر اس روایت کے جب اس شخص کو کسی پیشہ کے لیے روپیہ کی ضرورت نہیں اور نہ خوفِ عزوبت ہے اور دوسرا مکان بھی رہنے کو ہے اور وقت عود تک کے لئے اہل وعیال کا نفقہ نکل کر بھی حج کے لئے کافی خرچ بچ سکتا ہے اس لئے اس شخص پر بشرط امن طریق حج فرض ہوجائے گا۔ واللہ اعلم

۲۰/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۱۸۹)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام ومطلب في قولهم يقدم حق العبد الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ٤٦٠ تا ٤٦٢، كراچي ۲/ ٤٦١ تا ٤٦٣۔

فضلت عن مسكنه وعمالا بدله منه (كنز) وتحته فى النهر: أما المحترف إذا ملك قدر ما يحج به ونفقة عيا له وذهابه وإيابه فعليه الحج يعنى اتفاقا لأنه غير محتاج إلى رأس ماله لقيام حرفته وينبغي أن يفيد بحر فة لاتحتاج إلى آلة، أما المحتاجة اليها فيشترط أن يبقي له قدر مايشترى به وعن نفقة ذهابه وإيا به وإن لم يبق بعد الإياب شئ فى ظاهر الرواية وقيل: لابد أن يبقي بعده نفقة يوم وهو مروي عن الإمام...... وعن الثاني نفقة شهر لأنه لايمكنه التكسب...... وبشرط أمن الطريق على نفسه وماله وقت خروج أهل بلده والاعتبار للغالب الخ. (النهر الفائق، كتاب الحج، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٥٦-٥٧) ←

شریف مکہ کی حکومت میں حج کرنا صحیح ہے

سوال (۹۹۸): قدیم ۲/ ۱۵۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جبکہ شریف مکہ پر فتوی ہو چکا ہے تو جو لوگ گزشتہ سال میں اور اب حج کو گئے ہیں ان کا حج ہوا اور ہوگا یا نہیں اور ایک عالم کہتے ہیں دارالحرب کے مسئلہ کی رو سے کہ جب کہ خطبہ حج شریف یا اس کا قائم مقام پڑھے گا حج نہیں ہوگا اور ہوا تو ناقص ہوگا اور خاکسار نے تردید پیش کی بحوالۂ رسالہ مناسک حج تصنیف مولانا مولوی شاہ رشید احمد صاحب جس میں آپ نے لکھا ہے کہ اگر ۹ رتاریخ ذی الحجہ بعد ظہر یعنی حج کے دن محض میدان عرفات شریف میں سے گزر جائے تو بھی حج اس کا ہو چکا اور میری یہ بھی عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب کہ مکہ معظّمہ کافروں کے قبضہ میں تھا حج کئے اور اب مکہ معظّمہ دارالاسلام بلکہ دارالایمان ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص کا تو عمل بگڑے اور دوسرے شخصوں کا عمل عمل نہ سمجھا جائے اس لئے جواب مرحمت فرمادیں؟

← **فضلت عن حوائجه الأصلية ونفقة عياله إلى حين عوده مع أمن الطريق (ملتقي) وفي مجمع الأنهر: عن حوائجه الأصلية كأثاث المنزل وآلات المحترفين وكالكتب لأهل العلم والمسكن ......ونفقة عياله (إلى قوله) إلى حين عوده إلى وطنه من ابتداء سفره فلا يشترط بقاء نفقة يوم بعد العود. وقيل: يشترط وعن أبي يوسف بعد عوده بشهر لأنه لايمكنه الكسب عقيب القدوم فيقدر ذلك بشهر. وفي الدار المنتقي: فضلت عن حوائجه الأصلية وقيل في التاجر رأس مال التجارة وفي كل بحسبه وعن نفقة عياله ممن تلزمه نفقه لتقدم حق العبد ......إلى حين عوده وقيل بعده بيوم وقيل بشهر مع أمن الطريق بغلبة السلامة قيل ولو بالرشوة الخ.** (مجمع الأنهر والدرالمنتقي، كتاب الحج، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٨٦)

معه ألف درهم وهو يخاف العزوبة فعليه الحج ولايتزوج إذاكان وقت خروج أهل بلده فإن كان قبله جاز له التزوج.(الأشباه والنظائر، الفن الثاني: الفوائد، كتاب الحج، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٧٥)

من وجب عليه الحج وأراد أن يتزوج وليس عنده من المال إلا ما يكفى لأحدهما ففيها التفصيل الآتي: الأول أن يكون في حالة اعتدال الشهوة فهذا يجب عليه تقديم الحج على الزواج عند الجمهور إذا ملك النفقة في أشهر الحج أما إن ملكها في غيرها فله صرفها حيث شاء...... الثاني أن يكون في حالة تو قان نفسه والخوف من الزنى فهذا يكون الزواج في حقه مقدما على الحج اتفاقا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٧/ ٣٢-٣٣) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: آپ کی خوش فہمی سے دل خوش ہوا جو سمجھا بیشک یہی بات ہے حج کے جواز میں کچھ شبہ نہیں خصوصًا جن پر حج فرض ہے اگر اس وجہ سے نہ جاویں گے تو سخت گنہگار رہوں گے اور نفل بھی درست ہوگا۔(۱)

۱۲؍شوال ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ،ص:۱۵۶)

---

(۱) اس لئے کہ حج کے صحیح ہونے کا مدار امیر مکّہ اور امیر حج کے متبع شریعت ہونے اور عادل ہونے پر نہیں ہے، بلکہ ظالم اور فاسق ہو تب بھی فرض اور نفل حج بلاشبہ صحیح اور درست ہو جاتا ہے، بخاری شریف میں صراحت ہے کہ ظالم حجاج بن یوسف کی زیر امارت اور زیر قیادت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نفل حج کرنا ثابت ہے اور انہوں نے اپنا فرض حج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اداء کر لیا تھا اور پھر عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں حجاج بن یوسف جو اسلامی تاریخ میں سب سے بڑا ظالم وفاسق تھا اس کی زیر قیادت اور زیر امارت میں حج فرمایا ہے ملاحظہ فرمائے:

عن سعید بن جبیر قال: كنت مع ابن عمر حين أصابه سنان الرمح في أخمص قدمه فلزقت قدمه بالركاب فنزلت فنزعتها وذلك بمنى فبلغ الحجاج فجاء يعوده فقال الحجاج: لو نعلم من أصابك فقال ابن عمر أنت أصبتني قال: وكيف؟ قال: حملت السلاح في يوم لم يكن يحمل فيه وأدخلت السلاح الحرم ولم يكن السلاح يدخل في الحرم.
(صحيح البخارى، كتاب العيدين، باب مايكره من حمل السلاح، النسخة الهندية ۱/۱۳۲، رقم:۹۵٦، ف: ۹٦٦)

عن سالم قال: كتب عبد الملك إلى الحجاج أن لا يخالف ابن عمر في الحج فجاء ابن عمر وأنا معه يوم عرفة حين زالت الشمس فصاح عند سرادق الحجاج فخرج وعليه ملحفة معصفرة فقال مالك يا أباعبدالرحمٰن فقال: الرواح إن كنت تريد السنة قال هذه الساعة قال: نعم قال: فأنظري حتى أفيض على رأسى ثم أخرج فنزل حتى خرج الحجاج فسار بيني وبين أبى فقلت إن كنت تريد السنة فأقصر الخطبة وعجل الوقوف فجعل ينظر إلى عبد الله فلما رأى ذالك عبدالله قال: صدق.

عن سالم أن الحجاج بن يوسف عام نزل بابن الزبير سأل عبد الله كيف نصنع في الموقف يوم عرفة فقال سالم إن كنت تريد السنة فهجر بالصلاة يوم عرفة فقال عبد الله بن عمر صدق أنهم كانوا يجمعون بين الظهر والعصر في السنة فقلت لسالم أفعل ذلك ←

مُفلس کا کسی کے عطیہ سے حج نفل کرنے کا حکم

سوال (۹۹۹): قدیم ۲/ ۱۵۷- جس شخص بالغ عاقل آزاد پر بوجہ مال نہ ہونے کے حج فرض نہیں ہے، اس کو نفل حج کرنے کے لئے کسی نے پیسے دیئے، اور اس نے خود کی طرف سے نفل حج ادا کیا، بعد میں وہ نفل حج کردہ شخص مالدار ہوگیا اور وہ حج کرنے نہ جائے تو پہلا نفل حج جو اس نے کیا ہے اس سے حج کی اس پر سے فرضیت ساقط ہوجاوے گی، یا نہیں؟

الجواب: پہلا حج جو اس شخص نے کیا ہے اگر خالص نفل حج کی نیت کی ہے تو وہ نفل ادا ہوگا اور فرض حج ساقط نہ ہوگا اور اگر پھر مالدار ہوا تو حج پھر ادا کرنا ہوگا اور اگر خاص نفل کی نیت نہ کی تھی، مگر فرض کی بھی نیت نہ کی تھی، بلکہ مطلق حج کی نیت کرلی تھی، تو اس سے فرض ساقط ہوگیا اب مالدار ہونے سے دوبارہ حج فرض نہ ہوگا۔

في رد المحتار: بأن الحج يصح بمطلق النية بلا تعيين الفرضية بخلاف الصلوٰة تحت قول الدرالمختار: حر مكلف عالم بفرضية إما بالكون بدارنا. (۱)

وفي نور الأنوار: بحث الظرف والمعيار ويتأدى (الحج) بإطلاق النية لا بنية النفل أي إن أدى الحج بمطلق النية بأن يقول نويت الحج يقع عن الفرض بخلاف ماإذا قال نويت حج النفل فإنه يقع عن النفل. اه (۲)

۸/ رجب ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۲۷۰)

← **رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال سالم: وهل تتبعون في ذلك إلا سنته.** (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب الجمع بين الصلاتين، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۵، رقم: ۱۶۳۱، ف: ۱۶۶۰-۱۶۶۲)

(۱) شامي، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۵۷، كراچي ۲/ ۴۵۹۔

(۲) نورالأنوار، بحث أداء الحج بمطلق النية، مكتبه نعمانية ديوبند ص: ۵۹۔

والمنقول في الأصول إنها (حجة الإسلام) لاتتأدى بنية النفل وتتأدى بمطلق النية نظرا إلى أن الوقت له فيه شبهة المعيارية وشبهة الظرفية فالأولى للثاني والثاني للأولى. (البحرالرائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۶۴) ←

میلین اخضرین کی حقیقت

سوال (۱۰۰۰): قدیم ۲/ ۱۵۸- حج خانہ کعبہ میں میلین اخضرین پر سعی کرنے کا حکم ہے اس کی کیا بنیاد ہے، میلین کیا چیز ہیں، کیوں بنائے گئے ہیں سُنا جاتا ہے کہ یہ دونوں شیطان تھے پتھر ہوگئے ہیں جواب تسکین دِہ تحریر فرمایئے؟۔

الجواب: حضرت ہاجرہ جب پانی کو تلاش کرنے کیلئے کوہِ صفا پر چڑھیں پھر دوڑ کر مروہ پر پہونچیں اور حضرت اسمٰعیلؑ بچہ تھے ان کو دیکھتی جاتی تھیں اس مقام پر نشیب تھا اس لئے اس مقام کو دوڑ کر قطع کرتی تھیں اب دونشان اس پر بنادیئے ہیں اور وہ عمل جاری ہے۔(۱) (تتمہ اولیٰ،ص:۷۲)

← **وإن كان وقتها مشكلا كوقت الحج يشبه المعيار باعتبار أنه أفعاله لاتستغرق وقته فيصاب بمطلق النية نظرا إلى المعيارية وإن نوى نفلا وقع عما نوى نظرا إلى الظرفية.**
(الموسوعة الفقهية الكويتية ۷۵/۴۲)

موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، قبيل القواعد الشرعية الكلية المتعلقة بالنية، مكتبه اشرفية ديوبند ۱۳۷/۱ـ

الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها، الثالث في بيان تعين المنوي وعدمه، مكتبه زكريا جديد ۱۱۴/۱، مكتبه دارالعلوم ص:۵۹ـ

(۱) عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: جاء بهاجر إبراهيم وبإبنها إسماعيل وهي ترضعه حتى وضعها عند البيت عند دوحة فوق زمزم في أعلى المسجد وليس بمكة يومئذ أحد وليس بها ماء فرضعهما هنا لک ووضع عند هما جرابا فيه تمر وسقاء فيه ماء ثم قفى إبراهيم منطلقا فتبعته أم إسمعيل فقالت يا إبراهيم أين تذهب وتتركنا في هذا الوادي الذى ليس فيه أنيس ولا شئ فقالت له ذلک مراراً وجعل لايلتفت إليها فقالت له أٰللہ أمرک بهذا قال نعم قالت أذن يضيعنا ثم رجعت فا نطلق إبراهيم حتى إذا كان عندالثنية حيث لايرونه استقبل بوجهه البيت ثم دعا بهؤلاء الدعوات ورفع يديه فقال: رب إنى أسكنت من ذريتي بواد غير ذي زرع عند بيتک المحرم حتى يبلغ ليشكرون وجعلت أم إسمٰعيل ترضع إسمٰعيل وتشرب من ذلک الماء حتى إذا نفد ما في السقاء عطشت وعطش إبنها ←

← وجعلت تنظر إليه يتلوّىٰ أوقال يتلبط فانطلقت كراهية إن تنظر اليه فوجدت الصفا أقرب جبل في الأرض يليها فقامت عليه ثم استقبلت الوادي تنظر هل ترى أحدا فلم تر أحدا فهبطت من الصفا حتى إذا بلغت الوادي رفعت طرف درعها ثم سعت سعي الإنسان المجهود حتى جاوزت الوادي ثم أتت المروة، فقامت عليها فنظرت هل ترى أحدا فلم تر أحدا ففعلت ذلك سبع مرات قال ابن عباس قال النبى صلى الله عليه وسلم فلذلك سعي الناس بينهما. الحديث وعن ابن عباس قال: لما كان بين إبراهيم وبين أهله ما كان خرج بإسمٰعيل وأم اسمٰعيل ثم ذكر مابعده إلى أن قال:فجعلت تشرب من الشنة ويدر لبنها على صبيها حتى لما فنى الماء قالت لوذهبت فنظرت لعلّي أحس أحدا قال فذهبت فصعدت الصفا فنظرت ونظرت هل تحس أحدا فلم تحس أحدا فلما بلغت الوادي سعت أتت المروة وفعلت ذلك أشواطا ثم قالت: لو ذهبت فنظرت ما فعل تعنى الصبى فذهبت فنظرت فإذا هو على حاله كأنه ينشغ للموت فلم تقرها نفسها فقالت: لو ذهبت فنظرت لعلّي أحس أحدا فذهبت فصعدت الصفا فنظرت ونظرت فلم تحس أحدا حتى أتمت سبعا الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب يزفون النسلان في المشي، النسخة الهندية ١/٤٧٤، رقم: ٣٢٥٢-٣٢٥٣، ف:٣٣٦٤-٣٣٦٥)

وأخرجه الزرقاني وقال جاء إبراهيم بهاجر أم إسمٰعيل حين كان بينها وبين سارة ماكان وبابنها إسمٰعيل ثم ذكر مابعده إلى قوله: فانطلقت فتغيبت عنه كراهية أن تنظر إليه، قال: لعله يموت ولاتدري بموته فعمدت إلى الصفا حين رأته مشرفا تستوضع لعلها أن ترى أحدا ثم نظرت إلى المروة ثم قالت: لو مشيت بين هٰذين الجبلين تعللت حتى يموت الصبى فمشت بينهما ثلاث مرات أوأربع ولاتجيز بطن الوادي إلارملا ثم رجعت إلى ابنها فوجدته ينشغ فعادت إلى الصفا ثم مشت إلى المروة حتى كان مشيها بينهما سبع مرات، قال ابن عباس: قال أبوالقاسم صلى الله عليه وسلم: فلذلك طاف الناس بين الصفا والمروة ، قال: ورجعت أم إسماعيل تطالع ابنها فوجدته كما تركته ينشغ ثم ذكر قصة زمزم الخ. (أخبار مكة للأزرقي، باب ماجاء في إسكان إبراهيم، مكة المكرمة ١/٥٤-٥٥)

البحر العميق، الباب العاشر في دخول مكة وفي الطواف والسعي، فصل في سبب شرعية السعي، مؤسسة الريان ٣/١٢٧٥-١٢٧٦ ۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مرض تنفس سے فرضیتِ حج ساقط نہ ہوگی

سوال (۱۰۰۱): قدیم۲/ ۱۵۸- ایک شخص کے پاس دوسو روپے تھے اس نے نیت کی تھی کہ میں ان روپیوں سے حج بیت اللہ کروں گا مگر اب تک وہ صورت خدا نے نہ دکھائی ،اوراس میں سے پچاس روپے صَرف ہو گئے اور شخص مذکور کو عارضہ تنفس کا ہوگیا اور یہ خوف ہے کہ سفر میں شاید اورزائد ہوجاوے، اب یہ نیت کرتا ہے کہ ان روپیوں سے اپنے محلّہ کی مسجد جو بے مرمت ہے اس کی مرمت کرادوں، شریعت کیا فرماتی ہے؟

الجواب: اس پر حج فرض ہو گیا تھا اور جو عارضہ تنفس کا لکھا ہے وہ عذر کافی نہیں ۔(۱)

---

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے سائل کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ عارضۂ تنفس حج کی فرضیت کے سقوط کے لئے عذر نہیں ہے، اس لئے کہ عارضۂ تنفس سے پہلے اس کے اوپر حج فرض ہو چکا تھا۔

اس سلسلے میں مختصر وضاحت یہ ہے کہ اگر سلامتی بدن کی حالت میں حج فرض ہو چکا تھا اس کے بعد سلامتی بدن فوت ہوگئی ہے تو بالاتفاق اس کے اوپر موت سے پہلے حج بدل کی وصیت کرنا لازم ہے۔

اوراگر پیدائشی طور پر معذور ہے یا زندگی کے کسی مرحلے پر آکر کے معذور ہوگیا ہے اور سلامتی بدن باقی نہیں رہی ہے پھر اس کے پاس اتنا سرمایہ فراہم ہو چکا ہے جس سے حج فرض ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں اس کے اوپر حج بدل کی وصیت کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سلامتی بدن فرضیت حج کے بارے میں منجملہ سبب وجوب میں شامل ہے، اس لئے اس کے اوپر حج فرض ہی نہیں ہوتا؛ لہٰذا موت سے پہلے حج بدل کی وصیت کرنا اس کے اوپر لازم نہیں اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک سلامتی بدن کا تعلق سبب وجوب کے ساتھ نہیں ہے؛ بلکہ وجوب اداء کے ساتھ ہے، اس لئے صاحبینؒ کے نزدیک اس کے اوپر مال کی فراہمی کے بعد حج فرض ہوجاتا ہے اور اخیر عمر میں حج بدل کی وصیت کرنا اس کے اوپر لازم ہوجاتا ہے اور قاضی خان، ابن ھمام وغیرہ نے صاحبین کے قول کی تصحیح کر کے اسی کو ترجیح دی ہے اور صاحبینؒ کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط بھی ہے؛ اس لئے ہماری نظر میں صاحبینؒ ہی کے قول پر فتوی دینا اور صاحب معاملہ کو عمل کرنا زیادہ بہتر واولیٰ ہوگا۔

اب اس سلسلے میں جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

الأول: شروط الوجوب: وهي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج وإلا فلا. ←

****

....

....

← وهي سبعة: الإسلام، والعلم بالوجوب لمن في دار الحرب والبلوغ والعقل والحرية والإستطاعة والوقت أى القدرة في أشهر الحج أوفي وقت خروج أهل بلده والنوع الثاني شروط الأداء وهي التي إن وجدت بتمامها مع شروط الوجوب وجب أداؤه بنفسه وإن فقد بعضهامع تحقق شروط الوجوب فلا يجب الأداء بل عليه الإحجاج أو الإيصاء عند الموت وهي خمسة: سلامة البدن، وأمن الطريق وعدم الحبس والمحرم أوالزوج للمرأة وعدم العدة لها (قوله) صحيح البدن أى سالم عن الآفات المانعة عن القيام بمالا بدمنه في السفر فلا يجب على مقعد ومفلوج وشيخ كبير لايثبت على الراحلة بنفسه وأعمى وإن وجد قائداً ومحبوس وخائف من سلطان لابأنفسهم ولا بالنيابة في ظاهر المذهب عن الإمام وهو رواية عنهما وظاهر الرواية عنهما وجوب الإحجاج عليهم ويجزيهم إن دام العجز وإن زال أعادوا بأنفسهم.

والحاصل: أنه من شرائط الوجوب عنده ومن شرائط وجوب الأداء عند هما وثمرة الخلاف تظهر في وجوب الإحجاج والإيصاء كما ذكرنا وهو مقيد بما إذا لم يقدر على الحج وهو صحيح فإن قدر ثم عجز قبل الخروج إلى الحج تقرر دينا في ذمته فيلزمه الإحجاج (قوله) وقواه في الفتح ومشى على أن الصحة من شرائط وجوب الأداء من البحر والنهر وحكى في اللباب اختلاف التصحيح، وفي شرحه أنه مشى على الأول في النهاية وقال في البحر العميق: أنه المذهب الصحيح وإن الثاني صححه قاضي خان في شرح الجامع وأختاره كثيرمن المشايخ ومنهم ابن الهمام. (شامي، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۴۵۵ تا ۴۵۷، كراچي ۲/۴۵۸-۴۵۹)

النوع الأول: سلامة البدن عن الأمراض والعلل وجعلها بعض أصحابنامن شرائط الوجوب والصحيح الأول كذا في النهاية فلا حج على العاجز عن الحج بنفسه كالمريض والزمن والمقعد والمفلوج والشيخ الكبير الذي لايثبت على الراحلة بنفسه والمحبوس والممنوع من قبل السلطان الجائر عن الخروج إلى الحج ويسميه الفقهاء: المعضوب وإنما لاحج على هؤ لاء لأن الله تعالىٰ شرط الإسطاعة لوجوب الحج والمراد بها ها هنا: إستطاعة التكليف وهي سلامة الأسباب والآلات ومن جملة الأسباب: سلامة البدن عن الآفات المانعة عن القيام بما لابد منه في سفر الحج لأن الحج عبادة بدنية فلا بدمن سلامة البدن ←

****

في الدرالمختار: صحيح البدن. و في رد المحتار: أي سالم عن الآفات المانعة عن القيام بما لابد منه في السفر. (١) الخ۔(تتمہ اولیٰ،ص:۱۷)

← **ولاسلامة مع المانع(قوله) فالحاصل: أن في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة أنه لايجب الحج على الزمن والمقعد ومقطوع الرجلين وإن ملكوا الزاد والراحلة وهي رواية عنهما وفي ظاهر روايتهما يجب الحج على هؤ لاء إذا ملكوا الزادوالراحلة وهو رواية الحسن عن أبي حنيفة كذا قاله صاحب الذخيرة وفائدة الخلاف تظهر فيما إذا ملك المقعد أوالزمن الزاد والراحلة فإنه لايجب عليهما الإحجاج بماله عنده وعند هما يجب.** (البحر العميق، الباب الثالث في مناسك الحج، شرائط وجوب الأداء، مؤسسة الريان ١/٣٦٩-٣٧٤)

اس کوغنیۃ الناسک میں بہت جامع الفاظ میں نقل کیا گیاہے ملاحظہ فرمایئے!

أما شرائط وجوب الأداء خمسة على الأصح، الأول: الصحة، وهي سلامة البدن عن الأفات المانعة عن القيام بمالابدمنه في سفرالحج هذا عندهما، أما ظاهر المذهب عند أبي حنيفةؒ فهي شرط الوجوب فلا يجب الحج على المقعد والزمن والمفلوج ومقطوع الرجلين أواليدين أوالرجل الواحدة والأعمىٰ والمريض والمعضوب وهو الشيخ الكبير الذي لايثبت على الراحلة بنفسه وإن ملكوا مابه الإستطاعة فليس عليهم الإحجاج أوالإيصاء وعند هما يجب الحج عليهم إذا ملكوا الزاد والراحلة ومؤنة من يرفعهم ويضعهم ويقود هم إلى المناسک ولكن ليس عليهم الأداء بأ نفسهم فعليهم الإحجاج أوالإيصاء به عند الموت وصححه قاضي خان واختاره كثير من المشايخ منهم ابن الهمام رحمهم الله تعالىٰ وأما ظاهر المذهب فصححه في النهاية وقال في البحر العميق: هوالمذهب الصحيح فقد اختلف التصحيح(وقوله)والخلاف فيمن ملک مابه الإستطاعة وهو معذور حتى مات، فإن ملكه وهو صحيح فلم يحج من عامه حتى زالت الصحة فإنه يتقرر دينا في ذمته بالإتفاق فيجب عليه الإحجاج أو الإيصاء به عند الموت. (غنية الناسک، باب شرائط الحج فصل: وأماشرائط وجوب الأداء الخ۔(إدارة القرآن كراچي جديد ص:٢٣)

(١) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٤٥٧، كراچي ٢/٤٥٩۔ *شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ*

شیر خوار بچہ کی وجہ سے بیوی کو حج کو جانے سے منع کرنا

سوال (۱۰۰۲): قدیم۲/ ۱۵۸- ایک شخص مستطیع حج فرض کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس کی بی بی جو مستطیع ہے اس کے ساتھ حج کرنا چاہتی ہے، شوہر کہتا ہے چونکہ تمہاری رضاعت وحضانت میں میرا فرزند ششماہی ہے، ریل، جہاز، اونٹ کی سواری پر جانا ہے، خوف ہے کہ لڑکے کو ضرر پہونچے، تم اپنا ارادہ ملتوی رکھو، انشاء اللہ تعالیٰ ہم بڑے لڑکے کے ساتھ حج کروادیں گے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ صورت مسئولہ میں ششماہی بچہ کے ضرر کا خوف تاخیر حج کے لئے عذر شرعی ہوسکتا ہے یا نہیں، اور شوہر اگر بی بی کو روک دے تو شرعاً ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جزئی تو تلاش کرنے سے نہیں ملی، مگر بمقتضائے قواعد شرعیہ جواب یہ ہے کہ چونکہ ارضاع اور تربیت زوج پر واجب ہے نہ عورت پر (۱)، رضاعت وحضانت حق لہا ہے حق علیہا نہیں الا فی بعض الصور (۲)، لہٰذا زوج کو اس عذر سے جائز نہیں کہ زوجہ کو حج سے منع کرے (۳)

---

(۱) **وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف.** (البقرة:۲۳۳)

وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله يعم الأنثى والجمع. (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، كراچي ۳/ ٦١٢، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٣٣٦)

(۲) **ولاتجبر من لها الحضانة إلا إذاتعينت لها بأن لم يأخذ ثدى غيرها أولم يكن للأب ولا للصغير مال به يفتى.** (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الحضانة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٢٥٨، كراچي ۳/ ٥٥٩)

مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب الحضانة، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۷۰-

(۳) حضرتؒ نے فرمایا کہ چھوٹے بچے کی پرورش کو تاخیر حج کے لئے عذر قرار نہیں دیا جاسکتا؛ اس لئے شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ چھوٹے بچے کی پرورش کی وجہ سے عورت کو حج پر جانے سے منع کرے؛ لیکن اعلاء السنن وغیرہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضانیت ولد (چھوٹے بچے کی پرورش) عورت کے حق میں تاخیر حج کے لئے عذر میں داخل ہے۔ جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي أمامة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من لم يحبسه مرض أوحاجة ظاهرة أوسلطان جائر ولم يحج فليمت إن شاء يهوديا أو نصرانيا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الحج، باب إمكان الحج، مكتبه دارالفكر بيروت ٦/ ٤٥٢، رقم: ٨٧٤٣) ←

اور بچہ پر اول تو کوئی ضرر مظنون نہیں اور علی سبیل التسلیم مرد کسی عورت کو ارضاع کیلئے نوکر رکھے اور بچہ کو چھوڑ جائے اور تألم بمفارقت الولد عذر شرعی نہیں ہے اور اگر بچہ کو ساتھ لے جانے میں اس بچہ کا کوئی ضرر مظنون نہیں تو یہ امر یعنی ماں سے جُدا کر کے اس کا گھر چھوڑ جانا جائز نہیں (۱)

لأن فيه اتلاف الحق للمرأة من الرضاعة والحضانة ،والله اعلم.

۲۰/رجب ۱۳۲۱ھ (تتمہ خامسہ، امداد، ج:۱)

منافع اراضی میں سے کچھ نہ بچنے کی صورت میں حج فرض نہیں

سوال (۱۰۰۳): قدیم۲/ ۱۵۹- ایک زمیندار کے پاس چار پانچ سو روپے کے منافع کی جائداد ہے، مگر اہل وعیال کے خرچ ایسے ہیں کہ سال میں کچھ بھی بچت نہیں ہوتی تو آیا اس پر حج واجب ہے؟

← **وتحته في إعلاء السنن: فيه دلالة على أن التأخير في الحج لأجل المرض والمراد به مايمنع عن السفر والذهاب إلى بيت الله أولأجل الحاجةالظاهرة كحضانة الولد الصغير المحتاج إليه أوتعهد الوالدأوالوالدة المريضين المحتاجين إلى خدمته أولأجل المشقة الظاهرة الخ.** (إعلاء السنن، كتاب الحج باب اشتراط الصحة وعدم الحبس الخ، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ۱۰/۱۰تحت رقم الحديث: ۲۵۵٦)

والولد الصغيرا المحتاج إليه عذرفي التخلف مريضا كان أولم يكن. (غنية الناسك، قبيل باب شرائط الحج، إدارة القرآن كراچي جديد ص:۱۲)

(۱) **عن على بن أبي طالب رضي الله عنه أنه باع جارية وولدها ففرق بينهما فنهاه رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك** (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب السير، باب التفريق بين المرأة وولدها، مكتبه دارالفكر بيروت ۱۳/ ٤٥٦، رقم: ۱۸۸۱٤)

عن عبادة بن الصامت يقول: نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يفرق بين الأم وولدها، فقيل: يارسول الله إلى متى قال: حتى يبلغ الغلام وتحيض الجارية. (سنن الدار قطني، كتاب البيوع، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۷، رقم: ۳۰۳۰)

السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب السير، باب الوقت الذي يجوز فيه التفريق، مكتبه دارالفكر بيروت ۱۳/ ٤٦۲، رقم: ۱۸۸۳۵ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في رد المحتار ص: ۱۰۴، جلد ثاني. وفي التاتارخانية عن الصغرىٰ له دار يسكنها لكن تزيد على حاجته بان لا يسكن الكل يحل له أخذ الصدقة في الصحيح وفيها سئل محمّد عمن له ارض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلثة آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله يحل له أخذ الزكوٰة وإن كانت قيمتها تبلغ اُلوفاً وعليه الفتوٰى وعند هما يحل. آه (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر حج واجب نہیں۔(*) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۴/ربیع الثانی ۲۴ھ (امداد،ص:۱۸۴، ج:۱)

(*) اصل ص: ۱۸۵/سطر۱۱، اس شخص پر حج واجب نہیں، اصلاح: سوال میں اجمال ہے؛ کیونکہ نہ خرچ میں ضروری وغیرضروری کی تفصیل ہے نہ اہل وعیال میں واجب النفقہ وغیرواجب النفقہ کی تفصیل ہے اور بہت سے لوگ اخراجات غیرضروریہ کوضروریہ سمجھ کرفضول خرچی کرتے ہیں اور بہت سے اپنی کریم النفسی یاعرف ورواج کی بناپر غیرواجب النفقہ اشخاص کا بار اپنے ذمہ لے لیتے ہیں پس جواب کواسی صورت کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہئے؛ جبکہ مالی ضروریات واقعہ وشرعیہ سے زائد نہ ہواور حکم کومطلق نہ سمجھنا چاہیے۔ (تصحیح الاغلاط ص:۳۲)

---

(۱) شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، قبيل مطلب: في جهاز المرأة هل تصير به غنية، مكتبه زكريا ديوبند ۲۹۶/۳، كراچي ۳۴۸/۲۔

إذاكانت له دار ليسكنها تحل له الصدقة وإن لم تكن الدار جميعا مستحقه بحاجته بأن كان لايسكن الكل وهو الصحيح...... سئل محمد ابن الحسن عمن لهأراضي يزرعها أوحانوت يستغلها أودارغلتها تساوي ثلاثة آلاف قال إن كان غلتها تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة لايحل له أخذ الزكاة وهو قول أبي حنيفة وأبي يوسف وإن كانت غلتها لاتكفي لنفقته ونفقة عياله سنة قال محمد يحل له أخذ الزكاة وإن كان قيمتها يبلغ اُلوفاً وعليه الفتوى.

(الفتاوى التاتار خانية، كتاب الزكاة ، الفصل الثامن فيمن توضع فيه الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲۱۵/۳-۲۱۶، رقم: ۴۱۶۲-۴۱۶۷)

المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثامن: من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ۲۱۶/۳، رقم: ۲۷۹۷۔

لوكان للرجل دارتساوي عشرة آلاف درهم ليس فيها من فضل على سكناه يحل له أخذ الزكاة وإن فضل فيها عن ذلك مايساوي مائتيدرهم لاتحل ولوكانت له ضيعة غلتها ←

حج کے بعد کچھ بھی سرمایہ نہ بچنے کی صورت میں حج فرض نہیں

سوال (۱۰۰۴): قدیم ۲/ ۱۵۹- کچھ قرض دام کر کے دکان کی تھی اس سے بحمد اللہ مصارف ضروریہ پورے ہوجاتے تھے لیکن پس انداز کچھ نہ تھا اور یہ خیال تھا کہ اس قدر کچھ ہوجاوے کہ سفر حج کے لئے کافی ہو، تمنا قلبی تھی کہ حق تعالیٰ اس مراد کو پہونچادیں، لیکن نہ ہوا، اب امسال پانچ سو روپیہ ترکہ ماموں صاحب سے ملے ہیں اور یہی سرمایہ کلی ہے جس سے تجارت کرتا ہے اور مصارف ضروریہ کو اس کی آمدنی غالبا کافی ہوجائے گی اور اس وقت نقد روپیہ بالکل موجود نہیں ہے البتہ اتنا مال تجارت ہے کہ اس کو فروخت کر کے سفر ہوسکتا ہے اور خانہ داری کے لئے بھی کافی ہوگا، مگر بعد واپسی کوئی سامان ظاہری نظر نہیں آئے گا، ایسی حالت میں مشورہ مناسب سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب: حالت کذائیہ میں سفر حج مناسب نہیں ہے۔

في الدرالمختار: وحرر في النهر أنه يشترط بقاء رأس المال بحرفته إن احتاجت لذلک وإلا لا. وفي رد المحتار: کتاجر ودهقان ومزارع کما في الخلاصة ورأس المال يختلف باختلاف الناس بحر. قلت: والمراد مايمکنه الاکتساب به قدر کفايته وکفاية عياله لا أکثر لأنه لا نهاية له.اه ج: ۲، ص: ۲۳۲ (۱) فقط واللہ اعلم

۱۰/ شوال ۱۳۲۴ھ (امداد، ج:۱،ص:۱۸۵)

← **لاتفضل عنه وعن عياله لاتحل له الزكاة عند هما وعند محمد رحمه الله تحل له لأنها مشغولة بحاجة ويشق عليه بيعها الخ.** (البنايه شرح الهداية، كتاب الزكاة، باب مايجوز دفع الصدقات اليه، مكتبه اشرفية ديوبند ٣/ ٤٦٤)

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٤٦١، كراچي ٢/ ٤٦٢۔

ذهب الحنفية والحنابلة إلى أنه يشترط لوجوب الحج بقاء رأس مال لحرفته زائد على نفقة الحج ورأس المال يختلف باختلاف الناس، والمراد مايمكنه الإكتساب به قدر كفايته وكفاية عياله لاأكثر لأنه لانهاية له. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٧/ ٣٢) ←

جس عورت کو شوہر خرچ نہ دے اس کا شوہر کی اجازت کے بغیر حج کو جانا

سوال (۱۰۰۵): قدیم ۲/۱۶۰- اگر شوہر عورت کو نان نفقہ کچھ نہیں دیتا اور نہ کسی طرح کی خبر گیری کرتا ہے وہ اپنے میکہ میں رہتی ہے اور وہی اس کی خبر گیری کرتے ہیں تو اگر اس کے بھائی وغیرہ جو اس کی خبر گیری کرتے ہیں حج کو جاویں تو یہ عورت بلا اجازت شوہر حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس عورت پر حج فرض نہیں ہے، بلکہ وہی لوگ اس کا سفر خرچ بھی برداشت کریں گے، اگر یہاں اکیلی رہتی ہے تو کوئی اس کا خبر گیراں نہیں رہتا اور شوہر سے خوف ہے؟

الجواب: اس عورت کے حق میں سفر حج ایسا ہے جیسا دوسرا سفر کہ اس کے میکہ والوں کو پیش آوے، اور بہ ضرورت اس عورت کو ان کے ہمراہ رہنا پڑے اور یہ جائز ہے، پس وہ بھی جائز ہے۔(۱) واللہ اعلم

۱۷/ رجب ۱۳۲۵ھ (امداد، ج:۱، ص:۱۸۷)

← وأشار بقوله وما لا بد منه إلى أنه لابد أن يفضل له مال بقدر رأس مال التجارة بعد الحج إن كان تاجرا وكذا الدهقان والمزارع...... ورأس المال يختلف بإختلاف الناس الخ. (البحر الرائق، كتاب الحج، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۴۹، كوئٹة ۲/۳۱۳-۳۱۴)

فاضلا عن حوائجه الأصلية المذكورة في الزكاة كمسكنه ...... وآلات حرفته إن كان محترفا...... ورأس مال حرفته إن احتاجت لذلک وآلات حرثه من البقر ونحو ذلک إن كان حراثا أكارا أو رأس مال التجارة إن كان تاجرا يعيش بالتجارة والمراد مايمكنه الإكتساب به قدر كفايته وكفاية عياله لاأكثر لأنه لا نهاية له. (غنية الناسك، باب شرائط الحج قديم ص:۱۹)

(۱) عورت کو خروج الی السفر سے روکنے کا حق شوہر کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب شوہر اس کے نان نفقہ کی ضرورت مکمل طور پر پوری کرتا ہو اور یہاں شوہر کی طرف سے کسی قسم کا خرچہ نہیں ہے؛ اس لئے شرعی محارم کے ساتھ شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی حج کے لئے بھی جانا جائز ہے اور حج فرض کی ادائیگی میں شوہر کی طرف سے نان نفقہ کی ادائیگی کے باوجود بھی شوہر کی اجازت کے بغیر محارم کے ساتھ جانا جائز ہو جاتا ہے۔

أما خروج المرأة من بيت الزوج بلاإذنه أوسفرها بلا إذنه أو إحرامها بالحج بغير إذنه فهو نشوز إلا للضرورة أو العذر كأن يشرف البيت على انهدام أوتخرج لبيت أبيها لزيارة ←

مال حرام سے حج فرض ہوتا ہے یا نہیں

سوال (۱۰۰۶): قدیم ۲/۱۶۰- جس شخص کے پاس مال حرام ہے تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اور جبکہ وہ روپیہ صَرف ہوگیا اور مالک روپیہ سے اجازت لے لی، تو اب وہ مال حلال ہوگیا، مگر اب صرف ہو چکا ہے تو اب اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو سوال کرے یا قرض لیکر ضروری ہے؟

← **أو عيادة فيعد خروجها عذرًا وليس نشوزاً.** (الفقة الإسلامي وأدلته، الفصل الخامس النفقات، سقوط النفقة، الهدى انٹر نیشنل ۷/۷۳٦)

ويجوز للزوجة الخروج بغير إذن الزوج لما لاغناء لها عنه كإتيان بنحو مأكل والذهاب إلى القاضي لطلب الحق واكتساب النفقة إذا أعسربها الزوج والإستفتاء إذا لم يكن زوجها فقيها وكذلك لها إن تخرج إذا كان المنزل الذي تسكنه مشرفا على انهدام. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٩/١١٠)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضةمن غير إذن زوجها عندنا. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، شرائط فرضيته، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٣٠٠، كراچي ٢/١٢٤)

وليس للزوج منعها عن حجة الإسلام إذا كان معها محرم وإلافله منعها كما يمنعها من غير حجة الإسلام. (غنية الناسك، باب شرائط الحج، إدارة القرآن كراچي جديد ص:٢٨)

وعند وجود المحرم كان عليها أن تحج حجة الإسلام وإن لم يأذن لها زوجها وفي النافلة لاتخرج بغير إذن الزوج. (هندية، كتاب المناسك، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٢١٩، جديد ١/٢٨٢)

أما إذا حجت للتطوع فلا نفقة لها اجماعا إذالم يكن الزوج معها، وإن حجت مع زوجها حجة نفلا، كانت لها نفقةالحضر لانفقةالسفر. (هندية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشرفي النفقات، مكتبه زكرياديوبند قديم ١/٥٤٦، جديد ١/٥٩٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب :مال حرام (*) جب اپنے مال میں مخلوط ہوجاوے ملک میں داخل ہوجاتا ہے اس لئے حج فرض ہوجاوے گا (۱) اور بعد فرض ہونے کے مال کے صرف ہوجانے سے فرض بحالہ رہتا ہے لیکن سوال نہ کرے؛ البتہ اگر امید ادا ہو تو قرض لینا جائز ہے کذافی ردالمحتار (۲) اول کتاب الحج۔

۱۶ر محرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص:۶۸)

(*) خلط کرنے سے مال حرام ملک میں داخل تو ہوجاتا ہے؛ مگر دین شمار ہوتا ہے؛ اس لئے مال حرام سے زائد اگر بقدر استطاعت مال ہو تو حج فرض ہوگا ورنہ نہیں، اس کی تفصیل مسئلہ نمبر:۱۳ر ص:۸ر اور مسئلہ نمبر:۲۳ر ص:۱۲ر پر ملاحظہ ہو۔ ۱۲ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

---

(۱) **ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه ويورث عنه لأن الخلط إستهلاک إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفة وقوله أرفق إذ قلما يخلو مال عن غصب وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه وإلا فلا زكاة كما لو كان الكل خبيثا.** (الدرالمختار، مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب فيما لو صادر السلطان جائرا الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۰، زكريا ۳/ ۲۱۷)

كذا في البحرالرائق، كتاب الزكاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۵۹، كوئٹة ۲/ ۲۰۵۔

كذا في فتح القدير، كتاب الزكاة، مكبة زكريا ديوبند ۲/ ۱٦٤، كوئٹة ۲/ ۱۱۳۔

حرام مال سے حج قبول نہیں ہوتا، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خرج الرجل حاجة بنفقة طيبة ووضع رجله في الغرز فنادى: لبيک اللّٰهم لبيک ناداه مناد من السماء لبيک وسعديک زادک حلال وراحلتک حلال وحجتک مبرور غير مأزور وإذا خرج بالنفقة الخبيثة فوضع رجله في الغرز فنادى لبيک ناداهٗ مناد من السماء لا لبيک ولاسعديک زادک حرام وراحلتک حرام ونفقتک حرام وحجک غير مبرور الحديث. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٦٥-٦٦، رقم: ۵۲۲۸)

(۲) **عن طارق قال سمعت ابن أبي أوفى يسأل عن الرجل يستقرض ويحج قال: يسترزق الله ولايستقرض، قال وكنا نقول: لايستقرض إلا أن يكون له وفاء.** (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الحج، باب الإستسلاف للحج، دارالفكر بيروت ٦/ ٤٥٠، رقم:۸۷۳۷)

وقالو: لو لم يحج حتىٰ أتلف ماله وسعه أن يستقرض ويحج ولو غير قادر على وفائه ←

اشہر حج سے پہلے حج کا طریقہ

سوال (۱۰۰۷): قدیم ۲/۱۶۱- جو شخص اشہر حج سے پیشتر احرام باندھ کر برائے عمرہ یا حج جائے یعنی مثلاً رمضان شریف یا اس سے پہلے جاوے تو کس طرح اور کس ترکیب وکس نیت سے احرام باندھے اور وہ اشہر حج سے قبل حلال ہوکر مکہ شریف میں مقیم ہوسکتا ہے یا نہیں اور عمرہ قبل اشہر حج کے لاسکتا ہے یا نہیں اور متمتع اشہر حج میں عمرہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اس شخص کے تمتع میں یہ دشواری ہے کہ اشہر حج تک محرم رہنا پڑے گا اور اس کے قبل عمرہ نہیں کرسکے گا اور قران (*) وافراد میں فراغ حج تک محرم رہنا ہوگا؛ اس لئے سہل صورت اس کے لئے یہ ہے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر رمضان میں مثلاً عمرہ کر کے حلال ہوجاوے اور مضان میں جب چاہے عمرہ کرلے، پھر شوال کے داخل ہونے کے بعد چونکہ یہ شخص حکم مکی میں ہے عمرہ نہ کرے، پھر ایام حج میں افراد کا احرام باندھ کر منیٰ میں چلا جاوے۔

(*) اس میں یہ قباحت بھی ہے کہ اشہر حج سے قبل حج کا احرام باندھنا مکروہ تحریمی ہے۔۱۲ رشید احمد عفی عنہ

← **ويرجي أن لايواخذه الله بذلك أي لوناويا وفاء إذا قدر كما قيده في الظهيرية وتحته في الشامية: حيث قال: إن لم يكن عنده مال واردأن يستقرض لأداء الزكاة: فإن كان في أكبر رأيه أنه إذا إجتهد بقضاء دينه قدر كان الأفضل أن يستقرض (إلى قوله) وإذاكان هذا في الزكاة المتعلق بها حق الفقراء ففي الحج أولى.** (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۴۵۵، كراچي ۲/۴۵۷-۴۵۸)

وكذلك لولم يحج حتى افتقر تقرر وجوبه دينا في ذمته بالإتفاق ولايسقط عنه بالفقر، سواء هلك المال أو استهلكه ووسعه أن يستقرض ويحج وإن كان غير قادر على قضاء ه...... لكن المراد وإن كان غير قادر على قضاء ه في الحال وغلب على ظنه أنه لوإجتهد قدرعلى القضاء الخ. (غنية الناسك باب شرائط الحج قديم ص:۳۳)

البحرالعميق، الباب الثالث في مناسك الحج، شرائط الحج، مؤسسةالريان ۱/۳۸۶ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

في رد المحتار عن الفتح والنهر: والحيلة لمن دخل مكة محرما بعمرة قبل أشهر الحج يريد التمتع أن لا يطوف بل يصبر إلى أن تدخل أشهر الحج، ثم يطوف فإنه متى طاف وقع عن العمرة، ثم لو أحرم بأخرىٰ بعد دخول أشهر الحج وحج عامه لم يكن متمتعا في قول الكل لأنه صار في حكم المكى بدليل أن ميقاته ميقاتهم. اهـ. ج: ۲، ص: ۷۱۳ (۱) واللہ اعلم

جمادی الاخریٰ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۶۹)

---

(۱) شامي، كتاب الحج، باب التمتع، مكتبه زكريا ديوبند ۵۶۲/۳، كراچي ۵۳۶/۲۔

فتح القدير، كتاب الحج، باب التمتع، مكتبه زكريا ديوبند ۴/۳، كوئٹة ۴۲۲/۲۔

النهر الفائق، كتاب الحج، باب التمتع، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰۶/۳۔

الحيلة لمن دخل مكة بعمرة قبل أشهر الحج يريد التمتع أوالقرآن أن لايطوف بل يصبر إلى أن تدخل أشهر الحج ثم يطوف فإنه متى طاف طوافا ماوقع عن العمرة ولوطاف الكل أو أكثره ثم دخلت أشهر الحج فأحرم بعمرة أخرى داخل الميقات ثم حج من عامه لم يكن متمتعا عند الكل لأنه صار حكمه حكم أهل مكة بدليل أنه صار ميقاته ميقاتهم. (منحة الخالق على هامش البحرالرائق، كتاب الحج، باب التمتع، كوئٹة ۳۶۸/۲، مكتبه زكريا ديوبند ۶۴۵/۲)

غنية الناسك، باب التمتع فصل في ماهية التمتع وشرائطه قديم ص: ۲۱۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲/ باب الإحرام وأركان الحج

احرام کی حالت میں پان کھانے کا حکم

سوال (۱۰۰۸): قدیم ۲/۱۶۱- احرام کی حالت میں معتاد شخص کو پان کھانا کیسا ہے؟ پان سے لبوں کی زینت ہوجاتی ہے اور پان میں ایک قسم کی خوشبو بھی ہے اور اگر پان میں الائچی اور خوشبودار تمبا کو بھی ہو اس کا کھانا کیسا ہے؟ اور غیر معتاد کو پان کھانا بلحاظ زینت یا بغیر لحاظ زینت کیسا ہے؟

الجواب: **في العالمگيرية: الطيب كل شئى له رائحة مستلذة و يعده العقلاء طيبا. كذا في السراج الوهاج (١): وفيها ولو كان الطيب في طعام طبخ وتغير فلا شيئ على المحرم في أكله سواء كان يوجد رائحته أولا كذا في البدائع وإن خلطه بما يوكل بلا طبخ فإن كان مغلوبا فلا شئى عليه غير أنه إن وجدت معه الرائحة كره وإن كان غالبا وجب الجزاء(٢).**

---

(١) هندية، كتاب النماسك، الباب الثامن في الجنايات، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٢٤٠، جديد ١/٣٠٤-

الطيب كل جسم له رائحة طيبة مستلذة ويتخذ منهه الطيب كالمسك والكافور والعنبر والعود. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الحج، باب الجنايات، دارالكتاب ديوبند ص:٧٤٢)

البناية شرح الهداية، كتاب الحج، باب الجنايات، مكتبه اشرفية ديوبند ٤/٣٢٥-

غنية المناسك، باب الجنايات، الفصل الأول في الطيب، قديم ٢٤٢-

(٢) هندية، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، مكتبه زكرياديوبند قديم ١/٢٤١، جديد ١/٣٠٥-

ولو كان الطيب في طعام طبخ وتغير فلا شيئ على المحرم في أكله سواء كان يوجد ريحه أو لا لأن الطيب صار مستهلكا في الطعام بالطبخ، وإن كان لم يطبخ يكره إذا كان ريحه ←

وفي الدر المختار: وثوب صبغ بما له طيب كورس وعصفر إلا بعد زواله بحيث لايفوح في الأصح. (۳)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ پان چونکہ داخل طیب نہیں، گوموجب زینت ہے منافی احرام نہیں اورالا ئچی اور مثل اس کے طیب ضرور ہیں، مگر چونکہ پان وتمبا کو میں مغلوب ہیں؛ لہٰذا وہ بھی جنایت نہیں، گو خالی از کراہت بھی نہیں، اور جنایات میں عادۃ وعدم عادۃ میں تفاوت نہیں حتی کہ تداوی جوضرورت میں عادت سے بڑھ کر ہے اگر طیب وغیرہ سے ہو جنایت ہے، گومعصیت نہ ہو، فقط، واللہ اعلم۔

۱۴/ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ (امداد،ص:۱۸۴، ج:۱)

← يوجد منه ولا شيئ عليه؛ لأن الطعام غالب عليه فكان الطيب مغمورًا مستهلكا فيه، وإن أكل عين الطيب غير مخلوط بالطعام فعليه الدم إذا كان كثيرًا وقالوا في الملح: يجعل فيه الزعفران أنه إن كان الزعفران غالبًا فعليه الكفارة؛ لأن الملح يصير تبعا له فلا يخرجه عن حكم الطيب، وإن كان الملح غالبًا فلا كفارة عليه؛ لأنه ليس فيه معنى الطيب. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: وأما الذي يرجع إلى الطيب، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١٩١/١، جديد٤١٧/٢)

فتح القدير، كتاب الحج، باب الجنايات، مكتبه زكريا ديوبند ٢٥/٣، كوئٹه٤٤١/٢ ـ

غنية المناسك، باب الإحرام، فصل في مباحات الإحرام، قديم ص:٩٣

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فيما يحرم بالإحرام وما لا يحرم، مكتبه زكريا ديوبند ٥٠٠/٣، كراچي ٤٩٠/٢ ـ

ولبس ثوب صبغ بزعفران أو ورس أو عصفر مما له رائحة طيبة إلا ما غسل حتى لا ينفض أي لا يفوح في الأصح. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الحج، قبيل فصل فإذا دخل مكة، دارالكتب العلمية بيروت ٣٩٧/١)

ولبس ثوب صبغ بماله طيب أي رائحة طيبة كورس وزعفران وعصفر ونحو ذلك كالكريم وغيره مما يطيب به مخيطًا كان أوغير مخيط ...... إلا أن يكون غسيلا لا ينفض أي لايفوح منه رائحة الطيب وقيل: أي لا يتناثر صبغه والأول هو الأصح فالعبرة للرائحة لا لون. (غنية الناسك، باب الإحرام، فصل في محرمات الإحرام، قديم ص:٨٧) شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

آفاقی کو بغیر احرام حرم میں داخل ہونے کا حکم

سوال (۱۰۰۹): قدیم ۲/۱۶۲- اگر کوئی شخص غیر باشندہ مکہ بغیر احرام کے حرم شریف میں داخل ہوکر احرام باندھے اور اسی احرام سے حج کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: في الدر المختار: **باب الجنايات آفاقي يريد الحج أو العمرة وجاوز وقته ثم أحرم لزمه دم. الخ** (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص کا حج ہوجاوے گا مگر دم لازم ہوگا۔ (۲) فقط

۲/شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۶۸)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب الجنايات، مطلب لا يجب الضمان بكسرآلات اللهو، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۶۲۰، كراچي ۲/۵۷۹-۵۸۰۔

(۲) **إن جازو الأفاقي الميقات بغير إحرام وهو يريد الحج أو العمرة فإن عاد إلى الميقات وإحرام ولبي جاز حجه وسقط عنه الدم (إلى قوله) وإن لم يلب وجاوز الميقات واشتغل بأعمال ما عقد الإحرام له أن يطوف شوطا أو يبتدئ بالشوط فيستلم الحجر جاز حجه ولا يسقط عنه دم المجازوة.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل الرابع، مواقيت الإحرام، مكتبه زكرياديوبند ۳/ ۵۵۲، رقم: ۵۰۰۰)

المحيط البرهاني، كتاب المناسك، الفصل الرابع، مواقيت الإحرام ومجاوزتها، المجلس العلمي بيروت ۳/ ۴۱۴، رقم: ۳۲۷۵۔

إذا دخل الأفاقي مكة بغير إحرام وهو لا يريد الحج والعمرة فعليه لدخول مكة إما حجة أوعمرة، فإن أحرم بالحج أوالعمرة من غير أن يرجع إلى الميقات فعليه دم لترك حق الميقات. (هندية، كتاب المناسك، الباب العاشر في مجازوة الميقات بغير إحرام، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲۵۳، جديد ۱/ ۳۱۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قاصد مدینہ کو بغیر احرام حرم میں داخل ہونے کا حکم

سوال (۱۰۱۰): قدیم ۲/۱۶۲- یمنی کو جدہ شریف سے ینبوع بندرگاہ سے مدینہ منورہ جانے کا قصد ہے بوقت گزرنے میقات یلملم کے احرام نہیں باندھا جب جدہ شریف میں پہونچا، پھر مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کیا، اور جدہ شریف سے ہی احرام باندھ لیا، اب اس پر بسبب گزرنے بغیر احرام باندھے، یلملم کے سے دم لازم ہوگا یا نہ؟ یا کیا حکم ہے؟ یا مکہ معظمہ کا قصد بوقت گزرنے میقات کے شرط ہے؟

الجواب: **في الدر المختار: وحرم تأخير الإحرام عنها كلها لمن قصد دخول مكة إلى قوله أما لو قصد موضعا من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزته بلا إحرام فإذا حل به التحقق بأهله فله دخول مكة بلا إحرام. في رد المحتار: قوله: فله دخول مكة بلا إحرام أي مالم يرد نسكا. ج: ۲، ص: ۲۴۹.** (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس کا احرام جدہ سے صحیح ہوا اور اس پر کوئی جنایت لازم نہیں آئی۔ (۲)

۷ رشعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۶۹)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، فصل في المواقيت، مكتبه زكريا ديوبند ۴۸۲/۳، كراچي ۴۷۷/۲۔

(۲) **لايجوز مجاوزة الجميع إلا محرما (إلى قوله) الآفاقي إذا قصد موضعا من الحل كخليص يجوز له أن يتجاوز الميقات غير محرم وإذا وصل إليه التحق بأهله ومن كان داخل الميقات فله أن يدخل مكة بغير إحرام إذا لم يقصد الحج أو العمرة.** (البحر الرائق، كتاب الحج، قبيل باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ۵۵۶/۲-۵۵۷، كوئٹه ۳۱۷-۳۱۸)

إن الأفاقي إذا قصد دخول مكة وجب عليه الإحرام من آخر المواقيت سواء أراد الحج أو العمرة أو القتال أو التجارة أو غير ذلك أما لو قصد موضعًا من الحل جاز له مجاوزته بلا إحرام وهو الحيلة لمن أراد الدخول وينبغي أن لا تجوز للمأمور بالحج. (النهر الفائق، كتاب الحج، قبيل باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ۶۲/۲)

ويحرم تأخير الإحرام عنها لمن أي لأفاقي أو ما في حكمه كحرمي خرج للتجارة أوغيرها قصد دخول مكة يعني الحرم ولو لحاجة أما لو قصد موضعا من الحل كخليص ←

متمتع کے لئے طواف قدوم کا حکم

سوال (۱۰۱۱): قدیم ۲/۱۶۳- متمتع پر طواف قدوم سنت ہے یا نہ چرا کہ طواف قدوم سنت ہے واسطے حج کے اور متمتع نے احرام باندھا ہے واسطے عمرہ کے ابھی اس پر طواف قدوم ساقط ہے یا نہ یا طواف عمرہ وقدوم ہر دو بجا کرے؟

الجواب: **في الدرالمختار وطاف بالبيت طواف القدوم ويسن هذا الطواف للآفاقي. في رد المحتار: ثم إن كان المحرم مفردا بالحج وقع طوافه هذا للقدوم وإن كان مفردا بالعمرة أومتمتعا أو قارنا وقع عن طواف العمرة نواه له أو لغيره وعلى القارن أن يطوف طوافا آخر للقدوم. اه أي استحبابا بعد فراغه عن سعى العمرة قارى ج: ۲، ص: ۲۷۰ (۱) وفي العالمگيرية: ويفعل (أي المتمتع)ما يفعله الحاج المفرد غير أنه لا يطوف طواف التحية، ج: ۱، ص: ۱۵۴. (۲)**

اس سے معلوم ہوا کہ متمتع پر طواف قدوم نہیں ہے۔(۳) (تتمہ اولیٰ ص:۷۰)

← **وجدة حل له مجاوزته بلا إحرام فإذا دخل به التحقق بأهله فله دخول مكة بلا إحرام وهو الحيلة لمن أراد ذلک.** (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الحج، قبيل الفصل الأول، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۹۳)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في دخول مكة، مكتبه زكريا ديوبند۳/۵۰۶، كراچي ۲/۴۹۴۔

(۲) **وطف مضطبعا وراء الحطم آخذا عن يمينک ممايلي الباب......للقدوم وهو سنة لغير المكي (كنز) وتحت قول وطف مضطبحا في منحة الخالق: اعلم أن المحرم إن كان مفردا بالحج وقع طوافه هذا للقدوم وإن كان مفردًا بالعمرة أو متمتعًا أو قارنا وقع عن طواف العمرة نواه له أولغيره وعلى القارن أي استحبابا أن يطوف طوافا آخر للقدوم.** (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۷۳-۵۷۴، كوئٹه۲/۳۲۷)

(۳) هندية، كتاب المناسك، الباب السابع في القران والتمتع، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۲۳۹، جديد ۱/۳۰۳۔ ←

حالت احرام میں قربانی کا جانور ذبح کرنا

سوال (۱۰۱۲): قدیم ۲/۱۶۳- قربانی یا شکریہ کا جانور محرم ذبح کرے یا نہ؟

الجواب: في الدر المختار وله أي للمحرم ذبح شاة وبقرة وبعير الخ مع رد المحتار. ج: ۲، ص: ۳۵۸.(۱)

اس سے جواز معلوم ہوا۔ (تتمہ اولیٰ، ص: ۷۰)

← **وفعل (أي المتمتع) ما يفعله الحاج المفرد إلا طواف التحية لأنه في حكم أهل مكة ولا طواف قدوم عليهم.** (فتح القدير، كتاب الحج، باب التمتع، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۵-۶، كوئٹه ۲/۴۲۳)

ويفعل جميع ما يفعله الحاج على ما تقدم في المفرد غير أنه لا يأتي بطواف القدوم. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب التمتع، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۴۰، امداية ملتان ۲/۴۶)

الجوهرة النيرة، كتاب الحج، باب التمتع، دارالكتاب ديوبند ۱/۱۵۹۔

البناية شرح الهداية، كتاب الحج، باب التمتع، مكتبه اشرفية ديوبند ۴/۳۰۴۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب الجنايات، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۶۰۹، كراچي ۲/۵۷۱۔

كنز الدقائق مع البحر الرائق، كتاب الحج، باب الجنايات، فصل ان قتل محرم صيدًا، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۶۲-۶۴، كوئٹه ۳/۳۶۔

ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الحج، باب الجنايا، الفصل الثاني، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۴۴۳۔

هندية، كتاب المناسك، الباب التاسع في الصيد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۲۵۲، جديد ۱/۳۱۶۔

الأمور التي تباح في الإحرام، منها ذبح الإبل والبقر والحيوانات الأهلية مباح وذلك لأنها لا تدخل في تحريم الصيد ولا محرمات الإحرام باتفاقهم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/۱۷۰-۱۷۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ذبح حلق کے بعد ہے یا قبل

سوال (۱۰۱۳): قدیم ۲/ ۱۶۳- ذبح بعد حلق کے کرے یا پیش؟

الجواب: في الدر المختار: ثم بعد الرمي ذبح ثم قصر في رد المحتار: أي أو حلق ج: ۲، ص: ۲۹۴. (۱)

اس سے یہ ترتیب معلوم ہوئی اول رمی پھر ذبح پھر حلق۔ (۲)

۷/ شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۷۰)

کیا طواف زیارت کے لئے مستقل احرام کی ضرورت ہے

سوال (۱۰۱۴): قدیم ۲/ ۱۶۳- روز نحر کے جب جمار کو رمی کرلے اور ذبح کیا پھر احرام سے فارغ ہوا، پس واسطے طواف زیارت کے دیگر بار احرام باندھے یا نہ؟

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في رمي جمرة العقبة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵۳٤، كراچي ۲/ ۵۱۵۔

(۲) **ويستحب له تقديم الرمي على الذبح والذبح على الحلق.** (غنية الناسك، باب مناسك منى يوم النحر، فصل في الذبح وأحكامه قديم ص: ۱۷۲)

فارم جمرة العقبة من بطن الوادي بسبع حصيات كحصى الخذف وكبر بكل حصاة واقطع التلبية بأولها ثم اذبح ثم احلق أو قصر والحلق أحب. (كنز الدقائق، كتاب الحج، باب الأحرام، مطبع مجتبائي دهلي ص: ۷۸)

فيبتدأ بجمرة العقبة فيرميها من بطن الوادي بسبع حصيات...... ثم يذبح أن أحب ثم يحلق أو يقصر والحلق أفضل. (المختصر القدوري، كتاب الحج، مكتبه امدادية ديوبند ص: ٦٠)

في اليوم النحر يقدم الرمي ثم الذبح ثم الحلق. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل الثالث تعليم اعمال الحج، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵۳۲، رقم: ٤۹۷۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: وحل له كل شئى إلا النساء (إلى قوله) ثم طاف للزيارة. وفي رد المحتار: وشرائط صحته الإسلام وتقديم الإحرام، ج: ۲،ص: ۲۹۶،۲۹۷. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بار دیگر احرام نہیں ہوتا جس احرام سے حلال ہوا ہے وہی اس کے لئے کافی ہے۔(۲)

۷رشعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص:۷۰)

ایام نحر میں سعی کرنا

سوال (۱۰۱۵): قدیم ۲/۱۶۴- اور جو تین روز نحر کے میں سعی کرنا مکروہ لکھا ہے اگر کسی نے بوقت جانے عرفات کے طواف وسعی نہ کیا ہو ابھی وہ بوقت کرنے طواف زیارۃ کے ایام نحر میں سعی کرے یا نہ؟

الجواب: في الدرالمختار: أحكام المفرد ثم طاف للزيارة يوما من أيام النحر الثلاثة سبعة بلا رمل ولا سعى إن كان سعى قبل هذا الطواف والا فعلهما لأن تكرارهما لم يشرع.

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة، مكتبه زكريا ديوبند۳/۵۳۶-۵۳۷، كراچي ۲/۵۱۷۔

(۲) **وأما شرائطه فستة: ثلاثة منها لأطوفة الحج، وهي الوقت وتقديم الإحرام وتقديم الوقوف والباقي للكل وهي الإسلام وداخل المسجد وعلى سطحه فلو طاف على سطح المسجد جاز ولومرتفعًا عن البيت ولوطاف خارج المسجد فمع وجود الحيطان لا يصح إجماعا الخ.** (غنية الناسك، باب دخول مكة وحرمها، فصل في أركان الطواف وشرائطه، قديم ص:۱۰۹)

وأضاف في بعض الكتب شرط النية كما في هامش البحر وحل لک كل شئ غير النساء ثم إلى مكة يوم النحر أو غدا أوبعده فطف للركن سبعة أشواط (كنز) وتحته في منحة الخالق: وقال الرملي ويسمى طواف الزيارة وطواف الإفاضة وطواف يوم النحر ...... وشرائط صحته الإسلام وتقديم الإحرام والوقوف والنية. (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۶۰۸، كوئٹه۲/۳۴۷)

يشترط في طواف الزيارة شروط خاصة به سوى الشروط العامة للطواف وهذه الشروط الخاصة هي أن يكون مسبوقًا بالإحرام لتوقف احتساب أي عمل من أعمال الحج على الإحرام. (الموسوعة الفقهية الكويتية۱۷/۵۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفي رد المحتار: تحت قوله: وإلا فعلهما أي وإن لم يكن سعى قبل رمل وسعى وإن رمل قهستاني أي لأن رمله السابق بلا سعى غير مشروع، ج: ٢، ص: ٢٩٧ (١).

وفي الدرالمختار: أحكام المتمتع ويحج كالمفرد لكنه يرمل في طواف الزيارة ويسعى بعده إن لم يكن قدمها بعد الإحرام. وفي رد المحتار: قوله: إن لم يكن قدمها أي عقب طواف تطوع بعد الإحرام بالحج فلا دلالة في هذا على مشروعية طواف القدوم للمتمتع، ج: ٢، ص: ٣١٩ (٢).

---

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٥٣٧، كراچي ٢/٥١٧۔

ثم (رح) إلى مكة يوم النحر أو غدا أو بعده فطف للركن سبعة أشواط بلا رمل وسعى إن قدمتهما وإلا فعلا (كنز) وفي النهر: بلا رمل في هذا الطواف وبلا سعى بعده ان قدمتهما في طواف القدوم وإلا فعلا. قيل: كان ينبغي أن يقول: أفعالهم ليتناسق مع ما قبله من الأوامر وإنما لم يفعلا هذا الطواف أيضًا لأن تكرارها لم يشرع. (النهر الفائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٩٠)

ثم يأتي مكة من يومه ذلك أو من الغد أو من بعد الغد فيطوف بالبيت طواف الزيارة سبعة أشواط، فإن كان سعى بين الصفا والمروة عقيب طواف القدوم لم يرمل في هذا الطواف ولا سعى عليه، وإن لم يكن قدم السعى رمل في هذا الطواف وسعى بعده على ما قدمنا (القدوري) وفي الجوهرة: لأن السعى لم يشرع إلا مرة واحدة وكذا الرمل ماشرع إلا مرة في طواف بعده سعى. الخ (الجوهرة النيرة، كتاب الحج، دارالكتاب ديوبند ١/١٩١-١٩٢)

تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٣١٠-٣١١، امدادية ملتان ٢/٣٣۔

(٢) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب التمتع، مكتبه زكريا ديوبند٣/٥٤٦، كراچي ٢/٣٣۔

وفعل ما يفعله الحاج المفرد؛ لأنه مؤد للحج إلا أنه يرمل في طواف الزيارة ويسعى بعده لأن هذا أول طواف له في الحج بخلاف المفرد ؛ لأنه قد سعى مرة ولو كان هذا المتمتع بعد ما أحرم بالحج طاف وسعى قبل أن يروح إلى منى لم يرمل في طواف الزيارة ←

اس سے معلوم ہوا کہ صورۃ مسئولہ میں سعی کرے۔(۱) (تتمہ اولیٰ،ص:۷۰)

رنگین اور سلے ہوئے کپڑے میں احرام کا حکم

سوال (۱۰۱۶): قدیم۲/۱۶۴- احرام باندھنے میں سیاہ کپڑا یا گیرو سے رنگا ہوا یا کسی دوسری چیز سے رنگا ہوا پہننا جس میں کوئی خوشبو نہ ہو جائز ہے یا نہیں دوسرے کوئی ازار یا چادر جو کہ کم عرض ہونے کی وجہ سے دو پاٹ کر کے پہن لی جاوے اسی حالت احرام میں تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب: **في الدرالمختار باب الإحرام ولبس إزار ورداء جديدين أوغسيلين طاهرين أبيضين ككفن الكفاية وهذا بيان السنة. الخ**

← **ولايسعى بعده لأنه قد أتى بذلك مرة.** (هداية، كتاب الحج، باب التمتع، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۲٦۱)

وفعل ما يفعله الحاج المفرد ...... ويرمل في طواف الزيارة ويسعى بعده لأنه أول طواف له في الحج بخلاف المفرد لأنه قد طاف للقدوم وسعى ولو كان هذا التمتع بعد ما أحرم بالحج طاف تطوعا وسعى قبل أن يروح إلى منى لم يرمل في طواف الزيارة ولا يسعى بعده لأنه قد أتى بذلك مرة. (الجوهر النيرة، كتاب الحج، باب التمتع، دارالكتاب يوبند ۱/۱۹۹)

(۱) **الوقت لسعى الحج وهو أشهر الحج (إلى قوله) وأما وقته الأصلي فأيام النحر عقيب الزيارة الخ.** (غنية، جديد ادارة القرآن كراچي ص:۱۳۳)

وأما وقته فوقته الأصلي يوم النحر بعد طواف الزيارة لا بعد طواف اللقاء لأن ذلك سنة والسعى واجب فلا ينبغي أن يجعل الواجب تبعا للسنة، فأما طواف الزيارة ففرض، والواجب يجوز أن يجعل تبعا للفرض إلا أنه رخص السعى بعد طواف اللقاء وجعل ذلك وقتًا له ترفيها بالحاج وتيسيرًا له لازدحام الاشتغال له يوم النحر، فأما وقته الأصلي فيوم النحر عقيب طواف الزيارة لما قلنا. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل وأما وقته فوقته الأصلي، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۲۰، كراچي ۲/۱۳۵)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۱٦/۲۵۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

وفي رد المحتار: قوله: وهذا أي لبس الإزار والرداء على هذه الصفة بيان للسنة وإلا فساتر العورة كافٍ فيجوز في ثوب واحد وأكثر من ثوبين وفي أسودين أو قطع خرقة مخيطة أي المسماة مرقعة والأفضل أن لا يكون فيها خياطة لباب ج: ۲، ص: ۲۵۴. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ سفید ہونا جامۂ احرام کا مستحب ہے ورنہ سیاہ وغیرہ بھی جس میں خوشبو نہ ہو جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ گو افضل یہی ہے کہ اس میں بالکل سلائی نہ ہو، لیکن اگر دو پاٹوں کے جوڑنے کو سلائی کی جاوے تب بھی جائز ہے۔ (۲)

۱۶؍ شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۸۹)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، فصل في الإحرام، مكتبه زكريا ديو بند۳/۴۸۷-۴۸۸، كراچي ۲/۴۸۱۔

ويسن أن يلبس من أحسن ثيابه ثوبين إزار من السرة إلى ما تحت الركبة ويشده فوق السرة ورداء على الظهر والكتفين والصدر...... جديدين وهو الأفضل لأنه أقرب إلى الطهارة من الآثام أو غسيلين أبيضين ككفن الكفاية في العدد والصفة غير مخيطين، قال الشارحؒ: أصل لبس الإزار والرداء سنة وبقية الأوصاف مستحبة والكافي ساتر العورة فيجوز في ثوب واحد أو أكثر من ثوبين بأن يجعل واحدًا فوق واحد أو ببدل أحدهما بالآخر وفي أسودين وكذا في أخضرين وأزرقين وفي مرقعة والأفضل أن لا يكون فيه خياطة أصلا وإن زر أحدهما أو خلله بخلال أو ميله أو عقده بأن ربط طرفه بطرفه الآخر أو شدة على نفسه بحبل ونحوه أساء ولا شئ عليه. (غنية الناسك، باب الإحرام، فصل فيما ينبغي لمريد الإحرام قديم ص: ۷۱)

والبس إزاراً و رداء جديدين أو غسيلين (كنز) وفي البحر: وما في الكتاب بيان للسنة وإلا فساتر العورة كاف كما في المجمع وأشار بتقديم الجديد إلى أفضليته وكونه أبيض أفضل من غير كالتكفين و في منحة الخالق: قوله: والا فساتر العورة كاف فيجوز في ثوب واحد وأكثر من ثوبين وفي أسودين أو قطع خرق مخيطة والأفضل أن لا يكون فيهما خياطة. (منحة الخالق مع البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديو بند ۲/۵۶۲، كوئٹه۲/۳۲۱)

(۲) أن ضابطة لبس كل شئ معمول على قدر البدن أو بعضه بحيث يحيط به بخياطته ←

احرام حج کو احرام عمرہ سے بدل سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال (۱۰۱۷): قدیم ۲/ ۱۶۵- حجۃ الوداع میں آپ نے محرمین حج کو حکم دیا کہ جس نے سوق ہدی نہ کی ہو وہ عمرہ کرکے حلال ہوجائے چنانچہ ایسا کیا گیا، آیا اب بھی احرام حج مبدل بعمرہ ہوسکتا ہے اگر نہیں تو کیوں؟

الجواب: مسئلہ مختلف فیہ ہے امام احمد اب بھی اس فسخ الحج بالعمرۃ کے جواز کے قائل ہیں اور جمہور مانع ہیں (۱)، دلیل جمہور کی بلال بن حارث کی حدیث ہے:

قال قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم فسخ الحج لنا خاصة ام للناس عامة قال بل لنا خاصة رواه أبوداؤد(۲)، والنسائي (۳)

اور اس حدیث کو گو ضعیف کہا گیا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

إن نأخذ بكتاب الله فإن الله تعالىٰ أمر بالتمام قال الله تعالىٰ أتموا الحج والعمرة لله وإن نأخذ بسنة النبي صلى الله عليه وسلم فإنه لم يحل حتى نحر الهدى رواه الشيخان. (۴)

← **أو تلزيق بعضه ببعض أو غيرهما ويستمسک عليه بنفس لبس مثله (وقوله) فخرج ماخيط بعضه ببعض لا بحيث يحيط بالبدن مثل المرقعة فلا بأس بلبسه.** (شامي، كتاب الحج، مطلب فيما يحرم بالإحرام وما لا يحرم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۹۹، كراچي ۲/ ۴۸۹)

غنية الناسك، فصل في محرمات الإحرام، ادارة القرآن كراچي ص:۸۵۔

(۱) **وأما عدم جواز فسخ الحج بالعمرة فمذهب الجمهور ومحتجّين بهذه الآية خلافا لأحمد.** (تفسير مظهري، تحت رقم الآية البقرة: ۱۹۶، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۱۸)

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب المناسك، باب الرجل يهل بالحج، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۲، دار السلام رقم:۱۸۰۸۔

(۳) سنن النسائي، كتاب المناسك، إباحة فسخ الحج بعمرة، النسخة الهندية ۲/ ۱۸، رقم:۱۵۳۵، ف:۱۵۵۹۔

(۴) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز تعليق الإحرام، النسخة الهندية ۱/ ۴۰۱، بيت الأفكار الدولية رقم:۱۲۲۱۔

صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب من أهل في زمن النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۱، رقم:۱۵۳۵، ف:۱۵۵۹۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

لما سئل عن متعة الحج قال كانت لنا ليست لكم. (۱) رواه أبو داؤد باسناد صحيح.

اور ظاہر ہے کہ مراد اس متعۃ الحج سے فسخ الحج بالعمرہ ہے نہ کہ تمتع بالعمرۃ إلی الحج کیونکہ اس کا عموم منصوص ومجمع علیہ ہے اور اسی طرح ابوذر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

إنه كان يقول فيمن حج، ثم فسخها بعمرة لم يكن ذلك إلا للركب الذين كانوا مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رواه أبو داؤد. (۲)

اور ایک روایت میں ان کے یہ الفاظ ہیں:

"**إنما كانت المتعة لنا خاصةً (۳)**" اور گو یہ اثر ابوذر رضی اللہ عنہ کا مرسل ہے لیکن مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے غرض یہ تینوں فتویٰ اس حدیث کے ضعف کے رافع اور اس کی صحت معنویہ کے موجب ہیں اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کہ "**متعتان كانتا على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وأنا أحرمهما**" شبہ ہو کہ یہ منع "**فسخ الحج بالعمرة**" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہے اس لئے حدیث ضعیف مرفوع کی تقویت وصحت کی دلیل نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ "**أحرمهما**" کے معنی میں "**أظهر حرمتها التي ثبت عندي عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم**" اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ دوسرے متعہ کی حرمت یقیناً حدیث مرفوع صحیح سے ثابت ہے بس جس طرح وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے نہیں اسی طرح یہ بھی ان کی رائے نہیں۔

والبسط في التفسير المظهري (۴) وفيما لخصنا كفاية إنشاء الله تعالىٰ.

۲۷/رجب ۱۳۵۱ھ (النور، ص:۹، ربیع الاول ۵۲ھ)

---

(۱) **عن إبراهيم التيمي عن أبيه قال: سئل عثمان بن عفان رضي الله عنه عن متعة الحج، فقال: كانت لنا، ليست لكم.** (شرح معاني الآثار، كتاب مناسك الحج، باب من أحرم بحجة فطاف لها، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۲٦۸، رقم: ۳۸۲۱، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/٤۲٦)

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب المناسك، باب الرجل يهل بالحج، النسخة الهندية ۱/۲٥۱، دار السلام رقم: ۱۸۰۷۔

(۳) سنن النسائي، كتاب مناسك الحج، إباحة فسخ الحج بعمرة، النسخة الهندية ۲/۱۸، دار السلام رقم: ۲۸۱۲۔

(۴) **قالوا في جواب احتجاج أحمد أن ما احتججتم به كان مخصوصًا بالصحابة** ←

کیا متمتع پر مالی قربانی بھی واجب ہے؟

سوال (۱۰۱۸): قدیم ۲/ ۱۶۵- متمتع پر جو واسطے شکر نعمت کے ذبح لازم ہے بغیر اس کے مسافر غنی پر اضحیٰ کی قربانی لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: على حر مسلم مقيم بمصر أو قرية أو بادية عيني فلا تجب على حاج مسافر فأما أهل مكة فلزمهم وإن حجوا الخ وفي رد المحتار وذلك لأنهم مقيمون. ج:۵، ص:۳۰۸ (۱).

اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص شرعاً اگر مقیم ہو گیا ہے تو بشرط غناء اس پر قربانی اضحیٰ کی مستقل واجب ہے اور اگر شرعاً مسافر قاصر الصلوٰۃ ہے تو واجب نہیں۔ (۲) (تتمہ اولیٰ ص:۱۳۵)

← دون غيرهم لحديث بلال وقال أحمد لا يصح حديث في أن الفسخ كان لهم خاصة قلت: ولو لا ما روي عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قوله: متعتان كانتا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا احرمهما يعنى أظهر حرمتهما التي ثبت عندي من رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يندفع أحاديث فسخ الحج بحديث بلال المذكور فإنه ضعيف في الظاهر لكن قول عمر يدل على صحة ذلك الحديث معين وقد مر قول عمر في حديث أبي موسىٰ الأشعري المتفق عليه أنه قال في خلافته: إن نأخذ بكتاب الله الحديث، وكذا أثر عثمان أنه سئل عن متعة الحج. قال: كانت لنا ليست لكم. رواه أبوداؤد بإسناد صحيح......والمراد بالمتعة. في قول عمر وعثمان: إنما هو فسخ الحج بالعمرة دون التمتع بالعمرة إلى الحج الذي نطق به كتاب الله تعالىٰ: بحيث لامرد له وانعقد عليه الإجماع ...... ويؤيد حديث بلال أثر أبي ذرؓ أنه كان يقول: فيمن حج ثم فسخها بعمرة. الحديث قال ابن الجوزي: أثر أبي ذرؓ: يرويه رجل من أهل الكوفة لم يلق أبا ذرؓ قلت: فهو مرسل والمرسل حجة والله اعلم. (تفسير المظهري، سورة البقرة، تحت رقم الآية: ۱۹۶، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲۱۷، جديد ۱/ ۲٤۷)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأضحية، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ٤۵۷، كراچي ٦/ ۳۱۵۔

(۲) أخرج عبد الرزاق عن إبراهيم قال: رخص للحاج والمسافر في أن لا يضحىٰ. ←

حج کے بعد دم شکریہ کا حکم

سوال (۱۰۱۹): قدیم ۲/ ۱۶۶- حج کے بعد دم شکریہ کیسا ہے اور اغنیاء اور مساکین پر کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: دم شکر قارن و متمتع پر واجب ہے اور مفرد کیلئے مستحب۔ ''**كذا في الدر المختار**''(۱)

← **قال أيضًا كانوا إذا شهدوا ضحوا وإذا سافروا لم يضحوا.** (المصنف لعبد الزراق، باب الضحايا، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٩٤، رقم:٨١٧٣-٨١٧٥)

وأما الأضحية فإن كان مسافرًا فلا يجب عليه وإلافكالمكي فتجب. (غنية الناسك، باب مناسك منى يوم النحر، فصل في الذبح وأحكامه، قديم ص:٩٢، جديد ص:١٧٢)

شامي، كتاب الحج، مطلب في رمي جمرة العقبة، مكتبه زكريا ديوبند٣/ ٥٣٤، كراچي ٢/ ٥١٥۔

وأما الأضحية فإن كان مسافرًا فلا أضحية عليه وإلا فعليه كالمكي. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند٢/ ٦٠٦، كوئٹه٢/ ٣٤٦)

(١) **والذبح له (المفرد) أفضل ويجب على القارن والمتمتع.** (شامي، كتاب الحج، مطلب في رمي جمرة العقبة، مكتبه زكريا ديوبند٣/ ٥٣٤، كراچي ٢/ ٥١٥)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عله وسلم رمي جمرة العقبة ثم انصرف إلى البدن فنحرها. الحديث (صحيح مسلم، كتاب الحج، باب بيان ان السنة يوم النحر أن يرمي، النسخة الهندية ١/ ٤٢١، بيبت الأفكار الدولية رقم:١٣٠٥)

أخرج البخاري حديثًا طويلا عن ابن عباس طرفه ...... فإذا فرغنا من المناسك جئنا فطفنا بالبيت وبالصفا والمروة فقد تم حجنا وعلينا الهدى كما قال الله عز وجل فما استيسر من الهدى الأية (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب قول الله عزوجل لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام، السنخة الهندية ١/ ٢١٣، رقم:١٥٤٨-١٥٧٢)

فإذا فرغ من الرمي يوم النحر انصرف إلى رحله ويشتغل بشئ اٰخر فذبح إن شاء لأنه مفرد والذبح له أفضل وإنما يجب على القارن والمتمتع. (غنية الناسك، باب مناسك منى يوم النحر، فصل في الذبح وأحكامه، كراچي جديد ص:١٧٢) ←

اوراس دم سے کھانا فقیروغنی اورخود مہدی کو جائز ہے۔

في الدرالمختار: ویجوز أکله من هدی التطوع إذا بلغ الحرم والمتعة والقران. (۲) فقط۔(تتمہ اولیٰ)

← **لا یجب علی المفرد هدی لإحرامه بالحج مفردًا بخلاف القارن والمتمتع فإن علیهما الهدی لقوله تعالیٰ: فمن تمتع بالعمرة إلی الحج فما استیسر من الهدی والقارن کالمتمتع لإحرام بالنسکین إلا أنه یستحب للمفرد أن یهدی ویکون تطوعًا.** (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٥/٢٨٥)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحج، باب الهدی، مکتبه زکریاد یوبند٤/٣٩، کراچي٢/٦١٥۔

ویأکل من هدی التطوع والمتعة والقرآن فقط أي یجوز له الأکل. (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الهدي، کوئٹه٣/٧١، مکتبه زکریا دیوبند ٣/١٢٦)

ویأکل استحبابا من هدی التطوع إذا بلغ محله والمتعة والقران إلا عند الشافعي من دم المتعة والقران لا یأکل من غیرها. (مجمع الأنهر، کتاب الحج، باب الهدیٰ، دارالکتب العلمیة بیروت١/٤٥٩)

ویجوز الأکل من هدی التطوع والمتعة والقران یعنی بالتطوع إذا بلغ محله، وکذا له أن یطعمه الغني. (الجوهرة النیرة، کتاب الحج، باب الهدی، دارالکتاب دیوبند ١/٢١٧)

ولایجوز الأکل من بقیة الهدایا کدماء الکفارات والنذور وهدی الإحصار والتطوع إذا لم یبلغ محله. (الجوهرة النیرة، کتاب الحج، باب الهدی دار الکتاب دیوبند ١/٢١٧)

شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

۳/ بابُ الحج عن الغیر

حج بدل کے لئے اپنا حج شرط ہونے کی تحقیق

سوال (۱۰۲۰) : (۱) قدیم ۲/ ۱۶۶ – من العبد المفتاق إلی حضرة الشیخ الأکمل الأشرف الأبجل مدّ اللّٰه ظلاله اما بعد فهذا العبد منذ زمان قد قصر عن التحریر

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال** : احقر کی طرف سے حضرت والا مدظلہ العالی کی جناب میں یہ عریضہ پیش ہے، بعدہ عرض ہے کہ بندہ ایک مدت سے اس عریضہ کو لکھنے سے عاجز رہا، جس میں بندہ کا کوئی قصور نہیں ہے؛ اس لئے کہ کسی عارض کی وجہ سے بخار آ گیا تھا، جس کی وجہ سے لکھ نہیں سکا، اور اب اللہ کے فضل وکرم سے شفایاب ہو گیا ہوں؛ اس لئے تمام نعمتوں پر اللہ کا شکر گزار ہوں اور ان دنوں میں کچھ نہیں کر سکا جس پر بہت افسوس ہے، بالآخر میں چند شبہات کے حل کے لئے جناب والا سے درخواست کرتا ہوں جو بخاری شریف کے درس کے دوران پیش آئے اور مجھ سے اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں بن سکا؛ اس لئے میں نے فی الحال کے مربی ومرشد کا سہارا لیا، جس نے اپنا حج نہیں کیا ہے، اس کے لئے غیر کی طرف سے حج بدل کے جواز پر ہم حنفی لوگ حدیث خثعمیہ کے ذریعہ استدلال کرتے ہیں، جو بخاری شریف میں موجود ہے، اور ہم اس بات کے قائل ہیں کہ حدیث شریف مطلق ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابیہ سے یہ دریافت بھی نہیں فرمایا کہ تم حج کر چکی ہو یا نہیں؟؛ لہٰذا یہ حدیث حج بدل کے جواز پر دلالت کرتی ہے گو اپنا حج نہ کیا ہو، تاہم اس میں کچھ شبہ ہے؛ اس لئے کہ خثعمیہ عورت کا سوال مزدلفہ کی صبح میں تھا جیسا کہ بخاری شریف ص: ۲۰۵-۲۲۶-۲۵۰، پر مروی روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔ اور سنن نسائی باب **الحج عن الحی الذي لا یستمسک علی الرحل** میں بالفاظ صریح موجود ہے، قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مزدلفہ کی صبح میں سوال کیا۔ الحدیث

پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس عورت کے سوال کے یہ معنی ہیں کہ کیا میں اسی سال والد کی طرف سے حج کروں؟؛ اس لئے کہ حج کا وقت گذر چکا تھا؛ بلکہ اس عورت کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ کیا میں آئندہ سال ان کی طرف سے حج کروں؟ اور چونکہ اس عورت کی حالت سے بظاہر معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے حج ادا کر لیا، پھر یہ سوال کیا جس کی وجہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ سوال نہیں کیا کہ اس نے اپنی طرف سے حج کیا ہے یا نہیں؟ اور فرمایا کہ ہاں تمہارے لئے جائز ودرست ہے کہ اپنے والد کی طرف سے فریضۂ حج ادا کرو، اور چونکہ شبرمہ کی طرف سے ←

ولیس هذ الأمر من قصور الباع على أنی قد کان عرض لی الحمی بناقض فحالت بینی وبین ما اشتهی وبحمد الله قد برء السقم فشکر الله علی اسباغ النعم وفي تلك الأيام لم استطع على ضربی فیالهف نفسی ثم إنی أکلف جنابکم لحل شبهات قد عرضت لي في أثناء التدريس الصحيح للإمام محمد بن إسمٰعيل البخاری ولم أقدر علی جواب شاف من عندي فالتجأت إلیٰ سندی ووسیلة النجاح في یومي وغدی. انا معاشرا لحنيفة نستدل على جواز الحج عن الغير وإن لم يحج عن نفسه بحديث الخثعمية المروية في البخاری المطبوع في المطبع المصطفائي ص:۲۰۵،۲۲۶،غ۲۵۰ (۱). ونقول الحديث مطلق.

وأيضا لم يسئلها ﷺ احججت أم لا فيدل على جواز الحج البدل لمن يحج عن نفسه لكن في هذا شئی لأن سوال الخثعمية كان غداة جمع كما وقع في الصحيح، ص:۲۲۶،۲۵۰ (۲).استنباطاً وفي سنن النسائي صريحا بهذا اللفظ إن امرأة من خثعم سألت النبي ﷺ غداة جمع. الحديث.

← تلبیہ کہنے والے نے یقیناً اس سے پہلے حج نہیں کیا تھا؛ اس لئے کہ وہ حجۃ الوداع کا سال تھا؛ چنانچہ جب انہوں نے لبیک عن شبرمۃ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ شبرمہ کون ہیں؟ پھر جب انہوں نے عرض کیا کہ وہ میرے بھائی ہیں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے (شبرمہ کی طرف سے حج کرنے سے) منع فرمادیا اور حکم دیا کہ پہلے اپنی طرف سے حج کریں، پھر شبرمہ کی طرف سے پس حدیث خثعمیہ میرے خیال میں مقید ہے نہ کہ مطلق، اور دریافت نہ کرنے کی وجہ سے پہلے گذر چکی، تو شاید اس مسئلے کا مدار اس بات پر ہے کہ حج کا زمانہ ظرف موسع ہے جو کہ پوری زندگی ہے نہ کہ اس حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثوں پر، امید ہے کہ جناب والا اپنی فہم عالی سے تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے؛ اس لئے کہ شراح نے تشفی بخش تقریر نہیں کی ہے اور نہ میری فہم میں کوئی واضح تقریر آئی۔

(۱) حدیث خثمیہ بلفظ ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباسؓ قال: جاء ت امرأة من خثعم عام حجة الوداع فقالت: يا رسول الله! إن فريضة الله على عباده في الحج أدركت أبي شيخا كبيرًا لا يستطيع أن يستوى على الراحلة فهل يقضى عنه أن أحج عنه قال نعم. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب الحج عمن لا يستطيع الثبوت على الراحلة، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۰، رقم:۱۸۱۶، ف:۱۸۵۳)

(۲) عن عبد الله بن عباسؓ قال: كان الفضل رديف النبي صلى الله عليه وسلم فجاء ت ←

باب الحج عن الحی الذی لا یستمسک علی الرحل. (۱) فلا یمکن أن یکون المعنی أفاحج عنه العام لأن الوقت قد مضی بل المعنی أفاحج عنه عاما أخر ولما کان الغالب من حالها أنها قد قضت الحج، ثم سالت فلهذ الم یتعرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن سؤالها بأنها حجت أم لا، وقال: نعم! أي یجوز ذلک أداء فریضة الحج عن أبیک ولما کان الملبی عن شبرمة لم یحج من قبل قطعا إذ کان ذلک عامة حجة الوداع فلما قال لبیک عن شبرمة سأله من شبرمة؟ فلما قال هو أخي فلا جرم نهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک وأمره لقضاء الوطر عن نفسه ثم عن شبرمة(۲) فحدیث الخثعمیة ظنی أنه مقید لا مطلق وعدم الکشف لما مر فلعل مبنی تلک المسئلة کون وقت الحج ظرفا موسعا هو العمر لا هذا الحدیث وامثاله فالمرجو أن تفیدوني بجواب شاف من عندکم إذا الشراح لم یاتوا بشئی یغنی ولم یفتح لی ما یعنی.

← امرأة من خثعم فجعل الفضل ینظر إلیها وتنظر إلیه فجعل النبي صلی الله علیه وسلم یصرف وجه الفصل في الشق الأخر فقالت: إن فریضة الله أدرکت أبي شیخًا کبیرًا لا یثبت علی الراحلة أفأ حج عنه قال نعم وذلک في حجة الوداع. (صحیح البخاري، کتاب جزاء الصید، باب حج المرأة عن الرجل، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۰، رقم:۱۸۱۷، ف:۱۸۵۵)

عن أسامة بن زید أنه قال ردفت رسول الله صلی الله علیه وسلم من عرفات (إلی أن قال) فرکب رسول اللهصلی الله علیه وسلم حتی أتیٰ المزدلفة فصلی ثم ردف الفضل رسول الله صلی الله علیه وسلم عذاة جمع الحدیث. (صحیح البخاري، کتاب المناسك، باب النزول بین عرفة وجمع، النسخة الهندیة ۱/۲۲٦، رقم:۱٦٤۰، ف:۱٦٦۹)

(۱) عن ابن عباس أن امرأة من خثعم سألت النبي صلی الله علیه وسلم غداة جمع فقالت: یا رسول الله! فریضة الله في الحج علی عباده أدرکت أبي شیخا کبیرًا لا یستمسک علی الرحل أفأحج عنه قال: نعم. (سنن النسائي، کتاب مناسك الحج، باب الحج عن الحي الذي لا یستمسك علی الرحل، النسخة الهندیة ۲/۲، دارالسلام رقم:۲٦۳٦)

(۲) عن ابن عباس أن النبي صلی الله علیه وسلم سمع رجلا یقول: لبیک عن شبرمة قال: من شبرمة قال: أخ لي أو قریب لي قال حججت عن نفسک قال: لا، قال: حج عن نفسک ثم حج شبرمة. (سنن أبي داؤد، کتاب المناسك، باب الرجل یحج عن غیره، النسخة الهندیة ۱/۲۵۲، دارالسلام رقم:۱۸۱۱)

الجواب: (۱) نعم هذا الحديث محتمل فلا يصح للاستدلال لكن لنا في أصل المسئلة دليل اٰخر أيضا وهو سوال الجُهينية وجوابه ﷺ لها بقوله ارأيت لو كان على امک دَين الحديث وهو مذكور في صحيح البخارى، ص: ۲۵۰ (۲). من الجلد الأول فلما الحق ﷺ الحج عن الغير بقضاء الدين ولم يشترط في قضاء الدين تقديم دين نفسه على دين غيره فكذا الحج وأما الاستدلال بحديث شبرمة فليس بقوى لاحتماله الحمل على الكراهة وقد قال فقهاء نابه. (۳) والله اعلم

وما ورد في بعض الروايات قوله عليه السلام هذه منک فيحمل على ما في

---

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ جواب**: ہاں! یہ حدیث محتمل ہے؛ اس لئے اس سے استدلال درست نہیں؛ لیکن ہمارے پاس اصل مسئلہ کی دوسری دلیل بھی ہے اور وہ جہینیہ کا سوال کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عورت کو ان لفظوں میں جواب دینا کہ بھلا بتلاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہو الحدیث! اور یہ حدیث بخاری شریف جلد اول ص: ۲۵۰ ر میں موجود ہے، پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج عن الغیر کو دین کے ساتھ لاحق فرمادیا اور قضائے دین میں دوسرے کے دین پر اپنے دین کی ادائیگی مشروط نہیں اور جہاں تک تعلق ہے حدیث شبرمہ سے استدلال کا، تو یہ استدلال قوی نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس میں حمل علی الکراہت کا احتمال ہے؛ جبکہ ہمارے فقہائے کرام اس کے قائل بھی ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اور بعض روایات میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ یہ حج تمہاری طرف سے ہے تو اس کا محمل وہ مضمون ہے جو کہ بعض دوسری روایات میں مروی ہے کہ اپنی طرف سے حج کرو، پھر یہ روایت بعض محدثین کے نزدیک موقوف ہے اور بہت سے محدثین نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔ یہ تمام تفصیل تلخیص حبیر میں موجود ہے۔

(۲) پوری حدیث بلفظہ ذیل میں درج کردیتے ہیں ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عباسؓ أن امرأة من جهينة جاء ت إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: إن أمي نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت أفا حج عنها قال: حجى عنها، أرأيت لو كان على أمک دين أكنت قاضية، اقضوا الله فالله أحق بالوفاء. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب الحج والنذر عن الميت، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۰، رقم: ۱۸۱۵، ف: ۱۸۵۲)

(۳) يجوز احجاج الضرورة وهو الذي لم يحج أولا عن نفسه لكنه مكروه كما صرحوا به واختار في فتح القدير أنها كراهة تحريم للنهى الوارد في ذلك (إلى قوله) ←

بعض روايات أخرى حج عن نفسک ثم هو موقوف عند بعضهم ورجحه كثير وهذا كله في التلخيص الحبير (١)۔(تتمہ رابعہ)

حج بدل کو فاسد کرنے کا حکم

سوال (۱۰۲۱): قدیم ۲/ ۱۶۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مامور بحج بدل نے قبل وقوف عرفات حج کو فاسد کر دیا، اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ سال آئندہ جو حج وہ ادا کرے گا وہ آمر کی طرف سے ہوسکتا ہے یا نہیں اور اگر وہ اس طرح کرے کہ سال آئندہ اس حج فائت کی قضاء کرے ، پھر ایک سال مکہ میں اور قیام کر کے دوسرے سال آمر کا حج کرے اور احرام کسی میقات سے مواقیت خمسہ میں سے باندھے یا جدہ آ کر احرام باندھ لے یا مکہ ہی سے احرام باندھے ،ان صورتوں میں حج بدل ہو جائے گا یا کہ مثل ابتداء کے اس وقت بھی وطن آمر سے حج کرنا لازم ہوگا؟

الجواب: جماع قبل الوقوف سے حج فاسد ہو جاتا ہے باطل نہیں ہوتا۔

صرح في اللباب بأن مفسده الجماع قبل الوقوف ومبطله الردة. (٢) انتهى

یہی وجہ ہے کہ اگر دوسرے حج کی نیت کرے گا تو حج فاسد بدستور قائم رہے گا دوسرے حج کی نیت لغو ہوگی۔

← والحق أنها تنزيهية على الآمر تحريمية على الصرورة المأمور الذي اجتمعت فيه شروط الحج، ولم يحج عن نفسه لأنه أثم بالتأخير. (البحرا لرائق، كتاب الحج، قبيل باب الهدى، مكتبه زكريا ديوبند٣/١٢٢-١٢٣، كوئٹه٣/٦٩-٧٠)

شامي، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة، مكتبه زكريا ديوبند٤/٢١، كراچي ٢/٦٠٣۔

(١) التلخيص الحبير، كتاب الحج، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٤٨٨-٤٨٩، رقم:٩٥٨۔

(٢) شامي، كتاب الحج، باب الجنايات، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٥٩٣، كراچي ٢/٥٥٩۔

فلو أهل الحجة أخرىٰ ينوى (قضائها) قبل أدائها فهى هى ونيته لغو لا تصح ما لم يفرغ من الفاسدة. رد المحتار. (۱)

اور جب کہ جماع قبل الوقوف سے مخالفت آمر کی لازم آئی تو یہ حج آمر کا نہ ہوا، بلکہ مامور کا ہوگیا، اس حج فاسد کے افعال اول پورے کرے پھر اگلے سال حج قضا اول حج کی کرے، اس کے بعد تیسرا حج آمر کی طرف سے کرنا ہوگا۔

لأنه إذا أفسده لم يقع مامورًا به فكان واقعا عن المامور فيضمن ما انفق في حجه من مال غيره، ثم إذا قضى الحج في السنة القابلة على وجه الصحة لا يسقط الحج عن الميت لأنه لما خالف في السنة الماضية بالإفساد صارالإحرام واقعا عنه. فكذا الحج المؤدى به صار واقعا عنه ابن كمال وعليه حجة أخرىٰ للأمر أي سوى حج القضاء وهو الأصح كما في المعراج. رد المحتار، جلد: ۲، ص: ۲۶۷. (۲)

لیکن اس میں آمر کی مخالفت ہوئی دو وجہ سے اس لئے کہ اس کا حج میقاتی نہ ہوگا، کیونکہ مامور بہ مکی ہوگیا؛ لیکن اس کا تدارک ممکن ہے اگر مواقیت خمسہ میں ذوالحلیفہ یا کسی اور میقات سے احرام باندھے گا تو میقاتی حج ہوجائے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ سفر ہذا کو حج مامور بہ کے غیر میں مصروف کیا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دوسرے کام سے سفر کا حکم نہیں بدل سکتا۔

ذكر العلامه القارى في بعض رسائله: مسئلة اضطرب فيها فقهاء عصره وهى أن الأفاقى الحاج عن الغير إذا جاوز الميقات بلا إحرام للحج ثم عاد إلى الميقات وأحرم هل يصح عن الأمر قيل لا وقيل نعم ومال هو إلى الثاني. قال: وافتى به الشيخ قطب الدين

(۱) شامي، كتاب الحج، باب الجنايات، مكتبه زكريا ديوبند۳/ ۵۹۳، كراچي ۲/ ۵۵۹۔

(۲) شامي، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۳۲-۳۳، كراچي ۲/ ۶۱۱۔

العناية على فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند۳/ ۱۴۱-۱۴۲، كوئٹه۳/ ۷۴۔

غنية الناسك، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط النيابة، جديد كراچي ص: ۳۳۴۔

وشيخنا سنان الرومى في منسكه والشيخ على المقدسي قلت وهذا يفيد جواز الحيلة المذكورة له إذا عاد إلى الميقات وأحرم والجواب عن قوله لأن سفره حينئذ لم يكن لحج أنه إذا قصد البندر عندالمجاوزة ليقيم به أياما لبيع أو شراء مثلا ثم يدخل مكة لم يخرج عن أن يكون سفره للحج كما لو قصد مكانا اٰخر في طريقه ثم النقلة عنه رد المحتار. ج: ۲، ص: ۱٦۸. (۱)

فائدہ از حافظ عبدالمجید صاحب تھانوی نزیل بمبئی لسفر الحج

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے عرض کیا کہ مدینہ کا راستہ بند ہونے کی صورت میں حج بدل کا احرام کہاں سے بندھے گا؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ حج بدل کا احرام جدہ سے ہوگا، مناسک علی قاری میں عبارت موجود ہے۔

وإن لم يعلم المحاذاة فعلى مرحلتين من مكة كجدة المحروسة من طرف البحر. (۲)

---

(۱) شامي، كتاب الحج، مطلب في المواقيت، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۴۸۳، كراچي ۲/۴۷۷۔

منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج، قبيل باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۵۸، كوئٹه ۲/۳۱۸۔

(۲) مناسك ملا على القاري، باب المواقيت، فصل في مواقيت الصنف الأول، ادارة القرآن كراچي ص: ۸۱۔

عن عبد الله بن عمر قال: لما فتح هذان المصران أتوا عمر فقالوا: يا أمير المؤمنين! إن رسول الله صلى الله عليه وسلم حد لأهل نجد قرنا وهو جور عن طريقنا وإنا إن أردنا قرن شق علينا قال: فانظروا حذوها من طريقكم فحد لهم ذات عرق. (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب ذات عرق لأهل العراق، النسخة الهندية ۱/۲۰۷، رقم: ۱۵۰۹، ف: ۱۵۳۱) ←

اور یہ ظاہر ہے کہ اہل ہند کے لئے یلملم کی محاذات کسی معتبر طریقہ سے نہیں ہوتی؛ لہٰذا جدہ بھی ان کے لئے میقات ہے۔

۱۷/شعبان ۱۳۲۸ھ (تتمہ خامسہ، ص:۱۴۹)

← **إن المحاذاة لم تعتبر ميقاتا بالنص إنما الحقت بالميقات اجتهاد بالقياس عليه في حرمة مجاورته بلا إحرام بعلة تعظيم الحرم المحترم. فكذا في جوار الإحرام عنه أيضًا دفعًا للحرج مع أن إحرامه من عين الميقات أولىٰ (إلى قوله) وإن لم يعلم المحاذاة على مرحلتين محرفتين من مكة كجدة من طرف البحر فإنها على مرحلتين محرفتين من مكة وثلاث مراحل شرعية.** (غنية الناسك، كتاب المواقيت، إدارة القرآن كراچي جديد ص:۵۳) *شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ*

۴/ مسائل منثورہ من الحج

حج میں روضہ منورہ کی زیارت کا حکم

سوال (۱۰۲۲): قدیم ۲/ ۱۶۹- سفر زیارت روضہ منورہ کے باب میں پہلا قول کتب فقہ میں مستحب و افضل مستحبات لکھا ہے اور اس کے ساتھ بلحاظ قول بعض فقہاء علیہم الرحمۃ کے بل واجب لکھا ہے، اور حضرت مولانا مرشدنا قطب عالم حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہ العزیز بھی اپنے فتویٰ میں مستحب ہی فرماتے ہیں لیکن جناب مولانا مولوی عبدالحئ صاحب مرحوم لکھنوی قائل وجوب کے رہے اس میں قوت کس کو ہے اور محققین حنفیہ رحمہم اللہ کا مسلک اس باب میں کیا رہا ہے؟

الجواب: في رد المحتار عن اللباب: والفتح وشرح المختار انها قريبة من الوجوب لمن له سعة. اھ(۱)

(*) اس سے قول بالوجوب کے معنی واضح ہوگئے یعنی ہے تو مندوب مگر اور مندوبات سے زیادہ مہتم بالشان جس کو قربِ وجوب سے تعبیر کیا ہے پس دونوں قول مطابق ہوگئے۔ واللہ اعلم

۱۳۲۵ھ (امداد، ج:۱،ص:۱۸۵)

(*) اس سے قول بالوجوب کے معنی واضح ہوگئے۔

اصلاح أقوال ههنا ثلثة أقوال متخالفة الأول إنها مندوبة. الثاني: انها قريبة من الواجب. الثالث: إنها واجبة وإلى كل ذهب ورجح مرجح الفاضل الگنگوهي قدس سره الأول. والثاني: مولانا طال بقائهم. والثالث: المولوي عبد الحي كما ذكر في السوال ولاحاجة إلى التبطييو لما فيه تكلف بعيد نعم ان قال قائل ان الثاني، والثالث متحدان فله وجه لكن التطبيق بين الأول والثاني فبعيد غايته البعد لأن بين كون الشئ مندوبا وكونه واجبًا أو قريبًا منه منافات ظاهرة كما لا يخفى إلا أن يوول الواجب يقال معناه انها واجبة من حيث الأخلاق لا من حيث الشرع۔ (تصحیح الاغلاط ص:۳۲)

---

(۱) شامي، كتاب الحج، باب الهدى، مطلب في تفضيل قبرة المكرم صلى الله عليه وسلم، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٥٤، كراچي ٢/ ٦٢٧۔ ←

ایام نحر سے حلق کو مؤخر کرنے کا حکم

سوال (۱۰۲۳): قدیم ۲/۱۷۰- اگر تاخیر حلق ایام نحر سے ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب : في الدرالمختار: باب الجنايات في موجبات الدم أو أخر الحاج الحلق أو طواف الفرض عن أيام النحر لوقتهما بها. اه(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں حاجی پر دم لازم ہوگا۔(۲) فقط

۲ر شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۶۸)

← فتح القدير، كتاب الحج، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۶۷، كوئٹه ۳/ ۹٤۔

النهر الفائق، كتاب الحج، باب الإحرام، قبيل فصل: ومن لم يدخل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۹٤۔

هندية، كتاب المناسك، خاتمة في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲٦٥، جديد ۱/ ۳۲۹۔

ذهب جمهور العلماء إلى أن زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم مستحبة وقالت طائفة: إنها سنة مؤكدة تقرب من درجة الواجبات وهو المفتى به عند طائفة من الحنفية. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/ ۲۵۳)

اعلم: أن زيارة سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم أي وعليهم أجمعين باجماع المسلمين أي من غير عبرة ماذكره بعض المخالفين من أعظم القربات وأفضل الطاعات وأنجح لمساعي أي أرجي الوسائل والدواعي لنيل الدرجات قريبة من درجة الواجبات بل قبيل: إنها من الواجبات لمن له سعة أي وسعة واستطاعة. (مناسك ملا علي القاري، باب زيارة سيد المرسلين، إدارة القرآن، كراچي ص: ۵۰۲)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب الجنايات، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵۸۷، كراچي ۲/ ۵۵۵۔

(۲) وإن أخر الحلق أو طواف الزيارة بلا عذر عن الأيام النحر فعليه دم عند الإمام ←

مغرب عرفات میں اور عشاء مزدلفہ میں پڑھنے کا حکم

سوال (۱۰۲۴): قدیم ۲/ ۱۷۰- عرفہ کے دن اگر کوئی تنہا مغرب کی نماز عرفات میں پڑھے اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں پڑھے تو کیسا اور کیا حکم ہے؟

الجواب: **في الدر المختار: فصل كيفية الحج ولو صلى المغرب في الطريق أوفي عرفات أعاده. اه(۱)**

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر مغرب کی نماز کا اعادہ کرنا لازم ہے۔(۲) فقط

۲ر شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص:۶۸)

← **لأنهما مؤقتان بأيام النحر فإذا أخرهما عن أيام النحر ترك واجبا فلزمه دم خلافا لهما.** (مجمع الأنهر، كتاب الحج، باب الجنايات، الفصل الأول، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۴۳۸)

من أخر الحلق حتى مضت أيام النحر أو أخر طواف الركن عنها أيضًا يعني يجب عليه لكل منهما دم عند الإمام وقالا: لا، شئ عليه. (النهر الفائق، كتاب الحج، باب الجنايات، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۳۰)

وأما بيان زمانه ومكانه فزمانه أيام النحر ومكانه الحرم ...... وهذا قول أبي حنيفةؒ: إن الحلق مختص بالمكان والزمان...... حتى لو أخر الحلق عن أيام النحر وحلق خارج الحرم يجب عليه الدم في قول أبي حنيفة. (البحر العميق، الباب الثاني عشر في الأعمال المشروعة يوم النحر، كتاب الحلق، مؤسسة الريان ۳/ ۱۷۹۸)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في إجابة الدعاء، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵۲۶، كراچي ۲/ ۵۰۹۔

(۲) **عن أسامة ابن زيد أنه قال: ردفت رسول الله صلى الله عليه وسلم من عرفات فلما بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم الشعب الأيسر الذي دون المزدلفة أناخ فبال ثم جاء فصببت عليه الوضوء فتوضأ وضوءا خفيفًا. فقلت: الصلاة يا رسول الله! قال: الصلاة أمامك فركب رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى أتى المزدلفة فصلى ثم ردف الفضل رسول الله صلى الله عليه وسلم غداة جمع.** (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب النزول بين عرفة وجمع، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۶، رقم: ۱۶۴۰، ف:۱۶۶۹) ←

اہل خیمہ کے لئے عرفات میں جمع بین الصلوتین

سوال (۱۰۲۵): قدیم ۲/۱۷۰- ہم نے حج کیا ہے، عرفات جبل کے ایلوان ایک بڑی مسجد حضرت آدم علیہ السلام کی بولتے ہیں، اس میں امام خطبہ پڑھ کر ظہر وعصر بعد زوال کے یک مثل میں پڑھاتا ہے بعد اس امام کے اگر چند حاجی مل کر یا بیرون مسجد بغیر خطبہ کے ظہر وعصر اکٹھی کر کے پڑھیں تو جائز ہوگا یا نہ، چراکہ ہر دو کو اکٹھا پڑھنا جماعت واحرام کے شرط سے ہے، نہ خطبہ کا شرط جو تصحیح ہو مرقوم فرمادیں۔

الجواب: في الدر المختار: وشرط لصحة هذا الجمع الإمام الأعظم أو نائبه وإلا صلوا وحدانا، ج:۲، ص: ۲۸۲.(۱)

← صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب ادامة الحاج التلبية، النسخة الهندية ۱/۴۱۵، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۲۸۰۔

ولم يجز المغرب أي لم يحل في الطريق لقوله صلى الله عليه وسلم لأسامة حين قال: وقد كانوا في الطريق: الصلاة يا رسول الله؟ أمامك أي وقتها أو مكانها حكاهما الشارح وكلامهم يعطي أن المراد وقت جوازها وفيه إيماء إلى أنها لا تحل في عرفات بالأولىٰ. (النهر الفائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۸۶)

ومن صلى المغرب في الطريق أو بعرفات فعليه إعادتها ما لم يطلع الفجر. (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الحج، الفصل الثاني، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۴۱۰)

فلو صلى المغرب والعشاء في عرفات أو في الطريق أعادها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/۹۶)

ولو صلى المغرب بعد غروب الشمس بعرفة أو في الطريق قبل أن يأتي مزدلفة فإن كان يمكنه أن يأتي مزدلفة قبل طلوع الفجر لم تجزه صلاته وعليه إعادتها ما لم يطلع الفجر في قول أبي حنيفة ومحمد وزفر والحسن بن زياد. (البحر العميق، مطلب لماذا سميت مزدلفة، مؤسسة الريان ۳/۱۶۱۰)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في شروط الحج بين الصلاتين، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۵۲۰، كراچي ۲/۵۰۴-۵۰۵۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں جمع جائز نہیں ہے۔(۱) (تتمہ اولیٰ، ص:۱۷)

---

(۱) عرفات میں اہل خیمہ کے لئے ظہر اور عصر کو جمع تقدیم کے ساتھ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں امام صاحب اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے، حضرت والا تھانویؒ نے امام صاحب کے قول کے پیش نظر حکم شرعی لکھا ہے، ہم یہاں مناسب سمجھتے ہیں کہ امام صاحب اور صاحبینؒ کے اختلاف اور دلائل کو پوری طرح واضح کردیں، جس سے معلوم ہو جائے گا کہ آج کل کے زمانہ کے اعتبار سے صاحبینؒ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے، اس سلسلے میں تفصیلی وضاحت ملاحظہ فرمایئے:

عرفات میں ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو ظہر کے وقت میں جمع کر کے پڑھنا مسجد نمرہ کے امام کے پیچھے بالاتفاق جائز ہے، اختلاف اہل خیمہ کے بارے میں ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اہل خیمہ کے جائز نہیں اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اہل خیمہ کے لئے بھی جمع بین الصلاتین جائز ہے اور دلائل بھیڑ، ہنگامہ اور تعداد کی کثرت کی وجہ سے صاحبینؒ کے قول کے مطابق جائز ہونا چاہئے، اس بارے میں دونوں طرف کے دلائل ذیل میں ملاحظہ فرمایئے:

حضرت اماا بوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں کو ظہر کے وقت میں جمع کر کے پڑھنے کی کل چھ شرطیں ہیں:

(۱) **الإحرام بالحج.** حج کے احرام کی حالت میں ہونا۔

(۲) **الجماعة فيهما.** دونوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا۔

(۳) **الإمام الأعظم أو نائبه فيهما.** دونوں نمازوں کو امام حج یا اس کے نائب کا جماعت سے پڑھانا۔

(۴) **تقديم الظهر على العصر.** ظہر کی نماز کو عصر پر مقدم کرنا۔

(۵) **الزمان.** عرفات کے دن وقت عصر سے قبل زوال کے بعد ظہر کے وقت میں ہونا۔

(۶) **المكان.** میدان عرفات کے دائرہ اور حدود میں ہونا۔

یہ کل چھ شرطیں ہوئیں:

حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک میدان عرفات میں ظہر اور عصر دونوں کو ایک ساتھ جمع کر کے پڑھنے کے لئے مذکورہ چھ شرطیں سب لازم ہیں اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ ہوگی تو ان کے نزدیک جمع بین الصلاتین عرفات میں جائز نہیں۔ (غنیۃ الناسک نسخہ جدید ص:۱۵۱ تا ۱۵۳، قدیم ص:۸۱)

اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک عرفات میں جمع بین الصلاتین کے جائز ہونے کے لئے مذکورہ تمام شرطیں لازم نہیں؛ بلکہ صرف چار شرطیں لازم ہوتی ہیں یعنی مکان، زمان، احرام، ←

← تقدیم الظہر علی العصر ہی لازم ہیں، باقی دو شرطیں لازم نہیں یعنی ایام الحج اور جماعت لازم نہیں؛ لہٰذا حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو حجاج کرام سرکاری امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے، ان کے لئے جمع بین الصلاتین جائز ہے اور جو حجاج کرام سرکاری امام کے ساتھ جماعت سے نہ پڑھ سکیں ان کے لئے اپنے خیمہ میں یا حدود عرفات میں کسی اور جگہ تنہا یا جماعت کے ساتھ جمع بین الصلاتین جائز نہیں اور اس کے برخلاف حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اپنے اپنے خیمہ میں یا حدود عرفات میں کسی بھی جگہ جماعت کے ساتھ یا تنہا نماز پڑھنے والوں کے لئے بھی جمع بین الصلاتین کرنا جائز ہے اور بعد کے فقہاء احناف نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے، یہاں یہ بات بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اس اختلاف کی اصل بنیاد کیا ہے؟

شارح ہدایہ صاحب عنایہؒ نے اختلاف کی بنیاد یہ بتلائی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عصر کو مقدم کر کے ظہر کے وقت میں پڑھنے کی بنیادی علت یہ ہے کہ ایام حج کے ساتھ جماعت کی محافظت ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک امتداد وقوف یعنی لمبے وقت تک وقوف عرفہ کے لئے موقع فراہم کرنا ہے اور یہ علت تمام حجاج کے لئے عام ہے؛ لہٰذا اہل خیمہ کے لئے جمع بین الصلاتین جائز ہو جائے گا۔

اس مسئلے پر صاحب غنیۃ الناسک کے کافی تفصیل لکھنے کے بعد اخیر میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید میں یہ عبارت نقل فرمائی ہے:

فجملة الشروط ستة: والثلثة الأخيرة منها متفق عليها عندنا بخلاف ما قبلها ولو فقد شرط منها يصلي كل صلاة في الخيمة عليحدة في وقتها بجماعة أو غيرها.

(غنية الناسك، باب مناسك عرفات، قبيل فصل في صفة الوقوف بعرفة، ادارة القرآن كراچي جديد ص:١٥٣، قديم ص:٨١)

صاحب عنایہ نے ہدایہ کی شرح میں اختلاف کی بنیادی اصولوں کو کافی واضح الفاظ میں نقل فرمایا ہے کہ جواز جمع بین الصلاتین کی اصل علت وقوف عرفہ ہے اور وقوف عرفہ میں تمام حجاج یکساں اور برابر ہیں، صاحبینؒ اسی کو علت قرار دیتے ہیں اور امام صاحب اصل علت ایام حج کے ساتھ جماعت کو قرار دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

من صلى الظهر في رحله أي في منزله وحده صلى العصر في وقته عند أبي حنيفةؒ وقالا: المنفرد وغيره سيان ف الجمع بينهما ومبنى الاختلاف على أن تقديم العصر ←

← **على وقته لأجل محافظة الجماعة أو لا متدار الوقوف فعنده للأول وعندهما للثاني لهما أن جواز الجمع للحاجة إلى امتدار والوقوف بدليل أنه لا جمع على من ليس عليه الوقوف دون الحاج يحتاج إلى الدعاء في وقت الوقوف فشرع الجمع لئلا يشتغل عن الدعاء والمنفرد وغيره في هذه الحاجة سواء ويستويان في جواز الجمع.** (عناية على الهداية، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٨٢، كوئٹه٢/٣٧١)

فتاوی تاتارخانیہ میں نقل فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمع بین الصلاتین کے جواز کی چھ شرطیں ہیں:

(۱) عصر کوظہر کے وقت میں پڑھنا۔ (۲) وقت۔ (۳) مکان۔ (۴) احرام بالحج۔ (۵) امام حج اورامیر الحج کی معیت۔ (۶) جماعت۔

اورحضرات صاحبینؒ کے نزدیک امام اور جماعت بین الصلاتین کے جواز کے لئے مشروط نہیں۔

جزئیات ملاحظہ فرمائیے: **وإن لم يدرك الجمع مع الإمام الأكبر فأراد يصلي وحده في رحله أو بجماعة صلى كل صلاة في وقتها عند أبي حنيفةؒ، وقال أبو يوسفؒ يجمع كما يفعل مع الإمام الأكبر والصحيح قول أبي حنيفةؒ فالحاصل أن عند أبي حنيفةؒ شرط جواز الجمع بين صلاة الظهر والعصر في وقت الظهر يوم عرفة إحرام الحج والإمام الأكبر والجماعة وعندهما إحرام الحج لا غير وفي المنافع واعلم أن من شرط الجمع الوقت والمكان والإحرام والإمام والجماعة عند أبي حنيفةؒ وعندهما الإمام والجماعة ليس بشرط.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل الثالث في تعليم اعمال الحج، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٥٠٧، رقم: ٤٩٤١)

اب ان تفصیلات سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کا اختلاف اچھی طرح واضح ہوگیا اور دونوں طرف کے دلائل بھی خوب واضح ہوگئے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک اہل خیمہ کے لئے جمع بین الصلاتین مشروع نہیں اورصاحبین کے نزدیک مشروع ہے۔

متاخرین فقہاء نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کوراجح قرار دیا ہے؛ اس لئے یہی کوشش کرنی چاہئے کہ امام کے ساتھ ہی دونوں نمازیں پڑھنے کا اہتمام کیا جائے، مگر آج کل کے زمانہ میں میدان عرفات میں تیس چالیس لاکھ مسلمانوں کا زبردست ہجوم ہوجاتا ہے، اورتمام لوگوں کا ایک ساتھ امیر الحج کے پیچھے جماعت میں شامل ہوجانا کسی طرح ممکن نہیں؛ اس لئے مجبوری کی بناء پر حضرات صاحبینؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اہل خیمہ کے لئے بھی جمع بین الصلاتین کی گنجائش ہونی چاہئے اور جولوگ امیر الحج کے ساتھ جماعت میں شرکت نہ کرسکیں ←

مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کرنے کے لئے امام شرط نہیں

سوال (۱۰۲۶): قدیم ۲/۱۷۰- مزدلفہ میں مغرب وعشاء بھی پہلے امام کے بعد چند حاجی مل کر ہردو کو اکٹھا پڑھیں یا نہ؟

الجواب: في الدر المختار: كما لا احتياج هنا للإمام. في رد المحتار: وشرائط هذا الحج الإحرام بالحج وتقديم الوقوف عليه الزمان والمكان والوقف إلىٰ اٰخره. ج: ۲، ص: ۲۸۷. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس جمع میں امام الحج شرط نہیں، پس اگر فرادیٰ پڑھیں یا چند آدمی جمع ہوکر جماعت سے پڑھیں ہر طرح صحیح ہے۔(۲) (تتمہ اولیٰ ص:۱۷)

← وہ اپنے اپنے خیموں اور قیام گاہوں میں جمع بین الصلاتین کر کے وقوف اور دعاء میں مشغول ہو سکتے ہیں، ذمہ دار علماء کرام سے اس مسئلہ پر غور کرنے کی گذارش ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ جمع بین الصلاتین کی صورت میں شروع میں اور بعد میں کسی قسم کی سنت یا نفل نماز مشروع نہیں؛ بلکہ دونوں نمازوں کے بعد صرف دعا اور ذکر وتلاوت میں مشغول ہو جانا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وہو الموفق والمعین ۔۱۲

اس سلسلے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے خیمہ میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھی پھر وقوف شروع کیا، جب عصر کا وقت ہوا تو وقوف ختم کر کے عصر باجماعت ادا کی پھر وقوف شروع کیا، مگر جو کیفیت عصر سے پہلے حاصل تھی وہ لوٹ کر نہ آئی، بہت رونے کی صورت بھی بنائی مگر اس کا کچھ بھی حصہ لوٹ کر نہ آیا، پس میرے خیال میں صاحبینؒ کے مسلک پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(انوار مناسک ص: ۴۲۲-۴۲۷) سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في إجابة الدعاء، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۵۲۵، كراچي ۲/۵۰۹۔

(۲) ويصلي المغرب والعشاء بأذان واحد وإقامة واحدة كلاهما قبل المغرب لأن العشاء في وقتها فلم تحتج للإعلام كما لا يشترط هما الإمام فهذا الجمع غير مشروط بالجمع.

(سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الحج، الفصل الثاني، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۴۱۰) ←

مزدلفہ میں مغرب وعشاء میں ترتیب واجب ہے

سوال (۱۰۲۷): قدیم ۲/۱۷۱- پہلے عشاء کی نماز پڑھیں یا مغرب، اور صاحب ترتیب بھی پہلے عشاء پڑھے یا مغرب؟

الجواب: في الدرالمختار: ولو صلى العشاء قبل المغرب بمزدلفة صلى المغرب ثم أعاد العشاء فإن لم يعدها حتى ظهر الفجر عاد العشاء إلى الجواز. في رد المحتار: لا فرق في هذا بين أن يكون صاحب ترتيب أولا فتزاد هذه على مسقطات وجوب الترتيب. ج : ۲ ، ص : ۲۸۸ .(۱)

← فلو صلاهما وحده أي منفردًا جاز أي ولوجمعا لكن الأفضل أن تصلي بجماعة والسنة أن تصلي مع الإمام كما في الحاوي: وأما ما ذكره البرجندي في شرح النقاية معزيا إلى الروضة من أنه لا يجمع بين المغرب والعشاء بالمزدلفة إلا مع ذي سلطان عند أبي حنيفةؒ وعندهما يجمع بغير إمام فهو خلاف المشهور في المذهب وليس عليه العمل، وشرائط هذا الجمع الإحرام بالحج وتقديم الوقوف بعرفة عليه والزمان والمكان والوقت. (مناسك ملا علي القاري، باب أحكام المزدلفة، فصل في الجمع بين الصلاتين بها، إدارة القرآن كراچي ص:٢١٤-٢١٥)

وصل بالناس العشاء ين بأذان وإقامة (كنز) وتحته في النهر: وقوله بالناس بيان لكونها بجماعة لكنها ليست شرط بل مندوبة قبل أن يحط رحله قال الإمام المحبوبي: وكذا الإمام والإحرام أقول: وينبغي اشتراط الإحرام. (النهر الفائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٨٥)

البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٩٦-٥٩٧، كوئٹه ٢/٣٤٠۔

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، قبيل مطلب في المفاضلة بين ليلة العيد، مكتبه زكريا ديوبند٣/٥٢٧، كراچي ٢/٥١٠۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے مغرب پڑھیں پھر عشاء اور اگر بالعکس کرلیا تو بترتیب اعادہ واجب ہے؛ لیکن اگر اعادہ نہ کیا طلوع فجر سے دونوں صحیح ہوگئیں۔(۱) فقط

۷رشعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۷۱)

نذر کا حج صاحب نصاب سے کرانے سے نذر ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال (۱۰۲۸): قدیم ۲/ ۱۷۱- ایک شخص نے حج کرانے کی نذر کی تھی ایک صاحب نصاب مولوی صاحب کو دیکر حج کرایا، بوجہ مسکین نہ ہونے کے اگر حج ادا نہ ہو نذر پوری نہ ہو اس کو دوسری دفعہ خرچ دے کر حج کرانا ہوگا یا نہیں؟۔

الجواب: نذر ادا نہیں ہوئی (۲) بقدر زاد حج کے مساکین کو دینا چاہئے، خواہ وہ حج کرے یا نہ کرے نذر ادا ہو جائے گی۔

یکم ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۷۲)

---

(۱) **السادس: الترتيب بين الصلاتين، فلو صلى العشاء قبل المغرب بمزدلفة صلى المغرب ثم يعيد العشاء، فإن لم يعدها حتى ظهر الفجر عاد العشاء إلى الجواز وسقط الترتيب.** (غنية الناسك، باب أحكام المزدلفة، فصل في الجمع بين العشاء ين، إدارة القرآن كراچي جديد ص:١٦٤)

وكذا يجب الترتيب بين الصلاتين حتى لو قدم العشاء بمزدلفة يصلي المغرب ثم يعيد العشاء، وإن لم يعد العشاء حتى طلع الفجر عادت العشاء إلى الجواز. (مناسك ملا علي القاري، باب أحكام المزدلفة، فصل في الجع بين الصلاتين بها، إدارة القرآن كراچي ص:٢١٧)

لو قدم العشاء على المغرب بمزدلفة يصلي المغرب ثم يعيد العشاء فإن لم يعد العشاء حتى الفجر الصبح عاد العشاء إلى الجواز وهذا كما قال أبو حنيفةؒ فيمن ترك صلاة الظهر ثم صلى بعدها خمسا وهو ذاكر للمتروكة لم يجز فإن صلى السادسة عاد إلى الجواز وتحته في منحة الخالق: تزاد هذه على ما يسقط به الترتيب. (منحة الخالق مع البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥٩٨)

(۲) حضرت والا تھانویؒ نے صاحب نصاب کے ذریعہ سے نذر کا حج کرانے کو عدم صحت اور عدم ادا کی بات تحریر فرمائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نذر ایسی چیز کی درست ہوتی ہے، جو مستقل بالذات عبادات ←

← میں شامل ہو اور نفس حج اور حج کرنا تو عبادت ہے؛ لیکن حج کرانا مستقل بالذات عبادت نہیں ہے؛ اس لئے حج کرانے کی نذر جو کی ہے تو گویا کہ ایک حج میں خرچ ہو سکتا ہے اتنی رقم کا اخیر میں خرچ کرنے کی نذر ہوگی، جس کے اصل مستحق فقراء اور مساکین ہیں؛ اس لئے صاحب نصاب کے ذریعہ سے حج کرانے کو ممنوع لکھا ہے اور اتنی رقم مساکین کو دینے کو فرمایا ہے۔

اس کے برخلاف اسی مسئلہ میں حضرت اقدس مفتی کفایت اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ نے لکھا ہے کہ حج کرانا اور اتنی رقم حاجت مند فقراء کو دیدینا دونوں جائز ہے؛ لیکن حج کرانے کے بجائے مساکین کو دیدینا زیادہ بہتر لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو کفایت المفتی، کتاب الیمین والنذر قدیم ۲/۲۰۶۔

دوسرا باب منت ماننا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۵۲، جواب ۲۳۲، جدید طویل ۹/۱۴۹، جواب ۳۷۰۳۔ نیز فقہاء کی عبارات سے بھی جواز کی بات معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

ولو قال: إن فعلت كذا فأنا أحج بفلان فلا يخلو إما أن ينوى به الحج مع فلان أوينوى به إحجاج فلان أو لا نية له، فإن لم تكن له نية أو نوى الحج معه فعليه أن يحج وليس عليه أن يحج بفلان وإن نوى إحجاج فلان لزمه أن يحجه لأن الباء للتعدية به نحو ذهبت به فإن أرسله فاحجه جاز، وإن أحجه معه جاز أيضًا. ولو قال: فعلى أن أحج فلانا لزمه ذلك. (البحر العميق، الباب السابع عشر في النذر بالحج، مؤسسة الريان ٤/٢٢١٣)

ومن قال: إن فعلت كذا فعلى أن أحج بفلان، فإن نوى أحج وهو معى فعليه أن يحج وليس عليه أن يحج به، وإن نوى أن يحجه فعليه أن يحجه؛ لأن الباء للالصاق فقد الصق فلانا بحجة وهذا يحتمل معنيين أن يحج فلان معه في الطريق وأن يعطي فلانا ما يحج به من المال والتزام الأول بالنذر غير صحيح. والثاني: صحيح (وقوله) فإذا نوى الوجه الأول عملت نيته لاحتمال كلامه؛ ولكن المنوى لا يصح التزامه بالنذر فلا يلزمه شئ وإنما عليه أن يحج بنفسه خاصة وإن نوىٰ الثاني لزمه فاما أن يعطيه من المال ما يحج به أو يحجه مع نفسه ليحصل الوفاء بالنذر (وقوله) ولو كان قال: فعلى أن أحج فلانا فهذا محكم والنذر به صحيح.

(فتح القدير، كتاب الحج، مسائل منثورة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٦٢، كوئٹه٣/٨٩-٩٠)

كتاب المبسوط للسرخسي، كتاب المناسك، باب النذر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٣٣۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اوراس صاحب نصاب پر روپیہ کی واپسی واجب نہیں

سوال (۱۰۲۹): قدیم ۲/ ۱۷۱- اور مولوی صاحب کو وہ روپیہ واپس دینا ضرور ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نہیں۔(۱) (تتمہ اولیٰ صفحہ ۷۲)

حج نذر سے حج فرض ادا ہوگا یا نہیں؟

سوال (۱۰۳۰): قدیم ۲/ ۱۷۱- مولوی صاحب نے حج کیا اُن کا حج فرض ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نیت کیا کی؟(۲)

یکم ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۷۲)

---

(۱) واپس کرنا اس لئے لازم نہ ہوگا کہ اس مولوی صاحب نے جس پر خرچ کرنے کے لئے دینا تھا، اسی پر ہی خرچ کیا ہے، اس نے امانت میں خیانت نہیں کی اور چونکہ حضرتؒ کی رائے میں نذر پوری نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے مساکین پر بھی اتنی رقم ادا کرنا لازم ہے، یہ حضرتؒ کی رائے ہے؛ لیکن حضرت مفتی کفایت اللہؒ کی رائے میں حج کرانا بھی درست ہوگیا ہے جیسا کہ سابقہ حاشیہ میں اس کی وضاحت آگئی ہے۔

اور حضرتؒ کی رائے کے مطابق نذر کی رقم صاحب نصاب کو دینا درست نہیں ہے، اس کے متعلق جزئیہ ملاحظہ فرمایئے:

ولا يجوز أن يصرف ذلک لغني ولا لشريف منصب أو ذي نصب أو علم ما لم يكن فقيرًا ولم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء للإجماع على حرمة النذر للمخلوق.

(شامي، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف، مطلب في النذر الذي يقع للأموات۔ مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۴۲۷، كراچي ۲/ ۴۳۹)

(۲) مطلق حج کی نیت کی یا حج فرض کی نیت کی ہے، تو ان دونوں صورتوں میں حج فرض ادا ہوگیا اور اگر حج نفل کی نیت کی ہے، تو نفل اداء ہوجائے گا فرض ادا نہ ہوگا۔

قوله تنوى الحج بيان الأكمل وإلا فيصح الحج بمطلق النية (إلى قوله) والمنقول في الأصول أنها لا تتأدى بنية النفل وتتأدى بمطلق النية نظرًا إلى أن الوقت له فيه شبهة المعياريه ←

عرفات میں درخت لگانے کا حکم

سوال (۱۰۳۱): قدیم ۲/ ۱۷۱- بعض ہمدرد مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ چوں کہ میدان عرفات میں بہ موسم گرما دھوپ اور لو کی شدت سے ہزار ہا غیر مستطیع حجاج جو خیمہ وغیرہ کا انتظام نہیں کر سکتے، ہلاک ہوتے یا سخت تکلیف اُٹھاتے ہیں اور اگر وہاں سایہ دار درخت کافی تعداد میں مثل برگد (بڑھ) یا پلکھن (پاکھر) وغیرہ نصب کردیئے جائیں تو اُن کے سایہ میں گرمی اور لو سے امن متوقع ہے یہ لوگ نصب درختاں کے لئے ساعی ہیں اور ان کا یہ خیال ہے کہ سلف سے اب تک اس پر عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ زمانہ قدیم میں برگد اور پلکھن کے وجود اور سرزمین حجاز میں ان کے سرسبز ہونے کا علم نہ تھا اور نہ اس زمانہ کے سے ذرائع حمل ونقل موجود تھے، لوگ جفاکشی کے عادی بھی تھے لیکن کچھ مسلمان اس امر میں متامل ہیں، آخر الذکر طبقہ کا یہ خیال ہے کہ وادی عرفات کے اس قدرتی منظر کو خیر القرون سے بھی ہزار ہا سال پہلے انسانی تصرفات سے پاک اور ہیئت اصلی پر ہی برقرار رکھا جاتا رہا ہے، اور باوصف اس کے کہ ضرورت رفع شدت وحدت قدیم ہے اور اس کے اسباب (نصب درختان سایہ دار) بھی قدیم اور سہل ومعروف، تاہم سلف سے آج تک یہ صورت جو کسی وقت بھی دشوار نہ تھی اختیار نہیں کی گئی جیسے کہ آب رسانی کی قدیم ضرورت کو نہر زبیدہ کی تعمیر سے باوجود عسیر الحصول ہونے کے زمانہ سلف ہی میں

← **وشبهة الظرفية فالأولىٰ للثاني والثاني للأول.** (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۵٦۳-٥٦٦، كوئٹه ۲/ ۳۲۱-۳۳۳)

ويتأدى (الحج الفرض) بإطلاق النية لا بنية النفل هذا من حكم كونه مشكلا أي إن أدى الحج، بمطلق النية بأن يقول: نويت الحج يقع عن الغرض بخلاف ما إذا قال: نويت حج النفل فإنه يقع عن النفل. (نور الأنوار، بحث أداء الحج بمطلق النية، مكتبه نعمانية ديوبند ص:٥٩)

الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها، الثالث في بيان تعيين المنوى وعدمه، مكتبه زكريا ديوبند جديد ١/ ١١٤، قديم ص:٥٩- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جبکہ کم از کم تبع تابعین بھی موجود تھے پورا کردیا، تو رفع شدت حر کی قدیم ضرورت کو سہل الحصول ذریعہ (نصب درختاں) سے پورا کرنے کی سعی جدید بدعت کی تعریف میں آجاتی ہے، اوراس کا قیاس قطع مسافت کی قدیم ضرورت کے جدید سامان یعنی تیز رفتار مثلا سیارات (موٹرو ریل) وطیارات (ہوائی جہاز) دوخانی جہازات ''**وخلقنالهم من مثله ما یرکبون**'' پر قیاس مع الفارق ہے، نیز اگر نصب درختاں کا سلسلہ قائم رہا تو وادی عرفات بجائے میدان کے باغ یا بن کی صورت میں تبدیل ہوجائے گا؛ لہٰذا استفتار ہے کہ:

(۱) میدان عرفات میں حجاج بموسم گرما دھوپ اور لو سے بچنے کے خیال سے سایہ دار درختوں کا نصب اوراس میں سعی شرعا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) اگر نصب یا سعی جائز ہے تو مباح ہے یا مستحب یا سنت یا واجب یا فرض؟

(۳) اگر ناجائز ہے تو مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی یا حرام؟

(۴) بصورت عدم جواز ناصبین یا ساعین کو منع کرنا مسلمانوں پر حسب حیثیت لازم ہے یا نہیں؟

(۵) حد عرفات کے خط کے باہر مسجد نمرہ کی پشت پر نصب درختاں کا حکم بھی مثل وادی عرفات ہے یا اس کے غیر؟

(۶) شہر مکہ اور حدود حرم کے اندر نصب درختاں کے جواز کو میدان عرفات پر قیاس کیا جاسکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا؟

الجواب: عرفات اور حد حرم کے اندر سایہ کے لئے درختوں کا لگانا بلاشبہ فی نفسہ جائز ہے اور لغیرہ استحباب کا حکم بھی کیا جاسکتا ہے اگرچہ افضل اس کا ترک ہے، جواز کی دلیل یہی کافی ہے کہ عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ کلیات ظاہراً جواز ہی پر دال ہیں، فقہاء نے باب جنایات الحج میں قطع حشیش حرم واشجار حرم نابتہ ومنبتہ مثمرہ وغیر مثمرہ کے احکام کی اباحۃً ونہیا وضمانا تفصیل فرمائی ہے۔(۱)

---

(۱) هي (اشجار الحرام ونباته) أربعة أنواع: الأول: كل شجرة أنبته الناس وهو من جنس ما ينبته الناس عادة كالزرع. الثاني: ما أنبته الناس، وهو ليس مما ينبتونه عادة كالأراك. الثالث: ما نبت بنفسه ومن جنس ما ينبته الناس عادة فهذه الأنواع الثلاثة يحل قطعها ولا جزاء فيها به، وأما النوع الرابع: فكل شجرة نبت بنفسه وهو من جنس ما لا ←

اگر غرس اشجار میں کسی درجہ کی بھی کراہت ہوتی اس موقع پر سکوت کے موہم ہونے کے سبب اس کا ضرور ذکر فرماتے، مگر اس سے اصلا تعرض نہیں کیا، یہ واضح دلیل ہے جواز بلا کراہت کی، نیز فقہاء نے منیٰ میں جو کہ داخل حرم ہے ابنیہ کے وجود پر صحت جمعہ کو متفرع فرمایا ہے اور ان کی کراہت سے تعرض نہیں کیا (۲) بطریق مذکور یہ بھی دلیل ہے ابنیہ کے جواز بلا کراہت کی، اور ابنیہ اور اشجار کا اشتراک غرض ارتفاق میں ظاہر ہے، پس قیاس سے بھی جواز کو قوت ہوگئی، اور جب حد حرم کے اندر ایسے تصرفات کی اجازت ہے تو حد حرم کے باہر مثلاً عرفات میں بدرجہ اولیٰ اجازت ہوگی۔

← **ينبته الناس كأم عيلان فهذا محظور القطع والقلع، سواء كان مملوكا بأن يكون في أرض رجل أولا، إلا أن يكون مثمرًا أو يابسًا أو إذخرًا فلو قلعه محرم أو حلال ضمن قيمته ولا مدخل للصوم هنا ويملكه بأداء الضمان كما في حقوق العباد.** (غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل العاشر في أشجار الحرم، إدارة القرآن، كراچي جديد ص:۳۰۳)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل السادس في صيد الحرم وشجره وحشيشه۔ مكتبه زكريا ديوبند ۳/۵۹۸، رقم: ۵۱۳۱۔

هندية، كتاب المناسك، الباب التاسع في الصيد، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۲۵۲، جديد ۱/۳۱۶۔

الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب الجنايات، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۶۰۳۔

(۲) ويجوز إقامة الجمعة بمعنى ولم يجز بعرفات لوجهين: أحدهما: لأن منى فناء مكة فإنها من الحرم. قال الله تعالىٰ هدًيا بالغ الكعبة سماها باسم الكعبة لكونها تبعالها لما أن الهدايا لا تنحر بمكة بل بمنى فدل ذلک على أنها في حكمها ومن فنائها وإقامة الجمعة كما يجوز في المصر. فكذا في فناءه ...... والوجه الثاني: أن منى تتمصر في أيام الموسم لاجتماع شرائط المصرفيها من السلطان والقاضي والأبنية والأسواق. (البحر العميق، الباب الحادي عشر في الخروج من مكة إلى منى مؤسسة الريان ۳/۱۴۹۲)

وجازت الجمعة بمنى في الموسم فقط لوجود الخليفة أو أمير الحجاز أو العراق أومكة ووجود الأسواق والسكک، وكذا كل أبنية نزل بها الخليفة. (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب، مكتبه زكريا ديوبند۳/۱۴، كراچي ۲/۱۴۴) ←

یہ دلائل تھے جواز فی نفسہ کے، باقی استحباب لغیرہ کی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ یہ حجاج کو راحت پہونچانا ہے اور حجاج کو راحت پہونچانا اقل درجہ مستحب ضرور ہے اور یہ شبہ کہ خیر القرون میں نہ تھا، اس لئے مرتفع ہے کہ خیر القرون میں پایا جانا عام ہے وجود عین اور وجود دلیل کو اور دلیل مع نظیر اوپر مذکور ہوچکی ہے وہ نظیر ابنیہ ہے ان میں اور اشجار میں کوئی معتد بہ تفاوت نہیں اور اگر جواز میں ارتفاق موثر نہ ہوتا تو خود ابنیہ منیٰ کا عہد نبوی ﷺ نہ ہونا خیر القرون میں جواز سے مانع سمجھا جاتا اور بلانکیر اسکو جائز نہ سمجھا جاتا، باقی ترک کا افضل ہونا وہ اسلئے ہے کہ اس میں سنت کی صورت و معنی کو جمع کرنا ہے اور اس مجموعہ کا صرف رعایت معنی بلاصورت سے افضل ہونا ظاہر ہے اور حجاج کے ہلاک غالب کے خوف کو اس افضلیت ترک میں قادح نہ سمجھا جائے کیونکہ اس کا انتظام اہل استطاعت ضعفاء، غیر اہل استطاعت کو اپنے خیمہ وغیرہ میں شریک کر لینے سے کر سکتے ہیں، البتہ اس غرض اظلال کے لئے کسی مسجد میں درخت لگانا بقول ارجح مکروہ ہے جس کی علت مشابہت بیعہ اور موضع موضوع للصلوٰۃ کو مشغول کرنا ہے۔ البتہ خود عمارت مسجد کی مصلحت کے لئے درخت لگانا جیسے نمی کا جذب کرنا یہ اس کراہت سے مستثنیٰ ہے۔

ذکر هذا کله في الدر المختار ورد المحتار (۱): أحکام المسجد قبیل باب الوتر. واللہ اعلم

۲۰/ شعبان ۱۳۵۳ھ (النور، ص: ۷، شعبان ۱۳۵۴ھ)

← **والصحیح أنه مبنی علی أنها تتمصر في أیام الموسم عندهما لأن لها بناء وتنقل إلیها الأسواق ویحضرها والٍ وقاضٍ.** (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۲۴۹، کوئٹه ۲/ ۱۴۲)

وهما یقولان: إنها تتمصر في أیام الموسم لأن لها بناء وینقل إلیها الأسواق ویحضرها وال یقیم الحدود وینفذ الأحکام فالتحق بسائر الأمصار. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل في شرائط الجمعة، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۵۸۶)

(۱) و (یکره) غرس الأشجار إلا لنفع کتقلیل نزّ وتکون للمسجد (الدر) وتحته في الشامیة: قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا کان فیه نفع للمسجد بأن کان المسجد ذانزّ والأسطوانات لا تستقر بدونها وبدون هذا لا یجوز. وفي الهندیة عن الغرائب: إن کان لنفع الناس بظله ولا یضیق علی الناس، ولا یفرق الصفوف لابأس به، وإن کان لنفع نفسه بعورقه أو ثمره أو یفرق الصفوف أو کان في موضع ←

← **تقع به المشابهة بين البيعة والمسجد يكره** ...... **رد فيها على من أفتى بجوازه فيه أخذًا من قولهم لو غرس شجرة للمسجد فثمرتها للمسجد فرد عليه بأنه لا يلزم من ذلك حل الغرس إلا للعذر المذكور لأنه فيه شغل ما أعد للصلاة ونحوها، وإن كان المسجد واسعا أو كان في الغرس نفع بثمرته وإلا لزم ايجار قطعه منه ولا يجوز إبقاءه أيضًا** ...... **أنه وافقه على ذلك المحقق ابن أبي شريف الشافعي.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۳۴-۳۳۵، كراچي ۲/۶۶۱)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون في المسجد، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۲۲۸۔

هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، مكتبه زكريا ديوبند قديم۵/۳۱۹، جديد ۵/۳۷۱۔

المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل الخامس في المسجد والقبلة، المجلس العلمي ۸/۸-۹، رقم:۹۴۷۵۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/۶۷، رقم:۲۸۰۵۶-۲۸۰۵۷۔ *شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ*

۷/ کتاب النکاح

۱ / باب النکاح الصحیح و الفاسد

ولی بلا اجازت منکوحہ کے نکاح کردے اس کا حکم

سوال (۱۰۳۲): قدیم۲/۱۷۴- بکر نے اپنی لڑکی کا نکاح جس کی عمر تیرہ برس کی ہو چکی تھی جبراً عمرو کے ساتھ کردیا باوجودیکہ لڑکی نے قبل نکاح صاف کہہ دیا کہ میں ہرگز ہرگز عمرو سے راضی نہیں ہوں، مگر بکر نے بیلا مرضی واطلاع بطور خود نکاح عمرو کے ساتھ کردیا اب بعد نکاح بھی لڑکی کا وہی کلام ہے جو قبل نکاح تھا، اب یہ نکاح بطور خود جو بکر نے اپنی لڑکی کا عمرو کیساتھ کردیا جائز ہوا یا نہیں؟ اور مدت ولایت کی شرع شریف میں کہاں تک لی جاتی ہے جواب صاف ارقام ہو؟

الجواب: اگر وہ لڑکی بالغ ہے اور جس وقت اس کے باپ نے اس سے اذن طلب کیا یا نکاح ہو جانے کی خبر پہونچی اس نے انکار کردیا تو یہ نکاح جائز نہیں ہوا کیونکہ ولایتِ اجبار ولی بلوغ تک ہے اور اگر نابالغ ہے یا باوجود بالغ ہونے کے وقت طلب اذن یا بلوغ خبر ساکت ہوگئی تو نکاح ہوگیا (*) اور قبل نکاح یا بعد نکاح کے انکار کا اعتبار نہیں (**)؛ البتہ اگر باپ کے ہوتے ہوئے کسی اور نے اذن چاہا تو محض سکوت دلیلِ رضا نہیں جب تک زبان سے اذن نہ دے اس صورت میں بھی نکاح نہ ہوگا۔

ولایجوز للولي إجبار البکر البالغة علی النکاح فإذا استأذنها الولي فسکت أوضحک فهو إذن وإن فعل هذا غیر الولي لم یکن رضًا حتی یتکلم به ولو زوجها فبلغها الخبر فسکتت فهو علی ما ذکرنا (هدایه) (۱)

(*) یعنی جب کہ نکاح کرنے والا اذن لینے والا ولی ہو۔۱۲منہ

(**) یعنی جبکہ استیذان ولی کے وقت سکوت کیا ہو۔۱۲ منہ

(۱) الهدایة، کتاب النکاح، باب في الأولیاء والأکفاء، مکتبه اشرفیة دیوبند ۲/۳۱۴-۳۱۵۔

اور بلوغ لڑکی کا احتلام اور حیض اور حاملہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے اور اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی جاوے تو پندرہ سال کی عمر ہونے پر بلوغ کا فتویٰ دیا جاوے گا البتہ اگر وہ لڑکی خود کہے کہ میں بالغ ہوں اور ظاہر حال اس کا مکذب نہ ہو تو اُس کی تصدیق کی جاوے گی۔(*)

والجارية بالإحتلام والحيض والحبل و إن لم يوجد منها شئى فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى فإن راهقا فقالا بلغنا صدقا إن لم يكذ بهما الظاهر. درمختار (١) واللہ اعلم

۲۴/ ذیقعدہ پنجشنبہ ۱۳۰۳ھ (امداد الفتاویٰ، ج:۲،ص:۵)

(*) بشرطیکہ نو سال سے کم نہ ہو۔۱۲ منہ

← الجوهرة النيرة، كتاب النكاح، دار الكتاب ديوبند ٢/ ٧٠۔

ولايجبر ولي بالغة ولوبكرًا فإن استأذن الولي الكبر فسكتت أو ضحك أو بكت بلاصوت فهو إذن ومع الصوت رد. وكذا لو زوجهابلغها الخبر وشرط فيها تسمية الزوج لاالمهر وهو الصحيح ولو استأذنها غير الولي الأقرب فلابد من القول. (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفار، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٤٩٠ تا ٤٩٢)

كنز الدقائق مع النهر الفائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٠٢ تا ٢٠٥ ۔

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحجر، فصل: بلوغ الغلام بالإحتلام، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٢٢٦-٢٢٧، كراچي ٦/ ١٥٣-١٥٤۔

و (يحكم) ببلوغ الجارية بالحيض أو الإحتلام أو الحبل فإن لم يوجد شيء من ذلك فإذا تم له ثماني عشرة سنة ولها سبع عشرة سنة وعندهما إذا تم خمس عشرة سنة فيهما وهو رواية عن الإمام وبه يفتى ...... وإذا راهقا وقالا: بلغنا صدقا وكانا كالبالغ حكمًا. (ملتقي الأبحر) وتحته في الدر المنتقي: وهذا إذا لم يكذبهما الظاهر. (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الحجر، الفصل الأول، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٦٠-٦١)

بلوغ الغلام بالإحتلام أو الإحبال أو الإنزال والجارية بالإحتلام أو الحيض أو الحبل والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسفؒ، ومحمدؒ وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وعليه الفتوى ...... فإن أخبرا به ولم يكذبهما الظاهر قبل قولهما كما قبل قول المرأة في الحيض وإذا قبل قولهما في ذلك صارت أحكامهما أحكام البالغين. (هندية، كتاب الحجر، الباب الثاني، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، مكتبه زكريا ديوبند قديم٥/ ٦١، جديد ٥/ ٧٣) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گونگے کے نکاح کا طریقہ

سوال (۱۰۳۳): قدیم ۲/ ۱- گونگے کا نکاح کس طریق سے کیا جاوے؟

الجواب: اگر وہ لکھنا جانتا ہو تو لکھ کر ورنہ اشارہ سے جب منظور کرلے اور قبول کے لئے سر سے یا ہاتھ سے اشارہ کرے نکاح صحیح ہے۔

وإذا كان الأخرس يكتب كتابا أو يومى إيماء يعرف به فإنه يجوز نكاحه وطلاقه وعتاقه وبيعه وشراؤه (هدايه، جلد ثانى) والله اعلم. (۱)

(امداد، جلد ثانی، ص: ۶، ج: ۲)

---

(۱) هداية، كتاب مسائل شتى، مكتبه اشرفية ديوبند ٤/ ٧٠٥-

تكملة رد المحتار، كتاب الإقرار، مكتبه زكريا ديوبند ١٢/ ١٥٤، كراچي ٨/ ١١٦-

ولو كان الزوج أخرس فإن الطلاق يقع بإشارته ؛لأنها صارت مفهومة فكانت كالعبارة في الدلالة استحسانًا فيصح بها نكاحه وطلاقه وعتاقه وبيعه وشراؤه سواء قدر على الكتابة أولا وقال بعض المشايخ: إن كان يحسن الكتابة لا يقع طلاقه بالإشارة (البحر) وتحته في منحة الخالق: أقول هذا القول تصريح بما هو المفهوم من ظاهر الرواية ففي كافي الحاكم ما نصه فإن كان الأخرس لا يكتب وكان له إشارة تعرف في طلاقه ونكاحه وشرائه وبيعه فهو جائز وإن لم يعرف ذلك منه أوشك فيه فهو باطل. (منحة الخالق مع البحر الرائق، كتاب الطلاق، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٣، كوئٹه٣/ ٢٤٨)

ينعقد نكاح الأخرس بكتابته أو إشارته عند الفقهاء وتتعين الكتابة عند الحنفية إذا قدر عليها. (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثاني تكوين الزواج، قبيل المبحث الثالث، الهدىٰ انٹر نيشنل ديوبند ٨/ ٥٩)

إشارة الأخرس معتبرة شرعا وتقوم مقام عبارة الناطق فيما لابد فيه من العبارة إذا كانت معهودة في جميع العقود كالبيع والإجارة والرهن، والنكاح والحلول ...... وهذا القدر متفق عليه بين الفقهاء فيما نعلم ...... ويشترط الحنفية لقبول إشارته ما يلي: أن يكون قد ولد أخرس أو طرأ عليه الخرس ودام حتى الموت (إلى قوله) ألا يقدر على الكتابة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤/ ٢٧٨- ٢٧٩) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

زوجہ کو سفر میں لے جانے کے متعلق احکام

سوال (۱۰۳۴): قدیم ۲/ ۱۷۵- زید اپنی زوجہ زبیدہ کو اپنے پاس سفر میں لیجانا چاہتا ہے اور وہ انکار کرتی ہے کسی نے فتویٰ دیا ہے کہ زید کا حق کسی طرح زبیدہ پر نہیں اور زبیدہ کو اختیار ہے کہ اپنا جہیز واپس کرلے اور یہ دونوں لشکری ہیں سیر وسفر کرنا ان میں کچھ عیب نہیں یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر مہر پورا یا جس کا سردست دینا یا کسی مدت پر دینا مشروط ٹھہرا تھا دے چکا ہے یا بعد طلاق وموت کے مہر مانگنے کا اور اس سے پہلے نہ مانگنے کا دستور ہو(*) اور کچھ مہر نہ دیا ہو تب تو زید کو اختیار ہے جہاں چاہے لے جائے بشرط یہ کہ دِق کرنے کے ارادہ سے نہ لے جائے اور اگر مہر باوجود شرط سردست دینے کے کلاً یا بعضاً ادا نہیں کیا یا بقصد تنگ کرنے کے اس کو لے جاتا ہے تب سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں۔

ولها منعه من الوطي والسفر بها ولو بعد وطي وخلوة رضيتهما لأخذ ما بين تعجيله من المهر كله أو بعضه أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا به يفتي؛ لأن المعروف كالمشروط إن لم يوجل أو يعجل كله فكماشرطا؛ لأن الصريح يفوق الدلالة إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا. غاية إلا التاجيل لطلاق أو موت فيصح للعرف. بزازية ويسافر بها بعد أداء كله موجلا أو معجلا إذا كان مامونا عليها وإلا يؤد كله أولم يكن مامونا لا يسافر بها به يفتي، درمختار (۱)

(*) فقہاء نے یہ عبارت لکھی ہے کہ ''**إلا التاجيل بطلاق أو موت**'' جس کا حاصل یہ ہے کہ شرط ٹھہرائی کہ قبل موت یا طلاق کے نہ مانگا جاوے گا، احقر نے المعروف کالمشروط پر نظر کر کے یہ لکھ دیا کہ دستور ہو الخ پھر اس میں شبہ پڑ گیا کہ شاید وہ حکم جو فقہاء نے لکھا ہے، صریح تاجیل کی صورت میں ہو پس ناظرین علماء سے اس کی تحقیق کرلیں۔ ۱۲ منہ

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في منع الزوجة نفسها الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٩٠-٢٩١-٢٩٤، كراچي ٣/ ١٤٣-١٤٤-١٤٦-

وللمرأة منع نفسها من الوطئ والسفر حتى توفيها قدر ما بين تعجيله من مهرها كلاً أو بعضًا ...... وهذا (المنع) قبل الدخول وكذا بعده خلافًا لهما فيما لو كان الدخول برضاها غير صبية ولامجنونة، وإن لم يبين قدر المعجل فقدر ما يعجل من مثله عرفًا غير مقدر بربع ونحوه ←

اور جہیز کی واپسی مبنی عرف پر ہے اگر دختر کی ملک ہوا ختیار ہے اگر داماد کی ملک ہوا ختیار نہیں، اگر دونوں کی ملک ہو بعد تقسیم اختیار ہے۔(۱) واللہ اعلم

۲۷؍شوال ۱۳۰۴ھ (امداد،ص:۶،ج:۲)

← **وليس لها ذلك لو أجل كله خلافًا لأبي يوسفؒ وإذا أوفاها ذلك فله نقلها حيث شاء مادون السفر وقيل: له السفر بها في ظاهر الرواية (ملتقي) وتحته في مجمع الأنهر: وبه أفتىٰ صاحب ملتقي البحار إذا كان الزوج مأمونا عليهاوأوفاها كل المهر والفتوى على الأول وبه أفتى الفقيه أبو الليث لفساد الزمان وإضرار الغريب ؛ لأنها لاتأمن على نفسها في منزلها فيكف إذا أخرجت وقوله تعالىٰ: أسكنوهن من حيث سكنتم مقيد بعدم الإضرار.** (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر، فصل، دار الكتب العلمية بيروت ١/٥٢٦ تا ٥٢٨)

تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٧٤ تا ٥٧٦، امدادية ٢/١٥٥-١٥٦۔

(١) المختار في مسألة الجهاز أن العرف إن كان مستمرا أن الأب يدفع الجهاز ملكًا لا عارية كما في ديارنا فالقول للزوج وإن كان مشتركًا فالقول للأب. (النهر الفائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٦٥)

جهز ابنته ثم ادعى أن ما دفعه لها عارية وقالت: هو تمليك أو قال الزوج ذلك بعد موتها ليرث منه وقال الأب أو ورثته بعد موته عارية فالمعتمد أن القول للزوج ولها إذا كان العرف مستمرًا أن اللأب يدفع مثله جهازًا لا عارية. (الدر الختار) وتحته في الشامية: والمعتمد البناء على العرف. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٣٠٧-٣٠٩، كراچي ٣/١٥٦-١٥٧)

فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر، قبيل تتمه فيها مسائل، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٦٠، كوئٹه ٣/٢٥٦۔

هندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل السادس عشر في جهاز البنت، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٣٢٧، جديد ١/٣٩٣۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

زوجہ کو اس کے رشتہ داروں سے ملنے کی ممانعت میں تفصیل احکام

سوال (۱۰۳۵): قدیم ۲/ ۱۷۶- شوہر بی بی کو ولی بی بی سے مصلحتۃً بوجہ شر یا فساد کے اپنے مکان پر نہ آنے دینے اور بکثرت نہ ملنے دینے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب: والدین کے ملنے سے تو نہ روکیں ہر ہفتہ میں ایک بار ملنے دیں اور دیگر محارم سے اگر ایک سال میں ایک بار سے زیادہ نہ ملنے دیں جائز ہے اور جو آنے میں کچھ شر یا فتنہ وفساد ہوتا ہو روکنا جائز ہے مرد کو اس کا اختیار ہے؛ لیکن دور سے دیکھنے اور بولنے کو منع نہ کریں۔

وله أن يمنع والديها وولدها من غيره وأهلها من الدخول عليها ؛ لأن المنزل ملكه فله حق المنع من دخول ملكه ولا يمنعهم من النظر إليها وكلامها في أي وقت اختاروا لمافيه من قطيعة الرحم وليس له في ذلك ضرر و قيل لا يمنع من الدخول والكلام وإنما يمنعهم من القرار ؛ لأن الفتنة في اللباث وتطويل الكلام وقيل لايمنعها من الخروج إلى الوالدين لا يمنعهما عن الدخول عليها في كل جمعة وفي غيرهما من المحارم التقدير بسنة وهو الصحيح. هدايه، ص : ۴۲۱. (۱) واللہ اعلم

۲۶؍ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ (امداد، ص: ۴، ج: ۲)

---

(۱) هداية، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه اشرفية ديوبند ۲/ ٤٤١

وله منع أهلها ولو ولدها حال كون ذلك الولد من غيره عن الدخول عليها ؛ لأن المكان ملكه ...... لا من النظر إليها والكلام معها متى شاؤا تحاميا عن قطيعة الرحم مع عدم الضرر عليه بدخول بيته ولكن الصحيح المفتى به أنه لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين ولا من دخولهما عليها في الجمعة مرة وفي غيرهما من المحارم في السنة مرة به يفتىٰ وإنما يمنعهم من البيتوتة عندهما وعليه الفتوىٰ. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۸٦-۱۸۷)

ولهم النظر والكلام معها يعنى في أي وقت اختار أهلها ذلك فلهم ذلك لما في عدمه من قطعية الرحم وليس له في ذلك ضرر وقد أفاد كلامه أن له أن يمنع أهلها من الدخول في بيته ولو والدة أو ولدًا ؛ لأن المنزل ملكه وله حق المنع من الدخول في ملكه وأما القيام على باب الدار فليس له منعهم منه كالكلام. وقيل: لا يمنعهم من الدخول وإنما يمنعهم من القرار؛ لأن الفتنة في المكث وطول القيام والصحيح خلاف كل من القولين ←

شوہر کا بیوی کو والدین سے ملاقات سے منع کرنا

سوال (۱۰۳۶): قدیم ۲/ ۱۷۶- زید اپنی زوجہ کو اس کی ماں کے گھر جانے سے روکتا ہے اورنہیں جانے دیتا، اس سبب سے کہ بظن غالب جانتا ہے کہ وہاں بے پردگی ہوگی اور پردہ شرعی غیر محارم سے نہیں ہوتا اوراس کی والدہ درپے تفریق زوجہ کے ہے اوراجازت دیتا ہے کہ اس کی ماں میرے گھر میں آکر اپنی لڑکی کو دیکھ جایا کرے پس اس صورت میں زید کو اپنی زوجہ کو اس کی ماں کے گھر جانے سے روکنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اوراس کی ماں وغیرہ کو جبر طلب کرنے پر جائز ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب: اگر ماں باپ لڑکی کے پاس آسکتے ہوں تو زوج کو بر مذہب مختار مطلقاً اختیار ہے کہ اس کو اُن کے گھر نہ جانے دے بلکہ وہ خود آکر مل جایا کریں اور خصوصاً اگر خود فتنہ واحتمال پردہ دری کا ہو تو اس وقت تو اذن دینا جائز نہیں اگر دیگا عاصی ہوگا۔

ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدرا على إتيانها على ما اختاره في الاختيار وفي هامشه هكذا نعم ما ذكره الشارح اختاره في فتح القدير: حيث قال وعن أبي يوسفؒ في النوادر تقييدخروجها بان لا يقدرا على إتيانها فإن قدرا لاتذهب وهو حسن وقد اختار بعض المشايخ منعها من الخروج إليهما وأشار إلى نقله في شرح المختار. والحق الأخذ بقول أبي يوسف إذا كان الأبوان بالصفة التى ذكرت وإلا ينبغى أن يأذن لها في زيارتهما في الحين بعد الحين على القدر المتعارف

← **وقالوا الصحيح أنه لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين ولا يمنعهما من الدخول عليها في كل جمعة وفي غيرها من المحارم في كل سنة وإنما يمنعهم من الكينونة عندها وعليه الفتوى.** (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٣٠، كوئٹه ٤/ ١٩٥)

هندية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الثاني في السكنى، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ٥٥٦-٥٥٧، جديد ١/ ٦٠٤-

خانية على هامش الهندية، كتاب النكاح، باب النفقة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ٤٢٨-٤٢٩، جديد ١/ ٢٥٦-

الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١١-١٢- **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

أمـا فـي كـل جمعةٍ فهو بعيد فإن في كثرة الخروج فتح باب الفتنه خصوصاً إذا كـانـت شـابةً والـزوج مـن ذوى الهيـئـات بخلاف خروج الأبوين فإنه أيسر. انتهى. ۲، شامی، ج:۳، ص: ۶۶۴. (۱)

وأيضا في الدرالمختار في باب النفقة: ويمنعها من زيارة الأجانب وعيادتهم والوليمة وإن أذن كانا عاصيين انتهٰى (۲) أقول انا الكاتب علة العصيان إنما هي خوف الفساد فمتٰى خيف الفساد عصىٰ بالإذن.

پس صورت مسئولہ میں روکنا زید کا اپنی زوجہ کو جائز ہے اور اس کی ماں وغیرہ طلب پر جبر نہیں کرسکتی۔(۳) واللہ اعلم

---

(۱) الـدر الـمـخـتـار مـع رد الـمـحـتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الكلام على المؤنسة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٣٢٣-٣٢٤، كراچي ٣/٦٠٢-٦٠٣۔

فتح القدير، كتاب الطلاق، باب النفقة، فصل وعلى الزوج أن يسكنها، مكتبه زكريا ديوبند ٣٥٨/٤، كوئٹه ٤/٢٠٨۔

البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه زكريا ديوبند٤/٣٣٠، كوئٹه ٤/١٩٥۔

النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه زكرياديوبند٢/٥١٥۔

(۲) الـدر الـمـخـتـار مـع رد الـمـحـتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الكلام على المؤنسة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٣٢٤-٣٢٥، كراچي ٢/٣-٦۔

(۳) وفيـما عدا ذلک من زيارة الأجانب وعيادتهم والوليمة لا يأذن لها ولا تخرج ولـو أذن وخـرجت كانا عاصيين. (البـحـر الـرائـق، كتـاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٣٣١، كوئٹه٤/١٩٥)

هـندية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الثاني في السكنى، مكتبه زكر يا ديوبند ٣٥٨/١، كوئٹه ١/٢٠٨۔

مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٨٧۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بیوی کا اپنے محرموں سے ملاقات کے حق کی تحدید

سوال (۱۰۳۷): قدیم۲/ ۱۷۷- درمختار مطبوعہ بمبئی، ص: ۲۱۰، سطر: ۲۱ پر جو عبارت ہے کہ جو زوجہ کو خروج من البیت جائز ہے زیارت والدین کے لئے ''**في كل جمعة مرة إلى أن قال لا فيما عدا ذلک وإن أذن کانا عاصيين**'' (۱) اس کی توضیح مطلوب ہے مفہوم اچھی طرح سمجھ میں نہیں آیا برادری یا غیر ذی محارم میں کسی ضرورت کے لئے آجانے کی اجازت عورت کو ہوسکتی ہے یا نہیں؟

اور زیارت والدین کے لئے ہر جمعہ میں ایک دن سے زیادہ کو جانا کیا جائز نہیں یا حق نہیں؟ اور خاوند کو ہر جمعہ میں جانے سے منع کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ بہرحال اس شبہ وخلجان میں طبیعت واقع ہے کہ عموما عورتیں باجازت شوہر برادری غمی وخوشی کی تقریبات پر جاتی ہیں اور یوں بھی ملنے ملانے کیلئے دیور یا جیٹھ یا اور کی برادری میں جانا بھی ہوتا ہے اور راتیں بھی وہیں گزرتی ہیں اور اس میں ابتلاء عوام وخواص سب کو ہے پھر اس روایت کا مطلب کیا ہے؟

الجواب: **في الدر المختار باب المهر: ولها السفر والخروج من بيت زوجها (إلىٰ قوله) أولزيارة أبويها كل جمعة ثم إلىٰ قوله لافيما عدا ذلک وإن أذن كانا عاصيين والمعتمد جواز الحمام بلا تزين. اشباه وسيجيء في النفقة.**

وفي رد المحتار: وإن لم يكونا كذلک (أي قادرين على إتيانها)ينبغي أن يأذن لها في زيارتهما في الحين بعد الحين على قدر متعارف اما في كل جمعة فهو بعيد فإن في كثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصا ان كانت شابة والرجل من ذوى الهيئات.

وفي رد المحتار تحت قوله والمعتمد: وحيث ابحنا لها الخروج فبشترط عدم الزينة في الكل وتغيير الهيئة ألى مالا يكون داعية إلى نظر الرجال واستمالتهم. (۲)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، قبيل مطلب في السفر بالزوجة، كراچي ۳/۱۴۶۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح،باب المهر، قبيل مطلب في السفر بالزوجة، مكتبه زكريا ديوبند ۴/۲۹۳-۲۹۴، كراچي ۳/۱۴۵-۱۴۶۔

الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، الفن الثاني الفوائد، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۱ تا ۱۳۔ ←

ثم قال في الدر المختار باب النفقة: ويمنعها من زيارة الأجانب وعيادتهم والوليمة وإن أذن كانا عاصيين. في رد المحتار قوله والوليمة ظاهرة ولو كانت عند المحارم لأنها تشتمل على جمع فلا تخلو من الفساد عادةً. رحمتي (۱)

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) جمعہ تحدید شرعی نہیں مدار عرف وضرورت پر ہے اس سے زیادہ اگر فتنہ نہ ہو تو حق نہیں اور اگر فتنہ ہو تو جائز بھی نہیں۔

(۲) ولائم وغیر محارم میں جانے سے نہی معلل بعلت احتمال فتنہ ہے اور فتنہ عام ہے ہر امر غیر مشروع کو جس کی تفصیل میرے نزدیک وہی ہے جو اصلاح الرسوم میں بندہ نے لکھا ہے باقی جس کے نزدیک جو فتنہ ہو مدار نہی کا وہ ہے اور علت کے ارتفاع سے معلول مرتفع ہو جاوے گا۔

(۳) جہاں جانے کی اجازت ہے مشروط ہے عدم تزین کے ساتھ اور اس کا مدار بھی وہی احتمال فتنہ ہے اُمید ہے کہ اب سب اشکالات اس کے متعلق رفع ہو گئے ہونگے۔

۷/ جمادی الاخری ۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص: ۴۰)

نوجوان بیوی کے والدین سے ملنے کی حد

سوال (۱۰۳۸): قدیم ۲/ ۱۷۸- فلاں شخص یعنی خسر اپنی لڑکی کو لے گئے تو حضور میرا نقصان ہوا بلا میری مرضی کے لے گئے اور یوں کہتے ہیں کہ کیا ہمارا حق نہیں رکھنے کا اور اب خبر نہیں کہ وہ کب تک رکھیں؟ اب حضور یہ کمترین یہ بات دریافت کرتا ہے کہ ماں باپ کو کتنا حکم ہے اپنے گھر رکھنے کا یا یہ ہے کہ اگر چار مہینے خاوند کے یہاں تو آٹھ مہینے باپ کے گھر اور حضور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے لڑکی کوئی بیع نہیں کر دی ہے؟

← فتح القدير، كتاب الطلاق، باب النفقة، فصل وفي الزوج أن يسكنها، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٥٨، كوئٹه ٤/ ٢٠٨۔

النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥١٥-٥١٦۔

البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٣٠، ٣٣٢، كوئٹه ٤/ ١٩٥-١٩٦۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الكلام على المؤنسة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٣٢٣-٣٢٤، كراچي ٣/ ٦٠٣۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب:في الدرالمختار: ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدرا على إتيانها علىٰ ما اختاره في الاختيار (إلىٰ قوله) ولا يمنعهما من الدخول. عليها في كل جمعة وفي غيرهما من المحارم في كل سنة لها الخروج ولهم الدخول زيلعي وفي رد المحتار فان قدرا لاتذهب وهو حسن إلىٰ قوله وإلا ينبغى أن يأذن لها في زيارتهما في الحين على قدر متعارف أما في كل جمعة فهو بعيد فإن في كثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصًا إذا كانت شابة والزوج من ذوى الهيئات بخلاف خروج الأبوين فإنه أيسر. اه ج : ۲، ص :۱۰۹۳.(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس جوان عورت کے ماں باپ اس کے پاس خود آ سکتے ہوں شوہر اگر اس کو بالکل نہ جانے دے تو ماں باپ کو کچھ اختیار نہیں بلکہ خود آ کر مل جایا کریں اور اگر نہ آ سکتے ہوں تو موافق عرف اور رواج کے کبھی کبھی اس عورت کو جائز ہے کہ ماں باپ کے گھر چلی جاوے اور بار بار جانا اور زیادہ رہنا جائز نہیں۔(۲)

۳؍جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ،ص:۳۸)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الكلام على المؤنسة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٣٢٣-٣٢٤، كراچي٣/٦٠٢-٦٠٣ـ

(۲) وقيل لايمنعها من الخروج إلى الوالدين ولا يمنعهما من الدخول عليها في كل جمعة وفي غيرهما من المحارم التقدير بسنة، وهو الصحيح (هداية) وتحته في الفتح: وعن أبي يوسفؒ في النوادر: تقييد خروجها بأن لا يقدرا على إتيانها فإن كانا يقدران على إتيانها لا تذهب وهو حسن (إلى قوله) والحق الأخذ بقول أبي يوسفؒ: إذا كان الأبوان بالصفة التي ذكرت وإن لم يكونا كذلک ينبغي أن يأذن لها في زيارتهما في الحين على قدر متعارف أما في كل جمعة فهو بعيد فإن في كثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصًا إذا كانت شابة والزوج من ذوي الهيئات بخلاف خروج الأبوين فإنه أيسر.

(فتح القدير، كتاب الطلاق، باب النفقة، فصل وعلى الزوج أن يسكنها، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٣٥٨، كوئٹه ٤/٢٠٨)

البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٣٣٠، كوئٹه ٤/١٩٥ـ

النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥١٥ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نابالغہ کا نکاح بلا ولی باطل ہے

سوال (۱۰۳۹): قدیم ۲/ ۱۷۹- چہ فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ عرصہ چند برس کا ہوتا ہے کہ ایک عورت نے اپنی دختر نابالغہ کو باقرار خانہ دامادی ساتھ ایک لڑکے برادری کے بلا رضا مندی اپنے شوہر کے نکاح کر دیا اور کل خرچہ شادی طرفین کا اپنے پاس سے صرف کیا باندازدوصدروپیہ ہوگا باوجود یہ کہ خاونداس عورت کا وقت شادی کے موجود تھا الا بوجہ بدطینتی وزبان درازی عورت کے دم نہیں مارسکتا سوائے خاموش رہنے کے بلکہ اس بارے میں بارہا شوہر مانع ہوا کہ عبث دختر کو ساتھ ایسے لڑکے کے بیاہ کرتی ہو آخر ایک روز سوائے ہاتھ تغابن وافسوس ملنے کے کچھ ہاتھ نہ آوے گا باوصف ایں ہمہ فہمایش نشیب وفراز تاہم بذات اس بدذات کے اثر پذیر نہ ہوا علاوہ آں بترش روئی وغصہ عورت مذکور کہتی ہے کہ تم چپ رہو تمہارا اس میں دخل نہیں وہ بے چارہ دم بخود اور بروقت نکاح ہونے کے نکاح پڑھانے والے نے مہر کے بارے میں استفسار مرد سے نہیں کیا پس اندریں صورت نکاح بدون اجازت باپ کے درست وقائم رہا یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب: اس صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوا کیونکہ نابالغہ کا نکاح بدون ولی نہیں ہوتا اور باپ کے ہوتے ماں کو ولایت نہیں پہنچتی۔

ویجوز نكاح الصغيرة إذا زوجهما الولي بكرا كانت الصغيرة أو ثيّباً والولي هو العصبة هداية (۱)، فإن لم يكن عصبة فالولاية للأم درمختار. (۲)

۲۷/ ذی الحجہ روز جمعہ ۱۳۰۴ھ (امداد ص: ۷، ج: ۲)

---

(۱) الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفار، مكتبه اشرفية ديوبند ۲/ ۳۱۶۔

الجوهرة النيرة، كتاب النكاح، دار الكتاب ديوبند ۲/ ۷۲۔

وللولي إنكاح الصغير والصغيرة والولي العصبة بترتيب الإرث. (كنز الدقائق مع البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۰۸، كوئٹه ۳/ ۱۱۸)

قال الحنفية: ولاية الحتم والإيجاب والاستبداد (الإجبار) تكون للولي وهو عندهم العصبة مطلقًا فله إنكاح الصغير والصغيرة والمجنون والمجنونة لقوله صلى الله عليه وسلم: النكاح إلى العصبات. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۱/ ۲۵۹)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مطلب لا يصح تولية الصغير شيخا، مكتبه زكرياديوبند ۴/ ۱۹۵، كراچي ۳/ ۷۸۔

كنز الدقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مطبوعة مجتبائي ص: ۱۰۱۔ ←

نابالغہ کا نکاح اجازت ولی پر موقوف ہے

سوال (۱۰۴۰): قدیم ۲/ ۱۸۰- ایک لڑکی نابالغہ۱۲ یا ۱۳ برس کی ہے اس کا بھائی ۱۵ یا ۱۶ برس کا مکان سے بہت دور کلکتہ میں نوکر ہے اُس لڑکی کے باپ و دادا نہیں ہیں چچا وغیرہ دیگر اقرباء موجود ہیں؛ لیکن پورے طور پر کوئی بھی اُس کی خبر گیری و خیر اندیشی نہیں کرتا اُس کی ماں جو ہنگام طفولیت سے پرورش کرتی آرہی ہے اس نے بوجہ غربت و تکلیف کے بلحاظ پرورش اپنی دانست میں ایک اچھی جگہ اس لڑکی کی نسبت ٹھہرائی؛ لیکن چچا وغیرہ و دیگر اقارب نے بسبب حسد یا رنجش یا اور کوئی سبب سے ناپسند کر کے کنارہ کشی اختیار کرلی ماں نے بدرجۂ مجبوری خود ولی ہو کر اذن دیا اور نکاح کرادیا پس ایسی صورت میں یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

بصورت عدم جواز اب کیا کرنا چاہئے اور بصورت معلّق رہنے کے اگر لڑکی بمجرد بلوغ اُسی جلسہ میں رضا کو ظاہر کردیوے تو پھر نکاح اُس وقت درست ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب: في رد المحتار الجلد الاوّل صفحه ۵۳۶ واما إذا كان أي وجد سلطان أو قاض في مكان عقد الفضولي على المجنونة أو اليتيمة فيتوقف أي وينفذ بإجازتها بعد عقلها أو بلوغها لأن وجود المجيز حالة العقد لا يلزم كونه من أولياء النسب كما تقدم في الباب السابق قبيل قوله وللولي الأبعد التزويج بغيبة الأقرب اھ.(۱)

پس چونکہ صورت مسئولہ میں مجیز نکاح کا موجود ہے لہذا یہ نکاح اولاً موقوف رہا اور جب بعد بلوغ لڑکی رضا کو ظاہر کردے تو اب صحیح و نافذ ہوجائے گا البتہ اگر ولی جائز اس کے بلوغ رضا سے پہلے اس نکاح کی خبر سنکر اسکو رد کردے اب وہ معلّق و موقوف نہ رہے گا بلکہ باطل ہوجائے گا۔(۲)

۱۱؍ ربیع الاول ۱۳۲۵ ہجری (امداد، ص: ۳۴، ج: ۲)

← الموسوعة الفقهية الكويتية ٤١/ ٢٧٦۔

موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، الباب الأول: الزواج واثاره، الفصل الرابع، مكتبه اشرفية ديوبند ٨/ ٢٠٠۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(١) شامي، كتاب النكاح، باب الكفاءة، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٢٦، كراچي ٣/ ٩٨

(٢) الأصل عندنا أن العقود تتوقف على الإجازه إذا كان لها مجيز حالة العقد جازت، ←

سوال (۱۰۴۱): قدیم ۲/ ۱۸۰- اگر نابالغ کے ولی کو علم اُس کے نکاح کا ہو اور وہ اس کے نکاح میں شمولیت نہ کرے تو یہ ولی اُس لڑکی کے نکاح کو ایک سال یا دوسال کے بعد جائز رکھے تو کیا باوجود علم نکاح کے ایک سال یا دوسال تک ولی کی رضامندی پر موقوف رہ سکتا ہے؟

الجواب: رہ سکتا ہے جب تک رد نہ کیا ہو۔

في الدرالمختار باب الولي: صغيرة زوجت نفسها ولا ولى ولا حاكم ثمة توقف ونفذ بإجازتها بعد بلوغها لأن له مجيزا و هو السلطان. اه۔ (۱)

۱۸/ محرم الحرام ۴۲ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۲۴۹)

← **وإن لم يكن تبطل. بيانه: الصبي إذا باع ماله أو اشترى أو تزوج زوج أمته أو كاتب عبده أو نحوه يتوقف على إجازة الولي في حالة الصغر فلو بلغ قبل أن يجيزه الولي فأجاز بنفسه نفذ لأنها كانت متوقفة...... يفسر المجيزهنا بمن يقدر على إمضاء العقد لا بالقابل مطلقًا ولا بالولي.** (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۷، كوئٹه ۳/ ۱۹۸)

البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۴۲-۲۴۳، كوئٹه ۳/ ۱۳۸۔

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الوكالة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۲۶-۲۲۷۔

صغيرة زوجت نفسها ولا ولي لها ولا قاضي في ذلك الموضع قال: يتوقف وينفذ بإجازتها بعد بلوغها مع أنهم قالوا: كل عقد لا مجيز له حال صدوره فهو باطل لا يتوقف ولعل التوقف فيه باعتبار أن مجيزه السلطان كما لا يخفىٰ. (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۲۱، كوئٹه ۳/ ۱۲۵)

الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۱۹۸-۱۹۹، كراچي ۳/ ۸۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۱۹۸-۱۹۹، كراچي ۳/ ۸۰۔

سئل القاضي بديع الدين عن صغيرة زوجت نفسها من كفءٍ ولا ولي لها ←

نابالغہ کا نکاح غیر اَب وجد کی طرف سے کر دینے کا حکم

سوال (۱۰۴۲): قدیم ۲/ ۱۸۱- خدا بخش نامی ایک شریف شخص ہے اس کو ایک طوائف سے تعلق بلا نکاح پیدا ہو گیا اور بحالت تعلّق اُس طوائف کے شکم سے ایک لڑکا پیدا ہوا اب وہ لڑکا خواہ خدا بخش کے نطفہ سے ہو یا کسی اور کے نطفہ سے کیونکہ فعل طوائفان قابل اعتبار نہیں مگر خدا بخش نے اس لڑکے کو اپنے نطفہ سے سمجھ کر اپنا بیٹا قائم کیا اور اس کا نام عبداللہ رکھا بعد چند روز کے اس طوائف کا انتقال ہو گیا کہ جس سے خدا بخش کو تعلق تھا اس کے انتقال کے بعد جو اس لڑکے عبداللہ کو خدا بخش نے بغرض پرورش اپنے ساتھ لے لیا اُس کے وارثوں کو نہیں دیا اور اس خیال سے اس کو اپنے ساتھ رکھا کہ میری ایک بھانجی ہے اُس سے عقد کر دوں گا اور یہ لڑکا عبداللہ میرے قبضہ میں رہے گا چنانچہ خدا بخش مطابق اپنے خیال کے ویسا ہی عامل ہوئے اپنی بھانجی کے ساتھ اُس کے بھائی وماں سے اجازت ولایت (کیونکہ بھائی وماں لڑکی کے یہاں موجود نہ تھے ایک شبانہ روز بذریعہ ریل سواری کے بُعد پر تھے) اس شرط پر لیکر کہ لڑکی ہم لوگ تم کو دیتے ہیں ایسا نہ ہو کہ بالغ ہونے پر عبداللہ اپنے گروہ میں جا ملے اور لڑکی کو رخصت کرا لیجاوے چنانچہ خدا بخش نے اس امر کا اقرار کیا کہ ایسا نہ ہونے پاوے گا (اور وہ لڑکی یتیم تھی اُس کے وارث ماں و بھائی تھے اور کوئی نہ تھا) اس شرط کے اوپر خدا بخش نے ولایۃً منجانب فرزند و بھانجی باختیار خود عقد کر دیا اور اس وقت میں عبداللہ کی عمر تخمیناً آٹھ برس کی تھی اور لڑکی کی عمر جو اُس کی بھانجی ہے تخمیناً چودہ برس کی تھی بعد دو سال کے خدا بخش کا خیال غلط نکلا یعنی اُس طوائف کے لڑکے کے وارثوں نے اُس لڑکے یعنی عبداللہ کو اپنے ساتھ لے لیا

← **ولا قاضي في ذلك الموضع. قال: ينعقد ويتوقف على إجازتها بعد بلوغها كذا في التاتارخانية.** (هندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ٢٨٦، جديد ١/ ٣٥١)

البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٢١، كوئٹه ١٢٥/٣-

الفتاوى التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل الحادي عشر، النكاح بغير ولي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٠٣، رقم: ٥٦٥٢- **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

اورلڑکی کی رخصت چاہی لیکن خدا بخش نے مطابق شرط اپنی ہمشیرہ و بھانجہ کے رخصت نہیں کی اور بعد اُس کے خدا بخش کو یہ فکر ہوئی کہ اس لڑکی کو طلاق دلایا جائے اور دوسرا نکاح اپنی بھانجی کا کردیا جاوے؛ کیونکہ اگر طوائفوں کے زمرہ میں میری بھانجی رہے گی تو اس سے جو اولاد ہوگی وہ فعل طوائفانہ اختیار کرے گی اس خیال سے طلاق لینے کی کوشش کی گئی اور طلاق نامہ لکھا گیا اور اب اس وقت میں عبداللہ کی عمر گیارہ سال کی ہے جس کا شمار نابالغی میں ہے اور بہت چھوٹا ہے اور خدا بخش کی بھانجی کی عمر اس وقت سترہ برس کی ہے جو پورے طور سے بلوغت کو پہنچی ہوئی ہے پس مطابق وجوہ بالا یہ طلاق صحیح ودرست ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس عورت بالغہ کا نکاح ثانی بلا انتظار عدت بعد گزرنے مدت دو ماہ دس یوم اُس لڑکی کا نکاح ثانی کردیا گیا تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں یا اور کوئی حکم ہے؟ مشرح حکم کی ضرورت ہے رخصتی لڑکی ویک جائی میاں بی بی تا صدور جواب استفسار ملتوی ہے۔ فقط

الجواب: في الدر المختار: باب الولي وللولي إنكاح الصغير والصغيرة إلى قوله وإن كان المزوّج غيرهما أي غير الأب وأبيه ولو الأم لا يصح النكاح من غير كفوٍ أو بغبن فاحش أصلا وما في صدر الشريعة صح ولهما فسخه وهم۔ اه (۱)

مختصراً قلت: وقد قرره في رد المحتار وفي الدر المختار باب الولي أيضًا وهو أي الولي شرط صحة نكاح صغير۔ اه۔ (۲)

بنا بر روایت مذکورہ جواب یہ ہے کہ اگر وقت عقد اول کے یہ بھانجی نابالغ تھی تب تو اس عقد کے ناجائز ہونے کی دو وجہ ہیں ایک غیر اب وجد کا غیر کفو زوج سے نکاح کرنا کیونکہ عبداللہ بوجہ عدم ثبوت نسب کے کفو اس کا نہیں (۳) جیسا کہ روایت اول سے معلوم ہوا اور دوسری بوجہ عدم ثبوت نسب کے عبداللہ کا کوئی ولی نہ ہونا

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٦٩ تا ١٧٤، كراچي ٣/٦٥ تا ٦٨۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٥٥، كراچي ٣/٥٥۔

(۳) **وللولي خاصة ولو غير أب نكاح المجنونة ولو كبيرة ثيبًا والصغير والصغيرة ولو الصغيرة ثيبًا ...... فإن كان المزوج أبًا أو جدًا أب الأب عند عدم ولاية الأب ...... لزم ولا خيار لهم بالبلوغ ولو بغبن فاحش أو غير كفو عنده ...... وإن كان المزوج غيرهما ←**

اور اگر وہ بالغ تھی تو صرف وجہ دوم سے یہ عقد نا جائز ہے کہ عبداللہ کا کوئی ولی شرعی نہیں اور صغیر کا نکاح بلا ولی جائز نہیں جیسا روایت دوم سے معلوم ہوا بہر حال یہ عقد اول صحیح نہیں ہوا (۱) اور دوسرا نکاح دوست ہو گیا۔

۲۴؍ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

سوالات تنقیح طلب : (۱) عبداللہ کی ماں جو طوائف بلا نکاح تھی اُس کے اقارب دور ونزدیک کے کون کون ہیں یعنی ماں بھائی بہن وغیرہ اور اگر اس طوائف کی ماں ونانی ودادی وغیرہ بھی بے نکاح تھیں تو صرف اُن رشتہ داروں کو بتلایا جاوے جو بواسطہ ماں ونانی وغیرہ کے اس سے رشتہ رکھتے ہوں؛ کیونکہ حرام سے باپ کے رشتہ داروں کا تعلق شرعاً ثابت نہیں۔

(۲) اگر اس طوائف کے رشتہ دار موجود ہیں تو انھوں نے اس نکاح کے ہونے پر کچھ اپنی زبان سے کہا یا نہیں کہا اسی طرح اس دوسرے نکاح کے وقت کچھ کہا یا نہیں کہا؟

← **أي غير الأب وأبيه ولو الأم أو القاضي في الأصح فلهما الخيار إذا بلغا أو كان من كفو وبمهر المثل وإلا فلا يصح أصلاً على الصحيح لتقييد الولاية بالنظر.** (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۴۹۴-۴۹۵)

ولو زوج الأب أو الجد الصغير أو الصغيرة بغبن فاحش في المهر أو من غير كفو جاز خلافًا لهما وليس ذلک لغير الأب والجد وتحته في مجمع الأنهر: ولو زوجهما غير الأب والجد من غير كفو أو بغبن فاحش لم يصح أصلاً فعلىٰ هذا قال في الإصلاح: ومن هم أنه يصح لكن يثبت حق الفسخ فقدوهم. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، قبيل باب المهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۵۰۸)

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۲۴-۲۲۵۔

(۱) **ان الولي ركن من أركان العقد عند غير الحنفية وهو شرط صحة نكاح صغير ومجنون ورقيق في مذهب الحنفية.** (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، الفصل الرابع، الولاية، مكتبه اشرفية ديوبند ۸/۷۰۵)

وقال الحنفيةّ: الولاية شرط في الركن وهي من شروط الجواز والنفاذ فلا ينعقد إنكاح من لا ولاية له. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۱/۲۴۸) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۳) خدابخش کی بھانجی کا بھائی وقت اجازت دینے نکاح کے بالغ تھا یا نابالغ۔

(۴) اس کہنے کا کیا مطلب تھا کہ لڑکی ہم تم کو دیتے ہیں کیا عبداللہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دینا مقصود نہ تھا؟

(۵) جب عبداللہ سے اس بھانجی کا نکاح کیا گیا اُس وقت یہ بھانجی بالغ تھی یا نابالغ یعنی اس کو معمولی ایام ہوتے تھے یا نہیں۔؟

جوابات تنقیح: (۱) عبداللہ کی ماں کے اقارب دور ونزدیک کے بیان کئے جاتے ہیں مولا بخش متوفی عبداللہ کا پرنانا تھا اس کی زوجہ منکوحہ عبداللہ کی پرنانی نکاح عبداللہ کے وقت حیات تھی ایک سال کا عرصہ ہوا کہ وہ قضاء کرگئی۔ مولا بخش سے ایک لڑکی مسماۃ چوہا نام جو عبداللہ کی نانی ہے وہ پیشہ طوائف میں رہی وہ ابھی تک حیات ہے یہ اپنے والدین سے اکیلی تھی، اب مسماۃ چوہا کی طوائف سے دولڑکیاں پیدا ہوئیں ایک کا نام مسماۃ رمضان بخش والدہ عبداللہ جس کو تعلق خدابخش سے تھا اور دوسری کا نام مسماۃ باندی ہے خالہ عبداللہ جس کو تعلق دوسرے سے ہے مگر اُس نے اب چار سال سے نکاح کرلیا ہے جو خالہ عبداللہ کی ہوتی ہے اس کے کوئی اولاد نہیں ہے مسماۃ رمضان بخش کی دولڑکی بالغہ اخت عبداللہ پیشہ طوائف میں تھیں وہ ہیں اور ایک لڑکا جس کا نام عبداللہ ہے جو بروقت نکاح وطلاق نابالغ تھا وہ ہے۔

اب اُس کے خاص رشتہ کا سلسلہ ختم ہوگیا اب رشتہ دور کا بیان کیا جاتا ہے عبداللہ کا پرنانا مولا بخش دو بھائی تھا ایک دوسرے بھائی کا غوث محمد متوفی تھا اُس کی زوجہ منکوحہ سے جو ابھی حیات ہے تین لڑکیاں جو پیشۂ طوائف میں ہیں موجود تھیں وہ ہیں اور ایک لڑکا جس کا نام اللہ بخش میر شکار ہے جو بروقت نکاح عبداللہ بالغ تھا اور اس وقت تک موجود ہے اور ان لوگوں کی نسل ابھی ترقی پر نہیں ہوئی یہیں تک محدود ہے اور کوئی رشتہ دار حلال وحرام کے بجز ان لوگوں کے بروقت نکاح عبداللہ نہیں تھے۔

(۲) دونوں نے نکاح کے وقت کچھ اپنی زبان سے نہیں کہا اوّل نکاح میں بوجہ ولی ہونے خدابخش و دوسرے نکاح میں بسبب ہوجانے طلاق نامہ کچھ نہیں کہا۔

(۳) نابالغ تھا۔

(۴) دل سے منظور نہ تھا مگر بوجہ مروت خدابخش کو اختیار دے دیا تھا۔

(۵) نابالغ تھی معمولی ایام نہیں ہوئے تھے۔

جواب تتمہ: اصل جواب تشقیق کے طور پر اس لئے لکھا تھا کہ بعض واقعات معلوم نہ تھے پھر تنقیح کے بعد جب نکاح اول کے وقت اس بھانجی کا نابالغ ہونا ثابت ہوگیا، پس اس نکاح اوّل کے ناجائز ہونے کے لئے یہی وجہ کافی ہے بہرحال یہ نکاح اوّل صحیح نہ ہوا تھا اب دوسرے نکاح سے اگر یہ بھانجی راضی ہے تو درست ہوگیا۔

۸/محرم الحرام ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۸۱)

صغیرہ کا اپنی عبارت سے کیا ہوا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہے

سوال (۱) (۱۰۴۳): قدیم ۲/۱۸۳- شخصے دختر صغیرہ عاقلہ خود را بعد قبض مہر معجلش بخانہ خاطب فرستاد و نکاح بعبارۃ صغیرہ موصوفہ در آنجا منعقد شد آیا ایں نکاح صحیح باشد یا نہ؟ و بر تقدیر اوّل لازم باشد یا قابل الفسخ؟

الجواب (۲): اگر ولی صغیرہ بصریح عبارت خود صغیرہ را اذن دادہ بود کہ بزبان خود قبول کنی یا بعد از ینکہ صغیرہ قبول کرد آں ولی ایں قبول را بعبارت صریح خود جائز داشتہ نکاح منعقد شد والا لا زیرا کہ تصرفات صغیرہ محتاج و موقوف بر اذن ولی می باشد اذن سابق باشد یا لاحق و ہو ظاہر۔ (۳) فقط

۱۶/شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۹۳)

---

(۱) **ترجمۂ سوال**: ایک شخص نے اپنی چھوٹی عاقلہ لڑکی کو نقد مہر پر قبضہ کرنے کے بعد لڑکے کے گھر بھیج دیا اور نکاح چھوٹی لڑکی کی عبارت سے اسی جگہ ہوا آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اور پہلی صورت میں لازم ہوگا یا فسخ کرنے کے قابل؟

(۲) **ترجمۂ جواب**: اگر چھوٹی لڑکی کا ولی اپنی صریح عبارت سے لڑکی کو اجازت دے کر اپنی زبان سے قبول کرے یا اس کے بعد صغیرہ نے قبول کرلیا اور اس ولی نے اس قبول کو صریح عبارت کے ذریعہ جائز سمجھا تو نکاح منعقد ہوگیا ورنہ نہیں؛ کیونکہ چھوٹی لڑکی کے تصرفات ولی کی اجازت پر موقوف ہوتے ہیں اجازت پہلے سے ہو یا بعد میں اور یہ ظاہر ہے۔

(۳) **صح نكاح حرة احتراز عن الأمة لأن نكاحها موقوف على إذن مولاها كتوقف نكاح الصغيرة والمجنونة والمعتوهة على إذن الولي.** (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء، والأكفاء، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۴۸۸) ←

ماں کی اجازت سے نابالغہ کے نکاح کا حکم

سوال (۱۰۴۴): قدیم ۲/۱۸۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں زید مکان پر موجود نہیں تھا ملک برہما میں بذریعہ نوکری گیا تھا زید کی بی بی نے زید کی لڑکی زبیدہ کا نکاح جو نابالغ تھی عمرو کے ساتھ جو بالغ تھا کردیا جب زید مکان پر آیا تو اس نے کہا کہ ہم کو یہ نکاح منظور نہیں ہے بعد چند روز کے زید اپنی نوکری پر چلا گیا اور زبیدہ عمرو کے مکان پر گئی اور ایک سال رہ کر اپنے باپ کے مکان پر آئی زبیدہ جب عمرو کے مکان سے رخصت ہوکر اپنے باپ کے مکان پر آئی اس کے ایک سال بعد بالغ ہوئی اور کہتی ہے کہ ہم کو یہ نکاح منظور نہیں ہے اور زبیدہ کا باپ زید بھی مکان پر آیا ہے اس کو بھی یہ نکاح پہلے سے نامنظور تھا اب بھی نامنظور ہے اب زید و زبیدہ اور اس کی ماں سب کو منظور ہے کہ دوسرے شخص کے ساتھ زبیدہ کا نکاح کردیا جاوے زبیدہ کا نکاح عمرو کے ساتھ جائز ہوا یا نہیں؟ اور دوسرے شخص کے ساتھ زبیدہ کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فقط

← **وأما بيـان شـرائـط الجواز والنفاذ فأنواع منها أن يكون العاقد بالغًا فإن نكاح الصبي العاقل، وإن كان منعقدًا على أصل أصحابنا فهو غير نافذبل نفاذه يتوقف على إجازة وليه لأنه نـفـاذ التـصـرف لاشتـمـالـه عـلى وجه المصلحة والصبي لقلة تأمله لاشتغاله باللهو واللعب لايقف على ذلک فلا ينفذ تصرفه بل يتوقف على إجازة وليه.** (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل وأما بيان شرائط الجواز، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۲/۲۳۳، جديد ۲/۴۹۱)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۱/۳۰۳۔

هـنـدية، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسير النكاح، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۲۶۷، جديد ۱/۳۳۲۔

وإذا تزوج الصغير امرأة فأجاز ذلک وليه جاز عندنا لأن الصبي العاقل من أهل العبارة عـنـدنا؛ ولكن يحتاج إلى انضمام رأي الولي إلى مباشرته ليحصل تمام النظر فإذا أجاز الولي جـاز ذلک وكـان ذلک كمباشرة الولي بنفسه. (المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح، باب نكاح الصغير والصغيرة، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۲۲۶) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

تنقیح: دوامر تنقیح طلب اس سوال میں معلوم ہوئے جواب ان پر موقوف ہے ایک یہ کہ زبیدہ کا نکاح جواس کی نابالغی میں عمرو سے کردیا گیا تھا اس تعجیل کا سبب کیا یہ اندیشہ تھا کہ ایسا اچھا موقع پھر ہاتھ نہ آوے گا یا اور کوئی سبب تھا؟

دوسرا امر یہ کہ زبیدہ کا کوئی اور رشتہ دار دھیالی بھی اس نکاح کے وقت موجود تھا، جیسا اُس کا کوئی چچا یا بالغ بھائی یا موجود نہ تھا صرف ماں ہی موجود تھی؟ اور اگر کوئی موجود تھا تو اس نے اس نکاح کے متعلق کیا کہا تھا؟ ان دونوں تنقیح کے جواب پر جواب موقوف ہے۔

جواب تنقیح: (۱) نکاح میں تعجیل کا یہ سبب ہے کہ زبیدہ کا نکاح عمرو سے ہوا اور عمرو کی ہمشیرہ کا نکاح زبیدہ کے بھائی بکر سے جو زبیدہ سے کم عمر ہے ایک ساتھ ہوا اسی وجہ سے زبیدہ کی ماں نے نکاح میں جلدی کی زید کو خبر نہیں دی۔

(۲) وقت نکاح کے زبیدہ کا چچا موجود تھا اُس نے منع کیا مگر زبیدہ کی ماں نے اس کے کہنے کو منظور نہیں کیا، اسی وجہ سے زبیدہ کا چچا نکاح میں شریک نہیں ہوا دوسرا کوئی رشتہ دار موجود نہیں تھا؟

الجواب: باپ کے ہوتے ہوئے ماں ولی نہیں ہے (۱) پس اس کا کیا ہوا نکاح موقوف ومعلق رہا تھا جب زید آیا اور اس نے کہہ دیا کہ ہم کو یہ نکاح منظور نہیں تو نکاح باطل ہوگیا (۲)

---

(۱) **الولي في النكاح العصبة بنفسه بلا توسط أنثىٰ على ترتيب الإرث والحجب** (إلى قوله) **فإن لم يكن عصبة فالولاية للأم.** (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٩٠تا ١٩٥، كراچي ٣/٧٦-٧٨)

الولي هو العصبة نسبا أو سببا على ترتيب الإرث ...... فإن لم يكن عصبة فللأم. (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٩٦-٤٩٧)

والولي العصبة بترتيب الإرث ...... وإن لم تكن عصبة فالولاية للأم. (كنز الدقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مطبوعة مجتبائي ص: ١٠٠-١٠١)

(٢) **وللولي الأبعد التزويج بغيبة الأقرب فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب توقف على إجازته.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٩٩، كراچي ٣/٨١) ←

اس کے بعد زبیدہ جو عمرو کے مکان پر گئی اس جانے سے نکاح درست نہیں ہوسکتا، پس اب زبیدہ چونکہ بالغ ہے اُس کی اجازت سے دوسری جگہ اس کا نکاح جائز ہے۔(۱)

ولا يخالجك أن غيبة الأب كانت منقطعة فتنتقل الولاية إلى الأم لأن الغيبة المنقطعة على ما نقله الشامي عن الذخيرة أصح تفاسيره أنه إذا كان في موضع لو انتظر حضوره أو استطلاع رأيه فات الكفؤ الذي حضر. و في البحر عن المجتبىٰ والمبسوط أنه الأصح. وفي النهاية: واختاره أكثر المشايخ وصححه ابن الفضل وفي الهداية أنه أقرب إلى الفقه وفي الفتح أنه الأشبه بالفقه وأطال في ترجيحه ج: ۲،ص: ۶۱۵، (۲) ولم يوجد هذا الشرط كما يعلم من جواب التنقيح وإن فرض أن الغيبة منقطعة فالعم كان وليا ولم يرض ونهى عنه فلم يصح النكاح أصلا فارتفع الشبهة وصح الجواب بلا غبار.

۳۰ رشوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۸۳)

← سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۴۹۹۔

فإن زوجها الأبعد والأقرب حاضر توقف على إجازة الأقرب لأن الأبعد كالأجنبي عند حضرة الأقرب فيتوقف عقده على إجازة الولي. (المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح، باب نكاح الصغير والصغيرة، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۲۲۰)

وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضرًا وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته. (هندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲۸۵، جديد ۱/ ۳۵۰)

(۱) **وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها.** (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، مكتبه اشرفية ديوبند ۳/ ۳۱۳)

الجوهرة النيرة، كتاب النكاح، دار الكتاب ديوبند ۲/ ۶۹۔

الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۳۸۳و ۱۱/ ۲۵۴۔

موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، تكوين الزواج، المبحث الثالث شروط الزواج، مكتبه اشرفية ديوبند۸/ ۹۳۔

(۲) شامي، كتب النكاح، باب الولي، مطلب لا يصح تولية الصغير، مكتبه زكريا ديوبند۴/ ۲۰۰، كراچي۳/ ۸۱۔ ←

حقوق زوجین کی مجملاً تفصیل

سوال (۱۰۴۵): قدیم ۲/ ۱۸۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زوج پر زوجہ کے حقوق دنیا وآخرت کے کس قدر ہیں اور زوجہ کے ذمہ کیا کیا حق ہیں؟ بالعکس دنیا وآخرت کے کیا کیا حقوق ہیں؟

الجواب: زوج پر زوجہ کے یہ حقوق ہیں: (۱) حسن خلق۔

(۲) برداشت کرنا ایذا کا مگر باعتدال۔

(۳) اعتدال کرنا غیرت میں یعنی نہ بدگمانی کرے نہ بالکل غافل ہو جائے۔

(۴) اعتدال خرچ میں یعنی نہ تنگی کرے نہ فضول خرچی کی اجازت دے۔

(۵) احکام حیض وغیرہ کے سیکھ کر اس کو سکھلانا اور نماز اور دین کی تاکید رکھنا اور بدعات اور منہیات سے منع کرنا۔

(۶) اگر کئی عورتیں ہوں ان کو برابر رکھنا حقوق میں۔

(۷) بقدر حاجت اس سے وطی کرنا۔

← كتاب المبسوط للسرخي، كتاب النكاح، باب نكاح الصغير والصغيرة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢٢٢۔

المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل التاسع، في معرفة الأولياء، المجلس العلمي ٤/٥٦، رقم:٣٦١٤۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل الحادي عشر في معرفة الأولياء، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٩٢، رقم: ٥٦٢٠۔

واختار أكثر المشايخ كما في النهاية: أنها مقدرة بفوت الكفء الخاطب باستطلاع رأيه وصححه ابن الفضل. وفي الهداية: وهذا أقرب إلى الفقه لأنه لا نظر في إبقاء ولايته حينئذ. وفي فتح القدير: ولا تعارض بين أكثر المتأخرين وأكثر المشايخ والحاصل أن التصحيح قد اختلف والأحسن الافتاء بما عليه أكثر المشايخ. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٢٢٢، كوئٹه ٣/١٢٦)

هداية مع فتح القدير، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٢٧٩، كوئٹه ٣/١٨٤-١٨٥۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۸) بدون اجازت عزل نہ کرنا۔

(۹) بدون ضرورت طلاق نہ دینا۔

(۱۰) بقدر کفایت رہنے کو گھر دینا۔

(۱۱) اس کے محارم اقارب سے اس کو ملنے دینا۔

(۱۲) راز ظاہر نہ کرنا جماع وغیرہ کا۔

(۱۳) حد سے زیادہ نہ مارنا۔

اور مثل ان کے اور حقوق زوج کے یہ ہیں: (۱) ہر امر میں اس کی اطاعت کرنا بشرطیکہ معصیت نہ ہو۔

(۲) اس کے مقدور سے زیادہ نان ونفقہ طلب نہ کرنا۔

(۳) بدون اجازت شوہر کے کسی کو گھر میں نہ آنے دینا۔

(۴) بدون اس کی اجازت گھر سے نہ نکلنا۔

(۵) بدون اجازت اس کے کسی کو کوئی چیز اس کے مال سے نہ دینا۔

(۶) نفل نماز ونفل روزہ بدون اجازت اس کے نہ پڑھنا نہ رکھنا۔

(۷) اگر صحبت کے لئے بلاوے بدون مانع شرعی کے اس سے انکار نہ کرنا۔

(۸) اپنے خاوند کو بوجہ افلاس یا بدصورتی کے حقیر نہ سمجھنا۔

(۹) اگر کوئی امر خلاف شرع خاوند میں دیکھے ادب سے منع کرنا۔

(۱۰) اس کا نام لیکر نہ پکارنا۔

(۱۱) کسی کے روبرو خاوند کی شکایت نہ کرنا۔

(۱۲) اس کے روبرو زبان درازی نہ کرنا۔

(۱۳) اس کے اقارب سے تکرار نہ کرنا اور مثل ان کے جانبین کے حقوق کثیرہ ہیں جو اس وقت ذہن میں مستحضر ہوئے لکھے گئے۔ ہذا ما اخذت من احیاء العلوم وغیرہ۔(۱) واللہ اعلم

کتبہ محمد اشرف علی عفي عنہ (امداد الفتاویٰ، جلد ثانی، ص: ۷)

---

(۱) أما الزوج فعليه مراعاة الإعتدال والأدب في إثني عشر أمراً في الوليمة والمعاشرة والدعابة والسياسة والغيرة والنفقة والتعليم والقسم والتاديب بالنشوز والوقاع والولادة والمفارقة بالطلاق (وقوله) الأدب الثاني: حسن الخلق معهن ←

وإحتمال الأذى منهن ترحما عليهن لقصور عقلهن. قال الله تعالىٰ وعاشروهن بالمعروف (وقوله) الثالث: أن يزيد علياحتمال الأذى بالمداعبة والمزاح والملاعبة فهي التي تطيب قلوب النساء (وقوله) والرابع: أن لا ينبسط في الدعابة وحسن الخلق والموافقة باتباع هواها إلى حد يفسد خلقها ويسقط بالكليّة هيبته عندها؛ بل يراعي الاعتدال فيه فلا يدع الهيبة والانقباض مهما رأىٰ منكرًا ولا يفتح باب المساعدة على المنكرات البتة بل مهما رأىٰ ما يخالف الشرع والمرؤة تنمّر وامتعص (وقوله) الخامس: الاعتدال في الغيرة وهو أن لا يتغافل عن مبادئ الأمور التي تخشى غوائلها ولا يبالغ في إساءة الظن والتعنت وتجسس البواطن (وقوله) والخروج الآن مباح للمرأة العفيفة برضاء زوجها (وقوله) السادس: الاعتدال في النفقة فلا ينبغي أن يقتر عليهن في الإنفاق ولا ينبغي أن يسرف بل يقتصد (وقوله) السابع: أن يتعلم المتزوج من علم الحيض وأحكامه ما يحترزبه الاحتراز الواجب ويعلّم زوجته أحكام الصلاة وما يقضى منها في الحيض وما لا يقضى فإنه أمر بان يقيها النار بقوله تعالىٰ قوا أنفسكم وأهليكم نارًا فعليه أن يلقنها اعتقاد أهل السنة ويزيل عن قلبها كل بدعة (وقوله) الثامن: إذا كان له نسوة فينبغي أن يعدل بينهن ولا يميل إلى بعضهن (وقوله) التاسع: النشوز (إلى قوله) أما إذا كان النشوز من المرأة خاصة فالرجال قوامون على النساء فله أن يؤدبها؛ لكن ينبغي أن يتدرج في تأديبها (إلى قوله) فإن لم ينجع ذلك فيها ضربها ضربًا غير مبرح (وقوله) العاشر: في اٰداب الجماع (إلى قوله) وينبغي أن ياتيها في كل أربع ليال مرة فهو أعدل إذ عدد النساء أربعة فجاز التأخير إلى هذا الحد نعم ينبغي أن يزيد أوينقص بحسب حاجتها في التحصين فإن تحصينها واجب عليه (وقوله) و من قائل يحل (العزل) برضاها ولا يحل دون رضاها (وقوله) الحادي عشر في آداب الولادة (وقوله) الثاني عشر في الطلاق وليعلم أنه مباح؛ ولكنه أبغض المباحات إلى الله تعالىٰ وإنما يكون مباحا إذا لم يكن فيه إيذاء بالباطل ومهما طلقها فقد اذاها ولا يباح إيذاء الغير إلا بجناية من جانبها أو بضرورة من جانبه (وقوله) الرابع عشر أن لا يفشي سرها لا في الطلاق ولا عند النكاح (وقوله) القسم الثاني من هذاالباب النظر في حقوق الزوج عليها والقول الشافي فيه أن النكاح نوع رق فهي رقيقة له فعليها طاعة الزوج مطلقًا في كل ما طالب منها في نفسها مما لا معصية فيه (وقوله) ومن حقه أن لا تعطي شيئًا من بيته إلا بإذنه فإن فعلت ذلك ←

نکاح کے وقت بیوی کو مکان پر رکھنے کی شرط لگانا

سوال (۱۰۴۶): قدیم ۲/۱۸۶- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندہ وبکر نابالغ کا نکاح بولایت زید وعمر وہوا تھا بروقت نکاح ولیین سے یہ شرط قرار پائی تھی کہ بکر آج سے زید کے مکان پر بطور متبنیٰ ہمیشہ بودوباش وسکونت اختیار کرے گا بصورت نہ بودوباش اختیار کرنے کے ولی ہندہ مختار فسخ نکاح کا ہے ہندہ وبکر اب تک نابالغ ہیں خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اور اب ولی بکر یعنی عمرو تعمیل شرط سے انکار کرتا ہے پس زید ولی ہندہ کو اختیار فسخ نکاح حاصل ہے یا نہیں؟ (*)

(*) جواب میں اس شبہ کا دفع باقی رہ گیا کہ اس کو امر بالید میں داخل کیا جائے، سو اس کا حل یہ ہے کہ اول تو اس میں اختیار طلاق کا ہوتا ہے نہ کہ فسخ کا دوسرا اس میں تقید بالمجلس ہے اور یہاں مجلس مخالفت شرط میں طلاق کو اختیار نہیں کیا گیا اور عموم پر کوئی لفظ دال نہیں۔ تیسرے اس میں یہ شرط ہے کہ یا تو بعد نکاح ہو یا نکاح کے اندر ہو تو اس میں خاص قیود ہیں۔

مقيد بما إذا ابتدأت بالمرأة فقالت زوجت نفسي منك على أن أمري بيدي أطلق نفسي كلما أريد أو على أني طالق فقال الزوج قبلت أما لو بدأ الزوج لا تطلق ولا يصير الأمر بيدها كما في البحر عن الخلاصة والبزازية شامي آخر باب الأمر باليد.

سوال سے یہ صورت معلوم نہیں ہوتی، پھر احد الکلامین میں لفظ نفس مذکور ہو یہاں یہ بھی نہیں۔ ۱۲ منہ

← كان الوزر عليها والأجر له ومن حقه أن لا تصوم تطوعًا إلا بإذنه فإن فعلت جاعت وعطشت ولم يتقبل منها ومن حقه أن لا تخرج من بيته إلا بإذنه (وقوله) فحقوق الزوج على الزوجة كثيرة وأهمها أمران إحدهما الصيانة والستر والآخر ترك المطالبة مما وراء الحاجة والتعفف عن كسبه إذا كان حراما (وقوله) وتكون قانعة من زوجها بما رزق الله وتقدم حقه على حق نفسها وحق سائر أقاربها متنظفة في نفسها مستعدة في الأحوال كلها للتمتع بها إن شاء شفقة على أولادها حافظة للسر عليهم قصيرة اللسان عن سب الأولاد ومراجعة الزوج (وقوله) ومن آدابها أن لا تتفاخر على الزوج بجمالها ولا تزدري زوجها بقبحة (وقوله) ولا ينبغي أن توذي زوجها بحال. (إحياء العلوم، كتاب آداب النكاح، الباب الثالث آداب المعاشرة، مكتبه نول كشور ۲/ ۲۰ تا ۲۸، دار المنهاج ۳/ ۱۷۲ تا ۲۳۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: قال اللّٰه تعالیٰ: يآ أيها الذين اٰمنوا اوفوا بالعقود (۱) وقال تعالیٰ: واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا. (۲) وقال تعالیٰ: ولا تجعلوا اللّٰه عرضة لأيمانكم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بين الناس (۳) وقال اللّٰه تعالیٰ: ولاتواعدوهن سرًا الاٰيات. (۴)

آیتین اولین آمر ہیں ساتھ وفائے عہود کے مطلقاً اور آیتیں اخریین مخصص عہود کی ہیں ساتھ عہود مشروعہ کے وہذا ظاہر۔

وروى ابن الجوزي بسنده عن عائشةؓ عن رسول اللّٰه ﷺ قال: المسلمون عند شروطهم ما وافق الحق من التفسير المظهري (۵) وفي الصحيحين: ماكان من شرط ليس في كتاب اللّٰه فهو باطل وان كان مائة شرط قضاء اللّٰه أحق وشرط اللّٰه أوثق. (٦)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جو شرط خلاف شرع نہ ہو اس کا پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہو اس کا پورا کرنا واجب نہیں یہ حکم تو مطلق عہود کا ہے اور یہی حکم خاص شروط میں ہے۔

يؤيده عموم قوله تعالیٰ إذا تراضوا بينهم بالمعروف. (۷)

---

(۱) سورة المائدة: رقم الآية:۱۔

(۲) سورة الإسراء، رقم الآية:۳٤۔

(۳) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۲٤۔

(۴) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۳۵۔

(۵) تفسير المظهري، تحت قوله تعالیٰ: وحرم الربا، سورة البقرة: ۲۷۵، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ٤۰۷، جديد ۱/ ٤٤٤۔

المستدرك للحاكم، كتاب البيوع، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز، ۳/ ۷۸۱، رقم: ۲۳۱۔

(٦) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب إذا اشترط في البيع شروطا لا تحل، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۰، رقم: ۲۱۲۰، ف: ۲۱٦۸۔

صحيح مسلم، كتاب العتق، باب بيان الولاء لمن أعتق، النسخة الهندية ۱/ ٤۹٤، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۵۰٤۔

(۷) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۳۲۔

وفي البخارى في باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح: وقال عمرؓ: مقاطع الحقوق عندالشروط ولك ما اشترطت وقال رسول الله ﷺ أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج (۱) وفي باب ما لا يجوز من الشروط في عقدة النكاح ولا تسأل المرأة طلاق أختها لتستكفي إنائها الحديث. (۲)

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ غیر مشروع شرط ٹھہرانا جائز نہیں اور مشروع واجب الوفاء ہیں۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ صورت مسئولہ میں شرط مذکور جائز ہے یا نہیں اگر چہ نظرا الی ظاہر العرف جائز معلوم ہوتی ہے مگر عندالتحقیق درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ جبراً لڑکے کو خسر وغیرہ کے پاس رہنے میں صبی اور اس کے محارم میں تفریق لازم آتی ہے۔

وقد أخرج الترمذي أن النبي ﷺ قال: من فرّق بين والدة و ولدها فرّق الله بينه وبين أحبته يوم القيامة. (۳)

دوسری یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے اور ایسی شرط لازم نہیں ہوتی۔

قال القسطلاني: تحت حديث أحق الشروط الخ والمراد شروط لا تنافي مقتضٰى عقد النكاح؛ بل تكون من مقاصده كاشتراط العشرة بالمعروف وأن لا يقصر في شيء من حقوقها أما شرط يخالف مقتضاه كشرط أن لا يتسرىٰ عليها ولايسا فربها فلا يجب الوفاء به بل يلغو الشرط ويصح النكاح بمهر المثل فهو عام مخصوص لأنه تخرج منه الشروط الفاسدة انتهىٰ. (۴)

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۷۶، رقم:۲۶۴۲، ف:۲۷۲۱۔

(۲) عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يبيع حاضر لباد ولا تناجشوا ولا يزيدن على بيع أخيه ولا يخطبن على خطبته ولا تسأل المرأة طلاق أختها لتستكفى إناء ها. (صحيح البخاري، كتاب الشروط، باب ما لا يجوز من الشروط في النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۷۶، رقم:۲۶۴۴، ف:۲۷۲۳)

(۳) سنن الترمذي، أبواب البيوع، باب ما جاء في كراهية أن يفرّق بين الأخوين، النسخة الهندية ۱/۲۴۱، دار السلام رقم:۱۲۸۳۔

(۴) ارشاد الساري، كتاب الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، دارالفكر بيروت ۶/۲۰۵۔

تیسری یہ شرط لڑکے پر لازم نہیں کیونکہ اولاً اس کی رضا مندی محتمل ثانیاً غیر معتبر لتقدم الآیة ثالثًا، وہوغیر مکلّف لقوله عليه السلام، رفع القلم عن ثلاثة وعدمنهم الصبي حتى يحتلم. (۱)

اورولی صبی پر بھی واجب نہیں کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں لکونہ فعل غیرہ۔

وقد قال اللّٰہ تعالیٰ: لاتكلّف إلانفسک. (۲) الآية ولا وجوب بدون الموجب عليه.

پس اول تو اس شرط کی صحت ہی میں کلام ہے كما عرفت مگر باوجود فساد شرط کے نکاح میں کوئی نقصان نہیں۔

وفي الدرالمختار: وما يصح ولا يبطل بالشرط الفاسد القرض والهبة والصدقة والنكاح. الخ وفي رد المحتار: والمراد بقول الشارح: مايصح أي في نفسه ويلغو الشرط. (۳) وأيضًا في الدرالمختار: ولكن لا يبطل النكاح بالشرط الفاسد وإنما يبطل الشرط دونه. (۴)

پس صورت مسئولہ میں ولی صبیہ کو اختیار فسخ کا نہیں یہ جب ہے کہ صلب عقد میں شرط ہوئی ہو مثلاً کہا ہو کہ میں اس شرط سے نکاح کرتا ہوں کہ یہ لڑکا میرے گھر رہے اور دوسرے نے کہا ہو کہ میں نے یہ نکاح اس شرط سے قبول کیا اور اگر قبل نکاح یا بعد نکاح ٹھہری ہو وہ شرط نہیں ہے؛ بلکہ وعدہ ہے اس وقت اس وعدہ کا موثر نہ ہونا

---

(۱) عن ابن عباسؓ قال: مر على بن أبي طالب كرم الله وجهه بمعنى عثمانؓ قال: أو ما تذكر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاثة عن المجنون المغلوب على عقله وعن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يحتلم. الحديث (سنن أبي داؤد، كتاب الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا، النسخة الهندية ۲/۶۰۴، دارالسلام رقم: ۴۴۰۱)

سنن الترمذي، أبواب الحدود، باب ماجاء فيمن لا يجب عليه الحد، النسخة الهندية ۱/۲۶۳، دار السلام رقم: ۱۴۲۳۔

(۲) سورة النساء رقم الآية: ۸۴۔

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: قال لمديونه إذا مت، مكتبه زكريا ديوبند ۷/۵۰۸، كراچي ۵/۲۴۹۔

(۴) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، قبيل باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ۴/۱۵۱، كراچي ۳/۵۳۔

نکاح میں زیادہ ظاہر ہے اور اس صورت میں بدرجۂ اولیٰ مختار نہ ہوگا؛ البتہ جب لڑکی بالغ ہوا گر یہ ولی باپ یا دادا نہیں ہے، تب لڑکی باعتبار خیار بلوغ کے بشرط قضاء قاضی مختار فسخ کی ہے اور اگر نکاح کرنے والا باپ یا دادا ہے تب یہ بھی اختیار نہیں۔(۱)

وکذا الغلام وهو معروف والله اعلم وإنما اطلنا الكلام في هذا المقام وإن كان يكفي سطر واحد في كشف الإبهام لأن المستفتي أمرنا هذا باللزام والعلم عندالله العلام وهو ذوالجلال والإكرام وانا العبد المستهام الغريق في بحار الأثام محمد المدعو باشرف علي عفا عنه القدوس السَّلام۔

(امداد، ص:۸، ج:۲)

وعدہ پورا نہ کرنے کی صورت میں نکاح باطل نہ ہونا

سوال (۱۰۴۷): قدیم ۲/ ۱۸۸- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بمقابلہ عمرو وخالد کے ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا تھا کہ بعد نکاح کرنے کے یہیں بود وباش اختیار کریں گے دوسرے گاؤں کلکتہ وغیرہ کبھی نہیں جائیں گے، اب نکاح ہونے پر زید وعدہ خلافی کرکے کلکتہ یا بمبئی پھر چلا گیا اس صورت میں نکاح باطل ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا!

---

(۱) فإن زوجهما الأب أو الجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما ...... وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح، وإن شاء فسخ ...... ويشترط فيه القضاء. (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، مكتبه اشرفية ديوبند ۲/ ۳۱۷)

فإن كان المزوج فيه ...... أباً أوجداً لزم العقد فليس لها خيار الفسخ بعد الإفاقة ولا لها بعد البلوغ، وإن كان المزوج غيرهما أي غير الأب والجد فلهما الخيار إذا بلغا أو علما بالنكاح بعد البلوغ أي وإن كان المزوج غيرهما فلكل واحد منهما خيار الفسخ سواء كانا عالمين قبل البلوغ بالعقد أو علما بعد البلوغ (إلى قوله) وشرط القضاء للفسخ في خيار البلوغ من صغير أو صغيرة فلا يبطل العقد ما لم يقض به القاضي.

(مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۴۹۴ تا ۴۹۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب:في الدر المختار مع رد المحتار: وما يصح ولا يبطل بالشرط الفاسد إلیٰ قوله والنكاح ج: ۴، ص: ۳۵۳-۳۵۴. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں کوئی فساد یا بطلان نہیں آیا البتہ وعدہ خلافي بلا عذر کا گناہ الگ چیز ہے۔

لقوله تعالیٰ: اوفوا بالعهد. (۲)

۹؍رمضان ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ،ص:۷۴)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب قال لمديونه إذا مت، مكتبه زكريا ديوبند ۷/۵۰۸، كراچي ۵/۲۴۹۔

قد تقدم أن النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة فإذا تزوج امرأة على ألف على أن لايخرجها من البلدة ...... فالنكاح صحيح وإن كان شرط عدم التزوج وعدم المسافرة فاسد لأن فيه المنع عن الأمر المشروع. (عناية على فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند۳/۳۳۴، كوئٹه۳/۲۳۱)

لأن النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة بل تبطل هي ويصح النكاح. (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل: النظر من وراء الزجاج، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۲۴۰، كوئٹه۳/۱۵۲)

إن النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة فيصح النكاح ويلغو الشرط. (تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المهر، امداية ملتان ۲/۱۵۱، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۶۷)

(۲) سورة الاسراء، رقم الآية:۳۴۔

عن أبي هريرةؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: آية المنافق ثلاث، إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، النسخة الهندية ۱/۱۰، رقم:۳۳)

صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان خصال المنافق، النسخة الهندية ۱/۵۶، بيت الأفكار الدولية رقم:۵۹۔

سنن الترمذي، كتاب الإيمان، باب ما جاء في علامة المنافق، النسخة الهندية۲/۹۱، دارالسلام رقم:۲۶۳۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بالغہ ثیبہ کے نکاح کے لئے ولی کی اجازت شرط نہیں

سوال (۱۰۴۸): قدیم ۲/ ۱۸۹- بیوہ ثیبہ بلااذن ولی کے نکاح کرے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگروہ بیوہ بالغہ حرہ ہے تو اس کا نکاح بلااذن ولی جائز ہے لیکن اگر غیر کفو سے یا مہر مثل سے کم پر کرلیا تو ولی کو تعرض پہنچتا ہے۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضى ولي وله الاعتراض في غير الكفو. درمختار. (۱)

(امداد، ج:۲،ص:۱۰)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند٤/١٥٥-١٥٦، كراچي٣/٥٥-٥٦۔

عن معمر قال: سألت الزهري عن امرأة تزوج بغير ولي فقال: إن كان كفوئا جاز. (المصنف لابن أبي شبية، كتاب النكاح، باب من أجازه بغير ولي ولم يفرق، مؤسسة علوم القرآن ٩/١١، رقم:١٦١٩٩)

نفد نكاح حرة مكلفة بلا رضى ولي ولو بكرًا أو من غير كفو وله أي للولي العصبة في الأصح. وقيل: لكل محرم الاعتراض في غير الكفو. (سكب الأنهر علي هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٩)

ينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضائها، وإن لم يقعد عليها ولي بكرًا كانت أو ثيبًا (إلى قوله) ثم في ظاهر الرواية لا فرق بين الكفو وغير الكفو؛ لكن للولي الاعتراض في غير الكفو. (هداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/٣١٣-٣١٤)

الحرة العاقلة البالغة إذا زوجت نفسها من رجل هو كفو لها أو ليس بكفو لها بكرًا كانت أو ثيبًأ نفد النكاح في ظاهر رواية أبي حنيفة رحمة الله تعالىٰ: وهو قول أبي يوسفؒ آخرا إلا أن الزوج إذا لم يكن كفوا فللأولياء حق الاعتراض. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل الحادي عشر: النكاح بغير ولي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٠٠، رقم:٥٦٤٤)

المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل التاسع في معرفة الأولياء، المجلس العلمي ٤/٦١، رقم:٣٦٣٠۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں بالغہ کے نکاح کا حکم

سوال (۱۰۴۹): قدیم۲/ ۱۸۹- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ بیوہ ہوگئی ہے اور اس کے کئی بچے بھی ہیں قوم کی فاروقی ہے اور ان کے شوہر عالم دین دار تھے اب وہ چاہتی ہے کہ کسی عالم دین دار سے عقد کریں اُن کی برادری اور میل کا کوئی شخص نہیں ملتا ہے ان کی مرضی کے موافق ایک صاحب ہیں جو کہ مدرسہ جامع العلوم کان پور اور مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے تعلیم یافتہ ہیں اُن کی جانب اُن کا میلان طبع بھی ہے مگر اتنا نقص واقع ہے کہ وہ صاحب قوم کے نور باف ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسماۃ ہندہ کو ایسے شخص سے عقد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اور لوگوں کا بُرا بھلا کہنا کیسا ہے؟ اور مسماۃ ہندہ بغیر رضا مندی والدین عقد کرسکتی ہے یا نہ؟

الجواب: في الدر المختار: وله أي للولي إذا كان عصبة ولو غير محرم كابن عم في الأصح خانية وخرج ذووالأرحام والأم والقاضى الاعتراض في غير الكفو (إلىٰ قوله) و يفتى في غير الكفو بعدم جوازه أصلا وهوالمختار للفتوىٰ لفساد الزمان. وفي رد المحتار: تحت قوله: بعدم جوازه أصلا وقول البحر: لم يرض يشمل ما إذا لم يعلم أصلا فلا يلزم التصريح بعدم الرضا؛ بل السكوت منه لا يكون رضا كما ذكرنا فلا بد حينئذ لصحة العقد من رضاه صريحًا وعليه فلو سكت قبله، ثم رضي بعده لا يفيد فليتأمل. وفيه تحت قوله: وهو المختار للفتوى وقال شمس الائمة رحمه الله تعالىٰ: وهذا أقرب إلى الاحتياط كذا في تصحيح العلامة قاسم لأنه ليس كل ولي يحسن المرافعة والخصومة ولا كل قاض يعدل ولو أحسن الولي وعدل القاضى فقد يترك انفة للتردد على أبواب الحكام واستثقالاً لنفس الخصومات فيتقرر الضرر فكان منعه دفعًا له. فتح. ص: ۴۸۶ ، ۴۸۷، ج: ۲. (۱)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٥٥ تا ١٥٧، كراچي ٣/ ٥٦-٥٧۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ والد کی صریح اجازت لے کر عقد کرنے سے صحیح ہوگا ورنہ نہ ہوگا۔(۱)

۲۰؍شوال ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ،ص:۱۰۲)

زفاف کے وقت کی دعاء اور نماز

سوال (۱۰۵۰): قدیم ۲/ ۱۹۰- کیا فرماتے ہیں علماء کہ جب دلہن کو اپنے گھر لاوے تو بوقت صحبت وخلوت صحیحہ کون کون امر زوج پر سنت ہے اور کون کون دعا پڑھنا احادیث سے ثابت ہے اور کوئی نماز بھی پڑھنا چاہئے اور کیا کیا برکت ورحمت نازل ہوتی ہے ایسے حامل سنت پر؟

---

(۱) فتح القدير، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٤٦، كوئٹه ٣/ ١٥٧ـ

من نكحت غير كفو فرّق الولي لما ذكرناه وهذا ظاهر في انعقاده صحيحًا وهو ظاهر الرواية عن الثلاثة (إلى قوله) وأن المفتى به رواية الحسن عن الإمام من عدم الانعقاد أصلا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضا بعده (إلى قوله) وأطلق في الولي فانصرف إلى الكامل وهو العصبة (إلى قوله) لا فرق في العصبة بين أن يكون محرمًا أو لا كما ذكره الولوالجي أنه المختار. (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٢٦، كوئٹه ٣/ ١٢٨)

وله أي للولي العصبة في الأصح وقيل لكل محرم الاعتراض في غير الكفو ...... وروى الحسن عن الإمام عدم جوازه أصلاً وعليه فتوى قاضيخان وهو المختار فلا تحل مطلقة ثلاثًا تزوجت بغير كفو بلا رضى الولي وهذا مما يجب حفظه. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٨٩-٤٩٠)

عن أبي يوسفؒ عدم جوازه أي عدم جواز نكاحها إذا زوجت نفسها بلا ولي في غير الكفو وبه أخذ كثير من مشايخنا لأن كم من واقع لا يرفع وعليه فتوى قاضيخان وهذا أصح وأحوط والمختار للفتوى في زماننا إذ ليس كل ولي يحسن المرافعة ولا كل قاض يعدل فسد هذا الباب أولىٰ خصوصًا إذا ورد أمر السلطان هكذا وأمر بأن يفتى به. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٤٨٩)

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٠٢ ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: سنت یہ ہے کہ اول اس کے موئے پیشانی پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کرے اور بسم اللہ کہہ کر یہ دعا، پڑھے: **اللّٰهم إني أسئلک خيرها وخير ما جُبلت عليه وأعوذ بک من شرها وشر ما جبلت عليه۔**

اور جس وقت ارادہ صحبت کا کرے یہ کہے: **بسم الله اللّٰهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا.**

پہلی دعاء کی برکت یہ ہے کہ زوجہ ہمیشہ تابع رہے گی دوسری دعا کی یہ برکت ہے کہ اگر اولاد ہوگی صالح ہوگی اور ضرر شیطان سے محفوظ رہے گی (۱) (زادالمعاد) اور نماز پڑھنا کسی حدیث میں تو دیکھا نہیں مگر بعض علماء سے سنا (*) ہے کہ اول دورکعت شکر یہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ تو نے مجھ کو حرام سے بچایا اور حلال عنایت فرمایا (۲) پھر بعد اس کے ادعیہ مذکورہ پڑھے۔ (امداد، ص:۱۰، ج:۲)

(*) پس سنت سمجھ کر نہ پڑھے، محض شکر کے طور پر مضائقہ نہیں۔۱۲ منہ

---

(۱) **وقال صلى الله عليه وسلم: إذا أفاد أحدكم امرأة أو خادما أو دابة فليأخذ بناصيتها وليدع الله بالبركة ويسمىٰ الله عزو جل وليقل: اللّٰهم إني اسألک خيرها وخير ما جبلت عليه وأعوذبک من شرها وشر ما جبلت عليه. وقال صلى الله عليه وسلم: لو أنّ أحدكم إذا أراد أن يأتي أهله قال بسم الله اللهم جنبنا الشيطان، وجنب الشيطان ما رزقتنا فإنه إن يقدر بينهما ولد في ذلک لم يضره شيطان أبدًا.** (زاد المعاد، فصل في هديه صلى اللّٰه عليه وسلم في أذكار النكاح، مؤسسة الرسالة بيروت ۲/۴۵۵-۴۵۶)

سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في جامع النكاح، النسخة الهندية ۱/۲۹۳، دارالسلام رقم: ۲۱۶۰-۲۱۶۱۔

سنن ابن ماجة، كتاب النكاح، باب ما يقول الرجل إذا دخلت عليه أهله، النسخة الهندية ص:۱۳۸، دار السلام رقم:۱۹۱۸-۱۹۱۹۔

المستدرك للحاكم، كتاب النكاح، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز ۳/۱۰۴۲، رقم:۲۷۵۷۔

صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب ما يقول إذا أتي أهله، النسخة الهندية ۲/۹۴۵، رقم:۶۱۴۱، ف:۶۳۸۸۔

(۲) حضرتؒ نے بعض علماء کی طرف منسوب فرمایا ہے کہ اب الحمد للہ حدیث شریف اس بارے میں مل گئی کہ دولہا و دلہن دونوں پہلے دورکعت نماز پڑھ لیں اس کے بعد آگے کا کام کریں۔ ←

کیا انعقاد نکاح کے لئے منکوحہ کی تعیین اس کے نام کی تصریح کے ساتھ ضروری ہے؟

سوال (۱۰۵۱): قدیم ۲/ ۱۹۰- وقت نکاح قاضی کو نام زوجہ کا لے کر مجمع عام میں پکار کر ایجاب وقبول کرانا چاہئے یا کیا اور جو بدون نام لینے زوجہ کے ایجاب وقبول کرادے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: شرط جواز نکاح یہ ہے کہ منکوحہ زوج اور شاہدین کے نزدیک مجہول نہ رہے بلکہ اپنے غیر سے متمیز ہو جائے خواہ کسی طرح سے امتیاز ہو پس اگر منکوحہ حاضر ہے تو اُس کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے اور اگر غائب ہے تو اگر بدون تصریح نام کے بعض قیود سے اُس کی تعیین ممکن ہے تو نام لینے کی حاجت نہیں اور اگر اوصاف سے تمیز نہ ہو تو اس کا نام لینا ضرور ہے بلکہ اگر اس کے نام سے بھی تعیین نہ ہو تو باپ دادے کا بھی ضروری ہے حاصل یہ ہے کہ رفع ابہام ہو جاوے۔

في الدرالمختار: ولا المنكوحة مجهولة. وفي رد المحتار: قلت: وظاهره أنها لوجرت المقدمات على معينة وتميزت عندالشهود أيضاًيصح العقد وهي واقعة الفتوىٰ لأن المقصود نفي الجهالة وذلک حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها كما إذا كانت احدهٰما متزوجة ويؤيده ماسياتي من أنها لو كانت غائبة وزوجها وكيلها فإن عرفها الشهود وعلموا أنه أرادها كفي ذكر اسمها وإلا لابد من ذكر الأب والجد أيضا إلى أخرما قال وأطال. (۱) واللہ اعلم۔ (امداد ص:۱۱، ج:۲)

← حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مرفوع روایت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الله بن مسعودؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يعلمهم إذا دخلت المرأة على زوجها أن يقوم الرجل فتقوم من خلفه فيصليان ركعتين ويقول: اللّٰهم بارك لي في أهلي وبارك لأهلي فيّ، اللّٰهم أرزقهم مني وأرزقني منهم، اللّٰهم اجمع بيننا ما جمعت في خير وفرق بيننا إذا فرقت إلى خير. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۱۰، رقم: ۴۰۱۸)

مجمع الزوائد، كتاب النكاح، باب ما يفعل إذا دخل بأهله، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۲۹۱-۲۹۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب التزوج بإرسال كتاب، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۷۷، كراچي ۳/ ۱۵۔ ←

گواہوں کو معلوم ہونے کی صورت میں زوجہ کا نام لئے بغیر بھی نکاح کا صحیح ہونا

سوال (۱۰۵۲): قدیم ۲/ ۱۹۱- زید کی دو لڑکیاں ہیں بڑی لڑکی کا نام زینب اور چھوٹی لڑکی کا کلثوم ہے زینب کا نکاح بکر سے ہونے کا مقرر ہوا، اُس دن بکر کی طرف سے پانچ چھ آدمی کپڑا زیور وغیرہ لے کر زید کے مکان میں گئے تو زید نے اُن لوگوں سے کپڑا زیور وغیرہ لیکر زینب کو پہنایا بعد اُس کے زید اور بکر کی طرف کے لوگ مل کر بکر کے مکان میں آئے اور زید کے مکان پر زینب مذکور رہی بعد اُس کے حاضرین مجلس نے زید سے کہا کہ تمہاری لڑکی کا نکاح بکر سے کردیں زید نے کہا کہ میں نے کردیا بکر نے کہا کہ میں نے قبول کیا اور زید نے لڑکی کا نام نہیں لیا نکاح خواں حاضرین مجلس اور زید نے بکر سے پوچھا کہ کس کا نکاح ہوا تم سمجھے معاً جواب دیا کہ سنگھار کیا ہوا دلہن کا، آیا نام نہ لیکر فقط سنگھار کیا ہوا زینب کی طرف نسبت کر کے جو نکاح ہوا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور زینب مذکور نابالغ ہے بکر اور گواہ اس وصف اور پتہ سے زینب کی تعیین سمجھے ہیں؟

← **ولا بد من تمييز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفي الجهالة، فإن كانت حاضرة متنقبة كفي الإشارة إليها والإحتياط كشف وجهها، فإن لم يروا شخصها وسمعوا كلامها من البيت وحدها جاز النكاح لزوال الجهالة، وإن كان معها امرأة أخرى لا يجوز لعدم زوالها ...... وإن كانت غائبة ولم يسمعوا كلامها بأن عقد لها وكيلها، فإن كان الشهود يعرفونها كفى ذكر اسمها إذا علموا أنه أرادها، وإن لم يعرفوها لابد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها.** (البحر الرائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۵۷، كوئٹه ۳/ ۸۸)

النهر الفائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۸۲

لو تميزت عند الشهود أيضًا بجريان مقدمات الخطبة عليها يصح العقد وهي واقعة الفتوى ...... فإن مقدمات الخطبة لما عينت واحدة منهما عند العاقدين والشهود ارتفعت الجهالة وهو الشرط. (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۵۰، كوئٹه ۳/ ۸۴-۸۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في رد المحتار: لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود ايضًا يصح العقد وهي واقعة الفتوى لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها جلد: ۲، ص: ۴۳۷. (۱)

جب سب زینب کی تعیین سمجھ گئے نکاح صحیح ہوگیا۔(۲)

۱۶/رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۱۷)

عقدنکاح کی ضرورت

سوال (۱۰۵۳): قدیم ۲/۱۹۲- (۱) جب کہ زرخرید کنیز کے ساتھ مباشرت کرنا رواہے، تو پھر عقد کی کیا ضرورت ہے؟

(۲) مہر کیوں تعین کیا جاتا ہے؟

(۳) زوجہ منکوحہ اور کنیز زرخرید میں کیا فرق ہے؟

الجواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کومحتاج بقاءنوع کا پیدا کیا ہے، اور بقاءنوع بدون مصاحبتِ مردوزن کے غیرممکن ہے، پس احتیاج بقاءنوع مقتضی ہوئی اصطحاب مردوعورت کو(۳)، اس اصطحاب کی کئی صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ نہ کوئی مرد کسی عورت کیساتھ مختص ہو، نہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ بلکہ ہرمرد کو ہرعورت سے صحبت حلال ہواور ہرعورت کو ہرمرد کا متمکن کردینا مباح ہو۔

---

(۱) شامي، كتاب النكاح، مطلب التزوج بإرسال كتاب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٧٧، كراچي ٣/١٥

(۲) **لو تميزت عند الشهود أيضًا بجريان مقدمات الخطبة عليها يصح العقد وهي واقعة الفتوى ...... فإن مقدمات الخطبة لما عينت واحدة منهما عند العاقدين والشهود ارتفعت الجهالة وهو الشرط.** (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٥٠، كوئٹه ٣/٨٤-٨٥) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۳) **سببه (النكاح) تعلق البقاء المقدور به إلى وقته فإن الله تعالىٰ حكم ببقاء العالم إلى قيام الساعة وبالتناسل يكون هذا البقاء وهذا التناسل عادة لا يكون إلا بين الذكور والأناث ولا يحصل ذلك بينهما إلا بالوطء فجعل الشرع طريق ذلك الوطء النكاح.**

(المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٩٣) ←

دوسری صورت یہ کہ مرد عورت کے ساتھ مختص ہو، اور عورت مرد کے ساتھ یعنی ایک عورت ایک مرد کے پاس رہے۔ ۱۲

تیسری یہ کہ مرد تو عورت کے لئے مختص ہو، یعنی سوائے اس مرد کے دوسرے مرد کو صحبت حلال نہ ہو، لیکن عورت اس کے لئے منفرد مختص نہ ہو، بلکہ تعدد نسواں جائز ہو۔

چوتھی اس کا عکس یعنی عورت مرد کے لئے منفرد ہو، یعنی سوائے اس عورت کے دوسری سے صحبت حلال نہ ہو اور مرد منفرد نہ ہو بلکہ تعدد رجال جائز ہو۔

ان چاروں صورتوں میں پہلی اور چوتھی صورت تو بالکل خلافِ عقل ہے کیونکہ مرد میں بالطبع شہوت وغیرہ رکھی ہے اور درصورت تعدد رجال کے یقیناً ان میں تجادل وتقاتل کی نوبت پہونچے گی اور یہ امر مخل تمدن وعمارۃ عالم ہے، لہذا یہ دونوں صورتیں حرام ٹھہریں۔

دوسری صورت بالکل موافق عقل ہے کہ اس میں نہ عورتوں میں عناد وفساد کا احتمال نہ مردوں میں وہ جائز ٹھہری۔

تیسری صورت اگر چہ بظاہر خلاف عقل معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ وہ مفضی ہے طرف تنازع وتمانع عورتوں کے یہ بھی جائز نہ ہوتی؛ لیکن چونکہ عورتوں کو بوجہ ضعف قوت علمیہ وعملیہ مردوں کی برابر تمدن میں دخل نہیں؛ اس لئے ان کے بغضاء وشحناء کو مضر نہیں سمجھا گیا اور جتنا کچھ ضرر کا احتمال تھا اس کا تدارک وحدۃ قہریہ زوج کے ساتھ کیا گیا، اس کو قوام وحاکم بنایا کہ ان دونوں کو سلک اتفاق صوری میں منسلک رکھے (۱)؛

← الموسوعة الفقهية الكويتية ٤١/ ٢١٠۔

(۱) **الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ.** [سورة النساء: ٣٤]

وقال الجصاص في تفسير هذه الآية: قيامهم عليهن بالتأديب والتدبير والحفظ والصيانة لما فضل الله به الرجل على المرأة في العقل والرأي. (أحكام القرآن للجصاص، باب ما يجب على المرأة من طاعة زوجها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٣٦)

قال الرازي في تفسير الآية: ثم إنه تعالىٰ لما أثبت للرجال سلطنة على النساء ونفاذ أمر عليهن بين أن ذلك معلل بأمرين أحدهما قوله تعالىٰ: بما فضل الله بعضهم على بعض، واعلم أن فضل الرجال على النساء حاصل من وجوه كثيرة بعضها صفات حقيقية وبعضها ←

لہٰذا یہ صورت بھی جائز ٹھہری، پس مدار عدم جواز کا عدم اختصاصِ رجال اور مناط جواز کا اختصاص رجال ہوا، پس اختصاص رجال ایک امر مطلوب ومطمح نظر ٹھہرا اس اختصاص کی صورتیں عقلاً متنوع ومتعدد ہیں؛ لیکن بشہادت فطرت سلیمہ عادلہ اس سے بہتر کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی کہ مرد وزن سے بواسطہ یا بلاواسطہ اس اختصاس کا اقرار علی رؤس الاشہاد لیا جائے تاکہ دوسرے مردوں کی طمع اس عورت سے قطع ہوجائے اور نوبت جدال وقتال کی نہ پہونچے، اس صورت کا نام شرعاً عقد نکاح ہے(۱) اور چوں کہ یہ اختصاص بوجہ ترجیح اس مرد کے اور ابناء جنس پر ایک امر مہتم بالشان ہے اس کے اظہار اہتمام وایضاح اعتناء کے لئے قدرے مال مرد کے ذمہ واجب کیا گیا، جس کا صرف وبذل عرفاً دلیل اہتمام مبذول علیہ کی ہے تاکہ اختصاص کی ایک وجہ وجیہہ متعین ہوجائے اور بباعث ارغبیّۃ واحبیّۃ مال وتعذر انفاق اس کے دیگر ابناء نوع

← **أحكام شرعية أما الصفات الحقيقية فاعلم أن الفضائل الحقيقية يرجع حاصلها إلى أمرين: إلي العلم وإلى القدرة ولا شك أن عقول الرجال وعلومهم أكثر ولاشك أن قدرتهم على الأعمال الشاقة أكمل فلهٰذين السببين حصلت الفضيلة للرجال على النساء في العقل والحزم والقوة.** (التفسير الكبير للرازي ۱۰/ ۸۸)

(۱) **هو (النكاح) لغة الضم والجمع وشرعًا عقد مجموع إيجاب وقبول ولو حكما يرد على ملك المتعة أي حل استمتاع الرجل من المرأة قصدًا (إلى قوله) وشرط لصحة العقد المذكور سماع كل من العاقدين لفظ الآخر ...... وحضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين أي عاقلين بالغين.** (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ٤٦٧- ٤٧١- ٤٧٢)

هو (النكاح) عقد يرد على ملك المتعة قصدًا (إلى قوله) وينعقد بإيجاب وقبول (وقوله) وإنما يصح بلفظ النكاح والتزويج وما وضع لتمليك العين في الحال عند حرين أوحر و حرتين (كنز) وفي النهر: (قوله: على ملك المتعة) أي لملكها وهو اختصاص الزوج ببعضها أو سائر أعضائها استمتاعًا أو ملك الذات أو النفس في حق المتمتع كذا في البدائع. (النهر الفائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۷٤ تا ۱۸۱)

الأمر الذي يتميز به النكاح من السفاح التوطين على المعاونة الدائمة، وإن كان الأصل فيه قطع المنازعة فيها على أعين الناس. (حجة الله البالغة، من أبواب تد بير المنزل ذكر العورات، مبحث في صفة النكاح، مكتبه رشيدية دهلي ۲/ ۱۲۸)

اس اختصاص پر غبطہ نہ کریں اس کا نام مہر ہے پس یہ متممات اختصاص میں سے ہوا، اسی وجہ سے یہ رسم قبل بعثت رسول اللہ ﷺ کے بھی عرب میں شائع تھی اور شارع ؑ نے بھی اس کو برقرار رکھا و نیز فائدہ نکاح کا کہ معاشرت و معاونت ہے تام نہیں ہوتا، جب تک کہ ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے توطین نفس حاصل نہ ہو اور یہ اطمینان نہ ہو کہ یہ مجھ سے جدا نہ ہوگا پس مرد کی دلجمعی تو اس طور سے کی گئی کہ عورت کے ہاتھ سے اختیار فراق کا سلب کر لیا گیا، اب عورت کی توطین کی یہ صورت تو نہیں ہوسکتی کہ مرد کو بھی مجاز و مختار فراق کا نہ بنایا جائے، کیونکہ اس صورت میں عورت کا اسیر ہو جائے گا اور یہ منافی اس کی قوامیت کے ہے، پس مناسب ہوا کہ اس کے ذمہ کچھ مال واجب کیا جائے کہ عادۃ وقت فراق کے اس کا مطالبہ شدت سے ہوتا ہے پس ہر وقت مرد کو اندیشہ رہے گا کہ اگر میں اس کو چھوڑ دوں گا تو اپنے حق کا سخت تقاضا کرے گی اور اس خیال سے بدون کسی ضرورت شدیدہ کے فراق پر اقدام و جرأت نہ کرے گا۔

یہ صورت توطین عورت کی ہے پس یہ دوسری مصلحت ہوگی مشروعیہ مہر کی و نیز منکوحہ جو لخت جگر و پارۂ دل اپنے اولیاء کی ہے اس کا مفت سفت مالک ہونا موجب زیادت حزن ان کے کا ہے پس قدرے مال کہ بالطبع محبوب و مرغوب ہے اس کے عوض میں مرد کے ذمہ واجب ٹھہرایا گیا کہ موجب شکیبائی اولیاء کا ہو کہ ایک محبوب اب ہمارا گیا ایک محبوب اس کا گیا، یہ تیسری مصلحت ہوئی مشروعیہ مہر کی، و نیز مجاناً تملک میں ابتذال وارتذال بضع کا ہے جو منافی تکرم بنی آدم ہے، لہٰذا اظہار الشرف المحل مال واجب کیا گیا کہ اس کی قدر و خطر ظاہر ہو یہ چوتھی مصلحت ہے مشروعیۃ مہر کی، و نیز توافقِ زوجین کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی مراعات و مدارات کیا کرے اور طبعاً رعایت محسن کی بہت ملحوظ ہوتی ہے، سو محسنیت مرد کی تو بوجہ تحمل نفقہ و کسوت اس کی ممکن ہے لیکن محسنیت عورت کی بسبب عاجز و اسیر ہونے کے غیر متصور، لہذا امرد پر مال واجب کیا گیا کہ اگر عورت محسن بننا چاہے تو اپنا حق یا اس سے مؤخر کردے یا کلاً یا بعضاً معاف کردے اور یہ احسان جالب رعایت مرد کا ہو یہ پانچویں مصلحت ہوئی مشروعیۃ مہر میں (۱)

---

(۱) إن النكاح لا تتم فائدته إلا بأن يوطن كل واحد نفسه على المعاونة الدائمة ويتحقق ذلک من جانب المرأة بزوال أمرها من يدها ولا جائز أن يشرع زوال أمر أيضًا من يده وإلا انسد باب الطلاق، وكان أسيرا في يدها كما أنها عانية بيده وكان الأصل أن يكونوا قوامين على النساء ولا جائز أن يجعل أمرهما إلى القضاة فإن مرافعة القضية إليهم فيها حرج وهم لا يعرفون ما يعرف هو من خاصة أمره فتعين أن يكون بين عينيه خسارة مال ←

جب معلوم ہوچکی وجہ ضرورت عقد نکاح ومہر کی، اب سننا چاہئے کہ اپنی مملوکہ سے عقد مہر کی ضرورت کیوں نہیں صرف مالک ہوجانا کافی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تو معلوم ہوچکا کہ ضرورت عقد اور اس کے متمم یعنی مہر کی بنا بر اختصاص مذکورہ کے ہے پس جس جگہ یہ اختصاص مقصود ہوگا خواہ حرّہ سے یا کسی کی کنیز سے وہاں عقد بھی ضروری ہوگا جہاں یہ اختصاص مقصود نہ ہوگا عقد کی بھی ضرورت نہ ہوگی اور کنیز کے مالک ہونے سے مثل دیگر اموالِ تجارت کے مقصود صرف ملک رقبہ ہے۔

← **إن أراد فكّ النظم لئلا يجتري على ذلک إلا عند حاجة لا يجد منها بدا فكان هذا نوعا من التوطين، وأيضًا فلا يظهر الإهتمام بالنكاح إلا بمال يكون عوض البضع فإن الناس لما تشاحّوا بالأموال شحّا لم يتشاحّوا به في غيرها كان الإهتمام لا يتم إلا ببذلها، وبالاهتمام تقرّ أعين الأولياء حين يتملک هو فلذة أكبادهم وبه يتحقق التمييز بين النكاح والسفاح وهوقوله تعالىٰ: أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ؛ فلذلک أبقىٰ النبي صلى الله عليه وسلم وجوب المهر كما كان.** (حجة الله البالغة، من أبواب تدبير المنزل، ذكر العورات، مبحث في صفة النكاح، مكتبه رشيدية دهلي ۲/۱۲۸-۱۲۹، مكتبه حجاز ديوبند ۲/۳۳٦-۳۳۷)

لأن ملک النكاح لم يشرع لعينه بل لمقاصد لا حصول لها إلا بالدوام على النكاح والقرار عليه ولا يدوم إلا بوجوب المهر بنفس العقدلما يجرى بين الزوجين من الأسباب التي تحمل الزوج على الطلاق من الوحشة والخشونة لم يجب المهر بنفس العقد لايبالي الزوج عن إزالة هذا الملک بأدنىٰ خشونة تحدث بينهما لأنه لايشق عليه ازالته لما لم يخف لزوم المهر فلا تحصل المقاصد المطلوبة من النكاح؛ ولأن مصالح النكاح ومقاصده لاتحصل إلا بالموافقة ولا تحصل الموافقة إلا إذا كانت المرأة عزيزة مكرمة عند الزوج ولا عزة إلا بانسداد طريق الوصول إليها إلا بمال له خطر عنده لأن ما ضاق طريق إصابته بعز في الأعين فيعزبه إمساكه وما تيسر طريق إصابته يهون في الأعين فيهون إمساكه ومتى هانت في أعين الزوج تلحقها الوحشة فلا تقع الموافقة فلا تحصل مقاصد النكاح؛ ولأن الملک ثابت في جانبها إما في نفسها وإما في المتعة وأحكام الملک في الحرة تشعر بالذل والهوان فلا بد وأن يقابله مال له خطر لينجبر الذل من حيث المعنى. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، من شروط صحته المهر، فصل: ومنها المهر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵٦۰-۵٦۱، كراچي ۲/۲۷۵)

الموسوعة القهية الكويتية ۳۹/۱۵۲-۱۵۳۔

یہ اختصاص جو موضوع الملک المتعہ ہے مقصود نہیں (۱) ورنہ چاہئے تھا کہ جس جگہ یہ مقصود حاصل نہ ہوتا تملک ہی جائز نہ ہو، جیسا کہ منکوحہ میں، چونکہ اختصاص ملک متعہ مقصود ہے اس لئے جو عورت محل حل وطی کا نہ ہو، جیسے محارم ومعتدۃ الغیر وذوات الزوج وغیرہ، اس عورت سے نکاح ہی صحیح نہیں۔ (۲)

لأن الشيء إذا خلا من مقصود. ه انتفى

حالانکہ باوجود عدم حل وطی کے بھی تملک جائز ہے جیسے رضاعی بہن کو یا مشرکہ یا مجوسیہ کو یا غلام کو خریدنا کہ شرعاً محل حل وطی کے نہیں (۳)، جب باوجود حرمت وطی کے بھی تملک جائز ہے تو معلوم ہوا کہ مقصود اس سے اختصاص مذکور نہیں، نیز اگر اختصاص مقصود ہوتا تو مملوکہ کا چند مالکوں میں مشترک ہونا جائز نہ ہوتا جیسا کہ منکوحہ واحدہ کا ناکحین متعدّدین کے نکاح میں آنا بوجہ مذکورہ بالا جائز نہیں؛ حالانکہ شرکت اس کی ملک میں جائز ہے۔ (۴)

---

(۱) **هو (النكاح) عقد يرد على تملك المتعة قصدًا احترز بقوله قصدًا عن عقد تملك به المتعة ضمنًا كالبيع والهبة ونحوهما لأن المقصود فيها ملك الرقبة ويدخل ملك المتعة فيها ضمنا إذا لم يوجد ما يمنعه.** (تبيين الحقائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۴۴-۴۴۵، امدادية ملتان ۲/۹۴-۹۵)

(۲) **عرفنا في شروط الزواج أنه يشترط ألا تكون المرأة محرمة على الرجل الذي يريد الزواج بها بأن تكون محلاً لورود العقد عليها.** (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، الباب الأول، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، مكتبه اشرفية ديوبند ۸/۱۳۴)

الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث، الهدى انٹرنیشنل ديوبند ۷/۱۳۴

(۳) **ألا ترىٰ أن من ملك جارية وهي أخته من الرضاعة وبينهما مصاهرة فإنه يملكها ومع ذلك لا يحل له الاستمتاع بها.** (الجوهرة النيرة، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتاب ديوبند ۱/۲۴۲)

المبسوط للسرخسي، كتاب الصرف، باب البيع بالفلوس، دارالكتب العلمية بيروت ۱۴/۳۲

(۴) **وليس له أن يشتري جارية للوطء أو للخدمة بغير إذن الشريك لأن الجارية مما يصح فيه الاشتراك (وقوله) فإن اشترى ليس له أن يطأها ولا لشريكه لأنها دخلت في الشركة فكانت بينهما فهذه جارية مشتركة بين اثنين فلا يكون لأحدهما أن يطأها.** (بدائع الصنائع، كتاب الشركة، اما حكم الشركة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۱۰۰، كراچي ۶/۷۴) ←

ونیز اگر اختصاص مقصود ہوتا تو چاہئے تھا کہ اپنی مملوکہ کا درصورت بقا ملک کے کسی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہ ہو، جیسا کہ اپنی منکوحہ کا درصورت بقاء نکاح کے کسی سے نکاح جائز نہیں کہ منافی اختصاص ہے حالانکہ اپنی مملوکہ کا نکاح دوسرے شخص سے جائز ہے(۱)، پس جب معلوم ہوا کہ اس سے وہ اختصاص مقصود نہیں، لہذا نہ عقد کی ضرورت نہ اس کے متمم یعنی مہر کی حاجت اگر کسی جگہ مملوکہ سے وطی حلال ہے تو تبعًا لملک الرقبہ حلال ہے خواہ وہ ملک رقبہ بالمال ہو مثل بیع کے یا بلا مال ہو مثل ارث وہبہ کے کیونکہ اضعف اقویٰ کے تابع ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو اور تفصیل اس کے موانع کی کتب فقہ میں مع الدلیل مذکور ہے(۲) بعد سننے اس تقریر کے غالب ہے کہ ناظرین نے تینوں سوالوں کا جواب سمجھ لیا ہوگا مگر بقدر ضرورت ہم بھی اس تقریر کو ان سوالوں پر مطابق کر دیں، پس سمجھنا چاہئے کہ سوال اول سے اگر یہ غرض ہے کہ جب اپنی کنیز کیساتھ صرف زرخرید ہونے سے مباشرت جائز ہے پھر اس سے عقد نکاح کی کیا حاجت ہے تو ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ اپنی کنیز سے خواہ وہ زرخرید ہو یا مجاناً اس کی ملک میں آگئی ہو بوجہ نہ مقصود ہونے اختصاص مذکور کے عقد کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ اگر کہیں تملک میں شبہ ہو تو احتیاطاً بوجہ شبہ مقصودیت اختصاص کے نکاح کرنا اولیٰ ہے۔

← **وتملک المنفعة في شراء الأمة ضمني وإن قصده التسري والمقصود إنما هو ملک الرقبة ومن ثم صح شراء المشتركة ونحوها دون نكاحها.** (النهر الفائق، کتاب النکاح، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۷۴)

(۱) **یجوز للرقیق ذکرا کان أو أنثیٰ أن یتزوج ولا یکون ذلک إلا بإذن السید إجماعا لأن رقیقه ماله وقدحث الله تبارک وتعالیٰ السادة علی تزویج الممالیک لما فیه من الصیانة والإعفاف فقال الله تعالیٰ وأنکحوا الأیامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وإماء کم إن یکونوا فقراء یغنهم الله من فضله والله واسع علیم قال القرطبي: الصلاح هنا الإیمان والأمر في الآیة للترغیب والاستحباب.** (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۳/۴۹)

(۲) **یحل للرجل الحر أن یستمتع بجاریته بالوطء أو بمقدماته بشرط أن تکون مملوکة له ملکا کاملا وهي التي لیس له فیها شریک ولا لأحد فیها شرط أو خیار وبشرط أن لا یکون فیها مانع یقتضی تحریمها علیه کأن تکون أخته من الرضاعة أو بنت زوجته أوموطوء ة فرعه أو أصله أو تکون مزوجة أو مشرکة.** (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۳/۴۷)

في الـدرالـمـختـار: وحرم نكاح المولى أمته والعبد سيدته لأن المملوكية تنا في المالكية نعم لو فعله المولىٰ احتياطاً كان حسنا اھ.(۱)

اوراگر یہ غرض ہے کہ غیر کی کنیز کے ساتھ عقد کی کیا حاجت ہے یا یہ غرض ہے کہ جیسے کنیز کا تملک حل وطی کے لئے کافی ہے، علیٰ ہذا القیاس منکوحہ کومہر دیدینا کافی ہو حاجت نکاح کی نہ ہو۔تو ان دونوں سے عقد ضروری ہونے کی وجہ وہی مقصودیت اختصاص ہے، یہ جواب ہوا پہلے سوال کا، دوسرا سوال تعین مہر کا ہے، اس کی پانچ وجوہ اوپر مذکور ہوچکیں۔تیسرا سوال بھی مثل اول کے مجمل ہے اگراس سے غرض فرق پوچھنا ہے ان دونوں کے معنی میں تو وہ فرق ظاہر ہے کہ منکوحہ مملوکہ بملک متعہ ہوتی ہے اور امۃ مملوکہ بملک رقبہ اور اگر غرض دریافت کرنا اس فرق کا ہے کہ کنیز تو خریدنے سے حلال ہوجاتی ہے اور منکوحہ سوق مہر سے بدون عقد کے حلال نہیں ہوتی، تو بناء اس فرق کی وہی مقصود ہونا ملک متعہ کا منکوحہ میں اور مقصود ہونا ملک رقبہ کا نہ ملک متعہ کا امۃ میں ہے جس کو ہم تین دلیلوں سے اوپر ثابت کرچکے ہیں اور اگر ان سوالات سے کچھ اور مقصود ہے تو بیان لازم ہے کہ اس کا جواب بھی انشاء اللہ تعالیٰ دیا جائے۔

هذا ما ألقي في القريحة والله اعلم بحقيقة اسرار الشريعه. ۱۳۰۴ھ (امداد،ص:۱۳۰،ج:۲)

عورت بلوغ کا دعویٰ کرے تو اس کے مقبول ہونے کے شرائط

(۲) **سوال** (۱۰۵۴): قدیم ۲/ ۱۹۵- زن ہیژدہ سالہ منکوحہ بولایت غیراب وجد فی الصغر

---

(۱) الـدر الـمـختـار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مطلب مهم في وطء السراري، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٢٣-١٢٤، كراچي ٣/ ٤٣-٤٤

الـدر المنتقى مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٤٨٦۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) **خلاصہ ترجمۂ سوال:** اٹھارہ سالہ عورت جس کا نکاح باپ اور دادا کے علاوہ نے بچپن میں کیا تھا، جولزوم نکاح کی منکر ہے، اس کا کہنا ہے کہ مجھ کو پہلی مرتبہ حیض آیا ہے، تو اس کی بات معتبر ہوگی یا نہیں؟ جبکہ گھر اور محلّہ کی عورتیں گواہی دیتی ہیں کہ اس کو کئی سال سے حیض آرہا ہے، اس کے سینے اور جسم سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی سال سے بالغہ ہے، یا کوئی چھوٹی لڑکی جس کے ران میں زخم ہو کہے کہ مجھے حیض آرہا ہے اور خون آلود کپڑا دیکھ کر بلاتحقیق کے مرد گواہ گواہی دیں یا خود وہ عورت کہے کہ مجھ کو ماہواری آتی ہے؛ جبکہ خون اور کپڑا کسی نے نہیں دیکھا، اس عورت کی بات مان لیتے ہیں؟

منکر لزوم نکاح می گوید کہ مارا حالا حیض اوّل آمدہ اعتبار کردہ شود یا نہ، وعورت خانہ ومحلّہ گواہی دہند کہ حیض اورا از چند سال می آید وسینہ وجسدش في البدیہہ می نماید کہ از چند سال بالغہ است یا زنے صغیر برران زخم زدہ می گوید کہ مارا دم حیض است و پارچہ خون آلودہ مردم شاہد پارچہ دیدہ تحقیق نہ کردہ گواہی دادند یا خود آں زن گفت کہ مارا حیض می آید وخون و پارچہ کسے ندید گفتہ ایں زن بدفن قبول کردند؟

(۱) **الجواب**: **في الدرالمختار، كتاب الحجر: فإن راهقا فقالا بلغنا صدقا إن لم يكذبهما الظاهر. (۲) وفي الدرالمختار باب العدة قالت مضت عدتي والمدة تحتمله وكذبها الزوج قبل قولها مع حلفها (۳) وفيه قبيل فصل الحداد: كذبته في مدة تحتمله لم تسقط نفقتها وله نكاح اختها عملا بخبريهما بقدر الامكان، وفي رد المحتار: يعمل بخبريهما بقدر الامكان بخبره فيما هو حقه وحق الشرع وبخبرها في حقها. اه (۴)**

وفي الدرالمختار: باب الشهادة للولادة (إلىٰ قوله) وعيوب النساء فيما لا يطلع عليه الرجال امرأة الخ (۵) وفيه باب الولي: زوجها أبوها فقالت أنا بالغة والنكاح لم يصح

---

(۱) **ترجمۂ جواب**: مذکورہ تمام عربی عبارتوں سے واضح ہوا کہ بلوغ کے سلسلے میں عورت کا قول معتبر ہے؛ جبکہ اس کے سچے ہونے کا احتمال ہو اور اختلاف کی صورت میں اس کو قسم دی جائے گی، تاہم اگر اس کے جھوٹ پر شرعی گواہ قائم ہوجائیں تو گواہوں کا قول معتبر ہوگا اور گواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں؛ اس لئے کہ حیض کے خون پر اطلاع جس طرح عورتوں کو ہوسکتی ہے مردوں کو بھی ہوسکتی ہے، اور امام اعظم کا قول اکثر مدت بلوغ کے سلسلے میں اٹھارہ سال ہے؛ لہٰذا ان روایات کی بنا پر اس اٹھارہ سالہ اور چھوٹی لڑکی کی تصدیق کی جائے گی، بشرطیکہ وہ نو سال سے کم نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(۲) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الحجر، فصل: بلوغ الغلام بالاحتلام، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۲۱۵، كراچي ۶/۱۵۴۔

(۳) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في وطء المعتدة بشبهة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۲۰۷، كراچي ۳/۵۲۳۔

(۴) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، قبيل فصل في الحداد، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۲۱۵-۲۱۶، كراچي ۳/۵۲۹-۵۳۰۔

(۵) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الشهادات، مكتبه زكريا ديوبند ۸/۱۷۷، كراچي ۵/۴۶۴-۴۶۵۔

وقال الأب أو الزوج: بل هي صغيرة، فإن القول لها إن ثبت أن سنها تسع وكذا لوادعى المراهق بلوغه ولو برهنا فبينة البلوغ، أولى. وفي رد المحتار: و استشكل بعض المحشين تصور البرهان على البلوغ قلت: وهو ممكن بالحبل أوالإحبال أوسن البلوغ أورؤية الدم أو المني كما في الشهادة على الزنا. وفي رد المحتار بعد قول الدر هذا: قالت عند القاضي أو الشهود أدركت الاٰن وفسخت فإنه يصح كما يأتي بيانه. (۱)

از مجموعہ روایات بوضوح پیوست کہ در بلوغ قول زن معتبر است ہرگاہ صدقش محتمل باشد (۲) ووقت اختلاف اورا حلف دادہ شود (۳) البتہ اگر بینہ شرعیہ بر کذبش قائم شود قول بینہ معتبر باشد وبینہ دومرد یا یک مرد ودوزن باشد زیرا کہ اطلاع بردم حیض بر طریقے کہ زنان راممکن است مردان رانیز ممکن (۴) وقول امام صاحب درا کثر بلوغ ہیژدہ سال است پس بناء علیٰ ہذہ الروایات ایں ہیژدہ سالہ وخرد سالہ تصدیق کردہ شود (*) ، بشرطیکہ کم از نہ سال نباشد۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹؍جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد، ج:۲،ص:۲۰)

(*) لڑکی کے بلوغ سے متعلق امام صاحبؒ سے ایک روایت سترہ برس کی ہے اور دوسری پندرہ کی ’’**وهو قولهما وعليه الفتوى**‘‘ لہٰذا اٹھارہ سالہ لڑکی کو اختیار بلوغ نہ ہوگا۔۱۲ارشید احمد عفی عنہ

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند٤/١٦٩، كراچي٣/٦٥۔

(۲) **وإذا راهقا أي قربا بالبلوغ وقالا: قد بلغنا صدقا في دعواهما إن لم يكذبهما الظاهر.** (مجمع الأنهر، كتاب الحجر، فصل: دارالكتب العلمية بيروت ٤/٦١)

(۳) **وإذا قالت المعتدة انقضت عدتي، وكذبها الزوج كان القول قولها مع اليمين.**
(هداية، كتاب الطلاق، باب العدة، مكتبه اشرفية ديوبند٢/٤٢٦)
النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب العدة، مكتبه زكريا ديوبند٢/٤٨٤۔

(۴) **ولوكان في مدة تحتمله فكذبته لم تسقط نفقتها وله أن يتزوج بأختها لأنه أمر ديني يقبل قوله فيه فالحاصل أنه يعمل بخبريهما بقدر الإمكان بخبره فيما هو حقه وحق الشرع وبخبرها في حقها من وجوب النفقة والسكنى.** (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٢٤٨، كوئٹه ٤/١٤٧) ←

عورت کے بالغ ہونے کی علامات اور اس کے احکام میں تفصیل

سوال (۱۰۵۵): قدیم ۲/ ۱۹۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ اللہ بندی ایک لڑکی بعمر نو سال ہے، والدین مسماۃ مذکور کے فوت ہو گئے ہیں، باپ کو مرے ہوئے تین برس اور والدہ کو مرے ہوئے آٹھ مہینے ہوئے، مسماۃ مذکورہ کے دو پھوپھی کے بیٹے غلام محمد و الٰہی بخش صحیح وسالم اور نانا کے تایازاد بھائی کے چار بیٹے رحیم بخش، کلّو، قدرا، رولھا، اور تین بیٹیاں عیدو، سوندھی، شبو اور ماں کی ایک خالہ زاد بہن اللہ دی اور ایک خالہ زاد بھائی نانو موجود ہیں، اس وقت مسماۃ اللہ بندی زیر حفاظت و پرورش رشتہ داران مادری یعنی نانا کے تایازاد بھائی کے اولاد کے ہے، اب مسماۃ مذکورہ کا حق ولایت نکاح کس فریق کو حاصل ہے اور اگر ولایۃً نکاح کیا جاوے تو حق رخصت کرانے کا شوہر کو فوراً حاصل ہو جائیگا یا منکوحہ کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جاوے گا اور اگر منجانب شوہر مہر ادا کیا جاوے تو وہ مہر کسے دیا جاوے گا اور لڑکی کس کی حفاظت میں رہے گی اور حد بلوغ عورت کیا ہے اور باپ یا ماں نابالغہ کی واسطے نکاح اپنی دختر کے کسی کو وصیۃً ولی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ وصیت کہاں تک نافذ ہوگی اور میعاد حضانت کیا اور کس کو حق حضانت حاصل ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: صورتِ مذکورہ میں حق ولایت نکاح دونوں رشتہ داروں پھوپھی کی اولاد غلام محمد و الٰہی بخش کو ہے۔

ثم لذوي الأرحام العمات، ثم الأخوال، ثم الخالات، ثم بنات الأعمام، وبهذا الترتيب أولادهم – شمني – درمختار قوله وبهذا الترتيب أولادهم فيقدم أولاد العمات، ثم أولاد الاخوال، ثم أولاد الخالات، ثم أولاد بنات الاعمام. طحطاوی جلد أول، ص: ۳۹ (۱)

← **وتقبل في الولادة والبكارة والعيوب بالنساء في موضع لا يطلع عليه الرجال شهادة امرأة واحدة لقوله عليه الصلاة والسلام "شهادة النساء جائزة فيما لا يستطيع الرجال النظر إليه"** (هداية، كتاب الشهادة، مكتبه اشرفية ديوبند ۳/ ۱۵۵) ***شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ***

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مطلب لايصح تولية الصغير شيخًا، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۱۹۶، کراچی ۳/ ۷۹۔

طحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، کوئٹہ ۲/ ۳۹۔

اور حق حضانت اس لڑکی کی ماں کی خالہ زاد بہن اللہ دی کو ہے، کیونکہ یہ ماں کی طرف کی رشتہ دار قریب ہے۔

والأصل في ذلك أن هذه الولاية تستفاد من قبل الأمهات فكانت جهة الأم مقدمة على جهة الأب؛ كذا في الاختيار شرح المختار عالمگیری ۲/۵۷۷ . (۱)

اور مسمیٰ نانو اور نانا کے تایازاد بھائی کی اولاد رحیم بخش، کلو، قدرا' رولھا، عیدو، سوندھی، شبو کو نہ حق ولایت نکاح ہے نہ حق حضانت ہے اور اس صورت میں میعاد حضانت دختر کی اس کے قابل شہوت (یعنی ایسی عمر تک کہ اس کو دیکھ کر مرد کو اسکی طرف میلان قلب ہونے لگے) ہونے تک ہے۔

ومن سوى الأم والجدة أحق بالجارية حتى تبلغ حدًا تشتهي. الهداية، جلد أول، ص: ۴۱۵. (۲)

پھر جو اس کا ولی نکاح ہو اس کی حفاظت میں رہے۔

وإن كانت البالغة بكراً فللأولياء حق الضم وإن كان لا يخاف عليها الفساد إذا كانت حديثة السن عالمگیری، جلد ثاني، ص: ۵۸۸. (۳)

اور اگر اس کا نکاح کیا جاوے تو وہ لڑکی اگر بسبب قوت وجسامت کے قابل شوہر کے پاس رہنے کو ہو شوہر کو فوراً رخصت کرا لینے کا اختیار ہوگا اور اگر اس قابل نہیں تو انتظار بلوغ کا کیا جاوے گا۔

المرأة إن كانت صغيرة مثلها لا يوطأ ولا يصلح للجماع فلا نفقة لها عندنا حتى تصير إلى الحالة التي تطيق الجماع سواء كانت في بيت الزوج أو في بيت الأب، هكذا في المحيط عالمگیری، ج: ۲، ص: ۵۶۰. (۴)

---

(۱) هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس عشر في الحضانة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۵۴۱، جديد ۱/۵۹۲۔

(۲) هداية، كتاب الطلاق، باب حضانة الولد ومن أحق به، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۳۵۔

(۳) هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس عشر في الحضانة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۵۴۲، جديد ۱/۵۹۳۔

(۴) هندية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۴۵، جديد ۱/۵۹۵۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب صغر میں باوجود شوہر کے گھر میں آجانے کے اس پر نفقہ واجب نہیں ہوتا تو شوہر کو اس کے حبس کا اختیار بھی نہ ہوگا اور اگر منجانب شوہر مہر ادا کیا جاوے تو اگر لڑکی اس وقت بالغہ ہو تو خود قبضہ کرے اور جو نابالغ ہو تو جو ولی نکاح کا ہے وہی اس کا قبضہ کرے۔

امرأة زوجت بنتها وهي صغيرة وقبضت صداقها ثم أدركت فإن كانت الأم وصيتها فلها أن تطالب أمها بالصداق دون زوجها وإن لم تكن الأم وصيتها لها أن تطالب زوجها والزوج يرجع على الأم وكذا في غير الأب والجد من الأولياء. ۱۲ والوصي يملك ذلك على الصغيرة وفي البنت البالغة حق القبض لها دون غيرها؛ عالمگیری جلد ثاني، ص: ۳۳۱. (۱)

پھر جب وہ بالغ ہوجاوے ولی اس کا مہر اس کے حوالے کرے اور بلوغ دختر کی کوئی مدت معین نہیں مگر نو برس سے پہلے بالغ نہیں ہوسکتی، اور پندرہ برس سے پیچھے نابالغ نہیں رہ سکتی، اور علامت اس کے بلوغ کی حیض وغیرہ ہے، اگر کچھ علامت ظاہر نہ ہو تو بعد سترہ برس کے کہ وہ اپنے کاروبار میں ہوشیار ہوجائے حکم بلوغ کا دیا جائے گا اور اس کا مہر اس کے حوالہ کیا جاوے گا۔

وإن حاضت الجارية أو احتلم الغلام أو تأخر فاستكمل الغلام تسع عشر سنة والجارية سبع عشر سنة وأونس منهما الرشد واختبرا بالحفظ لأموالهما والصلاح في دينهما دفعت إليهما أموالهما، عالمگیری جلد ثانی، ص: ۳۱۳ (۲)

اور باپ یا ماں نابالغہ کے واسطے نکاح اپنی دختر کے کسی کو وصی نہیں کر سکتے۔

الوصي لا ولاية له في إنكاح الصغير والصغيرة سواء اوصى اليه الاب أولم يوص إلا إذا كان الوصي وليهما فحينئذٍ يملك الإنكاح بحكم الولاية لا بحكم الوصاية كذا في المحيط؛ عالمگیری جلد ثانی، ص: ۲۹۲. (۳) واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۸؍ ذیقعدہ ۱۳۰۰ھ (امداد، ص:۱، ج:۲)

---

(۱) هندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الحادي عشر، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۳۱۹، جديد ۱/۳۸۵

(۲) هندية، كتاب الحجر، الباب الثاني، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۵/۶۱، جديد ۵/۷۳

(۳) هندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۲۸۴، جديد ۱/۳۵۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۱۰۵۶): قدیم ۲/ ۱۹۸- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ حد لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم کیا ہے اور زیادہ سے زیادہ کیا ہے، اور حنفیوں کا معمول بہ اور مفتیٰ بہ قول کیا ہے اور حساب عمر کا کس سن سے لگایا جاوے آیا شمسی سے یا قمری سے؟

الجواب: **في الدرالمختار: فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى لقصر أعمار أهل زماننا وأدنى مدته له اثنا عشرة سنة ولها تسع سنين. وهو المختار وفي رد المحتار قوله: لقصر أعمار أهل زماننا ولابن عمرؓ عرض على النبى ﷺ يوم أحد وسنهٗ أربعة عشر فرده، ثم يوم الخندق وسنه خمسة عشر فقبله. الخ جلد:۵، ص:۱۴۸ (۱)**

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالإحتلام، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۲۶ - ۲۲۷، كراچي ۵/ ۱۵۳ - ۱۵۴۔

عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم عرضه يوم أحد وهو ابن عشرة فلم يجزه وعرضه يوم الخندق وهو ابن خمسة عشر فأجازه. (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۸، رقم: ۳۹۵۰، ف: ۴۰۹۷)

صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب بيان سن البلوغ، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۱، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۸۶۸۔

فإن لم يوجد شيء من ذلك فإذا تم له ثماني عشرة سنة ولها سبع عشرة سنة وعندهما إذا تم خمس عشرة سنة فيهما وهو رواية عن الإمام وبه يفتى، وأدنى مدته له إثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين. (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الحجر، الفصل الأول، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۶۰ - ۶۱)

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسفؒ ومحمدؒ وهو رواية عن أبي حنيفة رحمة الله تعالىٰ وعليه الفتوىٰ ...... وأدنى مدة البلوغ بالاحتلام ونحوه في حق الغلام اثنتا عشرة سنة وفي الجارية تسع سنين. (الفتاوى الهندية، كتاب الحجر، الباب الثاني، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۵/ ۶۱، جديد ۵/ ۷۳)

وفي رد المحتار: باب العنين وجهه أن الثابت عن الصحابة كعمرؓ وغيره اسم السنة وأهل الشرع إنما يتعارفون الأشهر والسنين بالأهلة فإذا اطلقوا السنة (مثلا في الحديث السابق وسنۃ خمس عشرة فقبله. ١٢ لكاتبه) انصرفوا إلىٰ ذلک ما لم يصرحوا بخلافه. فتح، ج:٢،ص: ٩٧٩) (١)

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) ادنیٰ مدت بلوغ دختر کی ۹ سال ہے یعنی جبکہ علامات بلوغ کی پائی جاویں،

(۲) زیادہ سے زیادہ مدّت بلوغ کی پندرہ سال ہے یعنی جب علامات بلوغ کی نہ پائی جاویں۔

(۳) فتویٰ اسی پندرہ سال کے قول پر ہے،

(۴) اس میں سنہ قمری معتبر ہے۔

۱۹/ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۱۶۶)

سوال (۱۰۵۷): قدیم ۲/ ۱۹۹- خروج وصعود ثدیین علامت بلوغ ہے یا نہیں؟ یعنی اگر خروج ثدیین قبل حیض ہو جاوے اور غالب یوں ہی ہوتا ہے، تو وہ بالغہ قرار دی جاوے گی یا نہیں؟ اگر بالغہ نہ ہوگی تو بعد جماع اس پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: یہ علامت بلوغ کی نہیں، ہاں مراہقہ کی دلیل ہے، جماع سے اسپر غسل فرض نہیں؛ البتہ تعلیماً واعتیاداً وتادیباً اس پر تاکید غسل کی کی جاوے گی۔

في الدر المختار: والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء منهما فحتى يتم لكل منهما خمسة عشر سنة به يفتى. (٢)

---

(١) شامي، كتاب الطلاق، باب العنين، مطلب في طبائع فصول السنة الأربعة، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ١٧٠، كراچي ٣/ ٤٩٧

فتح القدير، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢١٠، كوئٹه ٤/ ١٢٤ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(٢) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحجر، فصل: بلوغ الغلام بالإحتلام، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٢٢٦، كراچي ٦/ ١٥٣

يحكم ببلوغ الغلام بالاحتلام أو الإنزال أو الإحبال وببلوغ الجارية بالحيض أوالاحتلام أو الحبل، فإن لم يوجد شيء من ذلک فإذا تم له ثماني عشرة سنة ولها ←

وأيضا فيه لو كانا مكلفين ولوأحدهما مكلفا فعليه، فقط دون المراهق؛ لكن يمنع عن الصلوة حتى يغتسل ويؤمر به ابن عشر تاديبًا. (۱) فقط

۳/ ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ (امداد، ص:۲، ج:۱)

← **سبع عشرة سنة وعندهما إذا تم خمس عشرة سنة فيهما وهو رواية عن الإمام وبه يفتى.** (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الحجر، الفصل الأول، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٦٠-٦١)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال وإلا فحتى يتم ثماني عشر سنة والجارية بالحيض والاحتلام والحبل وإلا فحتى يتم سبع عشر سنة ويفتى بالبلوغ فيهما بخمس عشر سنة. (كنز الدقائق، كتاب الحجر، فصل في حد البلوغ، مطبع مجتبائي دهلي ص: ٣٩٠)

هندية، كتاب الحجر، الباب الثاني، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٥/ ٦١، جديد ٥/ ٧٣۔

البناية شرح الهداية، كتاب الحجر، فصل في حد البلوغ، مكتبه اشرفية ديوبند ١١/ ١٠٩-١١٠۔

(١) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب في تحرير الصاع والمد، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٩٩، كراچي ١/ ١٦٢۔

والبالغة يوجب عليها توا ري حشفة المراهق الغسل (مراقي الفلاح) وفي حاشية الطحطاوي: أي لا عليه لكنه يمنع من الصلاة حتى يغتسل كما يمنع عن الصلاة محدثا حتى يتوضأ كما في الخلاصة عن الأصل. وفي الخانية: يؤمر به ابن عشر اعتيادًا وتخلقا كما يؤمر بالطهارة والصلاة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل ما يوجب الإغتسال، دارالكتاب ديوبند ص: ٩٨)

غلام ابن عشر سنين جامع امرأته البالغة، فعليها الغسل لوجود السبب في حقها وهو تواري الحشفة بعد توجه الخطاب ولا غسل على الغلام لعدم الخطاب إلا أنه يؤمر بالغسل تخلقا واعتيادًا كما يؤمر بالصلاة تخلقًا واعتيادًا، ولوكان الرجل بالغًا والمرأة صغيرة يجامع مثلها فعلى الرجل الغسل ولا غسل عليها لوجود السبب في حقه وانعدام السبب في حقها. (المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الثالث في الغسل، المجلس العلمي ١/ ٢٢٧، رقم: ٢٧٤-٢٧٥)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثالث في الغسل، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٨٠، رقم: ٣٩٥-٣٩٦۔

سوال (۱۰۵۸): قدیم ۲/ ۱۹۹- حد بلوغ عورت کیا ہے؟

الجواب: بلوغ دختر کی کوئی مدت معین نہیں، مگر نو برس سے پہلے بالغ نہیں ہوسکتی اور علامت اس کے بلوغ کی حیض وغیرہ ہے، اگر کچھ علامت ظاہر نہ ہوتو بعد سترہ برس (*) کے کہ وہ اپنے کاروبار میں ہوشیار ہو جاوے حکم بلوغ کا دیا جاوے گا اور اس کا مہر حوالہ کیا جائے گا۔

وإن حاضت الجارية وإحتلم الغلام أو تأخر ذلک فاستكمل الغلام تسع عشرة سنة والجارية سبع عشرة سنة وأونس منهما الرشد واختبرا بالحفظ لأموالهما والصلاح في دينهما دفعت إليهماأموالهما عالمگیری جلد ثاني، ص:۳۱۳. (۱)

(امداد،ص:۱۴۷، ج:۳)

سوال (۱۰۵۹): قدیم ۲/ ۲۰۰- درمختار باب الرجعۃ میں ہے:

ولو خافت ان لا يطلقها تقول زوجتک نفسي على أن أمري بيدي. (۲)

اب اگر کوئی شخص اپنی لڑکی بکر بالغہ کا نکاح اس طور سے کرنا چاہے تو کس طور سے کرے، آیا باپ لڑکی سے یوں اجازت لے کہ میں تیرا نکاح اس شرط پر کرتا ہوں کہ امر طلاق میرے ہاتھ میں رہے اور وہ لڑکی اس کو سن کر سکوت کرے، پھر یہ شخص اس شرط کے ساتھ اس کا عقد کردے، تو لڑکی کو اختیار رہے گا یا نہیں یا باپ کو اختیار رہے گا؟

(*) یہ امام صاحبؒ کا قول ہے اور صاحبین کے نزدیک ۱۵/سال اور اس پر بھی فتوی دیا گیا ہے۔۱۲ منہ

← هندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الثالث، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۱۵، جديد ۱/ ۶۷۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۱) هندية، كتاب الحجر، الباب الثاني، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، مكتبه زكريا ديوبند قديم۵/ ۶۱، جديد۵/ ۷۳۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحجر، الفصل الثاني في بيان أنواع الحجر، مكتبه زكريا ديوبند۱۶/ ۲۸۰، رقم:۲۴۹۰۹۔

المحيط البرهاني، كتاب الحجر، الفصل الثاني، بيان أنواع الحجر، المجلس العلمي ۱۹/ ۱۹۱، رقم:۱۸۷۷۲۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة، قبيل مطلب في حكم لعن العصاة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۴۸، كراچي ۳/ ۴۱۵۔

یا لڑکی باپ سے اپنی زبان سے کہے کہ میرا نکاح اس شرط سے کردو اور پھر باپ اس شرط سے کردے یا کوئی اور صورت اس امر کے واسطے تحریر فرمائیں غرض جہاں تک ہو سکے لڑکی کے کلام کی کم ضرورت ہو؟

الجواب: في الدرالمختار: باب تفويض الطلاق: مشافهةً أوإخبارًا. وفي رد المحتار: قوله: مشافهة أي في الحاضرة أو إخبارًا في الغائبة. اه (۱)

قلت: دل على أن التفويض يجوز للحاضرة والغائبة. وفي رد المحتار: باب الأمر باليد. تحت قوله: و ينبغي الخ لأنه يصح أن يجعل الأمر بيد أجنبى وإن كانت بالغة (إلٰى قوله) قلت على أنه إذا جعل أمرها بيدها يكون في معنى التعليق على اختيارها نفسها فلا يصح من ابيها ولو كانت صغيرة وكذا لو جعله بيد أبيها لا يصح منها ولو كانت كبيرة لعدم وجود المعلق عليه. اه (۲)

قلت: دل على أمرين أحدهما أن التفويض يجوز لغير الزوجة. والثاني: أن من فوض إليه يكون الأمر بيد غيره ودل أيضا على أن صحة التفويض لا يتوقف على إذن المرأة.

وفي الدرالمختار: باب تفويض الطلاق لا تطلق بعده أي المجلس إلا إذا زادمتى شئت. الخ (۳)

قلت: دل على أن بقاء الاختيار بعد المجلس لا يكون الابدليل العموم.

وفي الدرالمختار: قبيل فصل المشية: نكحها على أن أمرها بيدها صح وفي رد المحتار قوله صح: مقيد بما إذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أن أمري بيدي أطلق نفسي كلما أريد أو على أني طالق فقال الزوج قبلت أما لو بدأ الزوج لا تطلق ولايصير الأمر بيدها كما في البحر عن الخلاصة والبزازية. (۴)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٥٥٣، كراچي ٣/٣١٥۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الأمر باليد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٥٦٦، كراچي ٣/٣٢٥۔

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٥٥٤، كراچي ٣/٣١٦۔

(۴) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الأمر باليد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٥٧٣، كراچي ٣/٣٢٩۔ ←

وفي رد المحتار: تحت قول الدر المختار المذكور في السوال هٰكذا: قوله وتمامه في العمادية حيث قال ولو قال لها تزوجتك على ان أمرك بيدك فقبلت جاز النكاح ولغا الشرط لأن الأمر إنما يصح في الملك أو مضافا إليه ولم يوجد واحد منهما بخلاف مامر فإن الأمر صار بيدها مقارنا لصيرورتها منكوحة. اه نهر وقدمناه قبل فصل المشية، والحاصل أن الشرط صحيح إذا ابتدأت المرأة لا إذا ابتدأ الرجل؛ ولكن الفرق خفي نعم يظهر على القول بأن الزوج هو الموجب تقدم أوتأخر والمرأة هي القابلة كذٰلك تأمل. اه (۱) قلت: دل صريحا على أن صحة اشتراط التفويض في النكاح مقيد بما إذا ابتدأ من الزوجة.

ان سب روایات کے مقتضا سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگرلڑکی کا باپ پہلے کہے کہ میں اپنی لڑکی کا تیرے ساتھ اس شرط سے نکاح کرتا ہوں کہ امر اس کا میرے ہاتھ میں ہو یا اس لڑکی کے ہاتھ میں ہو کہ جب چاہوں یا جب چاہے طلاق دیدوں یا طلاق لے لے اور زوج کہے میں نے قبول کیا نکاح بھی ہوجائیگا اور امر بالید بھی ثابت ہوجائے گا اگر باپ کے ہاتھ میں اختیار دیا ہے وہ مختار ہوگا لڑکی نہ ہوگی اور اگرلڑکی کے ہاتھ میں اختیار دیا ہے وہ مختار ہوگی باپ نہ ہوگا اور اس اختیار کی شرط ٹھہرانے میں باپ کو لڑکی سے پوچھنے کی اجازت نہیں۔ فقط

۲۳/ جمادی الآخر ۲۲ھ (امداد ص:۲۱، ج:۲)

← البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل في الأمر باليد، مكتبه زكريا ديوبند ۵۵۲/۳، كوئٹه ۳۱۸/۳۔

خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل العاشر في نكاح العبد والأمة، مكتبه اشرفية ديوبند ۲۹/۲۔

بزازية على هامش الهندية، كتاب النكاح، العاشر في نكاح العبد والأمة، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱۲۸/٤، جديد ۸۵/۱۔

(۱) شامي، كتاب الطلاق، باب الرجعة، قبيل مطلب في حكم لعن العصاة، مكتبه زكريا ديوبند ٤۸/۵، كراچي ٤۱۵/۳۔

النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، قبيل باب الإيلاء، مكتبه زكريا ديوبند ٤۲٤/۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نومسلمہ شادی شدہ کا نکاح کس طرح ہوگا؟

سوال (۱۰۶۰): قدیم ۲/ ۲۰۱- ایک عورت عاقلہ وبالغہ مسلمان ہوئی ہے اور نکاح کیا چاہتی ہے اور اس کا زوج حاضر نہیں ہے اور نہ اس کا کچھ پتہ ونشان ہے کہ عرض اسلام کیا جائے اس صورت میں اس کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ لعرض اسلام اگر انتظار ضروری ہے تو کس قدر انتظار ہونا چاہئے بعد انتظار تو اس کا کچھ حق نہ رہے گا یعنی اس کے زوج کا؟

الجواب: اگر اس کو حیض آتا ہے تو بعد اسلام کے تین حیض آنے کا انتظار کرنا چاہئے اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل کا انتظار چاہئے اور اگر نہ ذات حیض ہے اور نہ حاملہ تو تین ماہ گزرنے دینا چاہئے اس کے بعد نکاح اس کا درست ہے۔ (*)

في الدرالمختار: باب نكاح الكافر، ولو أسلم أحدهما ثمة أي في دار الحرب لم تبن حتى تحيض ثلاثا أو تمضي ثلاثة أشهر قبل إسلام الأخر. وفي رد المحتار: قوله: أوتمضي ثلاثة أشهر أي إن كانت لا تحيض لصغر أو كبر كما في البحر وإن كانت حاملا فحتى تضع حملها ح عن القهستاني. (۱)

لیکن اگر اس مدت کے گزرنے کے قبل اتفاقا پہلا زوج مسلمان ہوجائے تو پھر دوسرا نکاح درست نہیں اسی سے نکاح باقی ہے.

(*) اس کی اور تفصیل ۱۳۵۶ تا ۱۳۵۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔۱۲ منہ

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الصبي والمجنون ليسا بأهل، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٦٢، كراچي ٣/ ١٩١ـ

طحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح ، باب نكاح الكافر، كوئٹه ٢/ ٨٣ـ

البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٧١، كوئٹه ٣/ ٢١٣ـ

ولو كان ذلک أي إسلام أحدهما في دارهم أي دار الحرب وما ألحق بها كالبحر الملح لا تبين حتى يمضي قدر عدة الطلاق بأن تحيض ثلاثا أو تمضي ثلاثة أشهر لغيرها أوتضع الحامل قبل إسلام الأخر. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٥٤٥)

لما مر من الدرالمختار من قوله قبل إسلام الأخر وفي رد المحتار قوله لم تبن حتى تحيض الخ أفاد بتوقف البينونة على الحيض أن الأخر لو أسلم قبل انقضائها فلا. (۱) واللہ تعالیٰ اعلم

۶/رجب ۱۳۲۲ھ (امداد، ص:۲۲، ج:۲)

نومسلمہ کنواری کا نکاح

سوال (۱۰۶۱): قدیم ۲/۲۰۲- اول ایک کافر عورت کو مسلمان کرتے ہی اس کا نکاح مسلمان سے کردیا ہے اور یہ عورت کنواری ہے اور اسی مسلمان سے مدت تک زنا کرتی رہی جس سے نکاح ہوا ہے اور یہ عورت مذکورہ اس کے نکاح کو بیس برس کا زمانہ ہو چکا ہے اور اولاد بھی ہوچکی ہے۔ اب یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اس مسئلہ کے پوچھنے کی اس لئے ضرورت پڑی کہ عدت سے یعنی تین حیض کے گزرنے سے پہلے نکاح کردیا گیا ہے؟

الجواب: حیض کی شرط کہیں اس لئے ہے کہ یہ قائم مقام اباء کے ہے جو سبب ہے تفریق قاضی کا (۲)

---

(۱) شامي، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الصبي والمجنون ليسا بأهل، مكتبه زكريا ديوبند ۳۶۳/۴، كراچي ۱۹۱/۳۔

البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مكتبه زكريا ديوبند ۳۷۱/۳، كوئٹه ۲۱۳/۳۔

ولو أسلم أحدهما ثمة أي في دار الحرب لم تبن حتى تحيض ثلاثا (تبيين) وتحته في حاشية الشلبي: أي إن كانت ممن تحيض وإلا فثلاثة أشهر فإن أسلم الأخر قبل انقضاء هذه المدة فهما على نكاحهما. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، زكريا ديوبند ۶۱۶/۲-۶۱۷، امدادية ملتان ۱۷۵/۲)

فتح القدير، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك، مكتبه زكريا ديوبند ۳۹۸/۳، كوئٹه ۲۹۰/۳) *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

(۲) **لو أسلم أحدهما ثمة لم تبن حتى تحيض ثلاثا أو تمضي ثلاثة أشهر قبل إسلام الأخر إقامة لشرط الفرقة مقام السبب (الدر المختار) وتحته في الشامية: وهو مضي هذه المدة مقام السبب وهو الإباء لأن الإباء لا يعرف إلا بالعرض وقد عدم العرض لإنعدام الولاية ومست الحاجة إلى التفريق؛ لأن المشرك لا يصلح للمسلم وإقامة الشرط عند تعذر العلة جائز، فإذا مضت هذه المدة صار مضيها بمنزلة تفريق القاضي.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب الصبي والمجنون ليسا بأهل، مكتبه زكريا ديوبند ۳۶۲/۴-۳۶۳، كراچي ۱۹۱/۳) ←

اور کہیں عدت کے لئے ہے اور یہ دونوں امر منکوحہ میں متحقق ہوتے ہیں پس کنواری نومسلمہ میں اس کی شرط نہ ہوگی، قبل حیض آنے کے مسلمان مرد سے اس کا نکاح درست ہے۔(۱)

ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۲۳۸)

از ترجیح خامس، ص: ۱۵۱، در فائدہ متعلقہ نکاح نومسلمہ

دار الحرب میں کافر عورت کے مسلمان ہوجانے کے بعد اس کا نکاح کسی مسلمان سے کرنے کی جو شرط ہے کہ حائضہ کے تین حیض اور غیر حائضہ کے تین مہینے گزر جائیں یہ شرط اس صورت میں ہے جب وہ کسی کے نکاح میں ہو گو نابالغ ہی کے نکاح میں ہو درمختار میں ہے: "**ولو كان الزوج صبيا الخ** اور نیز درمختار میں ہے: "**وليست بعدة لدخول غير المدخول بها**". (۲) اور اگر کسی کے نکاح میں نہ ہویا تو نکاح ہی نہ ہوا ہو یا مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا ہو اور حاملہ نہ ہو اس کے نکاح کے لئے یہ شرط نہیں البتہ حاملہ میں وضع حمل کا انتظار واجب ہے، **كذا في الدر المختار باب العدة.** (۳) پس اگر کہیں میری تحریرات میں یہ مضمون مطلق آیا ہو اس کو اس قید کے ساتھ مقید سمجھنا چاہئے۔

۹/ جمادی الاخری ۱۳۴۳ھ

← الدر المنتقي مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٥٤٥-

(١) **لايجب الاستبراء لأن الاستبراء طلب براء ة الرحم وفراغها عما يشغلها ورحم البكر برية فارغة عن الشغل فلا معنى لطلب البراء ة والفراغ.** (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، الاستبراء نوعان، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٥١٣، كراچي ٥/٢٥٣)

فإن أسلمت قبل الدخول ثبت النكاح في الحال ولها التزوج (وقوله) هذا الاختلاف إنما هو في المدخول بها، فإن كانت غير المدخول بها فلا نعلم اختلافا في انقطاع العصمة بينهما إذ لا عدة عليها. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، سورة الممتحنة الآية: ١٠، دارالكتب العلمية بيروت ١٨/٤٣-٤٥)

(٢) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٣٥٩-٣٦٣، كراچي ٣/١٨٩-١٩١-

(٣) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، قبيل فصل في الحداد، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٢١١-٢١٢، كراچي ٣/٥٢٦-٥٢٧- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دو حقیقی بہنوں کا ایک شخص کے نکاح میں ہونے کا حکم

سوال (۱۰۶۲): قدیم ۲/۲۰۳- ایک شخص نے ہندہ سے اول عقد کیا بعد عرصہ کے اس کی حقیقی بہن سے نکاح کیا تو یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں اور اگر درست ہو گیا تو فسخ نکاح کیونکر ہو یا دونوں کو طلاق دے یا صرف دوسری کو مہر وغیرہ ادا کر کے طلاق دیدے اور زوجہ سابقہ اس کی زوجہ بنی رہے گی یا اس کو بھی طلاق دینا واجب ہے تا عدت سکنی نفقہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: ويجب مهر المثل في نكاح فاسد وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود بالوطى ولم يزد على المسمى لرضاها بالحط ولو كان دون المسمّٰى لزم مهر المثل لفساد التسمية بفساد العقد ولو لم يسم أو جهل لزم بالغًا ما بلغ ويثبت لكل واحد منهما فسخه وتجب العدة من وقت التفريق أومتاركة الزوج.

وفي رد المحتار عن البزازية: المتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك. ج: ۲، ص: ۵۷۴، إلىٰ ص: ۵۷۶ باب المهر (۱)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند٤/٢٧٤ تا ٢٧٦، كراچي٣/١٣١ تا ١٣٣۔

ولايجب شيء من المسمى ومهر المثل والمتعة والعدة والنفقة بلا وطي في عقد فاسد كالنكاح للمحارم المؤبدة أو المؤقتة أو بإكراه من جهتها أو بغير شهود...... وإن خلابها...... فإن وطأ وجب مهر المثل لايزاد على المسمىٰ أي إن زاد مهر مثلها على المسمى لا يزاد عليه بالغًا ما بلغ، وكذا لوكان مهر المثل أقل من المسمّٰى يجب مهر المثل لعدم صحة التسمية ولولم يكن المهر مسمّٰى أو كان مجهولا يجب بالغًا ما بلغ بالإجماع ...... وعليها العدة بعد الوطئ لا الخلوة ...... ويعتبر ابتداؤها أي ابتداء العدة من حين التفريق لا من آخر الوطئات هو الصحيح ...... والتفريق في هذا إما بتفريق القاضي أو بمتاركة الزوج ولا يتحقق المتاركة إلا بالقول في المدخول بها، وأما في غير المدخول بها فيتحقق المتاركة بالقول وبالترك عند بعضهم وعند البعض لا إلا بالقول فيهما فعلم أن المتاركة لا يكون من المرأة أصلا لكن في الفتح وغيره، ولكل منهما ←

وفي رد المحتار عن البحر: أنه قدم في النكاح الفاسد من باب المهر ان المراد بهٰذه العدة عدة المتاركة فلا عدة عليها بموته إلا الحيض بعد الدخول وأنه لاحداد ولا نفقة فيها وأنه تحرم عليه امرأته لو تزوج أختها فاسدا إلىٰ انقضاء العدة. (ص:۷۰۰۱، جلد ثاني باب العدة) (۱)

ان روایات سے یہ امور معلوم ہوئے:

(۱) یہ نکاح جائز نہیں ہوا۔

(۲) طلاق دینے کی ضرورت نہیں بلکہ اگر دخول نہیں ہوا صرف جدا ہو جانا کافی ہے اور اگر دخول ہو گیا تو مرد زبان سے کہدے کہ میں نے اس کو علیحدہ کر دیا۔

(۳) اگر صحبت ہوئی تو مہر مثل واجب ہوگا کہ مقدار میں مہر مقرر سے زائد نہ ہو اور اگر صحبت نہیں ہوئی تو مہر واجب نہ ہوگا۔

(۴) اگر دخول ہوا تو عدت واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

(۵) اس عدت میں نفقہ سکنیٰ واجب نہ ہوگا۔

(۶) جب تک یہ عدت نہ گزر جائے اپنی زوجہ سے صحبت درست نہیں۔

(۷) زوجہ نکاح سے خارج نہ ہوگی نہ اس کو دینا واجب ہے۔ واللہ اعلم

۲۰/ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد،ص:۲۲، ج:۲)

← **فسخ الفاسد بغير حضور الأخر.** (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر، فصل دارالكتب العلمية بيروت ۱/۵۲۲-۵۲۳)

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۵۲ تا ۲۵۵۔

(۱) شامي، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في وطء المعتدة بشبهة، مكتبه زكريا ديوبند ۵/۲۰۷، كراچي ۳/۵۲۳۔

البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة، مكتبه زكريا ديوبند ۴/۲۴۶، كوئٹه ۴/۱۴۶۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بطور نقل کے صیغہ نکاح پڑھنے سے نکاح نہیں ہوتا

سوال (۱۰۶۲۳): قدیم ۲/۲۰۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ بالغہ ثیبہ سے دو شخصوں کے سامنے اولاً خطبہ نکاح پڑھوالیا بعدہٗ ایک کاغذ ہندہ کے سامنے رکھ دیا اور اس میں یہ لکھا تھا کہ ''**یا زید زوجت نفسي منک علی مأتي درهم**'' اور کہا کہ اس کو بلند آواز سے تین بار پڑھ چنانچہ ہندہ نے بلند آواز سے اس کو پڑھا اور زید نے قبلت کہا اور ان دونوں شخصوں نے سنا اور ہندہ اور وہ دونوں شخص اس کو نہیں جانتے ہیں کہ ''**زوجت نفسي منک**'' سے عقد نکاح منعقد ہوتا ہے پس اس صورت میں بموجب قول صاحب شرح وقایہ کے ''**کزوجتني فقال زوجت وإن لم يعلما معناه وأيضا سامعين معا لفظهما، وبموجب حديث شريف جدها جد وهزلها جد (۱)**'' کے عقد نکاح منعقد ہو گیا یا نہیں؟

الجواب: سوال مجمل ہے لیکن ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ عورت نے جو کاغذ لکھا ہوا پڑھ دیا نہ تو اس کو خطاب کرنا مقصود ہے اور نہ اس کو یہ معلوم ہے کہ اس سے نکاح ہو جاتا ہے اور گواہوں کا اس امر کو نہ جاننا خود سوال میں مصرح ہے پس خطاب نہ ہونے سے تو وہ انشا ہی نہیں صرف حکایت ہے ایک عبارت کی اس طور پر تو اگر ایسے الفاظ بھی کہیں جس کے معنی جانتے ہوتے تب بھی نکاح نہ ہوتا نہ قضاءً نہ دیانۃً جیسا کہ ظاہر ہے(۲) اور اسی طرح اس لفظ کا مفید نکاح ہونا جب معلوم نہ ہو تو بھی بعض علماء کے نزدیک نکاح بالکل نہیں ہوتا

---

(۱) **عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث جدهن جد، وهزلهن جد، النكاح، والطلاق، والرجعة.** (ترمذي شريف، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء في الجد والهزل في الطلاق، النسخة الهندية ۱/۲۲۵، دارالسلام رقم: ۱۱۸٤)

(۲) **إذا ردد المتكلم عبارات التصرفات ولكنه لايريد إنشاء التزام أوعقد بل يريد غرضًا آخر كالتعلم والتعليم والتمثيل فلا يترتب على عبارته أي أثر (وقوله) وكذلك ترديد الممثلين عبارات التمثيل وحكاية أقوال الآخرين مثل زوجيني نفسك، فقالت: زوجتک نفسي لايترتب عليه أي أثر لأن المتكلم في هذه الأمثلة لا يقصد إنشاء بل قصد غرضًا آخر وهو التمثيل أو الحفظ أو توضيح الحكم للتلاميذ.** (موسوعة الفقه الإسلامي، والقضايا المعاصرة، الفصل الرابع، المبحث الثاني تكوين العقد، مكتبه اشرفية ديوبند ۱۰/۱۸۷)

اورشرح وقایہ وغیرہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے معنی مفصل ومفسر معلوم نہ ہوں نہ یہ کہ اس کا مفید نکاح ہونا بھی معلوم نہ ہو اور بعض نے جو نکاح اس صورت عدم علم افادہ نکاح میں جائز کہا ہے تو صرف قضاءً نہ دیانۃً اور یہاں ضرورت ہے صحت دیانۃً کی ورنہ وہ اس شخص پر حرام رہے گی گو قاضی تفریق پر جبر نہ کرے اسی طرح شہود کا اتنا سمجھنا کہ یہ مفید نکاح ہے علی الراجح شرط ہے یہاں یہ بھی مفقود ہے بہرحال یہ نکاح اصلاً صحیح نہیں ہوا ہرگز ہرگز اس کو حلال سمجھنے کی جرأت نہ کی جائے اور جو شخص ایسے حیلے کرنا چاہے وہ شخص قابل تعزیر ہے اور قابل احتراز وترک ملاقات کیونکہ اس سے ڈر ہے کہ باب اضلال کسی وقت اس سے مفتوح ہو نعوذ باللہ تعالیٰ من شر کل غوی مغوی۔

وفي رد المحتار تحت قول الدرالمختار: ولا يشترط لكن قيد في الدرر عدم الإشتراط بما إذا علما أن هذا اللفظ ينعقد به النكاح أي وإن لم يعلما حقيقة معناه. قال في الفتح: لو لقنت المرأة زوجت نفسي بالعربية ولا تعلم معناه. وقبل (إلىٰ قوله) وقيل لا كالبيع، كذا في الخلاصة: وبعده بسطرين واقعة في الحكم (إلىٰ قوله) ينبغي أن يكون النكاح كذلك. (١) وفي الدرالمختار: شاهدين (إلىٰ قوله) فاهمين أنه نكاح على المذهب، بحرونقل تصحيحه صاحب رد المحتار عن التبيين والجوهرة والظهيرية والخانية إلىٰ قوله بحمل القول بالاشتراط على اشتراط فهم أنه عقد نكاح والقول بعدمه على عدم اشتراط فهم معاني الألفاظ بعدفهم أن المراد عقد النكاح. (٢)

---

(١) رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب، مكتبه زكريا ديوبند ٧٨/٤، كراچي ١٥/٣۔

فتح القدير، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ١٨٩/٣، كوئٹه ١٠٨/٣-١٠٩۔

رجل تزوج امرأة بلفظ العربية أو بلفظ لايعرف معناه أوزوجت المرأة نفسها بذلك إن علما أن هذا لفظ ينعقد به النكاح يكون نكاحا عند الكل، وإن لم يعرفا معنى اللفظ ولم يعلما أن هذا لفظ ينعقد به النكاح، فهذه جملة مسائل الطلاق، والعتاق، والتدبير والنكاح ...... فالطلاق والعتقاق والتدبير واقع في الحكم ...... وإذا عرف الجواب في الطلاق والعتاق ينبغي أن يكون النكاح كذلك. (خانية على هامش الهندية، كتاب النكاح، الفصل الأول في الألفاظ الذي ينعقد به النكاح، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣٢٧/١، جديد ١٩٩/١)

(٢) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، قبيل مطلب في عطف الخاص على العام، مكتبه زكريا ديوبند ٨٧/٤-٩٢، كراچي ٢١/٣-٢٣۔ ←

اور ہزل سے مراد یہ نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ علم معنی وقصد تکلم تو ہے لیکن ترتب اثر کا قصد نہیں، اس کو ہزل کہتے ہیں۔(۱) واللہ اعلم

۱۵/ رمضان ۱۳۲۳ھ

تفصیل سوال سابق : ہندہ بیوہ بالغہ ہے اس کے کوئی اولاد نہیں ہے بلکہ خلوت تک شوہر اول سے نہیں ہوئی خود نمازی ہے اور قرآن بھی پڑھی ہے اس کا باپ بے نمازی ہے بلکہ تاڑی پیا کرتا ہے اور گفتگو کرتا ہے اس سے آمادہ جنگ ہو جاتا ہے ہندہ زید کے گھر آیا جایا کرتی ہے پس زید نے ایک روز دو شخصوں کے سامنے اس سے خطبہ نکاح پڑھوایا بعد اس کے ایک کاغذ سامنے رکھ دیا جس میں لکھا تھا کہ **یا زید زوجت نفسي منك علی مأتي درهم** اور ہندہ سے کہا تو اس کو بلند آواز سے تین بار پڑھ چنانچہ ہندہ نے ویسا ہی کیا

← **واختلف أيضًا في فهم الشاهدين كلامهما فجزم في التبيين بأنه لو عقد بحضرة هنديين لم يفهما كلامهما لم يجز وصححه في الجوهرة. وقال في الظهيرية: والظاهر أنه يشترط فهم أنه نكاح واختاره في الخانية، فكان هو المذهب. فالحاصل أنه يشترط سماعهما معاً مع الفهم على الأصح.** (البحر الرائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۵۶، كوئٹه۳/ ۸۸)

تبيين الحقائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۶۵۵، امدادية ملتان ۲/ ۹۹۔

الجوهرة النيرة، كتاب النكاح، دارالكتاب ديوبند۳/ ۶۵.

خانية علی هامش الهندية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۳۳۲، جديد ۱/ ۲۰۲۔

ولايشترط فهم الشهود معنى اللفظ بخصوصه وإنما يشترط أن يعلموا أن هذا اللفظ ينعقد به الزواج، فإذا تزوج عربي بحضرة أعجميين صح الزواج إذا عرفا أن الإيجاب والقبول ينعقد بهما الزواج. (موسوعة الفقه الإسلامي، والقضايا المعاصرة، الفصل الثاني: تكوين الزواج، المبحث الثالث، مكتبه اشرفية ديوبند ۸/ ۹۹)

(۱) الهزل وهو ضد الجد بأن يراد بالشيء ما لم يوضع له ولا ما صح له اللفظ استعارة والهازل يتكلم بصيغة العقد باختياره لكن لا يختار ثبوت الحكم ولايرضاه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱/ ۱۵۸)

وفي الهزل: تكون العبارة مقصودة لأنها برضا الزوج واختياره؛ ولكن حكمها لايكون مقصودًا لأن الزوج لايريد هذا الحكم بل يريد شيئًا آخر هو اللهو واللعب. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۷/ ۲۲۶) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

اور خود قبلت کہا اور بعد کچھ دن کے ہندہ کے سامنے زید نے وہی خطبہ مذکور جو پڑھوایا تھا رکھدیا اور کہا کہ اس کو تم نے فلاں روز پڑھا تھا اس نے کہا کہ ہاں پھر زید نے اس سے یہ کہا کہ **یازید زوجت منک نفسي** کے معنی یہ ہیں کہ اے زید میں نے تجھ سے نکاح کرلیا پس تو میری عورت ہوگئی اور میں تیرا شوہر ہوگیا ہندہ اس پر ساکت ہوگئی اور کچھ جواب زید کو نہ دیا اور جس طرح اول زید کے گھر آیا جایا کرتی تھی اسی طرح اب بھی آتی جاتی ہے زید آدمی محتاط ہے فاسق اور فاجر نہیں ہے پس نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اور زید اس کا اعلان کرسکتا ہے یا نہیں کہ ہمارا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: ساکت ہونے سے صحت نکاح لازم نہیں آتی اور اگر زید اس کو رضا سمجھتا ہے تو گویا وہ عورت نکاح پر راضی ہے تو پھر اس حیلہ سے کیا فائدہ جس کا موجب نکاح نہ ہونا ثابت کردیا گیا ہے جب وہ راضی ہے تو اس سے صاف طور پر گفتگو کرکے اب نکاح کرلیا جائے جہالت کی رسم خوب موقوف ہوجائے گی اور حیلہ مخترعہ میں اوّل تو نکاح نہ ہونا ثابت ہے پھر اُس سے رسم جہالت کی کیا موقوف ہوگی اُس جہالت سے بڑھ کر دوسری جہالت یعنی مکروفریب کا رواج ہوگا پھر جب اس عورت کا باپ ایسا ہے تو لامحالہ وہ فساد ہر طرح کرے گا خواہ حیلہ سے نکاح ہو یا صاف طور پر ہو پھر حیلہ کرنے میں کیا نفع ہے جب زید ایسا محتاط ہے تو افسوس ہے اتنی بڑی بے احتیاطی کے حیلہ سے منتفع ہونا چاہتا ہے لہذا میری وہی تحقیق ہے جو پہلے لکھ چکا کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا زید کو واجب ہے کہ ہندہ کو آمدورفت سے روک دے ورنہ اندیشہ معصیت کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۲۸/ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد، ص: ۲۵، ج: ۲)

لفظ ''زوجنی للہ یا مولانا'' کے ذریعہ نکاح

سوال (۱۰۶۴): قدیم ۲/ ۲۰۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید پڑھا لکھا اور درویش آدمی بکر کے مکان پر جایا آیا کرتا تھا اتفاق سے اس کا قصد حج بیت اللہ کا ہوا اور اُس کی معیّت میں خالد اور ولید تھے وہ بکر کے مکان پر گیا دروازہ میں بکر کی زوجہ کو بلایا اور کہا کہ میرا قصور

معاف کردو میں حج کو جاتا ہوں بکر کی زوجہ نے کہا تم نے ہمارا کیا قصور کیا ہے اس میں زید نے بہت اصرار کیا کہ ہمارا قصور معاف کردو زیادہ اصرار کی وجہ سے زوجہ بکر نے کہا کہ معاف کیا اس کے بعد دختر بیوہ بکر کو آواز دی اور کہا کہ تم کچھ وظیفہ پڑھتی ہو اُس نے کہا کہ نماز پڑھتی ہوں اور جو دعاء آپ نے بتائی تھی وہ پڑھتی ہوں وہ کیا دعاء ہے اُس نے کہا وہ یہ ہے ''**نحمده ونصلي على رسوله الكريم**'' اس کے بعد زید نے کہا اور یہ پڑھا کر و مقولہ عورت یعنی دختر مذکور ''**رب زوجني مولانا يا رب زوجني**'' جس وقت یہ الفاظ تعلیم کردیئے تب بیرون دروازہ سے علاوہ خالد اور ولید کے ایک عربی خواں کو بھی بلایا اُس کا بیان ہے کہ یہ الفاظ تھے ''**زوجني الله يا مولانا**'' اس دختر سے یہ الفاظ صحیح نہ ادا ہوئے تو زید نے پھر بتلائے تب اس دختر نے ''**زوجني الله يا مولانا**'' کہا اور زید نے قبلت کہا ایسی حالت میں کہ دختر مذکور اور موجودین میں سوائے عربی خواں کے یہ جانتے ہیں کہ یہ درویش دعا تعلیم کررہے ہیں ان کو ہرگز یہ خیال نہیں ہے کہ ایجاب قبول ہورہا ہے اور نہ ہم لوگ گواہ ہیں بلکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ دُعاء تعلیم ہورہی ہے اور وہ دختر بھی یہی جان کر یہ کلمات کہہ رہی ہے کہ میں دعاء سیکھ رہی ہوں اس صورت میں کہ نہ عورت جانتی ہے کہ میں اپنا نکاح کرتی ہوں اور نہ گواہ جانتے ہیں کہ اس عورت کا نکاح ہورہا ہے سوائے عربی خواں کے ایسی حالت میں ''**زوجني الله يا مولانا**'' کہنے سے ایجاب ہوجائے گا یا نہیں؟ اور نکاح زید کا دختر مذکور سے صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور مکرر یہ ہے کہ نہ اس وقت مہر کا ذکر ہوا نہ اس کے بعد؟ بینوا توجروا

الجواب: درمختار میں جہاں جہاں عدم اشتراط العلم بمعنی الایجاب والقبول کا ذکر کیا ہے وہاں ردالمحتار میں درر سے یہ قید بھی لگائی ہے: **إذا علما أن هذا اللفظ ينعقد به النكاح أي وإن لم يعلما حقيقة معناه. ج: ۲، ص: ۲۳۷.** (۱)

---

(۱) شامي، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب، مكتبه زكريا ديوبند ۷۸/٤، كراچي ۱۵/۳ـ

إذا كان التصرف مما يستوي فيه الجد والهزل كالزواج والطلاق والرجعة واليمين وعلم العاقدان أن اللفظ المستخدم ينعقد به التصرف، وإن لم يعلما حقيقة معناه فينعقد به التصرف. (موسوعة الفقه الإسلامي، والقضايا المعاصرة، الفصل الرابع نظرية العقد، المبحث الثاني، المطلب الثالث، الإرادة العقدية، اشرفية ديوبند ۱۸۷/۱۰)

اسی درمختار میں جہاں الفاظ مصحفہ سے انعقاد وعدم انعقاد کی بحث کی ہے اور ردالمحتار میں اُس میں تفصیل کی ہے وہاں یہ عبارت ہے: ''**بل قصد حل الاستمتاع باللفظ الوارد شرعاً**''

اور یہ بھی ہے: **قاصدا به معنی النکاح (إلیٰ قوله) ولاشک إن لفظ جوزت أو زوزت لا یفهم منه العاقدان والشهود إلا أنه عبارة عن التزویج ولا یقصد منه إلا ذلک المعنی بحسب العرف، ج : ۲ ، ص : ۴۴۰ تا ۴۴۴. (۱)**

اور ردمختار میں شاہدین نکاح کے لئے بحر سے یہ شرط لگائی ہے:

فاهمین أنه نکاح علی المذهب. (۲)

اور ردالمحتار میں بعد نقل اقوال یہ کہا ہے:

ووفق الرحمتی بحمل القول بالاشتراط علی فهم أنه عقد نکاح والقول بعدمه علی عدم اشتراط فهم معاني الألفاظ بعد فهم أن المراد عقد النکاح. ج: ۲، ص: ۴۴۷. (۳)

ان سب روایات سے متفقاً ومشترکاً محقق ومنقح ہوگیا کہ متناکحین وشاہدین کے لئے گوخاص معانی موضوع لہا کا جاننا شرط نہ ہو؛ لیکن یہ سمجھنا یقیناً شرط ہے کہ ان الفاظ سے نکاح ہو جاتا ہے؛ اس لئے صورت مذکور میں بالیقین نکاح منعقد نہیں ہوا؛ بلکہ لفظ زوجنی تو اگر معنی سمجھ کر بھی کہا جاتا تب بھی اس سے یہ نکاح نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ اس کے یہ معنی نہیں کہ تو مجھ سے نکاح کرے اس کے لئے تو تزوجنی یا زوجنی من نفسک موضوع ہے؛ بلکہ معنی یہ ہیں کہ میرا کسی دوسرے سے نکاح کردے تو یہ توکیل بالنکاح من نفسہ نہیں؛

---

(۱) شامي، کتاب النکاح، مطلب هل ینعقد النکاح بالألفاظ المصحفة، مکتبه زکریا دیوبند ٤/٨٥-٨٦، کراچي ٣/٢٠۔

الموسوعة الفقهیة الکویتیة ١٩/١٦٢۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، قبیل مطلب في عطف الخاص علی العام، مکتبه زکریا دیوبند ٤/٩٢، کراچي ٣/٢٣۔

البحر الرائق، کتاب النکاح، مکتبه زکریا دیوبند ٣/١٥٦، کوئٹه٣/٨٨۔

(۳) شامي، کتاب النکاح، قبیل مطلب في عطف الخاص علی العام، مکتبه زکریا دیوبند ٤/٩٢، کراچي ٣/٢٣۔

بلکہ توکیل بالنکاح من غیرہ ہے (۱) اور یہاں تو ایک دوسرا مانع یعنی عدم فہم کو نہ نکاحاً بھی موجود ہے کما ذکر تیسرے صیغہ نکاح انشاء ہونا ضرور ہے اور یہاں یاد کرنے کے لئے نقل ہے نہ کہ انشاء ایک مانع یہ بھی ہے (۲) اور نیز جب وہ لڑکی اس کو دعاء سمجھ رہی ہے تو مولانا میں خطاب حق تعالیٰ کو ہے اور للہ میں وضع مظہر موضوع مضمر ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ اپنی ذات جامع الکمالات کے واسطے اے میرے مالک میرا نکاح کسی سے کردیجئے تو یہ خدا تعالیٰ سے دُعاء مانگ رہی ہے تو اس سے نکاح منعقد ہونے کو کوئی تعلق ہی نہیں اور یہ امر بھی واجب التنبیہ ہے کہ جس شخص نے مقتداء کی وضع بنا کر یہ حرکت تلبیسیہ ابلیسیہ کی ہے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس شخص کیساتھ وہ معاملہ نہ رکھیں جو مقتداؤں سے رکھا جاتا ہے۔

۱۹/شوال ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامس، ص:۱۰۰)

سوال (۱۰۶۵): قدیم ۲/ ۲۰۸- کوئی شخص کسی بالغہ عاقلہ باکرہ یا بیوہ عورت سے عربی میں ’’زوجتک نفسي‘‘ دوگواہوں کے روبرو کہلوائے اور جب عورت یہ الفاظ کہے خود قبلت کہتا جاوے اور دونوں گواہ ان لفظوں کے مطلب سے بے خبر ہیں کیا یہ نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں درست ہوگا تو عورت اگر ان الفاظ کے معنی سے خبردار ہو لیکن گواہ بے خبر ہوں اس صورت میں بھی نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في رد المحتار في اشتراط فهم الزوجين معنى الإيجاب والقبول أوعدم اشتراطه لصحة النكاح مانصه لكن قيد في الدرر عدم الاشتراط بما إذا علما

---

(۱) امرأة قالت لرجل: زوجني ممن شئت لا يملك أن يزوجها من نفسه كذا في التجنيس والمزيد رجل وكل امرأة أن تزوجه فزوجت نفسها منه لا يجوز. (الهندية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/۲۹۵، جديد ۱/۳۶۰)

(۲) إذا ردد المتكلم عبارات التصرفات؛ ولكنه لا يريد انشاء التزام أو عقد بل يريد غرضًا آخر كالتعلم والتعليم والتمثيل فلا يترتب على عبارته أي أثر ...... وكذلك ترديد الممثلين عبارات التمثيل وحكاية أقوال الأخرين مثل زوجني نفسك. فقالت: زوجتک نفسي لا يترتب عليه أي أثر لأن المتكلم في هذه الأمثلة لا يقصد انشاء العقد بل قصد غرضًا آخر وهو التمثيل أو الحفظ. (موسوعة الفقه الإسلامي، والقضايا المعاصرة، الفصل الرابع، المبحث الثاني، مكتبه زكريا د يوبند ۱۰/ ۱۸۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(الزوجان) أن هذا اللفظ ينعقد به النكاح أي وإن لم يعلما حقيقة معناه. الخ (١) وفيه بالاشتراط علىٰ اشتراط فهم أنه عقد نكاح والقول بعدمه على عدم اشتراط فهم معاني الألفاظ بعد فهم أن المراد عقد النكاح. (٢)

بنا برروایات مذکورہ اگرعورت یا گواہ یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہوجاویگا تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔(٣)

۲۳/شعبان ۱۳۴۹ھ (النور،ص:۳، ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ)

---

(١) شامي، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٧٨، كراچي ٣/١٥۔

(٢) شامي، كتاب النكاح، قبيل مطلب في عطف الخاص على العام، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٩٢، كراچي ٣/٢٣۔

(٣) **قال الحنفية: إذا كان التصرف مما يستوي به الجد والهزل كالزواج والطلاق والرجعة واليمين، وعلم العاقدان أن اللفظ المستخدم ينعقد به التصرف، وإن لم يعلما حقيقة معناه فينعقد به التصرف.** (موسوعة الفقه الإسلامي، والقضايا المعاصرة، الفصل الرابع، المبحث الثاني تكوين العقد، مكتبه اشرفية ديوبند ١٠/١٨٧)

وإن لم يعلما (العاقدان) معناهما أي معنى لفظيهما سواء كان عربيًا أو عجميًا وسواء علما انه مما ينعقد به النكاح أو لا وهذا قضاء أما ديانة فيلزم العلم كما في الخانية. (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٦٨)

واختلف أيضًا في فهم الشاهدين كلامهما فجزم في التبيين بأنه لو عقد بحضرة هنديين لم يفهما كلامهما لم يجز وصححه في الجوهرة. وقال في الظهيرية والظاهر أنه يشترط فهم أنه نكاح واختاره في الخانية فكان هو المذهب، والحاصل: أنه يشترط سماعها معا مع الفهم على الأصح. (البحر الرائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٥٦، كوئٹہ ٣/٨٨)

مجمع الأنهر، كتاب النكاح، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٧٣۔

تبيين الحقائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٥٥، امدادية ملتان ٢/٩٩۔

الجوهرة النيرة، كتا ب النكاح، دارالكتاب ديوبند ٢/٦٥۔

خانية على هامش الهندية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٣٣٢، جديد ١/٢٠٢۔ النهر الفائق، كتاب النكاح، زكريا ديوبند ٢/١٨٢۔ **شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ**

لڑکے والوں سے قبل نکاح کچھ رقم لے کر لڑکی کی رخصتی میں خرچ کرنا

سوال (۱۰۶۶): قدیم ۲/ ۲۰۸- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ اس ملک میں چند برس سے یہ رواج ہوگیا کہ مثلاً زید غریب ہے اپنی دختر کے نکاح میں کچھ خرچ نہیں کرسکتا ہے جو رواج ہے ملک کے موافق اپنے محلّہ داروں کو کچھ پان وشربت وغیرہ خورد ونوش میں جو خرچ پڑتا ہے اور وہ بے چارہ اپنی دختر کو اس خرچ کیوجہ سے شادی نہیں دے سکتا تو کیا کرتا ہے کہ مثلاً دسویں شعبان کو اپنے چند رشتہ دار اور نوشہ کے چند اقرباء ورشتہ کے بھی باہم جمع ہوکر نکاح کی تاریخ بیسویں شعبان کو مقرر کرتے ہیں اور زیورات چاندی وسونے کے اور کپڑا ومہر معجّل وغیر معجّل وغیرہا سب کے سب فیصلہ توثیق کے ساتھ کرلیتے ہیں اور جو روپیہ مہر کی عوض ہوگا نصف معجّل ونصف غیر معجّل سب بات کا اُس دسویں تاریخ مذکور بندوبست عہد وپیمان سے ہوجاتا ہے تو آخری وقت اُس دسویں تاریخ جلسہ والے لڑکی کے باپ نوشہ کی طرف کے آدمیوں سے کہتے ہیں کہ جو نصف مہر معجّل نقد بیسویں تاریخ بوقت عقد نکاح آپ لوگ دیں گے وہ روپیہ اگر آج ساتھ ہو تو دیدیجئے یا کہ چار پانچ روز کے اندر دیدیجئے تاکہ میں اسی روپیہ سے کچھ رواج کے موافق حسب حیثیت خود تیار کروں غرض کچھ عہد وتوثیق کرواکے جس سے شادی ہونے کا اطمینان وتسکین ہوجائے کرکے تاریخ عقد مقررہ کے قبل وہ روپیہ دیدیتے ہیں اس شرط پر کہ اگر خدانخواستہ کچھ فتنہ وفساد کی وجہ سے نکاح نہیں بھی ہوا تو روپیہ واپس دیا جائے گا اور بعضے لوگ عقد کے روز بھی اپنی لڑکی کا مہر معجّل وصول کرلیتے ہیں تو ان صورتوں میں اول یہ کہ دختر باکرہ بالغہ ہو یا نابالغہ اگر اپنے والد ماجد یا قاضی کو منع نہ کرے تو باپ دادا قاضی کو لیکر لڑکی کی شادی میں یا اپنے تصرف میں کریں تو یہ جائز ہے یا نہ؟

برتقدیر اوّل بعد تصرف کے پھر واجب الاداء ہے یا نہ؟

دوم اگر دختر بالغہ مانع ہو تو اگر باپ تصرف کرے تو کیا حکم ہے اور لڑکی کسی صورت میں وصول کرسکتی ہے یا نہ؟

سوم پہلے عقد کے جیسا بیان ہوا لینا جائز ہے یا نہ؟ اور بعد عقد کے مہر لینا کیسا ہے اور اسی روپیہ سے اگر آدمیوں کو کھلا دے تو کھانا کیسا ہے اور اگر قرض حسنہ کے طور پر اپنی لڑکی سے لیکر کھلا دے تو کھانا کیسا ہے؟ اور ولی مثل برادر عم وغیرہما یہ لوگ کیا لے سکتے ہیں اگر اپنے تصرف میں کرے تو جائز ہے یا نہ؟ اور اسی طور پر محلّہ داروں کو قرض اس سے لیکر کھلانا جائز ہے یا نہ؟ بینوا توجروا

الجواب: **في الدر المختار: خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها فما بعث للمهر يسترد عينه أوقيمته هالكا. (۱) وفيه أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة. (۲) وفي رد المحتار: الحظر والإباحة واما دعوة يقصدبها التطاول أو انشاء الحمد أوما أشبه فلا ينبغي اجابتها الخ. (۳)**

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا کہ جو لیا جاتا ہے اگر وہ مہر میں سے نہیں تب تو رشوت اور حرام ہے اُس کا کھانا کھلانا سب ناجائز ہے اور زوج کو اس کے استرداد کا حق اگر وہ مہر میں لیا گیا تو اگر وہ دختر صغیرہ ہے تو اُس کی ملک میں تصرف کرنا گو اس کے اذن سے ہو حرام ہے اس کا کھانا کھلانا بھی ناجائز ہے اگر وہ بالغہ ہے سو اگر اس کے بلا اذن ہے تب بھی یہی حکم ہے (۱) مگر نابالغہ تو اس کا مطالبہ باپ سے کرے

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الناح، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٣٠٤، كراچي٣/١٥٣۔

مجع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر، فصل دارالكتب العلمية بيروت ١/٥٣٢۔

الموسوعة الفقهية الكويتية ١٩/٢٠٤۔

حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المهر، امدادية ملتان ٢/١٥٩، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٨٢۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب أنفق على معتدة الغير، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٣٠٧، كراچي٣/١٥٦۔

البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٢٥، کوئٹہ٣/١٨٧۔

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٦٥۔

الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل السادس عشر، مكتبه زكريا ديوبند قديم١/٣٢٧، جديد ١/٣٩٣۔

(۳) شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٥٠١، كراچي٦/٣٤٧۔ الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/٢٤٤۔

وأما دعوة يقصد بها قصدا مذموما من التطاول وابتغاء المحمدة والشكر، وما أشبه ذلک فليس ينبغي إجابتها. (البناية شرح الهداية، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس، مكتبه اشرفية ديوبند ١٢/٨٥)

گی اور بالغہ اسکا مطالبہ زوج سے کرے گی اور اس کے اذن سے ہے تو اگر وہ اذن محض ظاہر ہے طیبِ خاطر سے نہیں ہے تب قضاء مطالبہ تو کسی سے نہیں کرسکتی لیکن یہ تصرف حرام ہے اور کھانا کھلانا سب ناجائز (۲) اور اگر بطور فرض محال عادی طیب خاطر سے ہے تو بوجہ اس کے کہ ایسے مواقع پر اکثر قصد تفاخر ونا موری کا ہوتا ہے پھر بھی کھانا کھلانا سب ممنوع ہے البتہ اگر یہ خرابی بھی نہ ہوتی تو اس اخیر صورت میں جائز ہوجاتا، واللہ اعلم

۱۶/ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد، ج:۲،ص:۲۷)

لڑکی کے نکاح پر معاوضہ لینا کیسا ہے؟

سوال (۱۰۶۷): قدیم ۲/ ۲۱۰- اس دیار میں یہ رواج روز بروز ترقی پذیر ہورہا ہے کہ لڑکی یعنی منکوحہ کا باپ یا والی لڑکی کو مثل کنیز قیمت ٹھیرا کر لڑکے یعنی ناکح کے باپ یا والی سے بمعاوضہ عقد زر کثیر اخذ کرتا ہے اس رسم قبیحہ کی وجہ سے بہت نتائج قبیحہ عقلیہ وشرعیہ ظہور پذیر ہوتے ہیں علاوہ بریں اکثر افراد جن کو زر کثیرہ دینے کی استطاعت نہیں ہوتی ان کو حالت تجرد میں بجبوری رہنا پڑتا ہے جس کے نتائج نہایت تباہ کن پیدا ہوتے ہیں آجکل طمع دنیا کا مرض عالم گیر ہورہا ہے ایسے زمانے میں بعض دین فروش علماء نے بھی یہاں لڑکی کے نکاح کے معاوضہ میں اُجرت لینے کا فتویٰ دیدیا اور اپنے فتویٰ کی تائید میں حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آٹھ سال بکریاں چرانے کی شرط پر اپنی لڑکی کے نکاح کا وعدہ کیا تھا ان آیات کو بطور سند پیش کر کے بیان فرماتے ہیں کہ نص قرآنی سے لڑکی کی اُجرت بمعاوضہ نکاح جائز ہے اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی سنت ہے اس فتویٰ کا اثر یہاں بہت برا پڑ رہا ہے اور بعض اشخاص جن کو خوف خدا تھا وہ بھی لڑکی کی قیمت لینے پر آمادہ ہوگئے ہیں لہذا استفتاء مرسلہ مع خط ہذا کا جواب کافی وشافی مفصّل ومدلل بہ ادلۂ شرعیہ وضاحت سے تحریر فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوجئے گا؟

---

(۱)**إن ما لا حظ للمحجور فيه كالهبة بغير العوض والوصية والصدقة والعتق والمحاباة في المعاوضة لا يملكه الولي ويلزمه ضمان ما تبرع به من هبة أو صدقة أو عتق أوحابي به أو مازاد في النفقة على المعروف أو دفعه لغير أمين لأنه إزالة ملكه من غير عوض فكان ضررًا محضا.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/ ١٦٢)

(۲)**عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ألا لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه.** (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

مسند أحمد بن حنبل، بيروت ٥/ ٧٢، بيت الأفكار رقم: ٢٠٩٧١- **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

الجواب: فی تفسیر بیان القرآن رعی مواشی مدّت معیّنہ تک کا مہر مقرر ہونا ہماری شریعت میں بھی جائز ہے کذا فی ردالمحتار (۱) اور اگر یہ بکریاں اُن صاحبزادی کی تھیں تب تو مہر کا ان کو ادا کیا جانا ظاہر ہے اور اگر باپ کی تھیں تو بالغہ کی رضا سے ایسا معاملہ اس شریعت میں بھی جائز ہے. اھ (۲) یہ حقیقت ہے اس قصہ کی پس اس سے استدلال کرنا اس رسم پر موقوف ہے چند امور کے اثبات پر۔

اوّل: یہ کہ رعی مواشی مہر کے علاوہ کوئی نفع باپ کا تھا جیسا کہ رسم قبیح میں وہ رقم مشروط علاوہ مہر کے ہوتی ہے۔

دوم: یہ کہ بدون اذن منکوحہ کے ساتھ تھا جیسا رسم قبیح میں منکوحہ کا اذن جو شرعی قواعد سے معتبر ہو حاصل نہیں کیا جاتا، بہرحال رسم مذکور میں جو رقم لی جاتی ہے اگر وہ مہر کے علاوہ ہے تب تو رشوت ہے (۳) اور قصہ میں اس کا غیر مہر ہونا ثابت نہیں اور اگر مہر ہے تو نہ وہ لڑکی کو دی جاتی ہے نہ اس کی اجازت لی جاتی ہے اور قصہ میں اس کا بدون اذن منکوحہ کے ہونا ثابت نہیں پس یہ استدلال سراسر باطل اور یہ رسم سراسر حرام ہے۔

۲۶/صفر ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ، ص:۱۸۱)

---

(۱) **ومفاده صحة تزوجها على أن يخدم سيدها أو وليها كقصة شعيب (الدر) وتحته في الشامية: فإنه زوج موسىٰ عليهما السلام بنته على أن يرعي له غنمه ثماني سنين وقد قصه الله تعالىٰ علينا بلا إنكار فكان شرعا لنا وقد استدل بهذه القصة على ترجيح مامر من رواية الجواز في رعي غنمها ورده في الفتح بأنه إنما يلزم لو كانت الغنم ملك البنت دون شعيب وهو منتف وتبعه في البحر: ومفاده صحة الاستدلال بها على الجواز في رعي غنم الأب.**

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: في نكاح الشغار، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٢٣٩، كراچي ٣/١٠٧)

(۲) **مکمل بیان القرآن، تحت تفسیر رقم الایہ: ۲۷، من سورۃ القصص، تاج پبلشرز دہلی ۸/۱۰۷۔**

(۳) **أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب أنفق على معتدة الغير، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٣٠٧)

البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٣٢٥، كوئٹه ٣/١٨٧۔

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٦٥۔

الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل السادس عشر، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٣٢٧، جديد ١/٣٩٣۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

نکاح سے پہلے منکوحہ کے باپ کو دی ہوئی رقم کو مہر میں محسوب کرنے کا حکم

سوال (۱۰۶۸): قدیم ۲/ ۲۱۱- مہر بتیس روپیہ آٹھ آنہ کا مقرر ہے اور زوجہ کے والدین نے سترہ نقد بری کے نام سے لئے یعنی اس شرط پر کہ مہر کے ان ہی روپیوں سے لڑکی کی لاگ لپیٹ کردیویں گے مثلا کپڑا وغیرہ مگر انھوں نے کسی کو یا اپنی لڑکی کو ایک کپڑا تک نہیں دیا دیگر زیور جو کچھ چڑھایا تھا اُس کا مالک زوجہ کو یا اس کے والدین کو نہیں بنایا تھا؛ چونکہ زوجہ نابالغ ہے اور اسکا والد شریر آدمی ہے اور خود طلاق کا خواہاں ہے سو اب مہر میں وہ سترروپیہ اور زیور جو زوجہ کے پاس ہے ادا ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اگر خلوت صحیحہ اس منکوحہ سے نہیں ہوئی اور تفسیر خلوت صحیحہ کی اگر نہ معلوم ہو دریافت کرلی جائے، تو اس صورت میں طلاق دینے سے نصف مہر لازم ہے، یعنی سولہ روپیہ چار آنہ اور یہ حق اس زوجہ کا ہے (۱)؛ لیکن جب تک وہ نابالغہ ہے اس کے باپ ہی کو اُس پر قبضہ کرنے کا حق ہے۔ (۲)

---

(۱) **قال الله تعالیٰ: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ.** [البقرة: ۲۳۷]

عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال في الرجل يتزوج المرأة يخلوبها فلا يمسها ثم يطلقها: ليس لها إلا نصف الصداق؛ لأن الله تعالیٰ يقول: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ. [البقرة:۲۳۷] (السنن الكبریٰ للبيهقي، كتاب الصداق، باب الرجل يخلو بامرأته ثم يطلقها قبل المسيس، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۴٦، رقم:۱۴۸۳۳)

ويجب نصفها بطلاق قبل وطء أوخلوة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۲۳۵-۲۳٦، كراچي ۳/ ۱۰۴)

(۲) **لأبي الصغيرة المطالبة بالمهر (الدر) وتحته في الشامية: والصغيرة غير قيد ففي الهندية: للأب والجد والقاضي قبض صداق البكر صغيرة كانت أو كبيرة إلا إذا نهته وهي بالغة صح النهي، وليس لغيرهم ذلك.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: لأبي الصغيرة المطالبة بالمهر، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۳۱۴، كراچي ۳/ ۱٦۱) ←

اور باپ نے جو کچھ لیا ہے نقد یا زیورا گر وہ لڑکی کو نہیں ملا تو اس کے لینے سے مہر تو ادا نہیں ہوگا؛ لیکن خاوند یہ کہہ سکتا ہے کہ تم میرا نقد زیور اُس لڑکی کو نصف مہر میں دیدو اگر وہ دیدے تب تو مہر ادا ہو جاوے گا اور اگر وہ اس لڑکی کو نہ دے تو مہر ادا نہ ہوگا بلکہ جب وہ لڑکی بالغ ہوگی بذمہ شوہر واجب ہوگا کہ اس کا مہر ادا کرے اور جو کچھ اس کے باپ کو دیا تھا اس کا مطالبہ اس کے باپ سے کرے (۱) البتہ وہ لڑکی بعد بلوغ کے اور وہ باپ اب اس پر رضا مند ہو جاویں کہ وہ باپ اس لڑکی کو اس کا مہر اس رقم میں سے ادا کردے گا جو باپ نے شوہر سے لی ہے تو حوالہ کے طور پر شوہر سبکدوش ہو جاوے گا۔ (۲)

۱۲/ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۳۴)

← **ثم إطلاقه يفيد أن ولاية المطالبة بالمهر ثابتة لكل ولي مع أنها ليست إلا للأب أو لأبيه أو للقاضي؛ لأن غير هؤلاء لايملك التصرف في مال الصغير فلا يملك قبض صداقها، وإن كان عاقدًا بحكم الولاية والوكالة.** (الدر المنتقي مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر، فصل: دار الكتب العلمية بيروت ١/٥٢٦)

(١) **إذا زوج الرجل ابنته وهي صغيرة ثم أدركت فطالبت زوجها بالمهر. وقال الزوج: دفعت إلى أبيك وأنت صغيرة وصدقه الأب في ذلك، فإن إقرار الأب اليوم لا يجوز على ابنته ولها أن ترجع بالمهر على الزوج ولايرجع به الزوج على الأب من قبل أنه مقر بأنه دفعه إليه ودفعه جائز.** (الفتاوى التارخانية، كتاب النكاح، الفصل الثاني عشر في نكاح الصغار، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٠٧، رقم:٥٦٦٤)

المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل العاشر: نكاح الصغار، المجلس العلمي ٤/٦٦، رقم:٣٦٤٤۔

وإقرار الأب بقبض الصداق عند إنكارها وعدم البينة غير مقبول إن كانت وقته ثيبا بالغة وإلا فمقبول، وإقراره أنه قبضه وهي صغيرة مع إنكارها وعدم البيان غير مقبول إن كانت وقته بالغة وإلا فمقبول ترجع على الزوج وليس للزوج أن يرجع على الأب إلا إذا شرط براءته من الصداق وقت القبض. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٩٥، كوئٹه٣/١١١)

(٢) **الحوالة نقل الدين من ذمة إلى ذمة وتصح في الدين لا في العين برضا المحتال والمحتال عليه وقيل لابد من رضا المحيل أيضًا وإذا تمت برئ المحيل بالقبول.** (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الحوالة، دارالكتب العلمية بيروت٣/٢٠٤-٢٠٥) ←

لڑکی والا جو روپیہ لیتا ہے وہ مہر ہوگا یا نہیں؟

سوال (۱۰۶۹): قدیم ۲/۲۱۱- بعض دیار میں عرف ہے کہ دلہن والے دولہا سے قبل از عقد یا بعد از عقد کچھ روپیہ لیکر براتیوں اور دیگر خویش واقرباء کو کھلاتے ہیں بعض اس کو دین مہر میں محسوب کرتے ہیں سو اس میں جو لوگ مہر سے علیحدہ محسوب کرتے ہیں اس کو رشوت کہنا حسب روایت درمختار ممکن ہے۔

في الدر المختار: أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده لأنه رشوة.اه (۱)

مگر جو لوگ مہر میں محسوب کرتے ہیں ان کے لئے گنجائش معلوم ہوتی ہے اگر وہ باپ یا دادا ہے۔

في الشامية: ص: ۵۷۱ قبض الأب مهرها وهي بالغة أولا وجهزها أو قبض مكان المهر عينا ليس لها أن لا تجيزه لأن ولاية قبض المهر إلى الآباء وكذا التصرف فيه. اه (۲)

وفيها ص: ۵۷۱ للأب والجد والقاضى قبض صداق البكر صغيرة كانت أو كبيرة إلا إذا نهته وهي بالغة صح النهي وليس لغيرهم ذلك والوصى يملك ذلك على الصغيرة والثيب البالغة حق القبض لها دون غيرها. اه (۳)

اس میں حضور والا کی کیا رائے ہے امداد الفتاویٰ جلد دوم، ص: ۲۸ (۴) میں علی الاطلاق منع تحریر فرمایا گیا ہے جو کچھ ارشاد حضور کا ہوگا وہی بالراس والعین ہے امید کہ حضور اگر تکلیف نہ ہو مختصر تحریر فرمادیں کافی ہے؟

الجواب: مہر ظاہر ہے کہ باپ کا حق نہیں (۵) پھر اس رقم کا مہر میں محسوب کرنا اس میں ضرور

← هداية، كتاب الحوالة، مكتبه اشرفية ديوبند ۳/۱۲۹۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير، مكتبه زكريا ديوبند ۴/۳۰۷، كراچي۳/۱۵۶۔

(۲) شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب لأبي الصغيرة المطالبة بالمهر، مكتبه زكريا ديوبند ۴/۳۱۵، كراچي ۳/۱۶۱۔

شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب لابي الصغيرة المطالبة بالمهر، مكتبه زكريا ديوبند ۴/۳۱۴، كراچى ۳/۱۶۱۔

(۴) امداد الفتاوی جدید سوال نمبر:۱۰۶۶۔

(۵) في المهر حقوق ثلاثة حق الشرع وحق الأولياء وهو أن لا يكون أقل من مهر مثلها ←

تفصیل ہوگی وہ یہ کہ اگر منکوحہ بالغ ہے تو باپ کے قبض اور تصرف دونوں میں اذن اس کا شرط ہوگا خواہ صراحۃً یا دلالۃً چنانچہ روایت مذکورہ سوال میں **إلا اذانهته** اس کی صریح دلیل ہے باقی دوسری روایت میں جو ہے ’’**لیس لها ان لا تجیز**‘‘ مراد اس عدم اجازت سے عدم اجازت بعد القبض ہے یعنی بعد قبض اب کے اگر منکوحہ شوہر سے مطالبہ کرنے لگے اور کہے کہ میں اس قبض کو جائز نہیں رکھتی تو اس کو یہ حق نہیں مگر اس میں شرط یہ ہے کہ اذن متعارف ہو اور اس کی جو دلیل ہے ’’**لأن ولاية قبض المهر إلیٰ آخره**‘‘ وہ بھی مقید ہے اذن متعارف کے ساتھ چنانچہ نہی صریح کے بعد ولایت قبض نہ ہونا اس کی صریح دلیل ہے یہ تو بلوغ کی صورت میں ہے اور اگر وہ نابالغہ ہے تو پھر باپ کے قبض وتصرف میں وہی شرائط ہیں جو اس نابالغہ کے دوسرے اموال میں ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں سے براتیوں کو کھلانا جائز نہیں۔ **فکذا من المهر**. (۱)

۸/ ج: ۱، ۱۳۵۱ھ (النور ص: ۸، محرم ۱۳۵۲ھ)

← **وحق المرأة وهو كونه ملكالها**. (المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في المهر، المجلس العلمي ٤/١١٨، رقم: ٣٧٨٥)

البناية شرح الهداية، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه اشرفية ديوبند ٥/١٤٢ـ

الفتاوى التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل السابع عشر في المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٦٢، رقم: ٥٨٤١ـ

أما ما يتعلق بالمهر حالة البقاء فهو حق المرأة فيكون ملكا خالصالها لا يشاركها فيه أحد. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، الباب الأول الفصل السادس، المبحث الأول، صاحب الحق في المهر، مكتبه اشرفية ديوبند ٨/٢٧٠)

(۱) **لا خلاف بين الفقهاء في أنه لايجوز للولي أن يتصرف في مال المحجور إلا على على النظر والاحتياط وبما فيه حظ له واغتباط لحديث لا ضرر ولا ضرار وقد فرعوا على ذلک، إن ما لاحظ للمحجور فيه كالهبة بغير العوض والوصية والصدقة والعتق والمحاباة في المعاوضة لا يملكه الولي ويلزمه ضمان ما تبرع به من هبة أو صدقه أو عتق أوحابى به أومازاد في النفقة على المعروف أو دفعه لغير أمين لأنه إزالة ملكه من غير عوض فكان ضررا محضا**. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/١٦٢) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نکاح پڑھو کہنے کے بعد عورت کا اذن سے انکار کرنا

سوال (۱۰۷۰): قدیم ۲/ ۲۱۲- فدوی نے ایک نکاح مسمی زید کا ساتھ صالحہ بی بی کے بدیں صورت پڑھا پہلے تقریبا ستر آدمی مردانہ وزنانہ مسمی مصاحب موچی بہنوئی صالحہ بی بی کے گھر میں جمع ہوئے اور مسماۃ صالحہ بی بی جس کی عمر چھبیس برس کی ہوگی کوٹھے غربی کی چھت پر جو تقریبا چار فٹ اونچا ہوگا بیٹھی تھی اوراس کے پاس ایک وکیل اور دو گواہ اس لئے بھیجے گئے کہ تیرا نکاح ساتھ فلاں ولد فلاں قوم موچی کے کیا جاتا ہے تو اس نے تین بار کلمہ شہادت پڑھ کر باآواز بلند کہا کہ میرا نکاح پڑھو جس کو نیچے والی مجلس کے لوگوں نے بھی سُنا پھر وکیل اور گواہ کوٹھے سے اتر کر مجلس میں آئے اور مجھ نکاح خواں کو اجازت نکاح کرنے کی دی اور میں نے ایجاب مسماۃ صالحہ بی بی کا سنکر حسب طریقہ شرعی ایک سو روپیہ ڈبل رائج الوقت مقرر کر کے فلاں ولد فلاں کو قبول کرایا اور نوشہ نے قبول کرلیا اس پر شیرینی تل وشکر تقسیم ہوئی پھر اس کے بعد صالحہ بی بی کی بہن اور بہنوئی نے نوشہ کو کہا کہ اب ہم سامان چند روز میں کر کے تمہاری منکوحہ تمہارے ساتھ کر دیں گے تم اپنے گاؤں کے چند آدمی ہمراہ لانا اور اپنی منکوحہ کو لے جانا پھر وہ نوشہ اپنے گاؤں کی طرف چلا گیا عرصہ دو ماہ کے بعد صالحہ بی بی کو کوئی بدراہ کر کے لے گیا اور اس کو یعنی صالحہ بی بی کو سکھلا دیا کہ تم کہدو کہ میں نے اجازت نکاح کی نہیں دی اُس نے انکار کر دیا اور کہا کہ خود بخود نکاح کرلیا اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب: عورت کا یہ کہنا کہ میرا نکاح پڑھو ترجمہ ہے زوجنی کا اس کے ایجاب ہونے میں اختلاف ہے؛ لیکن توکیل ہونا یقینی ہے پھر جب وکیل نے نکاح پڑھا یہ ایجاب قائم مقام ایجاب اصل کے ہوا اور نوشہ نے قبول کیا ایجاب وقبول دونوں متحقق ہو گئے پس نکاح یقیناً صحیح ہو گیا یہ اسوقت ہے؛ جبکہ عورت اس اجازت دینے کا اقرار کرے اور اگر انکار کرتی ہو تو حکم یہ ہے کہ اگر کسی ایسے مسلمان شخص کے پاس مقدمہ آوے جو سلطنت کی جانب سے حاکم ہو یا مرد وعورت دونوں رضامند ہو کر اس کے پاس مقدمہ لے آئیں اور وہ گواہوں سے حکم کر دے تو اس کا انکار مؤثر نہ ہوگا۔ (۱) اور اگر دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں صرف علماء کا فتویٰ ہی ہے تو شوہر کو ان گواہوں کے بیان پر عورت کو لیجانا درست نہیں۔

---

(۱) وينفذ القضاء بشهادة الزور ظاهراً وباطنا حيث كان المحل قابلا والقاضي غير عالم بزورهم في العقود كبيع ونكاح (الدر) وتحته في الشامية وكذا لو ادعي على امرأة نكاحها ←

في الدر المختار: كزوجني (إلىٰ قوله) فإنه ليس بإيجاب؛ بل هو توكيل وفيه وقيل هو إيجاب. (۱) واللہ اعلم وعلمہ اتم

۱۵؍ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد،ص:۳۱،ج:۲)

عیسائی عورتوں سے نکاح پر اشکال اور جواب

سوال (۱۰۷۱): قدیم ۲/۲۱۳- نصاریٰ جو تثلیث کے علی العموم قائل ہیں مشرک ہیں کہ نہیں؟ اگر مشرک ہیں تو اُن کی عورتوں سے نکاح کیوں کر جائز ہوا۔ **قوله تعالىٰ: ولا تنكحو المشركات الخ(۲)** اور اگر یہ مشرک نہیں ہیں؟ تو تثلیث کا قائل ہو کر ان کا موحد ہونا سمجھ میں نہیں آتا جواب شافی سے تسکین فرمائیے۔

← **وهي جاحدة أو بالعكس وقضى بالنكاح كذلك حل للمدعي الوطء ولها التمكين عنده.** (الدر المختار مع رد المحتار كتاب القضاء، مطلب في القضاء بشهادة الزور، مكتبه زكريا ديوبند ۹٤/۸، كراچي ٤٠٥/٥)

البحرالرائق، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره،مكتبه زكريا ديوبند ۲٥/۷، كوئٹة ۱٤/۷۔

تولية الخصمين حاكما يحكم بينهما...... وشرطه من جهة المحكم بالفتح صلاحيته للقضاء كما مر...... فحكم بينهما ببينة أو إقرار أونكول ورضيا بحكمه صح (الدر) وفي الشامية تحت قوله كمامر: أي في الباب السابق والمحكم كالقاضي (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب القضاء، باب التحكيم، مكتبه زكريا ديوبند ۱۲٥/۸ تا ۱۲۷، كراچي ٤۲۸/٥)

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٦۹/٤-۷۰، كراچي ۱۰/۳۔
الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳۸/٤۱۔

زوجني ابنتك فقال زوجتك وهو صريح في أن المستقبل ايجاب وقد صَرَّحَ به قاضيخان في فتاواه حيث قال: ولفظة الأمرفي النكاح إيجاب...... وذهب صاحب الهداية والمجمع إلى أن الأمر ليس بإيجاب وإنما هو توكيل...... فقد علمت اختلاف المشايخ في أن الأمر إيجاب أو توكيل الخ (البحرالرائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ۱٤٥/۳، كوئٹة ۸۲/۳)

مجمع الأنهر، كتاب النكاح، دارالكتب العلمية بيروت ٤٦۹/۱۔

(۲) سورة البقرة: جزء الآية: ۲۲۱۔

الجواب: مشرک کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس کا مذہب سماوی نہ ہو۔ دوسرا وہ جو سماوی مذہب کا معتقد ہو گو اس میں تحریف کر کے شرک کا قائل ہو گیا پس آیت: ”لاتنکحو المشرکات“ میں ممانعت قسم اول سے نکاح کرنے کی ہے اور آیت ”والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم“ میں دوسری قسم سے نکاح کی اجازت ہے۔(۱)

---

(۱) **عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله تعالىٰ: وَلَا تَنْكِحُوْا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ. ثم استثنىٰ نساء أهل الكتاب فقال: وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ** [سورة المائدة: ٥]

السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب النكاح، جماع أبواب نكاح حرائر أهل الكتاب، دارالفكر بيروت ١٠/٤٢٣، رقم: ١٤٣٠٠۔

قوله: وَلَا تَنْكِحُوْا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِن، غير موجب لتحريم الكتابيات من وجهين أحدهما: أن ظاهر لفظ المشركات إنما يتناول عبدة الأوثان منهم عند الإطلاق ولا يدخل فيه الكتابيات إلا بدلالة...... ألا ترىٰ إلى قوله: مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ. [البقرة: ١٠٥]

أن الأظهر أن المعطوف غير المعطوف عليه إلا أن تقوم الدلالة على أنه من جنسه فاقتضى عطفه أهل الكتاب على المشركين أن يكونوا غيرهم وأن يكون التحريم مقصوراً على عبدة الأوثان من المشركين، والوجه الاٰ خرأنه لوكان عموما في الجميع لوجب أن يكون مرتبا على قوله: وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ. [المائدة:٥]

وأن لاتنسخ إحدا هما بالأخرى ما أمكن استعمالهما. (أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، نكاح المشركات، مكتبه زكريا ديوبند ١/٤٠٤)

أما الاٰية فهي في غير الكتابيات من المشركات لأن أهل الكتاب وإن كانوا مشركين على الحقيقة؛ لكن هذا الاسم في متعارف الناس يطلق على المشركين من غير أهل الكتاب قال الله تعالىٰ: مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ...... فصل بين الفريقين في الاسم على أن الكتابيات وإن دخلن تحت عموم اسم المشركات بحكم ظاهر اللفظ لكنهن خصصن عن العموم بقوله تعالىٰ: والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، من شروط صحة النكاح، أن لا تكون المرأة مشركة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٥٣، كراچي ٢/٢٧١)

پس نہ نصاریٰ کا موحد ہونا لازم آیا اور نہ آیت ''لا تنکحوا'' کے خلاف مشرکات سے نکاح حلال ہونا لازم آیا؛ لیکن اس زمانہ میں جو نصاریٰ کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاریٰ ہیں مذہبی حیثیت سے محض دہری وسائنس پرست ہیں ایسوں کے لئے یہ حکم جواز نکاح کا نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم.

۱۵/ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد،ص:۳۲،ج:۲)

---

(۱) کتابیہ یعنی یہود ونصاری کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق کچھ تفصیل کی ضرورت ہے، کہ حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام اور خیر القرون کے زمانہ میں جو یہود ونصاری تھے، وہ بھی مشرک ہی تھے، صرف ان میں بعض چیزیں باقی تھیں مثلاً حضرت موسی علیہ الصلاۃ والسلام کو نبی اور تورات کو آسمانی کتاب تسلیم کرنا اور حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کو نبی اور انجیل کو آسمانی کتاب تسلیم کرنا، اوراس کے ساتھ ساتھ ان میں تمام شرکیہ اعمال پائے جاتے تھے،اورآج کے زمانہ میں برطانیہ اور امریکہ کے تحت پوری دنیا میں عیسائیت پھیلائی جارہی ہے،ان کو اہل کتاب کہنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے ورنہ خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے فرمان ''وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ'' (التوبة: ۳۰) میں واضح طور پر موجود ہے،جن میں ان کے شرکیہ عقائد کا ذکر ہے، اس لئے ایسے تمام یہود ونصاری ان اہل کتاب کے دائرے میں داخل ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم کے اندر مناکحت کی اجازت دی گئی ہے اوران میں جو دہریہ ٹائپ کے نظر آتے ہیں ان کا حال ایسا ہے، جیسا کہ مسلمانوں میں بھی بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جانتے ہیں اور قرآن مقدس کا نام جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بھی جانتے ہیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے، ان کے سارے اعمال غیر مسلموں جیسے ہیں، اس کے باوجود ان کو اسلام سے خارج تسلیم نہیں کرتے ان کے ساتھ بیاہ شادی عام مسلمان کرتے ہیں؛اس لئے بد دین قسم کے یہود ونصاری بھی اہل کتاب میں ہی شامل ہوں گے، اب رہا ان سے مناکحت کا حکم تو اس بارے میں کم سے کم ان کے ساتھ نکاح کو مکروہ تحریمی کہا جائے گا،علی الاطلاق بلا کراہت ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز اور حلال بھی نہیں کہا جا سکتا؛ اس لئے کہ اولاد ماں سے متاثر ہوا کرتی ہے،تو اگر ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو مسلمانوں کی اولاد کا معاشرہ اور عقیدہ انہیں جیسا ہونے لگے گا، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا تھا کہ آپ نے جس یہودیہ عورت سے نکاح کیا ہے، میرے خط کے پہونچتے ہی آپ فوراً اسے اپنے نکاح سے الگ کردیں،تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا تھا کہ کیا وہ میرے لئے حرام ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ میں اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام نہیں کرتا؛ لیکن جب آپ جیسے لوگ ان کی عورتوں سے نکاح کریں گے تو پھر ←

← ان سے نکاح کرنا عام ہو جائے گا اور مسلمانوں کا معاشرہ خراب ہوتا جائے گا، اور آئندہ ان سے پیدا ہونے والی نسلیں ان کی عورتوں کی طرح اسلام سے بیزار ہونے لگیں گی، نیز ان کی عورتیں عام طور پر بدکار ہوتی ہیں اور تم ان کی اطاعت کرنے لگو گے، لہٰذا حضرت عمرؓ کی اس گہری دور بینی کے نقطۂ نظر سے ایسے یہود ونصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی کراہت سے خالی نہیں ہوگا، جو نزول قرآن کے زمانہ کے یہود ونصاریٰ کے طرح ہیں، ہم اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کے خط کو نقل کرتے ہیں اس کے بعد علماء امت کی تحریرات پیش کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط سنن کبریٰ کے حوالہ سے ملاحظہ فرمائیے:

سمعت أبا وائل يقول: تزوج حذيفة رضي الله عنه يهودية، فكتب عمر رضي الله عنه، أن يفارقها، فقال: إني أخشى أن تدعوا المسلمات وتنكحوا المومنات، وهذا من عمر رضي الله عنه على طريق التنزيه والكراهة، ففي رواية أخرى: أن حذيفة كتب إليه أحرام هي؟ قال لا، ولكني أخاف أن تعاطوا المومسات منهن. (السنن الكبرىٰ للبيهقي كتاب النكاح، باب ماجاء في تحريم حرائر أهل الشرك الخ، دار الفكر بيرورت ١٠/٤٢٥، رقم: ١٤٣١٠، دارالحديث القاهرة ٧/ ١٩٨، رقم: ١٣٩٨٤)

مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ملاحظہ فرمائیے:

عن شقيق قال: تزوج حذيفة يهودية، فكتب إليه عمر: أن خل سبيلها، فكتب إليه: إن كانت حراما خليت سبيلها، فكتب إليه: إني لاأزعم أنها حرام؛ ولكني أخاف أن تعاطوا المومسات منهن. (المصنف لابن أبي شيبة ٩/ ٨٥، رقم: ١٦٤١٧)

اب علماء امت کی تحریرات پیش کی جاری ہیں ملاحظہ فرمائیے: تفسیر مظہری میں ہے:

قال ابن الجوزي: روى أصحابنا حديث ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ذبائح نصارى العرب، وروى ابن الجوزي بسنده عن علي رضي الله عنه قال: لاتأ كلو من ذبائح نصارى بني تغلب فإنهم لم يتمسكوا من النصرانية بشيء إلا شربهم الخمر فكذا حكم نصارى العجم إن كان عادتهم الذبح على غير اسم الله تعالىٰ غالباً لايؤكل ذبيحتهم، ولاشک أن النصارى في هذا الزمان لايذبحو ن بل يقتلون بالوقذغالبافلا يحل طعامهم. (تفسير مظهري، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٧٠-٧١)

اس کو ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

لايحل للمسلم الزواج بالمرأة المشركة أوالوثنية، وهي التي تعبد مع الله إلها غيره ←

سوال (۱۰۷۲): قدیم ۲/۲۱۴- قرآن شریف میں جو خداوند کریم نے فرمایا ہے:

والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم (۱)

یعنی اس آیت شریف سے اہل کتاب کی عورتوں محصنہ سے نکاح جائز ہے حالانکہ اہل کتاب کا شرک جیسے ابن اللہ کہنا وغیرہ اور ''غلوفی البدعات'' شرکیہ ثابت ہو چکی تھی باوجود اہل کتاب کے ان خرابیوں کے پھر بھی ان عورتون سے نکاح رکھا گیا تو اب بھی ان کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ اس وقت تو اور بھی یہ لوگ خراب ہو گئے ہیں۔ جب ان سے نکاح جائز ہوا مرزائی عورتوں اور رافضی اور بدعتی جو شرک کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں اُنکی عورتوں سے بدرجہ اُولیٰ جائز ہونا چاہئے حالانکہ فقہاء ان سے نکاح کو منع کرتے ہیں بوجہ خارج الاسلام ہونے کے۔ اُمید ہے کہ جناب والا لوجہ اللہ جواب شافی عنایت فرماویں گے میں کئی روز سے اس شبہ میں مبتلا ہوں۔ **شفاء العي السوال**. فقط

الجواب: شریعت میں مقرر ہے کہ کافر اصلی اور کافر مرتد کے احکام اور پھر کافر اصلی میں اہل کتاب یعنی معتقدین کتاب سماوی (نہ کہ عامل بکتاب سماوی) اور غیر اہل کتاب کے احکام مختلف ہیں اس مقدمہ سے سب شبہات رفع ہو گئے یعنی اہل کتاب کا جو شرک منقول ہے وہ مانع نکاح کتابیہ نہیں ہوا۔ (۲)

← **كالأصنام أو الكواكب أو النار أو الحيوان ومثلها المرأة الملحدة أو المادية، هي التي تؤمن بالمادة إلها وتنكرو جودالله ولا تعترف بالأديان السماوية مثل الشيوعية والوجودية والبهائية والقاديانية والبوذية.** (الفقه الإسلامي وأدلته ۱۵۷/۷)

اس سلسلے میں بنایہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

ويروى عن ابن عمر أنه كان لايجوز نكاح الكتابية، وقالت الإمامية: لايجوزنكاح الكتابية إلا عند عدم المسلمة لاختلاف العلماء في كونهم مشركين، قال الله تعالىٰ: ولاتنكحوا المشركات حتى يؤمن أي حتى يسلمن من أهل الكتاب. (البناية: ۴۳/۵)

اس سلسلے میں بنایہ کی دوسری عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے:

وقال الكافي: الأولى أن لايتزوج الكتابية، ولا تؤكل ذبيحتهم إلا للضرورة لماروي أن عمر رضي الله عنه غضب على حذيفةؓ وكعب وطلحة غضباشديدا. (البناية شرح الهداية، مكتبه اشرفية ديوبند ۴۴/۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) سورة المائدة: جزء الأية: ۵۔

(۲) **وصح نكاح كتابية وإن كره تنزيها مؤمنة بنبي مرسل مقرة بكتاب منزل** ←

اورمرزائیوں وغیرہم پر جب کفر کافتویٰ ہوگااس سے وہ مرتد قرار پائیں گے۔(۱) ’’فحصل الفرق بینهما‘‘ اوراُس شرک سے اہل کتاب گوعامل بکتاب نہ رہیں گےمگر معتقدین کتاب تو ہیں

← **وإن اعتقدوا المسيح إلٰها (الدر) وفي الشامية: إعلم أن من اعتقد دينا سما ويا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث وزبور فهو من أهل الكتاب فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات مطلب مهم في وطء السراري ، مكتبه زكريا ديوبند ۴/۱۲۵ – ۱۳۴ ، كراچي ۳/۴۵)قال: ثم إن الله تعالىٰ أحل نساء أهل الكتاب في قوله عزوجل والمحصنات من الذين أوتواالكتاب من قبلكم فأحل نساء أهل الكتاب من جملة أهل الكفر وترك باقي أهل الكفر على التحريم في قوله تعالىٰ: ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن الخ.** (المبسوط للسرخسي، قبيل باب تفسير التحريم بالنسب، دارالكتب العلمية بيروت ۳۰/۲۹۰)

منها أن لاتكون المرأة مشركة إذا كان الرجل مسلما فلا يجوز للمسلم أن ينكح المشركة لقوله تعالىٰ ولاتنكحوا المشركات حتى يؤمن ويجوز أن ينكح الكتابية لقوله تعالىٰ والمحصنات من الذين أو توا الكتاب من قبلكم (إلى قوله) أما الآية فهي في غير الكتابيات من المشركات لأن أهل الكتاب وإن كانوامشركين على الحقيقة ؛لكن هذا الاسم في متعارف الناس يطلق على المشركين من غير أهل الكتاب قال الله تعالىٰ: مَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتَابِ وَلَا الۡمُشۡرِكِيۡن...... فصل بين الفريقين في الاسم على أن الكتابيات وإن دخلن تحت عموم اسم المشركات بحكم ظاهر اللفظ لكنهن خصصن عن العموم بقوله تعالىٰ: والمحصنات من الذين أوتواالكتاب من قبلكم. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، من شروط صحة النكاح الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۵۲-۵۵۳، كراچي ۲/۲۷۰-۲۷۱)

(۱) لكن صرح في كتابه المسايرة بالاتفاق على تكفير المخالف فيما كان من أصول الدين وضررورياته. (شامي، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب لاعبرة بغير الفقهاء الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٤١٣، كراچي ٤/٢٦٣)

لايجوزللمرتد أن يتزوج مرتدة ولامسلمة ولا كافرة أصلية وكذلك لايجوز نكاح المرتدة مع أحد كذا في المبسوط. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السابع، مكتبه زكريا قديم ١/٢٨٢، جديد ١/٣٤٧)

البتہ جو باوجود اس قوم میں سے ہونے کے کسی کتاب سماوی کے اعتقاد کا التزام نہ رکھیں جیسے آج کل بعض کی حالت ہوگئی ہے اُس کا حکم اہلِ کتاب کا سا نہ ہوگا۔(۱)

۱۰ر محرم الحرام ۱۳۳۲ھ (تتمہ خامس، ص: ۷۹)

مرزا غلام احمد قادیانی کے عقیدہ والوں کے ساتھ مناکحت کا حکم

سوال (۱۰۷۳): قدیم ۲/۲۱۴- (۱) زید مرزا غلام احمد قادیانی کا مرید ہوگیا ہے اواس کی بی بی اہل سنت کے عقیدے پر قائم ہے اس صورت میں نکاح شرعاً قائم رہا یا نہیں؟

(۲) اور اہلِ سنت کے عقیدہ والی صبیہ کا نکاح مرزا غلام احمد قادیانی عقیدہ والے کے ساتھ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) اُس مرید سے پوچھنا چاہئے کہ وہ مرزا کے تمام اقوال کا معتقد ہے یا نہیں اگر وہ اقرار کرے کہ وہ تمام اقوال کا معتقد ہے تو یہ شخص مسلمان نہیں رہا اور نکاح اُس کا اہل سنت و جماعت بی بی سے باقی نہیں رہا(۱) اور اگر وہ کہے کہ میں سب اقوال کا معتقد نہیں ہوں تو اُس سے پوچھنا چاہئے کہ کس کس قول کے معتقد نہیں ہو اس کی تفصیل کے بعد استفتاء کرنا چاہئے۔

---

(۱) **أسباب التحريم قرابة...... شرك (الدر) وتحته في الشامية: (قوله شرك) عبارة الفتح عدم الدين السماوي كالمجوسية والمشركة وتشمل أيضا المرتدة ونافية الصانع تعالىٰ.** (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٩٩-١٠٠، كراچي ٣/٢٨)

فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٩٩، كوئٹة ٣/١١٨۔

کتابیہ سے نکاح کے متعلق تفصیل کے لئے سوال نمبر: ۱۰۷۱/ ملاحظہ فرمائیے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) **وارتداد أحدهما أي الزوجين فسخ فلا ينقص عددا عاجل بلاقضاء.** (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٦٦، كراچي ٣/١٩٣)

إذا ارتد أحد الزوجين وقعت الفرقة بينهما في الحال. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب النكاح، الفصل التاسع عشر نكاح الكفار، نكاح المرتد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٢٦٨، رقم: ٦١٥٠) ←

(۲) اگر اس شخص کے اقرار سے اس کا تمام اقوال مرزائیہ کا معتقد ہونا ثابت ہو تب تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا (۱) اور اگر بعض کا معتقد ہو بعض کا نہ ہو تو اس سے تفصیل پوچھ کر سوال کرنا چاہئے اور بالفرض اگر اس کا مسلم ہونا بھی ثابت ہو جائے تب بھی مبتدع اور ضال ہونے میں تو شبہ ہی نہیں؛ اس لئے ہر حال میں ولی گنہگار ہوگا، اگر اس شخص کے ساتھ نکاح کرے گا؛ لہٰذا اس ولی پر واجب ہے کہ قطعاً انکار کردے (۲) (نکاح سے پہلے)۔ فقط

۱۴/صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۹۰)

← المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل العشرون في نكاح الكفار، نوع منه في نكاح المرتد، المجلس العلمي ٤/١٩٥، رقم: ٤٠٢٥.

ارتد أحد الزوجين عن الإسلام وقعت الفرقة بغير طلاق في الحال. (هندية، كتاب النكاح، الباب العاشر في نكاح الكفار، مكتبه زكريا قديم ١/٣٣٩، جديد ١/٤٠٥)

(١) **لايجوز للمرتد أن يتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا كافرة أصلية، وكذلك لايجوز نكاح المرتدة مع أحد كذافي المبسوط.** (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السابع، مكتبه زكريا قديم ١/٢٨٢، جديد ١/٣٤٧)

المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح، باب نكاح المرتد، دارالكتب العلمية بيروت ٥/٤٨.

منها أن يكون للزوجين ملة يقران عليها فإن لم يكن بأن كان أحد هما مرتدالايجوز نكاحه أصلا لابمسلم ولابكافر غير مرتد الخ. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، من شروط النكاح أن يكون للزوجين ملة الخ، مكتبه زكريا ديو بند ٢/٥٥١، كراچي ٢/٢٧٠)

(٢) **عن جابر بن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتنكحوا النساء إلا الأكفاء لايزوجهن إلا الأولياء ولا مهر دون عشرة دراهم.** (سنن الدار قطني، كتاب النكاح، باب المهر، دار الكتب العلمية بيروت ٣/١٧٣، رقم: ٣٥٥٩)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب النكاح، باب إعتبار الكفاءة، دارالفكر بيروت ١١/ ٣٤٣، رقم: ١٤٠٦١.

عن إبراهيم بن محمد بن طلحة قال: قال عمر رضي الله عنه: لأمنعن لذوات الأحساب فروجهن إلا من الأكفاء. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب النكاح، باب إعتبار الكفاءة، دار الفكر بيروت ١٠/٣٤٤، رقم: ١٤٠٦٤) ←

چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں سے نکاح

سوال (۱۰۷۴): قدیم ۲/ ۲۱۵- کسی کے چار بیبیاں موجود ہوں اور وہ خلاف حکم شرعی پانچواں عقد کرے تو یہ فعل اس کا لغو اور ایک بیہودہ فضول حرکت ہوگی اور نکاح نہ ہوگا یا نکاح ہو جائے گا مگر بی بی سے صحبت حرام ہوگی اس بنا پر اس کی چار بیبیوں میں سے اگر کوئی مرگئی یا کسی کو طلاق دیدیا تو بدون تجدید عقد کے صحبت جائز ہو جائے گی یا اس کو تجدید عقد کرنا چاہئے؟

الجواب: یہ پانچواں عقد باطل محض ہے منعقد ہی نہ ہوگا؛ لہٰذا بعد وفات یا طلاق ایک زوجہ کے اس سے تجدید عقد کی ضرورت ہوگی نکاح سابق کافی نہ ہوگا۔ (۱)

۱۵/ شوال ۱۳۲۱ھ (امداد، ص: ۴۹، ج: ۲)

← المصنف لعبد الرزاق، كتاب النكاح، باب الأكفاء، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ١٢٣، رقم: ١٠٣٦٢.

قال الكمال: مقتضى الأدلة وجوب إنكاح الأكفاء، وهذاالوجوب يتعلق بالأولياء حقالها وبها حقا لهم؛ لكن إنما تتحقق المعصية في حقهم إذا كانت صغيرة؛ لأنها إذا كانت كبيرة لاينفذ عليها تزويجهم إلابرضاها فهي تاركة لحقها كما إذا رضي الولي بترك حقه حيث ينفذ. (الموسوعة الفقية الكويتية ٣٤/ ٢٦٧)

فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٨٣، كوئٹة ٣/ ١٨٦.

یہ جزئیات تحریر کی تائید میں لکھے گئے ہیں؛ لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرتؒ کا یہ فتوی ۱۳۳۰ھ کا ہے اور اس کے ۲۲/ سال بعد ۱۳۵۲ھ حضرتؒ کے علی الاطلاق مرزائیوں کو کافر و مرتد قرار دیا ہے، وہی آخری فتوی ہے اس سے ماقبل کے سارے معارض فتاوی مرجوع اور منسوخ ہو گئے؛ لہٰذا ان کے ساتھ علی الاطلاق مناکحت جائز نہیں، دیکھئے فتوی ۱۰۸۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **فانكحوا ماطاب لكم من النساء مثنى وثلث وربٰع.** (النساء: جزء الآية: ٣)

وفي المظهري تحت تفسير هذه الأية: وقال أبو حنيفة: إن كان تزوجهن بعقدة واحدة فرق بينه وبينهن وإن كان على التعاقب فنكاح من يحل سبقة جائز ونكاح من تأخر فوقع به الجمع أو الزيادة على الأربع باطل الخ. (تفسير مظهري، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ٩، جديد ٢/ ٢١٨) ←

چار سے زائد نکاح کرنے کا حیلہ باطل

سوال (۱۰۷۵): قدیم ۲/ ۲۱۵- زید کی چار عورتیں منکوحہ موجود ہیں اپنے مکان دہلی سے بمبئی کو جا کر ایک یا دو عورت اور کرنا چاہتا ہے اس صورت سے کہ اپنے آپ اکیلے خفیہ اپنی دو عورتوں کو جو مکان میں ہیں طلاق بائنہ غیر ثلٰثہ کے دیتا ہے اور عورتوں کو خبر نہیں کرتا بعد گزرنے عدت سے جو اپنے قیاس سے تخمینا جان لیتا ہے کہ اب میری عورتوں کی عدت ہوگئی ہے اُن دوسری دو عورتوں سے بمبئی میں نکاح کرتا ہے جب برس روز کے بعد مکان کو آتا ہے تو بمبئی کی دونوں عورتوں کو خفیہ طلاق دیتا ہے اور مکان میں آخر مطلقات سے تجدید نکاح کر لیتا ہے کیونکہ حلالہ تو مطلقہ مغلظہ میں ہوتا ہے نہ غیر میں بعد کو جب بمبئی والیوں سے نکاح کر لیتا ہے اور ہر دونوں جانب کی عورت کو خبر طلاق کی نہیں ہوتی بلکہ وہ جانتی ہیں کہ احتیاطا تجدید ہوئی ہے ایسی صورت سے چار عورتوں سے زیادہ اپنے تصرف میں رکھتا ہے تو زید کا یہ حیلہ فتویٰ میں کیسا ہے؟

الجواب: یہ حیلہ محض لغو و مہمل و باطل ہے نکاحاً بھی طلاقاً بھی اول تو اس لئے کہ نکاح میں حلت واقعیہ کے لئے رضا واقعی کی ضرورت ہے اور جب اس مطلقہ کو معلوم ہی نہیں کہ میں انکار پر بھی قادر ہوں اور میرا انکار بھی مؤثر ہے وہ رضا معتبر نہیں اور ثانی اسلئے کہ وہی طلاق مادون ثلثہ جب کئی بار میں تین تک پہونچ جاویں گی پھر بدون حلالہ نکاح جدید کیسے کافی ہوگا؟ (۱)

← وإذا تزوج الحر خمسا على التعاقب جاز نكاح الأربع الأول ولا يجوز نكاح الخامسة.

(هندية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم الرابع، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ٢٧٧، جديد ١/ ٣٤٣)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل الثامن في بيان مايجوز من الانكحة الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٦١، رقم: ٥٥٣٠۔

خانية على هامش الهندية، كتاب النكاح، باب في المحرمات، مكتبه زكريا قديم ١/ ٣٦٣، جديد ١/ ٢٢٠۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) حضرت والا تھانویؒ کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ دو طلاق تک اس کا یہ حیلہ جواز کے دائرہ میں ہونا ممکن ہے؛ لیکن تیسری مرتبہ سے جواز کے دائرہ میں نہیں آسکتا؛ کیونکہ تیسری بار سے طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی اور اس کے بعد بغیر حلالہ کے یہ حیلہ ممکن نہیں؛ اس لئے مسلسل یہ حرکت دائرہ جواز میں نہیں آتی ←

اور ثالث اس لئے کہ عورتوں کی عدت اختلاف احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے مثلاً حمل میں وضع حمل اور رضاع میں بوجہ حیض نہ آنے کے مہینوں کی جگہ سال صرف ہوتے ہیں پھر تخمین کیسے جائز ہے(۱) علاوہ اس کے خلوت بالاجنبیہ کے محذور سے بھی بچنا ممکن نہیں ہے(۲) غرض یہ عمل محض اتباع خطوات شیطان ہے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۲۵ھ (امداد، ص: ۴۲، ج: ۲)

← نیز اس کا یہ حیلہ بذات خود ایک مکروفریب اور دھوکہ ہے جو شرعاً ناجائز ہے؛ اس وجہ سے حضرتؒ نے شروع میں ہی اس حیلہ کو محض لغو اور مہمل اور باطل قرار دیا ہے؛ لہٰذا تین مرتبہ کے بعد حلالہ شرط ہے اور حیلہ ممکن نہیں، اور شروع سے دھوکہ اور فریب ہے جو حرام اور ناجائز ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه. [سورة البقرة، جزء الآية: ۲۳۰]

وقال الليث عن نافع كان ابن عمر رضي الله عنه إذا سئل عمن طلق ثلاثا قال: لو طلقت مرة أومرتين (لكان لک الرجعة) فإن النبي صلى الله عليه وسلم أمرني بهذا (بالمراجعة) فإن طلقها ثلاثا حرمت حتى تنكح زوجا غيرک. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/۷۹۲، رقم: ۵۰٦٦، ف: ۵۲٦۵)

(۱) **قال الله تعالىٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ.** [البقرة: جزء الآية: ۲۲۸]

إذا طلق الرجل طلاقا بائنا أو رجعيا أو ثلاثا أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة قروء. (هندية كتاب الطلاق، الباب الثالث عشرفي العدة، مكتبه زكريا قديم ۱/۵۲٦، جديد ۱/۵۸۰)

قال الله تعالىٰ: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُن. [الطلاق: جزء الآية: ٤]

عدة الحامل أن تضع حملها. (هندية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشرفي العدة، مكتبه زكريا قديم ۱/۵۲۸، جديد ۱/۵۸۱)

للعدة مدد تختلف باختلاف نوع العدة وسببها فهنا لک العدة بالأقراء، والعدة بوضع الحمل، والعدة بالأشهر. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٦/۲۸۷)

(۲) **عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا لايبيتن رجل عند امرأة ثيب إلا أن يكون ناكحا أو ذا محرم.** (صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية الخ، النسخة الهندية ۲/۲۱۵، بيت الأفكار الدوليه، رقم: ۲۱۷۱) ←

سوال (۱۰۷۶): قدیم ۲/ ۲۱۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور وہ ایک دختر زینب ساتھ لائی آیا زید کو جائز ہے کہ زینب سے نکاح کرلے یا جائز نہیں جو کچھ حق ہو بحوالہ قرآن مجید وحدیث شریف۔ فقہ متین تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا

الجواب ’’وبہ نستعین‘‘: اصطلاح شریعت میں ایسی دختر کو ربیبہ کہتے ہیں اور ربیبہ کا نکاح دو شرطوں سے جائز ہوتا ہے ایک شرط تو یہ ہے کہ اس کی ماں سے جماع نہ کیا ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اس کی ماں نکاح سے نکل گئی ہو خواہ ساتھ طلاق کے یا ساتھ موت کے یا ساتھ خلع کے اور اگر ان دونوں شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو نکاح جائز نہیں یعنی اگر اس کی ماں سے جماع کرلیا ہو تو دختر سے نکاح جائز نہیں۔

قال الله تعالیٰ في الجزء الرابع: وربائبكم اللاتى فى حجوركم من نسائكم اللاتى دخلتم بهن فإن لم تكونوا دخلتم بهن فلا جناح عليكم. (۱)

في سنن الترمذي: عن عمر وبن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ قال أيما رجل نكح امرأة فدخل بها فلا يحل له نكاح ابنتها، فإن لم يدخل بها فلينكح ابنتها. ۱۲ (۲)

في صحيح البخاري في تفسير قوله تعالیٰ: وربائبكم اللاتى في حجوركم الخ عن أم حبيبة رضـ قالت: قلت يارسول الله هل لک في بنت أبي سفيان؟ قال: فأفعل ماذا. قلت: تنكح قال: أتحبين. قلت: لست لک بمخلية وأحب من شركنى فيک أختي قال: انها لاتحل قلت بلغني انک تخطب درة بنت أبي سلمة قال ابنة أم سلمة؟ قلت: نعم! قال: لولم تكن ربيبتى ما حلت لي أرضعتنى وأياها ثويبة فلا تعرضن علىّ بناتكن ولا أخواتكن. (۳)

← **وقد اتفق الفقهاء على أن الخلوة بالأجنبية محرمة.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۹/ ۲۶۷)
الدر المختار مع ردالمحتار، كتا ب الحظر الإباحة، فصل في النظر واللمس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۵۲۹، كراچي ۶/ ۳۶۸۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) سورة النساء، جزء الآية: ۲۳)

(۲) سنن الترمذي، ابواب النكاح، باب ماجاء فيمن يتزوج المرأة الخ، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۲، دارالسلام رقم: ۱۱۱۷۔

(۳) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب قوله وربائبكم اللاتي في حجوركم الخ، النسخة الهندية ۲/ ۷۶۵، رقم: ۴۹۱۵ ف: ۵۱۰۶۔ ←

في الدرالمختار: وحرم المصاهرة بنت زوجته الموطوءة.(۱)

اوراسی طرح اگراس کی ماں سے نکاح باقی رہا جب بھی دختر سے نکاح جائزنہیں کیونکہ لازم آتا ہے جمع کرنا ماں اور بیٹی کا نکاح شخص واحد میں اور یہ حرام ہے بالاجماع (۲) پس اس بناء پر زید نے اگر ہندہ سے جماع نہ کیا ہواور جماع کرنے سے پہلے زید کے نکاح سے نکل گئی ہو یا تو مرگئی ہو یا طلاق دیدی ہو یا خلع کرلیا ہوتو زینب سے نکاح جائز ہے اوراگر ہندہ سے جماع کرلیا ہوتو زینب سے نکاح جائزنہیں خواہ نکاح ہندہ کا باقی رہا ہو یانہیں (۳) اوراسی طرح اگر ہندہ سے نکاح قائم رہا ہو جب بھی زینب سے نکاح جائزنہیں خواہ ہندہ سے جماع کیا ہو یانہیں۔ **واللّٰہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب.**

(امداد،ص:۴۳،ج:۲)

← صحيح مسلم، كتاب الرضاع، فصل يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب، النسخة الهندية ۱/۴٦۸، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱٤٤۹۔

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٤/۱۰٤، كراچي ۳/۳۰۔

(۲) **والجمع بين المرأة وعمتها وبنتها وبين خالتها ماقد حرمه الله تعالىٰ على لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم.** (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل: ومنها أن لايقع نكاح المرأة، مكتبه زكريا ۲/٥٤۰، كراچي ۲/۲٦۳۔

(۳) **لايجوز بنت امرأة دخل بها فإن لم يدخل حتى حرمت عليه حل له تزوج الربيب لقوله تعالىٰ: ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ اللّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِنْ نِسَآئِكُمُ اللّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُم.** (النساء: جزء الآية: ۲۳)

والدخول كناية عن الجماع. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات، دارالكتب العلمية بيروت ۱/٤۷۷)

وحرم المصاهرة بنت زوجته الموطوءة (الدر المختار) وتحته في الشامية: واحترز بالموطوءة عن غيرها فلاتحرم بنتها بمجرد العقد. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٤/۱۰٤، كراچي ۳/۳۰)

شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

سخت بیماری کی حالت میں نکاح

سوال (۱۰۷۷): قدیم ۲/ ۲۱۷- زید درد پسلی و پھیپڑے میں جس کو نمونیا یعنی مرض ذات الجنب کہتے ہیں مبتلا تھا اور اُٹھ بیٹھ چل پھر نہیں سکتا تھا بلکہ معطل الحواس تھا اس کے مختار وسربراہِ کار نے ایسی حالت میں اپنی لڑکی ہندہ کے ساتھ اس کا نکاح پڑھوا دیا اور بعوض مہر تمام جائداد زید کی زبانی طور پر دیدیا جانا مشہور کیا اس نکاح میں زید کے خاص قرابت دار نزدیکی کوئی موجود نہ تھے یہاں تک کہ ماں وچچازاد بھائی وغیرہ بھی شریک نہ تھے نہ کسی کو اطلاع دی گئی تھی اور جائداد پدری بھی زید کی ہے بعد نکاح کے زید اس بیماری سے اچھا ہو کر ایک سال زندہ رہ کر فوت ہو گیا مگر اپنی حیات میں اس نے نہ تو رخصت کرایا اور نہ ہندہ کو اپنے گھر بلایا نہ جائداد کا انتقال باضابطہ کیا نہ سرکاری دفتر میں نام لکھوایا نہ خلوت صحیحہ ہوئی نہ زفاف ہوا۔ بعد مرنے زید کے ہندہ کل جائداد کے دلا پانے کی نالش کرتی ہے جو دائر عدالت ہے اب امر دریافت طلب یہ ہے:

(۱) ایسا نکاح بحالت مرض مہلک جائز ہے؟ اور (۲) بالعوض مہر کے کل جائداد اس طرح پر بلا مرضی دیگر ورثاء منتقل ہو سکتی ہے (۳) جبکہ زفاف اور خلوت صحیحہ میں کلام ہے تو ایسی حالت میں ہندہ ترکہ پا سکتی ہے؟ (۴) یہ کہ اگر مہر بخش دیا گیا میراث کی حقدار ہندہ ہو سکتی ہے؟

الجواب: **في الدرالمختار: والمختار أنه (أي مرض الموت) ما كان الغالب منه الموت وإن لم يكن صاحب فراش. (۱) (وفيه) لابد أن يكون المرض الذي طلقها فيه مرض الموت فإذا صح تبين انه لم يكن مرض الموت. (۲)**

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوصايا، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۵٤، كراچي ٦/ ٦٦١۔

الفتاوى الهندية، كتاب الإقرار، الباب السادس في أقارير المريض الخ، مكتبه زكريا قديم ٤/ ١٧٦، جديد ٤/ ١٨٠۔

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب طلاق المريض الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ١٠، كراچي ٣/ ٣٨٨۔

البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب طلاق المريض الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٨٠، كوئٹة ٤/ ٤٨۔

(وفيه) وما لزمه (أي المريض مرض الموت) في مرضه بسبب معروف (إلىٰ قوله) والسبب المعروف كنكاح مشاهد إن بمهر المثل أما الزيادة فباطلة وإن جاز النكاح عناية. (ا) (وفيه) صدرت (أي صيغة النكاح) عن قصد (إلىٰ قوله) فيصح (٢) (وفيه) ويجب الأكثر منها (أي العشرة) إن سمى الأكثر ويتأكد عند وطئ أو خلوة صحت أو موت أحدهما ويجب نصفه بطلاق قبل وطى أوخلوة (٣) (وفيه) فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد أو ولد ابن والربع لها عند عدمهما (۴) وفي رد المحتار: وليس منه ما لو تزوجها على عبدالغير لوجوب قيمته إذا لم يجز مالكه إلى قوله لامهر المثل. ج:٢،ص:۵۴۸ (۵)

---

(١) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الإقرار، باب إقرار المريض، مكتبه زكريا ديوبند ٣٨١/٨، كراچي ٦١١/٥۔

عناية مع فتح القدير، كتاب الإقرار، باب إقرار المريض، مكتبه زكريا ديوبند ٤٠٠/٨، كوئٹة ٣٥٧/٣۔

(٢) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب هل ينعقد النكاح بالفاظ المصحفة، مكتبه زكريا ديوبند ٨٤/٤، كراچي ١٩/٣-٢٠۔

الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٣٧/٤١۔

(٣) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٢٣٣/٤ تا٢٣٦، كراچي ١٠٢/٣- ١٠٤۔

كذا في الدر المنتقي مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر، دار الكتب العلمية بيروت ٥٠٨/١-٥٠٩۔

(۴) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، مكتبه زكريا ديوبند ٥١١/١٠-٥١٢، كراچي ٧٦٩/٦-٧٧٠۔

(۵) شامي، كتاب النكاح، باب المهر، قبيل مطلب في أحكام المتعة، مكتبه زكريا ديوبند ٢٤٢/٤، كراچي ١٠٩/٣۔

البحرالرائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٢٥٦/٣، كوئٹة ١٤٦/٣۔ شبیر احمد قاسمی عفااللہ عنہ

روایات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر مرض مذکور میں زید کے اتنے حواس بھی باقی نہ تھے کہ جس سے وہ یہ سمجھ سکتا کہ میں منہ سے کیا کہہ رہا ہوں یعنی ایسا بدحواس تھا کہ اس کو یہ بھی خبر نہیں کہ میں منہ سے کیا کہہ رہا ہوں تب تو یہ نکاح ہی نہیں ہوا اس لئے نہ مہر واجب ہوگا نہ میراث اور اگر اس قدر حواس باقی ہیں کہ جب اس سے قبول نکاح کے لئے کہا گیا تو اس نے اپنے ارادے وقصد سے قبول کیا گو تامل اور فکر کی اس کو مہلت وفرصت نہیں ہوئی تو اس صورت میں نکاح درست ہوگیا اور چونکہ وہ اس مرض سے اچھا ہوکر ایک سال تک زندہ بھی رہا لہذا وہ مرض الموت نہیں رہا اس لئے تمام اپنی جائداد مملوکہ مہر میں ٹھہرانا صحیح ہوگیا پس اگر وہ جائداد کل اسی کی مملوک ہے تو پوری جائداد مہر میں ہوجائے گی گو وہ جائداد پدری ہو اور اگر جائداد میں اور بھی کوئی شریک ہے مثلاً زید کے باپ کا کوئی اور وارث بھی ہے اور اس جائداد میں وہ شریک ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جس قدر جائداد مملوکہ زید کی ہے وہ مہر میں ہوجاوے گی اور جس قدر اس میں دوسرے کی ہے وہ بھی مہر میں لگادی گئی ہے اس کی مالیت وقیمت کی مقدار زید کی دوسری اشیاء ترکہ سے تکمیل کی جائے گی اور چونکہ زید مرگیا اس لئے کل مہر ثابت ہوگیا اگرچہ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی کیونکہ موت سے کل مہر مؤکد ہوجاتا ہے پس خلاصہ جواب یہ ہوا کہ اگر اتنا ہوش تھا کہ اپنے قصد سے نکاح قبول کیا ہے تو وہ نکاح درست ہوگیا اور کل جائداد مہر میں آگئی اور اس صورت میں خلوت صحیحہ کی کوئی ضرورت نہیں لیکن یہ سب اس وقت ہے جب نکاح اور مہر عادل گواہوں سے ثابت ہو گو زید کے اعزہ موجود نہ ہوں اور گو وہ رضامند نہ ہوں اور گو عدالت میں باضابطہ اس کی تحریر وتکمیل نہ ہوئی ہو اور گو زید نے کبھی رخصت کرانے کی استدعا نہ کی ہو کیونکہ شریعت میں یہ امور شرط نہیں ہیں وہذا ظاہر اور مہر ایک دَین ہے جو مستقل حق ہے اور میراث جداگانہ مستقل حق ہے ایک حق کے معاف کردینے سے دوسرا حق ساقط نہیں ہوتا لہذا مہر بخش دینے پر بھی میراث ملے گی۔ فقط

۲۸/رجب ۱۳۲۱ھ (امداد الفتاوی، ج:۲،ص:۴۶)

محض الفاظ ہبہ سے بلانیت نکاح منعقد نہ ہوگا

سوال (۱۰۷۸): قدیم ۲/ ۲۱۹- علاقہ پنجاب میں یہ دستور ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے اقارب والدین وغیرہ جب ان کی منگنی کرتے ہیں تو اس خوف سے کہ شاید پھر لڑکی والا شادی کرنے سے انکار کردے

لڑکا والا لڑکی والوں سے یہ فرمایش کرتا ہے کہ تم کہدو کہ ہم نے اپنی لڑکی تم کو یا تمہارے لڑکے کو بخشدی یا ہبہ کردی اور یہ الفاظ چند لوگوں کے سامنے بولے جاتے ہیں یہ دستور عام ہے مگر بعد اس کے پھر نکاح کرتے ہیں ان الفاظ سے صرف منگنی ہونا تصور کرتے ہیں تو آیا وقت منگنی کے لڑکی والوں کے یہ الفاظ کہہ دینے سے عقد ہو جاتا ہے یا نہیں پنجاب کے بعض مولویوں میں اختلاف ہو گیا اس لئے اس کا جواب محقق مطلوب ہے فقط اور اگر لڑکی والا لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہتا ہے تو لڑکے سے طلاق دلواتے ہیں تو طلاق دلانے کی ضرورت ہے یا بغیر طلاق دلائے ہوئے لڑکی کا دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے؟ فقط

الجواب: في الدر المختار وإنما يصح بلفظ التزويج والنكاح لأنهما صريح وما عداهما كناية وهو كل لفظ وضع لتمليک عين كهبة وتمليک (إلیٰ قوله) بشرط نية أوقرينة وفهم الشهود المقصود. وفي رد المحتار: قوله: بشرط نية الخ. هذا ما حققه في الفتح ردًا على ما قد مناه (إلیٰ قوله) وملخصه أنه لابد في كنايات النكاح من النية مع قرينة أوتصديق القابل للموجب وفهم الشهود المراد أواعلامهم به اهـ. (۱)

اس روایت سے جو شرط مفہوم ہوتی ہے سوال کی اس عبارت سے کہ ان الفاظ سے محض منگنی ہونا تصور کرتے ہیں اُس شرط کا ارتفاع معلوم ہوتا ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں نکاح منعقد نہ ہوگا جب نکاح نہ ہوا تو طلاق دلوانے کی ضرورت نہیں۔(۲) فقط

۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۷۴)

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، قبيل مطلب هل ينعقد النكاح بالألفاظ المصحفة الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٧٨ تا ٨٢، كراچي ٣/١٦-١٨۔

فتح القدير، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٨٥ تا ١٨٧، كوئٹة ٣/١٠٥ تا ١٠٧۔

(۲) **إعلم أن الألفاظ التي ينعقد بها النكاح نوعان: صريح وكناية، فالصريح لفظ النكاح والتزويج وماعدا هما وهو ما يفيد ملک العين في الحال كناية (إلى قوله) ولو قال أبو البنت وهبت بنتي منک فإن كان الحال يدل على النكاح مع إحضار الشهود وتسمية المهر مؤجلا أو معجلا ينصرف إلى النكاح وإن لم يدل الحال عليه فإن نوى وصدقه الموهوب له فكذلک وإن لم ينو ينصرف إلى ملک الرقبة قال في الفتح: والظاهر أنه إذا لم يدل الحال فلا بدمع النية من إعلام الشهود وإذا عرف هذا فلا خلاف في انعقاده بلفظ الهبة والصدقة الخ.** (النهر الفائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٢/١٨٠) ←

ولی اقرب کی موجودگی میں غیر ولی کا نکاح کرانا

سوال (۱۰۷۹): قدیم ۲/ ۲۱۹- ہندہ نابالغہ کا نکاح باوجود ہونے ولی کے غیر ولی نے پڑھا دیا یعنی چچا کے ہوتے ہوئے نانی کا پڑھا دینا مقبول ہے یا مردود و مطرود؟

الجواب: یہ نکاح موقوف و معلق رہے گا اگر ولی کو خبر پہونچے اور اس نے اجازت دیدی تو جائز و نافذ ہو جاوے گا، ورنہ جائز و نافذ نہ ہوگا۔

في الدر المختار: ونكاح عبد وأمة بغير إذن السيد موقوف على الإجازة كنكاح الفضولي الخ. (۱)

یکم جمادی الاخری ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۷۶)

← **وإنما يصح بلفظ نكاح وتزويج لأنهما صريحان وما عداهما كناية وهو كل لفظ وضع لتمليك العين في الحال بشرط نية أو قرينة وفهم الشهود المقصود كبيع على المعتمد وشراء وهبة وصدقة وتمليك الخ.** (الدر المنتقي مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ٤۷۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ۲۲٥، كراچي ۳/ ۹۷۔

ونكاح العبد والأمة بلاإذن السيد موقوف كنكاح الفضولي (كنز) وتحته في النهر: أي وقف كوقف نكاح الفضولي لأنه صدر من أهله مضافا إلى محله فيتوقف في عقوده بشرط أن يكون له مجيز الوقوع ...... الأصل أن العقود تتوقف على الإجازة إذا كان لها مجيز حالة العقد وإلا تبطل الخ. (النهر الفائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الوكالة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۲٦)

البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲٤۲، كوئٹة ۳/ ۱۳۷۔

تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٥۲٦، امدادية ملتان ۲/ ۱۳۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وطی پر قدرت دینا فضولی کے نکاح کی اجازت ہے

سوال (۱۰۸۰): قدیم ۲/ ۲۲۰- ایک بیوہ عورت سے نکاح کی اجازت کے واسطے اُس کے پاس آدمی بھیجا گیا وہ آدمی اُس کے پاس نہیں گیا صبح کو بیوہ نے شہرت سنی کہ نکاح ہو گیا اور اس خبر سے وہ اسی شخص کے گھر میں چلی گئی اولاد بھی پیدا ہوئی یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ بعد چندروز کے اسی عورت کی حقیقی بہن اس کے خاوند کے یہاں ناجائز تعلق کے ساتھ بلا نکاح آ گئی اور اس سے بھی اولاد ہوئی اب اس پہلی عورت کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟ پھر اس پہلی عورت کو اس کے شوہر نے مار نکال دیا اور یہ کہا کہ جہاں تیرا جی چاہے چلی جا چنانچہ وہ دوسری بستی میں چلی گئی اب چاہتی ہے کہ کہیں نکاح ہو جاوے اسکے لئے عدت کی کیا صورت ہونی چاہئے؟ اس کی دوسری بہن بلا نکاح اب تک اس کے شوہر کے پاس موجود ہے۔

الجواب: **في العالمگيرية: كتاب النكاح الباب السادس وتثبت الإجازة لنكاح الفضولي بالقول والفعل. (۱) اه وعد في الدرالمختار وغيره تمكينها من الوطى من الأفعال الدالة على الرضاء.(۲)**

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السادس، مطلب النكاح يثبت بالتصادق، مكتبه زكريا قديم ۱/ ۲۹۹، جديد ۱/ ۳۶۵۔

البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل فى الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲٤٤، كوئٹة ۳/ ۱۳۸۔

ووقف تزويج فضولي...... على الإجازة ممن عقد له أوعليه بالقول أو الفعل كالخلوة بها. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، فصل قبيل باب المهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۰۵-۵۰۶)

(۲) **فعل يدل على الرضا كطلب مهرها ونفقتها وتمكينها من الوطء ودخوله بها برضاها** . (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ۱۶۵، كراچي ۳/ ۶۳)

كذا في سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ٤۹۲۔

البحرالرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۰٤ كوئٹة ۳/ ۱۱۶۔

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۰۶۔

اس سوال میں سائل نے یہ نہیں لکھا کہ واقع میں نکاح پڑھا بھی گیا تھا یا صرف شہرت ہی ہوگئی تھی اگر محض شہرت ہوئی ہے تب تو نکاح نہیں ہوا (۱) اور نکاح نہیں ہوا تو عدت بھی نہیں اور اگر نکاح ہوا تھا تو یہ نکاح فضولی ہے عورت کی تمکین من الوطی اجازت نکاح ہے اس لئے یہ نکاح نافذ ہوگیا اور حقیقی بہن کے آنے سے اور صحبت سے اس نکاح میں کوئی خلل نہیں ہوا (۲) البتہ یہ جو کہا کہ جہاں تیرا جی چاہے چلی جا اس سے تحقیق کرنا چاہئے کہ بہ نیت طلاق کہا ہے یا کیا اور حالت مذاکرہ طلاق یا غضب میں کہا یا کیا؟ اس کے بعد جواب دیا جاسکتا ہے۔ فقط

۱۸ / ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۷۷)

فضولی کے نکاح کا حکم

سوال (۱۰۸۱): قدیم ۲/ ۲۲۰- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک عورت بیوہ اور اُس کی لڑکی نابالغہ ہے اور لڑکی کے تائے چچا غیر حقیقی ہیں اس لڑکی کے نکاح کے وقت غیر حقیقی تائے چچا سے نکاح کی اجازت چاہی تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس نکاح سے کچھ غرض نہیں ہے نہ انکار ہے نہ اقرار ہے عورت بیوہ نے باذن خود نکاح کرادیا عرصہ دو سال گزر گیا اب یہ ہی عورت بیوہ اس لڑکی نابالغہ کا نکاح ثانی دوسری جگہ کرنا چاہتی ہے اس لڑکی تائے چچا غیر حقیقی کو نکاح ثانی کرنے میں اب بھی کچھ غرض مطلب نہیں ہے نہ انکار کرتے ہیں نہ اقرار کرتے ہیں اس حالت میں نکاح ثانی جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) **أما ركن النكاح فهو الإيجاب والقبول وذلک بألفاظ مخصوصة أو ما يقوم مقام اللفظ.** (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل: وأما ركن النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٨٥، كراچي ٢/ ٢٢٩۔

الموسوعة الفقهية الكويتية ٤١/ ٢٣٣۔

(۲) **وطئ أخت امرأته لاتحرم عليه امرأته.** (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٠٩، كراچي ٣/ ٣٤۔

خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الثاني فيمن يكون محلا للنكاح الخ، مكتبه أشرفية ديوبند ٢/ ٧۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: **في الدرالمختار نكاح الفضولى سيجيء في البيوع توقف عقوده كلها إن لها مجيز حالة العقد وإلا تبطل وفي رد المحتار لو باع الصبي ماله أو اشترى إلىٰ قوله توقف على إجازة الولي فلو بلغ هو فأجاز نفذ ا ه، ج: ۲، ص: ۵۳۵ (۱)**

و في الدرالمختار: الفضولي قبل الإجازة لا يملك نقض النكاح بخلاف البيع وفي رد المحتار قوله لا يملك نقض النكاح أي لا قولاً ولا فعلاً قال في الخانية: العاقدون في الفسخ أربعة عاقد لا يملك الفسخ قولاً وفعلاً وهوالفضولي حتى لوزوج رجلا امرأة بلا اذنه ثم قال قبل إجازته فسخت لا ينفسخ وكذا لو زوجه اختها يتوقف الثاني ولا يكون فسخا للاوّل ا ه، ج: ۲، ص: ۵۳۸.(۲)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٢٢٥-٢٢٦، كراچي ٣/٩٧-٩٨۔

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الوكالة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٢٦۔

وقال في فصل بيع الفضولي من النهاية: الأصل عندنا أن العقود تتوقف على الإجازة إذا كان لها مجيز حالة العقد وإن لم يكن تبطل...... بيانه: الصبي إذا باع ماله واشترى أوتزوج أو زوج أمته أوكاتب عبده ونحوه يتوقف على إجازة الولي في حالة الصغر فلو بلغ قبل أن يجيزه الولي فأجاز بنفسه نفذ الخ. (حاشية الشبلي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند٢/٥٢٧، امدادية ملتان ٢/١٣٣)

فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٢٩٧، كوئٹة ٣/١٩٨۔

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الأولياء والكفاءة، قبيل باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند٤/٢٢٩، كراچي ٣/١٠٠۔

هندية، كتاب النكاح، الباب السادس، قبيل الباب السابع، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٣٠١، جديد ١/٣٦٧۔

خانية على هامش الهندية، كتاب النكاح، فصل في فسخ عقد الفضولي، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٣٤٤، جديد ١/٢٠٩۔

بنا بر روایات مذکورہ جواب اس مسئلہ کا یہ ہے کہ اگر یہ تایا چچا عصبات میں سے ہوں تو ان کے ہوتے ہوئے ماں کا نکاح کر دینا موقوف یعنی معلق ہے جب تک یہ تایا چچا زبان سے نہ کہیں کہ ہم اس کو قبول نہیں کرتے اُس وقت تک یہ ایسا ہی رہے گا اور دوسری جگہ بھی نکاح صحیح نہیں ہوسکتا اور اگر دوسری جگہ بھی ماں کردے گی تو وہ بھی معلق ہوجاوے گا پھر چچا تایا اگر اس ثانی کو جائز رکھیں گے تو وہ جائز ہوجاوے گا اور اگر اس میں بھی سکوت کیا تو دونوں معلق رہیں گے پھر لڑکی جب بالغ ہوگی اُس وقت جس نکاح کو وہ زبان سے منظور کرے گی نافذ ہوجاویگا اور دوسرا فسخ ہوجاوے گا اور اگر وہ زبان سے کچھ نہ کہے گی تو دونوں معلق ہی رہیں گے ''**والتمكين من الوطي يقوم مقام الإجازة باللسان**'' (۱) اور اگر وہ چچا تایا عصبہ نہ ہوں تو سوال مکرر کیا جاوے۔

۱۵ / جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۴۴)

مرزائی اور سُنّی میں مناکحت کا حکم

سوال (۱۰۸۲): قدیم ۲/ ۲۲۱- مناکحت باہم ایسے مرد وعورت کی کہ ایک ان میں سے سنی حنفی اور دوسرا مرزا غلام احمد قادیانی کا معتقد اور متبع ہو اور اُن کے جملہ دعاوی اور الہامات کی تصدیق کرتا ہو جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ دونوں یا ایک ان میں سے نابالغ ہو تو بولایت والدین جو ایسے ہی مختلف العقیدہ ہوں کیا حکم ہے اُمید ہے کہ تشریح وبسط سے جواب مدلل مرحمت ہو بینوا توجروا

الجواب: (۲) مرزا کے بعض اقوال حد کفر تک پہونچے ہوئے ہیں مگر یہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی معتقد خاص اس قول کی خبر نہ رکھتا ہو اس لئے مرزا کا معتقد ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ خاص اس کفر کا بھی معتقد ہے

---

(۱) **لابد من القول كالثيب...... أوما في معناه من فعل يدل على الرضا كطلب مهر ها ونفقتها وتمكينها من الوطء (الدر) وتحته في الشامية: إذاثبت الرضابالقول يثبت بالتمكين من الوطء بالأولىٰ لأنه أدل على الرضا الخ** (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٦٤-١٦٥، كراچي ٣/ ٦٣)

(۲) حضرت کا یہ فتوی دس جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ کا لکھا ہوا ہے، اور یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں غلام احمد قادیانی کے عقائد کفریہ مکمل طور پر عام نہیں ہوئے تھے؛ بلکہ اس زمانہ میں کچھ عقیدہ کفریہ اس کا ایسا رہا ہے جس سے اس کے ماننے والے سب لوگ واقف نہیں تھے؛ اس لئے حضرت نے اس جواب میں اس طرح کا تجزیہ کیا ہے؛ ←

پس اگر یہ مرزائی خواہ مرد ہو یا عورت بالخصوص اس قول کفری کا بھی معتقد ہو تو اس کا نکاح مسلمان مرد یا عورت سے نہیں ہوسکتا لیکن اگر یہ مرزائی بالغ ہے تو خود اس کا عقیدہ دیکھا جاوے گا اور اگر نابالغ ہے تو اُس کے ماں باپ کا عقیدہ دیکھا جاویگا یعنی اگر ماں باپ دونوں مرزائی ہوں گے تو اس نابالغ کو مرزائی قرار دیں گے اور اگر ایک بھی غیر مرزائی ہے تو اس کو غیر مرزائی قرار دیکر یہ حکم مذکور ثابت نہ کریں گے اور اگر یہ مرازئی خاص کسی ایسے امر موجب کفر کا معتقد نہیں تو مبتدع ہے اور سنی حنفی کا دیانت میں کفو نہیں پس اگر یہ عورت ہے تو مرد سنی حنفي کا نکاح اس سے درست نہیں ہے اور اگر یہ مرد ہے اور عورت سنیہ حنفیہ ہے تو اگر یہ عورت بالغ ہے اور اس کی اجازت سے نکاح ہوا ہے تو نکاح ہو گیا اور اسی طرح اگر نابالغ ہے اور باپ دادا نے کردیا تب بھی ہو گیا اور اگر باپ دادا کے سوا کسی اور نے کیا یا باپ دادا کچھ شفیق وخیر خواہ نہیں ہیں تو سوال میں اس کی تصریح ہونے سے جواب دیا جائیگا۔ فقط

۱۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ،ص:۷۸)

قادیانی سے مسلمان عورت کا نکاح درست نہیں

سوال (۱۰۸۳): قدیم ۲/۲۲۲- خدمت شریف علمائے اسلام سلمکم اللہ الیٰ یوم القیام کیا فرماتے ہیں اساطین دین متین ومفتیان شرع مبین اس امر میں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

← لیکن اس کے بیس سال بعد حضرتؒ نے تیس ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ میں صاف الفاظ کے ساتھ قادیانی کو مرتد قرار دیا اور قادیانی کے ماننے والے اور اس کے عقیدہ رکھنے والے سب مرد وعورت کو مرتد اور اسلام سے خارج قرار دیا، ان میں سے کسی مرد کا نکاح کسی سنی صحیح العقیدہ عورت کے ساتھ، اسی طرح ان میں سے کسی عورت کا نکاح کسی سنی اور صحیح العقیدہ مرد کے ساتھ صحیح نہیں ہوگا؛ بلکہ نکاح باطل ہو جائے گا اور قادیانی مرد یا عورت کو کسی کتابی کے حکم میں قرار نہیں دیا جائے گا، جیسا کہ مسیلمہ کذاب اور اس کے ماننے والے کو کتابی کے حکم میں قرار نہیں دیا جاسکتا اسی لئے کسی قادیانی مرزائی مرد یا عورت کو مبتدع اور بدعتی نہیں قرار دیا جائے گا؛ بلکہ مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا جائے گا؛ اسی لئے ان کے ساتھ کسی بھی طریقے سے نکاح صحیح نہیں ہوسکتا؛ بلکہ باطل ہے؛ لہٰذا ۱۳۵۱ھ والے فتوی کے ذریعہ سے یہ فتوی جو ۱۳۲۷ھ میں لکھا گیا ہے اس سے عملا رجوع ہو چکا ہے اور ۱۳۵۱ھ کا فتوی اس کے بعد دوسرخیوں کے ساتھ آرہا ہے آگے ۱۰۸۳ اور ۱۰۸۴؍ میں ملاحظہ فرمائے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حوالہ کتاب	قول
ازالاوہام طبع اول ص۶۷۳	(۱) آیت ”مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمه احمد“ کا مصداق میں ہوں،
// ص ۶۶۵	(۲) مسیح موعود جن کے آنے کی خبر حدیث میں آئی ہے میں ہوں،
معیارالاخیار ص ۱۱	(۳) میں مہدی مسعود اور بعض نبیوں سے افضل ہوں،
خطبہ الہامیہ ص ۳۵	(۴) أن قدمي علیٰ منارة ختم علیه كل رفعة،
// ص ۱۹	(۵) لاتقیسونی بأحد ولا أحدًابی ،
لکچر سیالکوٹ ص ۳۳	(۶) میں مسلمانوں کے لئے مسیح مہدی اور ہندوؤں کیلئے کرشن ہوں،
دافع البلاص ۱۳	(۷) میں امام حسینؓ سے افضل ہوں
اعجاز احمدی ص ۸۱	(۸) وإني قتيل الحب لكن حسينكم قتيل العدا فالفرق اجلى وأطهر .
ضمیمہ انجام آتھم ص ۵	(۹) یسوع مسیح کی تین دادیاں اور تین نانیاں زنا کار تھیں (معاذ اللہ)
//	(۱۰) یسوع مسیح کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔
ازالہ ص ۳۰۳ و ۳۲۲ ضمیمہ انجام آتھم ص ۷	(۱۱) یسوع مسیح کے معجزات مسمریزم تھے اُس کے پاس بجز دھوکہ کے اور کچھ نہ تھا
حقیقت الوحی ص ۳۹۱	(۱۲) میں نبی ہوں اس امت میں نبی کا نام میرے لئے مخصوص ہے
معیارالاخیار ص ۱۱	(۱۳) مجھے الہام ہوا۔ یا أیها الناس إنی رسول اللہ إلیکم جمیعا،
حقیقت الوحی ص ۱۶۳	(۱۴) میرا منکر کافر ہے،
فتاوی احمدیہ جلد اول	(۱۵) میرے منکروں بلکہ مقابلوں کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں
البشری ص ۴۹	(۱۶) مجھے خدا نے کہا ہے أسمع ولدي (اے میرے بیٹے سُن)
حقیقت الوحی ص ۹۹	(۱۷) لولاک لما خلقت الأفلاک،
اربعین ص ۳	(۱۸) میرا الہام ہے وما ینطق عن الهویٰ ،
حقیقت الوحی ص ۸۲	(۱۹) وما أرسلناک إلا رحمة للعٰلمین
حقیقت الوحی ص ۱۰۷	(۲۰) إنک لمن المرسلین
حقیقت الوحی ص ۱۰۷	(۲۱) أتانی مالم یوت احدًا من العالمین
ضمیمہ انجام آتھم ص ۸۵	(۲۲) مجھے حوض کوثر ملا ہے۔ إنا أعطیناک الکوثر.

(۲۳) **اللّٰہ معک یقوم اینما قمت** ضمیمہ انجام اتھم ص ۱۷

(۲۴) میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ہو بہو اللہ ہوں، (**أیتنی في المنام عین اللّٰہ ویتقنت انني ھو فخلقت السّمٰوات والارض**) آئینہ کمالات ص ۵۶۴، ۵۶۵

(۲۵) میرے مرید کسی غیر مرید سے لڑکی نہ بیاہا کریں، فتاوی احمدیہ ص ۷

جو شخص مرزا قادیانی کا ان اقوال میں مصدق ہو اُس کے ساتھ مسلمہ غیر مصدقہ کا رشتہ زوجیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تصدیق بعد نکاح موجب افتراق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: جو مسلمان ایسے عقائد بالا اختیار کرے جن میں بعضے یقینی کفر ہیں (۱) وہ بحکم مرتد ہے اور مرتد کا نکاح مسلمان عورت سے اور اسیطرح مرتدہ کا نکاح مسلمان مرد سے صحیح نہیں (۲) اور نکاح ہو جانے کے بعد اگر عقائد کفریہ اختیار کرے تو نکاح فسخ ہو جاوے گا۔ (۳)

(تتمہ خامسہ، ص: ۵۵)

---

(۱) **لکن صرح في کتابه المسايرة بالا تفاق علی تکفير المخالف فيما کان من أصول الدين وضرورياته.** (ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب لاعبرة بغير الفقهاء الخ، مکتبه زکريا ديوبند ٦/٤١٣، کراچي ٤/٢٦٣)

(٢) **لايجوز للمرتد أن يتزوج مرتدة ولامسلمة ولاکافرة أصلية، وکذلک لايجوز نکاح المرتدة مع أحد کذافي المبسوط.** (الفتاوی الهندية، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم السابع، مکتبه زکريا قديم ١/٢٨٢، جديد ١/٣٤٧)۔

المبسوط للسرخسي، کتاب النکاح، باب المرتد، دارالکتب العلمية بيروت ٥/٤٨۔

ومنها أن يکون للزوجين ملة يقران عليها فإن لم يکن بأن کان أحدهما مرتدا لايجوز نکاحه أصلا لابمسلم ولابکافر غير مرتد، والمرتد مثله. (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، من شروط النکاح أن يکون للزوجين الخ، مکتبه زکريا ديوبند ٢/٥٥١، کراچي ٢/٢٧٠)

(٣) **عن الحسن قال: إذا ارتد المرتد عن الإسلام فقد انقطع مابينه وبين امرأته، قال الثوري: والرجل والمراة سواء.** (المصنف لبعد الرزاق، باب المرتدين، دارالکتب العلمية بيروت ٧/١٢٥، رقم: ١٢٦٦٨)

إذا ارتد أحد الزوجين وقعت الفرقة بينهما في الحال. (الفتاوی التا تار خانية، کتاب النکاح، الفصل التاسع عشر، نکاح المرتد، مکتبه زکريا ديوبند ٤/٢٦٨، رقم: ٦١٥٠) ←

سوال (۱۰۸۴): قدیم ۲/۲۲۴- زید جو کہ حنفی مذہب رکھتا ہے ایک قادیانی المذہب عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے ایک حنفی مفتی سے سوال کیا گیا تو جواز کا فتویٰ دیا جو درج ذیل ہے ان کا جواب بعینہ حضور کی خدمت میں پیش کر کے استصواب چاہتا ہوں۔

نقل فتویٰ جواز

مکرم برادرم السلام علیکم، قادیانی مذہب کی عورت سے نکاح جائز ہے جو قادیانی مرزا غلام احمد کے قائل ہیں وہ اگرچہ کافر ہیں مگر اہل کتاب ضرور ہیں تو اہل کتاب عورت سے مسلم کا نکاح جائز ہے لاہوری مرزائی غلام احمد کو نبی نہیں مانتے صرف مجدد مانتے ہیں اس لئے ان کی تکفیر نہیں ہوسکتی بہرحال قادیانی عورت سے جب نکاح جائز ہوا تو اس کی لڑکی سے بھی خواہ متزلزل عقیدہ رکھتی ہو ایک حنفی مسلمان کا نکاح بالکل درست و جائز ہے ہرگز شک نہ کیجئے۔

جواب جو یہاں سے گیا

میرے نزدیک قادیانی عورت سے نکاح باطل ہے جب ان کا کفر مسلّم ہے۔(۱)

← المحیط البرهاني، کتاب النکاح، الفصل العشرون، نوع منه نکاح المرتد، المجلس العلمي ٤/١٩٥، رقم: ٤٠٢٥۔

ارتد أحد الزوجين عن الإسلام وقعت الفرقة بغير طلاق في الحال. (هندية، كتاب النكاح، الباب العاشر في نكاح الكفار، مكتبه زكريا قديم ١/٣٣٩، جديد ١/٤٠٥)

ارتداد أحدهما أي الزوجين فسخ فلا ينقص عددا عاجل بلا قضاء. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٣٦٦، كراچي ٣/١٩٣) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(١) **اعلم أن تصرفات المرتد على أقسام، نافذ بالإتفاق كالاستيلاد والطلاق...... وباطل بالا تفاق كالنكاح والذبيحة لأنه يعتمد الملة ولا ملة له.** (هداية، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/٦٠٣)۔

تبيين الحقائق، كتاب السير، باب المرتدين، امدادية ملتان ٣/٢٨٨، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٨٠-١٨١۔ ←

اور مرتد بحکم کتابی نہیں ہوتا اس لئے اہل کتاب میں ان کو داخل نہیں کر سکتے (۱) اور لاہوری گو مرزا کو نبی نہ کہیں لیکن اس کے عقائد کفریہ کو کفر نہیں کہتے کفر کو کفر نہ سمجھنا یہ بھی کفر ہے کیا اگر کوئی شخص مسیلمہ کذاب کو نبی نہ مانتا ہو مگر اس کے عقائد کو کفر بھی نہ کہتا ہو تو کیا اس شخص کو مسلمان کہا جائے گا۔ (۲)

۳۰/ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ (النور رجب ۱۳۵۲ھ، ۸)

شیعہ کے ساتھ سنی عورت کا نکاح

سوال (۱۰۸۵): قدیم ۲/ ۲۲۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ سنی المذہب عورت بالغہ کا نکاح زید شیعی مذہب کے ساتھ برضائے شرعی باپ کی تولیت میں ہوگیا اس نکاح کو عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ ہندہ کے بطن سے زید کی اولاد بھی ہوئی اب ہندہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ شیعہ سبیہ کافر ہیں

← الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب المرتد، قبیل مطلب المعصیة تبقي بعد الردة، مکتبه زکریا دیوبند ٦/ ٣٩٤، کراچي ٤/ ٢٤٩۔

لایجوز للمرتد أن یتزوج مرتدة ولامسلمة ولا کافرة أصلیة، وکذلک لایجوز نکاح المرتدة مع أحد کذا في المبسوط. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم السابع، مکتبه زکریا قدیم ١/ ٢٨٢، جدید ١/ ٣٤٧)

(۱) چنانچہ مرتد سے نکاح نہیں ہوسکتا جیسا کہ درج بالا جزئیات سے واضح ہوا اور اہل کتاب کی عورت سے نکاح جائز ہے جیسا کہ درج ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

وصح نکاح کتابیة مؤمنة بنبي مقرة بکتاب منزل. (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، مکتبه زکریا دیوبند ٤/ ١٢٥، کراچي ٣/ ٤٥)

فقهاء المذاهب متفقون علی جواز نکاح المسلم للکتابیة للآیة السابقة: والمحصنات من الذین أُوتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ (المائدة: ٥) (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٧/ ١٤٣)

(۲) قال الموفق في "المغني" ومن ادعی النبوة أو صدق من ادعاها فقد إرتد لأن مسیلمة لما دعی النبوة فصدقه قومه صاروا بذلک مرتدین (إلی قوله) متنبئ البنجاب القادیاني ومن صدقه کافر مرتد فمتنبئ البنجاب القادیاني کافر مرتد عن الإسلام، وکذا من لم یقل بکفره وارتداده وظنه ولیا أو مجددا أو مصلحا فإنه کذاب دجال قد افتری علی الله ورسوله کذبا. (إعلاء السنن، قبیل باب حد الساحر ضربة الخ، مکتبه اشرفیة دیوبند ١٢/ ٦٣٦-٦٣٧) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس لئے نکاح کا انعقادنہیں ہوتا اور جماع بہ حکم زنا ہوتا ہے پس ہندہ اسی علم کے وقت سے مباشرت سے محترزہ ہے اور چاہتی ہے کہ نکاح فیما بین الزوجین فسخ ہوجائے علماء شریعت غراء سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ سُنی و شیعہ کا بہ تفرق مذہب نکاح جیسا کہ ہندوستان میں شائع ہے عندالشرع صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟ اورعورت بوجہ جہالت مسئلہ یا شیعی مرد کے تقیۃً اپنے آپ کو سنی ظاہر کرنے کی بنا پر اگر شیعہ کے نکاح میں چلی جائے تو مسئلہ سے واقف ہونے یا خاوند شیعہ کے خیالات تشنیع اور تبرا اورسب الشیخین علی الاعلان ظاہر ہونے پر اپنے نفس کو اس کی زوجیت سے نکالنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ نیز اسی حالت میں پیدا ہونے والی اولاد پر کیا حکم لگایا جائے گا؟

الجواب : **في الدرالمختار وتعتبر الكفاء ة ديانةً أي تقوى فليس فاسق كفوا لصالحة الخ (١) وفيه لوزوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاء ة ثم علموا لاخيار لأحد إلا إذا شرطوا الكفاء ة أو أخبرهم بها وقت العقد فزوجوها على ذلک ثم ظهر أنه غير كفو كان لهم الخيار. ولوالجية فليتحفظ. (٢)**

---

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الكفاء ة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٢١٢- ٢١٣، كراچي ٣/٨٨-٨٩۔

كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، مبحث الكفاء ة في الزواج، دارالفكر بيروت ٤/٥٥۔

موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، الباب الأول الزواج وآثاره، الفصل الخامس، المبحث الخامس، مكتبه اشرفية ديوبند ٨/٢٣٨۔

وتعتبر الكفاء ة ديا نة وهي التقوى فالمبتدعي ليس كفوا للسنية خلا فا لمحمد...... فليس فاسق كفوا لبنت صالح وهي صالحة. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، الفصل الأول، دارالكتب العلمية بيروت ١/٥٠٢)

(٢) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الكفاء ة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٢٠٨-٢٠٩، كراچي ٣/٨٥-٨٦۔

البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاء ة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٢٢٦، كوئٹة ٣/١٢٨۔

الفتاوى الولوالجية، كتاب النكاح، الفصل الثاني في التوكيل بالنكاح الخ، مكتبه زكريا ديوبند ١/٣٢٢۔ ←

روایت اولیٰ کی بناء پر یہ نکاح غیر کفو سے ہوا **ولم یثبت کون السب کفرا (۱)** اورروایت ثانیہ کی بناء پر جب زوجہ اوراولیاء دونوں نکاح غیر کفو پر رضا مند ہوں نکاح لازم ہوجاتا ہےاور غیر کفو ہونے کا علم نہ ہوجب بھی نکاح ہوجاتا ہےالبتہ اگر تصریحا کفاءۃ شرط ٹھہری تھی یا زوج نے زبان سے تصریحاً خبر دی تھی کہ میں سنی ہوں اس صورت میں یہ نکاح باوجود انعقاد کے لازم نہیں ہو **لکن لابد للفسخ من وجود قاض شرعي** اور باقی سب صورتوں میں حق فسخ نہیں ہےاور چونکہ نکاح منعقد ہوگیا لہٰذا اولاد سب ثابت النسب اورصحبت حلال ہے۔ واللہ اعلم

(۲۹؍صفر ۱۳۲۳ھ)

← **إن كان الأولياء هم الذين باشروا عقدالنكاح برضاها ولم يعلموا أنه كفو أوغير كفو فلا خيار لواحد منهم أما إذا شرطوا الكفاءة (أو أخبرهم بالكفاءة) ثم ظهر أنه غير كفوء كان لهم الخيار.** (المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس:بيان الكفاءة، المجلس العلمي ٣٥/٤، رقم: ٣٥٥٩)

الفتاوى التاتار خانية، كتاب النكاح،الفصل الخامس عشر في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ١٤٥/٤، رقم: ٥٧٧٨۔

(۱) حضرتؒ جو شیعوں کے بارے میں اختلاف کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں اس کو علامہ شامیؒ نے واضح فرمادیا ہے کہ، اگر صرف حضرت علیؓ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں یا شیخین کو برا بھلا کہتے ہیں تو وہ شیعہ مبتدع ہیں کافر نہیں ہیں، ان کے ساتھ نکاح غیر کفو کے مرادف ہےاور اگر ایسے غالی اور رافضی شیعہ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت اور وحی میں حضرت جبرئیل امین کی غلطی کا عقیدہ رکھتے ہوں یا صدیق اکبرؓ کی صحابیت کا انکار کرتے ہوں، یا حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت کے قائل ہوں وہ سب کے سب معلومات قطعیہ کی مخالفت اور انکار کی وجہ سے کافر ہیں اور ایسے شیعوں سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، علامہ شامیؒ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے!

إن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في على أو أن جبرئيل غلط في الوحي أو كان ينكر صحبة الصديق أو يقذف السيدة الصديقةؓ فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة بخلاف ماإذا كان يفضل عليا أو يسب الصحابة فإنه مبتدع لا كافر. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مطلب مهم في وطء السراري، مكتبه زكريا ديوبند ١٣٥/٤، كراچي ٤٦/٣)

الرافضي إذا كان يسب الشيخين ويلعنهما والعياذ بالله فهو كافر، وإن كان يفضل عليا كرم الله وجهه على أبي لايكون كافرا إلا أنه مبتدع. (هندية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مكتبه زكريا قديم ٢٦٤/٢، جديد ٢٧٧/٢) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۱۰۸۶): قدیم۲/ ۲۲۵- ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں ماں نے کر دیا کیونکہ باپ بھائی چچا وغیرہ کوئی رشتہ دار نہیں ہے ابھی لڑکی بالغ نہیں ہوئی مگر معلوم ہوا کہ لڑکا جس کے ساتھ نکاح کیا گیا ہے نہایت آوارہ بدچلن اور شیعہ مذہب ہے اس نکاح کو لڑکی کے جوان ہونے کی وجہ پر اجازت دینے پر موقوف کہیں گے یا ولی نہ ہونے کی وجہ سے غیر کفو وآوارہ ہونے کی وجہ سے باطل وکالعدم یا سُنّی شیعہ کے تفرقہ کی وجہ سے نکاح کا انعقاد ہی نہ ہوگا اگر شق ثالث ہے تو کیا مطلق شیعہ کا سُنّی سے نکاح نہیں ہوسکتا خواہ تفضیلیہ ہو سبیہ یا غالیہ۔ حالانکہ تفضیلیہ پر کفر کا فتویٰ نہیں اور سبیہ کی تکفیر بھی مختلف فیہ ہے اور نیز ممکن ہے کہ مرد اپنا نکاح قائم رکھنے کی وجہ سے تقیۃ اپنے آپ کو سنی یا کم سے کم شیعہ تفضیلیہ بتائے (یہ صورت واقع ہوئی ہے خاوند نہایت ظالم اور ان یتیم بچیوں کو مارتا پیٹتا ہے جن کی ماں نے دھوکا کھا کر اسکے نکاح میں دیدیا ماں مفارقت چاہتی ہے اور خاوند ضد پر کمربستہ)

الجواب: في الدرالمختار: وإن كان المزوج غيرهما أي غير الأب وأبيه ولو الأم أوالقاضي (إلى قوله) لايصح النكاح من غير كفء أوبغبن فاحش أصلا وإن كان من كفء و بمهر المثل صح؛ لكن لهما خيار الفسخ (إلى قوله) بشرط القضاء للفسخ. (۱)

وفيه أيضا في باب الكفاءة وتعتبر في العرب والعجم ديانة أي تقوى فليس فاسق كفوا لصالحة أوفاسقة بنت صالح معلنا كان أولاعلى الظاهر، نهر. (۲)

روایت اُولیٰ سے معلوم ہوا کہ ماں اگر غیر کفو سے نکاح کردے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ (۳)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مطلب مهم هل للعصبة تزويج الصغير الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٧٣ تا ١٧٦، كراچي ٣/ ٦٧-٧٠۔

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢١٢ تا ٢١٤، كراچي ٣/ ٨٨-٨٩۔

(۳) وإن كان المزوج غيرهما أي غير الأب وأبيه ولو الأم أوالقاضي في الأصح فلهما الخيار إذا بلغا أو كان من كفو وبمهر المثل وإلافلا يصح أصلا على الصحيح لتقييد الولاية بالنظر (إلى قوله) وشرط القضاء للفسخ في خيار البلوع المذكور. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٩٤-٤٩٥) ←

اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ شیعی بوجہ فسق اعتقادی کے کفو سنیہ کا نہیں؛ لہٰذا یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔(۱)

وفي ما انعقد يحتاج إلىٰ قضاء القاضي وهو من له ولاية ولا ولاية للعلماء فهم ليسوا بقضاة وكذا لا ولاية للأجنبي الذي ليس من الأقسام المدونة للعصبة كما هو مبسوط في كتب الفقه فافهم. ۲۷ محرم ۱۳۲۳ھ

شیعہ سے سنی لڑکی کے نکاح کی تفصیل

سوال (۱۰۸۷): قدیم ۲/ ۲۲۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رافضی جو کہ سب صحابہ پر تبرا کرتے ہیں اور اہل اسلام سے مذہبی تعصب رکھتے ہیں مسلمان ہیں یا کافر ہیں؟ ان سے تعلقات نکاح وغیرہ کے رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ قوم بوہرے جو بمبئی اور اس کے اطراف میں کثرت سے پائی جاتی ہے ایک متعصب رافضی قوم ہے ان کا قاعدہ یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت کی لڑکی اس کے والدین کو لالچ زر دیکر اپنے نکاح میں لاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر کوئی سنت جماعت لالچِ زر میں جان کر لڑکی دیوے اور وہ رافضی اپنے آپ کو مصلحت جان کر اسلام لانے کو ظاہر کرے لیکن تمام لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ اس کا اسلام لانا نکاح کی غرض سے ہے تو ایسی حالت میں اس کے اسلام کا اعتبار کیا جاوے گا یا نہیں اور اس کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

← **وليس ذلک أي تزويجهما بالغبن وغير الكفو لغير الأب والجد وفي التلويح ولوزوجهما غير الأب والجد من غير كفو أوبغبن فاحش لم يصح أصلا الخ،** (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، قبيل باب المهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۰۸)

(۱) **وتعتبر الكفاءة ديانة وهي التقوى فالمبتدعي ليس كفوا للسنية كما في النتف خلافا لمحمد...... فليس فاسق كفوا لبنت صالح وهي صالحة وإن لم يعلن في إختيار الفضلي وهو الصحيح لأنها تعير به.** (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والاكفاء، فصل، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۰۲-۵۰۳)

البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۳۲-۲۳۳، كوئٹة ۳/ ۱۳۲۔

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والاكفاء، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۲۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب :في الدرالمختار: وتعتبر (الكفاءة) في العرب والعجم ديانة أي تقوىٰ فليس فاسق كفوالصالحة بنت صالح معلنا كان أولا على الظاهر نهر (۱) وفيه: وللولي إنكاح الصغير والصغيرة ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفء ان كان الولي أبا أو جدا لم يعرف منهما سوء الإختيار مجانة وفسقا وإن عرف لا وإن كان المزوج غيرهما لا يصح النكاح من غير كفء أو بغبن فاحش أصلا (۲) وفيه وله أي للولي إذا كان عصبة الاعتراض في غير الكفء ما لم تلد منه ويُفتى في غير الكفء بعدم جوازه أصلا وهو المختار للفتوىٰ لفساد الزمان وفي رد المحتار وهذا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضا بعده بحر وأما إذا لم يكن لها ولي فهو صحيح نافذ مطلقا اتفاقا كما ياتی. (۳)

بنابرروایات مذکورہ ودیگر قواعد معروفہ مسلّمہ جواب میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ رافضی عقائد کفر کے رکھتا ہے جیسے قرآن مجید میں کمی بیشی کا قائل ہونا یا حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانا یا حضرت علیؓ کو خدا ماننا یا یہ اعتقاد رکھنا کہ جبرائیل علیہ السلام غلطی سے حضورﷺ پر وحی لے آئے تب تو کافر ہیں اوراس کا نکاح سنیہ سے صحیح نہیں اورمحض تبرائی کے کفر میں اختلاف ہے۔

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٢١٢/٤ تا ٢١٤، كراچي ٨٨/٣-٨٩۔

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الكفاءة مكتبه زكريا ديوبند ٢٢٢/٢۔

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند١٦٩/٤ تا ١٧٤، كراچي ٣/ ٦٥ تا ٦٨۔

سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء،دارالكتب العلمية بيروت ٤٩٤/١- ٤٩٥۔

(۳) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند١٥٥/٤ تا ١٥٧، كراچي ٥٦/٣-٥٧۔

البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٢٢٦/٣، كوئٹة ١٢٨/٣۔

علامہ شامیؒ نے عدم کفر کو ترجیح دی ہے جلد:۳،ص:۴۵۳ (۱) مگر اس کے بدعتی ہونے میں کچھ شک نہیں تو اس صورت میں گو وہ کافر نہ ہوگا مگر بوجہ فسق اعتقادی کے سنیہ کا کفو نہ ہوگا اور غیر کفو مرد سے نکاح کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے تب تو نکاح صحیح ہی نہ ہوگا اور اگر باپ یا دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نہیں نظر کی جیسا سوال میں مذکور ہے تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا اور اگر منکوحہ بالغ ہے تو اگر اس نے خود اپنا نکاح کرلیا ہے اور ولی عصبہ راضی نہ تھا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا اسی طرح اگر ایسے ولی نے کردیا اور وہ منکوحہ راضی نہیں یعنی زبان سے انکار کردیا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا یہ صورتیں تو عدم جواز نکاح کی ہیں اور اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ یا دادا نے اور لڑکی کی مصلحت سمجھ کر کیا ہے کسی طمع وغیرہ کے سبب نہیں کیا یا لڑکی بالغ ہے اور نکاح خود کیا ہے اور ولی عصبہ کی رضاء سے کیا ہو یا اس کا کوئی ولی عصبہ ہے ہی نہیں، یا لڑکی بالغ ہے اور ولی نے اس کی اجازت سے کردیا تو ان صورتوں میں ان علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہوجاویگا جو تبرائی کو کافر نہیں کہتے۔

اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ نکاح کے وقت اس کا رفض معلوم ہوا اور اگر اس وقت اپنے کو سُنی ظاہر کیا اور بعد نکاح کے رفض ثابت ہوا تو جس صورت میں وہ کافر ہے ارتداد کے سبب نکاح ٹوٹ جائے گا اور جس صورت میں وہ محض بدعتی ہے تو اگر منکوحہ بالغہ ہے اور وہ اور اس کا ولی عصبہ دونوں راضی ہیں تو نکاح کے فسخ کا حق حاصل ہوگا اور اگر منکوحہ سے اجازت نہیں لی گئی تو نکاح نہ ہوگا اور اگر ولی سے اجازت نہیں لی گئی تو ولی کو حق فسخ ہے جس کی ایک شرط قضاء قاضی مسلّم ہے اور اگر منکوحہ صغیرہ ہے تو بعد بالغ ہونے کے اگر راضی ہے تب بھی نکاح صحیح رہے گا اور اگر راضی نہ ہوئی تو اس کو حق فسخ حاصل ہوگا جس طرح شرط اوپر مذکور ہوئی۔

---

(۱) **أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في علي أو أن جبرئيل غلط في الوحي أو كان ينكر صحبة الصديق أويقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة بخلاف ما إذا كان يفضل عليا أو يسب الصحابة فإنه مبتدع لا كافر.** (شامي كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مطلب مهم في وطء السراري الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٣٥، كراچي ٣/٤٦)

كما في الدر المختار: فلو نكحت رجلا ولم تعلم حاله فإذا هو عبدلاخيار لها بل للأولياء ولو زوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفائة، ثم علموا لاخيار لأحد إلا إذا شرطوا الكفائة أواخبرهم بها وقت العقد فزوجوها على ذلك، ثم ظهر أنه غير كفء كان لهم الخيار.

وفي رد المحتار: قوله: لاخيار لأحد هذا في الكبيرة كما هو فرض المسئلة بدليل قوله نكحت رجلا. وقوله: برضاها فلا يخالف ما قدمناه في الباب المار عن النوازل: لو زوج بنته الصغيرة ممن ينكر أنه يشرب المسكر فإذا هو مدمن له وقالت بعد ما كبرت لا ارضٰى بالنكاح، إن لم يكن يعرفه الأب بشربه وكان غلبة أهل بيته صالحين فالنكاح باطل لأنه إنما زوج على ظن انه كفء– ثم بعد أسطر– لكن كان الظاهر أن يقال لايصح العقد أصلا كما في الأب الماجن والسكرأن مع ان المصرح به ان لها إبطاله بعد البلوغ وهو فرع صحته، فليتأمل. (۱)

۲۰/ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ۔

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٠٨-٢٠٩، كراچي ٣/ ٨٥-٨٦۔

البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٢٦، كوئٹة ٣/ ١٢٨۔

الفتاوى الولو الجية، كتاب النكاح، الفصل الثاني في التوكيل بالنكاح الخ، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٢٢۔

البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٣٨، كوئٹة ٣/ ١٣٥۔

فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٩٣، كوئٹة ٣/ ١٩٥۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شیعہ اور سنی لڑکی کے نکاح کا حکم

سوال (۱۰۸۸): قدیم ۲/ ۲۲۸- زید نو وارد شیعی المذہب نے خالد سنی المذہب کو یہ باور کرا کر کہ میں سنی المذہب ہوں اور حلفاً اس کی تصدیق کر کے خالد کی دختر نابالغہ ہندہ سے عقد کیا خالد نے باعتبار اس کے بیان وتصدیق حلفی کے زید کو سنی المذہب سمجھ کر اپنی لڑکی کا عقد زید سے کر دیا بعد عقد کے زید کے افعال مثل تعزیہ وشدۃ پرستی بہ یوم عاشورہ ماتم سینہ زنی وغیرہ وقوع میں آئے جس کے لحاظ سے زید کے وطن کے قاضی صاحب وغیرہ سے مذہبی حالت دریافت ہوئی تو معلوم ہوا کہ زید واقعی شیعی المذہب گروہ شیعان وطن سے ہے پس بلحاظ احکام فقہ حنفي جو نکاح دختر خالد کا زید شیعی المذہب کے ساتھ ہوا ہے شرعا وقوع پذیر ہوگا یا نہیں؟ بصورت واقع ہونے کے خالد پدر وولی ہندہ نابالغہ اس عقد کو فسخ وکالعدم کرانے کا مجاز ہے یا نہیں؟ ایسا عقد بحکم قاضی یا حاکم کالعدم کرانا ضروری ہوگا یا خود بخود کالعدم وباطل قرار پائے گا؟ بحوالہ عبارات کتب فقہ معتبرہ ومستندہ جواب عطاء فرما کر عنداللہ ماجور ہوں؟

الجواب: في رد المحتار عن فتح القدير عن النوازل: لوزوج ابنته الصغيرة ممن ينكر أنه يشرب المسكر، فإذا هو مدمن له وقالت: لا أرضى بالنكاح أي بعدما كبرت إن لم يكن يعرفه الأب بشربه، وكان غلبة أهل بيته صالحين فالنكاح باطل وفيه ثم اعلم ان مامر عن النوازل من أن النكاح باطل معناه انه سيبطل، ج: ۲،ص: ۴۹۹. (۱)

و في الدر المختار: ولو زوجوها (أي الكبيرة) برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة، ثم علموا لاخيار لأحد إلا إذا شرطوا الكفاءة أو أخبرهم بها وقت العقد فزوجوها علىٰ ذلک ثم ظهر أنه غير كفء كان لهم الخيار. ولوالجية، فليحفظ. ج:۲، ص: ۵۲۱. (۲)

---

(۱) شامي، كتاب النكاح، باب الولي، قبيل مطلب مهم: هل للعصبة تزويج الصغير الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٧٢، كراچي ٣/ ٦٧۔

البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل فی الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٣٨، كوئٹة ٣/ ١٩٥۔

فتح القدير، كتاب النكاح، فصل فی الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٩٣، كوئٹة ٣/ ١٢٨۔

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٠٨-٢٠٩، كراچي ٣/ ٨٥-٨٦۔ ←

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں ولی منکوحہ کو بھی اور اسی طرح بعد بلوغ کے خود منکوحہ کو بھی اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے اور یہ فسخ بحکم حاکم ہوگا جو کہ علاقہ حیدر آباد میں آسان ہے۔(۱)

وقوله: قالت: لا أرضى ليس للاحتراز في صورة الاشتراط أو الإخبار ليتوقف الفسخ على بلوغها لأن المسئلة الثانية التي رضيت الكبيرة فيها يتحقق الاختيار فيها للأولياء. واللہ اعلم

۹ / ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

مرتدہ سے نکاح کا حکم

سوال (۱۰۸۹): قدیم ۲/ ۲۲۹- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے شادی کی اور بی بی کو گھر میں اپنے لایا اور خلوت کے چند ماہ کے بعد اس کے اولیاء رخصتی کے لئے آئے زید نے بی بی کو رخصت کردیا، چند روز کے بعد زید نے جو رخصتی چاہی تو اس عورت کے اولیاء حیلے

← البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٢٦، كوئٹة ٣/ ١٢٨-

الفتاوى الولوالجية، كتاب النكاح، الفصل الثاني في التوكيل بالنكاح الخ، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٢٢-

إن كان الأولياء هم الذين باشروا عقد النكاح برضاها ولم يعلموا أنه كفء أوغير كفء فلا خيار لواحد منهم أما إذا شرطوا الكفاءة (أوأخبر هم بالكفاءة) ثم ظهر أنه غير كفء كان لهم الخيار. (المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس في بيان الكفاءة، المجلس العلمي ٤/ ٣٥، رقم: ٣٥٥٩)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل الخامس عشرفي الكفاءة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٤٥، رقم: ٥٧٧٨-

(١) وإن زوجها غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ (إلى قوله) ويشترط فيه القضاء (هداية) وتحته في الفتح: أي في الفسخ ويشترط القضاء في الفرقة في مواضع: هذه، والفرقة بعدم الكفاءة ونقصان المهر وكلها فسخ. (فتح القدير، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٦٨-٢٦٩، كوئٹة ٣/ ١٧٥-١٧٦) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حوالے کرنے لگے چند روز کے بعد رخصتی سے صاف انکار کیا اور خلع چاہنے لگے تو زید نے مجبور ہوکر گورنمنٹ میں رخصتی کے لئے درخواست کی جب اولیاء کو یہ معلوم ہوا تو ان لوگوں نے جھٹ سے اس عورت کو کلمات کفر سکھلا دیئے اس عورت نے کلمات کفر زبان سے کہے اب اولیاء عدالت میں آ کر یہ کہتے ہیں کہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہوکر اس قسم کے کلمات کفر زبان پر لائی ہے اب زید سے اس کا نکاح ہی کب باقی رہا کہ وہ رخصتی چاہتا ہے نکاح ٹوٹ گیا اس وجہ سے ہم لوگ رخصتی نہیں کر سکتے اس اظہار پر حاکم نے زید سے فتویٰ طلب کیا ہے اور اپنے فیصلہ کو فتویٰ پر موقوف رکھا ہے اب سوال یہ ہے کہ اس عورت نے اولیاء کے سکھلانے سے یا خود اپنی طبیعت سے بغرض فسخ نکاح اگر کلمات کفر کہے ہوں تو عنداللہ نکاح فسخ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فسخ ہوگیا عمداً سمجھ کر تلفظ بکلمات کفر خواہ اعتقاد سے ہو یا بلا اعتقاد خواہ اپنی رائے سے یا کسی کی تعلیم سے سب موجب کفر ہے اور کفر موجب فسخ نکاح اس لئے نکاح ٹوٹ گیا (۱) اور ساتھ ہی ساتھ تعلیم کرنے والوں کا نکاح بھی ٹوٹ گیا اور جو شخص اس کارروائی سے راضی ہیں سب کا نکاح ٹوٹ گیا لیکن اتنا فرق ہے کہ زید کی بی بی کو تو شرعاً مجبور کیا جاوے گا کہ وہ اسلام لاوے اور اسی شوہر اول سے نکاح کرے دوسرے شخص سے اس کو نکاح جائز نہ ہوگا۔ اور تعلیم کرنے والوں اور راضی ہونے والوں کی بیبیوں کو اختیار ہوگا بعد عدت جس سے چاہیں نکاح کرلیں۔

---

(۱) **الحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلا أو لاعبا كفر عند الكل ولا اعتبار باعتقاده......ومن تكلم بها عالما عامدا كفر عندالكل...... ومن كفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالإيمان فهو كافر ولا ينفعه مافي قلبه (وقوله) وفي الدرر والرضى بكفر نفسه كفر بالاتفاق وأما الرضا بكفر غيره فقد اختلفوا فيه، وذكر شيخ الإسلام الرضا بكفر الغير إنما يكون كفرا إذا كان يستنجز الكفر ويستحسنه (وقوله) وعن الإمام أن الرضى بكفر الغير كفر من غير تفصيل وفي البزازية: من لقن إنسانا كلمة الكفر، وإن كان على وجه اللعب والضحك وكذا من علمها كلمة لتبين من زوجها فهو كافر، ومن أمر رجلا بالكفر كفر الآمر في الحالي تكلم المأمور به أم لا.**

(مجمع الأنهر، كتاب السيرو الجهاد، باب المرتد،ثم إن ألفاظ الكفر أنواع، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٠٢)

البحرالرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٢٠٨ تا ٢١٠، كوئٹة ٥/ ١٢٣ تا ١٢٥

ارتداد أحدهما أي الزوجين فسخ فلا ينقص عدداً عاجل بلاقضاء. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب الصبي والمجنون ليسا بأهل الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٦٦، كراچي ٣/ ١٩٣) ←

في الـدر الـمـختار: أخبرت بارتداد زوجها فلها التزوج باٰخربعد العدة. الخ(۱) وفيه ليس لـلـمرتدة التزوج بغير زوجها. به يفتى. وفي رد المحتار: حكموا بجبرها على تـجـديد النكاح مع الزوج ويضرب خمسة وسبعين سوطا واختاره قاضي خان للفتوى.اه ج:۳،ص: ۴۶۹-۴۷۰ (۲)

اور جب ان سب کا نکاح ٹوٹ گیا تو اس لئے آئندہ کے سوالات ان سب سے متعلق ہونگے۔

۴/ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

← **إرتـد أحد الزوجين عن الإسلام وقعت الفرقة بغير طلاق في الحال قبل الدخول وبعده الخ.** (هندية، كتاب النكاح، الباب العاشر في النكاح الكافر، مكتبه زكريا قديم ۱/۳۳۹، جديد ۱/٤٠٥)

(۱) الـدر الـمـختـار مـع ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب لوتاب المرتد هل تعود حسناته، مكتبه زكريا ديوبند ٦/۳۹۹، كراچي ٤/۲٥۲۔

وإن أخبرت المرأة أن زوجها قد ارتد لها أن تتزوج بآخر بعد انقضاء العدة في رواية الاستحسان وفـي رواية السيـرليس لها أن تتزوج، قال شمس الأئمة السرخسي الأصح رواية الاستحسان. (هندية، كتاب النكاح، قبيل الباب الحادي عشر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳٤٠، جديد ۱/٤٠٦)

خـانية عـلى هامش الهندية، كتاب السير، قبيل فصل فيما يبطله الارتداد، مكتبه زكريا قديم ۳/٥۸۳، جديد ۳/٤۳٤۔

(۲) الـدر الـمـختار مع ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب لوتاب المرتد الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٤٠٠، كراچي ٤/۲٥۳۔

خـانية عـلى هامش الهندية، كتاب السير، قبيل باب الردة وأحكام أهلها، مكتبه زكريا قديم ۳/٥۷۹، جديد ۳/٤۳۱۔

قـال فـي الـمـلتقط امرأة ارتدت لتفارق زوجها تقع الفرقة وتجبر على الإسلام وتعزر خـمسة وسبعـين سـوطا وليس لهاأن تتزوج إلا بزوجها الأول قال في المصفى: يجدد العقد بـمهـر يسيـر رضيـت أو أبـت يعني أنها تجبر على تجديد النكاح. (الـجـوهرة النيرة، كتاب النكاح، قبيل كتاب الرضاع، دارالكتاب ديوبند ۲/۸۹-۹٠)

كتـاب الـفـقة عـلى الـمـذاهـب الأربعة، كتاب النكاح، حكم نكاح المرتد عن دينه الخ ، دارالكتب العلمية بيروت ٤/۲۲۳۔

الموسوعة الفقهية الكويتية ۱٠/۱٥۷۔ *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

منکوحہ کی لڑکی کا نکاح زوج کے نواسہ سے جائز ہے

سوال (۱۰۹۰): قدیم ۲/۲۳۰- زید کی منکوحہ کی ایک لڑکی جو اس کے پہلے خاوند کی طرف سے اور زید کا حقیقی نواسا جو زید کی دوسری منکوحہ کی لڑکی کا لڑکا ہے آیا اس منکوحہ کی لڑکی مذکورہ کے ساتھ نواسے مذکور کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

والدہ کی خالہ کی لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال (۱۰۹۰): قدیم ۲/۲۳۰- ہندہ کی حقیقی خالہ کی لڑکی کے ساتھ ہندہ کے لڑکے کا نکاح جائز ہے یا نہیں جواب بحوالۂ کتب ارشاد فرمائیں؟

الجواب عن السوالين: یہ دونوں نکاح جائز ہیں کیونکہ یہ دونوں قرابتیں محرمات سے نہیں۔(۱) کتبہ محمد اشرف علی عفی عنہ۔

۱۹ رشعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۷۹)

---

(۱) **قوله تعالىٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ**. (سورة النساء : ۲۴)

وقال عطاء: أحل لكم ماوراء ذات المحارم من أقاربكم. (أحكام القرآن للجصاص، قبيل باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۷۶)

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ يعنى ماسوى المحرمات المذكورات في الآيات السابقة. (تفسير مظهري، مكتبه زكريا ديوبند ۲/٦٦)

مستفاد: أما بنت زوجة أبيه أو ابنه فحلال (الدر المختار) وتحته في الشامية، وكذا بنت ابنها، بحر، قال الخير الرملي: ولاتحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها الخ. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٠٥، كراچي ٣/٣١)

تحل بنات العمات والأعمام والخالات والأخوال. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات ، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٩٩، كراچي ٣/٢٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

چچازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال (۱۰۹۱): قدیم ۲/ ۲۳۰- چچازاد بھائی کی لڑکی سے شادی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔

لقوله تبارک وتعالیٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ .(۱)

(تتمہ اولیٰ، ص: ۷۹)

محض تحریری ایجاب وقبول سے نکاح نہ ہونا اور جواز کی شرط

سوال (۱۰۹۲): قدیم ۲/ ۲۳۰- زبیدہ جو بالغ ہے (پڑھ لکھ سکتی ہے) کیا بکر کے ساتھ (جو پڑھ لکھ سکتا ہے) بذریعہ تحریر ایجاب وقبول کر سکتی ہے اور کیا یہ نکاح شرعاً درست ہوگا اور اگر دو عاقل اور بالغ مسلمان اپنے قلم سے اسی تحریر پر جن کو یقین ہو کہ وہ تحریر جس کے ذریعہ سے نکاح ہوا ہے زبیدہ اور بکر ہی کے قلم سے ہے تو کیا یہ گواہی شرعاً جائز اور قابل تسلیم ہوگی حالانکہ زبیدہ اور بکر ایک شہر میں موجود نہیں ہیں؟

---

(۱) سورة النساء، رقم: الآية: ٢٤۔

عن علی رضي الله عنه قال: زوجني رسول الله صلی الله عليه وسلم ابنته فاطمة الحديث. (مجمع الزوائد، دارالکتب العلمية بيروت ٤/ ٢٨٣)

مسند أبي يعلى الموصلي، دار الكتب العليمة بيروت ١/ ٢٣٨، رقم: ٤٩٩۔

سنن النسائي، كتاب النكاح، نحلة الخلوة، النسخة الهندية ٢/ ٧٦، دارالسلام رقم: ٣٣٧٧۔

خالة أبيه حلال، كبنت عمه وعمته وخاله وخالته لقوله تعالىٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ. (الدر المختارمع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٠٣، كراچي ٣/ ٣٠)

تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والأعمام والخالات والأخوال. (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كوئٹہ ٣/ ١١٧، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ١٩٩) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اگر دونوں طرف سے تحریر ہوئی ہے تو نکاح درست نہ ہوگا اسی طرح اگر ایک طرف سے تحریر ہوئی اور دوسری طرف سے گواہوں کے روبرو زبانی قبول ہوا لیکن ان گواہوں کو تحریری ایجاب کی زبانی خبر نہیں دیگئی تب بھی نکاح نہ ہوگا اسی طرح گواہوں نے صرف زبیدہ یا بکر یا دونوں کا قلم پہچان کر گواہی کردی تب بھی نہ یہ گواہی درست ہوگی نہ اس گواہی سے نکاح درست ہوگا صرف نکاح درست ہونے کی خاص صورت یہ ہے کہ مثلاً بکر زبیدہ کے نام بدرخواست نکاح خط لکھے اور زبیدہ دو گواہوں کو یا زیادہ کو جو شرعاً گواہی کے قابل ہوں یعنی دو مرد یا ایک مرد و عورت عاقل بالغ مسلمان جوان کی زبان سمجھتے ہوں ایک جلسہ میں جمع کر کے اُن کے سامنے پورا مضمون خط کا بیان کرے کہ فلاں شخص نے میرے پاس بدرخواست نکاح خط لکھا ہے اور میں اس درخواست کو منظور کرتی ہوں اور اس کو نکاح میں قبول کرتی ہوں بس اب نکاح درست ہوگیا۔

في رد المحتار: الكتابة من الطرفين بلا قول لا تكفي ولو في الغيبة وفيه عن الفتح! ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب وصورته أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم. وقالت: زوجت نفسي منه أو تقول ان فلاناً كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه أما لولم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان لاينعقد؛ لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح وبإسماعهم الكتاب أوالتعبير عنه منها قد سمعوا الشطرين بخلاف ما إذا انتفيا. جلد: ٢، ص: ٢٣٤. (١)

۱۹/ ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولی، ص: ۸۸)

---

(١) شامي، كتاب النكاح، مطلب التزوج بإرسال كتاب، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٧٣، كراچي ٣/١٢

الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٠/٢٠٩ و ٤١/٢٤١

فتح القدير، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٨٠، كوئٹه ٣/١٠٩

وكذا الكتاب بمنزلة الخطاب من الكاتب فكان سماع قول الرسول وقراءة الكتاب سماع قول المرسل وكلام الكاتب معنى وإن لم يسمعا كلام الرسول وقراءة الكتاب لايجوز عندهما وعند أبي يوسف إذا قالت: زوجت نفسي يجوز وإن لم يسمعا كلام الرسول وقراءة الكتاب بناء على أن قولها زوجت نفسي شطر العقد عندهما والشهادة في شطري العقد شرط لأنه يصير عقدا بالشطرين، فإذا لم يسمعا كلام الرسول وقراءة الكتاب ←

سوال (۱۰۹۳): قدیم ۲/۲۳۱- **ما قولكم أيها العُلماء الكرام۔**

ہندہ عاقلہ بالغہ بست سالہ نے زید کے نام حسب ذیل تحریر بھیجی جناب .... صاحب آپ نے بذریعہ تحریر جو پیام نکاح بھیجا وہ میں نے بجان ودل منظور کیا اور میں صاف الفاظ میں کہتی نیز لکھتی ہوں کہ میں نے بعوض دس ہزار روپیہ مہر مؤجل اپنی ذات کو آپ کے عقد نکاح میں دیا راقمہ (دستخط) زید نے یہ تحریر وصول کر کے چند مستور الحال اہل اسلام کو مطلع کیا نیز اپنی قبولیت نکاح ومنظوری مقدار مہر سے آگاہی بخشی اور ہندہ کو بھی اطلاع کردی کہ میں نے قبول کیا اور چند مسلمان آدمیوں کو میں نے گواہ کرلیا ہے از روئے شرع متین وفقہ عالیہ مذہب امام اعظم اس صورت میں نکاح مابین زید وہندہ منعقد ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب: اس طرح نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

لأن الشرط سماع الشاهدين ألفاظ الزوجين في مجلس واحد ولم يوجد. (۱)

← **فلم توجد الشهادة على العقد وقول الزوج بانفراده عقد عنده وقد حضر الشاهدان.**

(بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل وأماشرائط الركن، كراچي ٢/٢٣٣، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٩١)

إذاكان أحد العاقدين غائبا عن مجلس العقد: ينعقد الزواج عند الحنيفة بالكتابة أو إرسال رسول إذا حضر شاهدان عند وصول الكتاب أوالرسول؛ لأن الكتاب من الغائب خطابه، قال الحنيفة : الكتابة من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر، مثال الكتاب: أن يكتب رجل لخطيبته: تزوجتك أوزوجيني نفسك فقالت المرأة في مجلس وصول الكتاب: قبلت الزوج بحضور شاهدين، صح الزواج؛ لأن سماع الشاهدين شطري العقد(الإيجاب القبول) شرط لصحة الزواج. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، الفصل الثاني تكوين الزواج، قبيل المبحث الثالث، مكتبه أشرفية ديوبند ٨/٥٨)

الفقه الإسلامي وأدلته، هدى إنٹر نيشنل ديوبند ٧/٥٨۔

البحرالرائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٤٨، كوئٹة ٣/٨٤۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **وشرط حضور شاهدين أوحروحرتين مكلفين سامعين قولهما معا على الأصح.**

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٨٧ تا ٩٢، كراچي ٣/١٢ تا ٢٣)

وشرط حضور حرين مكلفين مسلمين إن الزوجة مسلمة سامعين معا لفظهما فلا يصح إن سمعا متفرقين (ملتقى الأبحر) وتحته فيمجمع الأنهر: ولوكان العقد في مجلسين لم يجز بالاتفاق. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٧٢-٤٧٣) ←

والذي وجد هوالخبر لا الإنشاء وهو الشرط وهذا كله في الدرالمختار ورد المحتار (۱)
۱۱رمحرم الحرام ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ،ص:۷)

ایضاً

سوال (۱۰۹۴): قدیم ۲/۲۳۲- زید اپنے ربیب کی مطلقہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: کرسکتا ہے۔(۲) بلکہ اپنی بی بی کے ساتھ جمع بھی کرسکتا ہے کیونکہ زید کی بی بی

← هندية، كتاب النكاح، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۲۶۸/۱، جديد ۲۳۲/۱-۲۳۳۔

(۱) **وينعقد بإيجاب وقبول وضعا للمضي؛ لأن الماضي أدل على التحقيق** (الدر) **وتحته في الشامية: وإنما اختير لفظ الماضي؛ لأن واضع اللغة لم يضع للإنشاء لفظا خاصا وإنما عرف الإنشاء بالشرع واختيار لفظ الماضي لدلالته على التحقيق والثبوت دون المستقبل.** (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٦٩/٤، كراچي ٩/٣)

وينعقد بإيجاب وقبول وضعا للمضي أو أحدهما أي ينعقد النكاح بالإيجاب والقبول بلفظين وضعا للماضي أووضع أحدهما للماضي والآخر للمستقبل؛ لأن النكاح عقد فينعقد بهما كسائر العقود واختص بما ينبئ عن الماضي؛ لأنه إنشاء تصرف وهوإثبات مالم يكن ثابتا وليس له لفظ يختص به باعتبار الوضع فاستعمل فيه لفظ ينبئ عن الثبوت وهوالماضي دفعا للحاجة وهذا لأن الإنشاء يعرف بالشرع لاباللغة الخ. (تبيين الحقائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤٤٨/٢، مكتبه امدادية ملتان ٩٦/٢)

(۲) **لاتحرم بنت زوج الأم وأمه ولاأم زوجة الأب ولابنتها ولا أم زوجة الابن ولابنتها ولا زوجة الربيب ولازوجة الراب.** (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ١٠٥/٤، كراچي ٣١/٣)

منحة الخالق على هامش البحرالرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ١٦٧/٣-١٦٨، كوئٹة ٩٤/٣-٩٥۔

وبنت زوج الأم لاتحرم على ابنه ولا أمه ولاأم زوجة الأب ولاأم زوجة الابن ولازوجة الربيب فمن كان متزوجا بامرأة لها ابن من غيره وله مطلقة فإنها تحل لزوج أمه. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، مبحث فيما تثبت به حرمة المصاهرة، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ٦٣/٤)

اوراس کے ربیب کی بی بی میں ایسا علاقہ نہیں کہ جس کو مرد فرض کریں، دوسرے سے نکاح حرام ہو۔(۱)

(تتمہ اولیٰ،ص:۹)

مرتدہ کے لئے توبہ کے بعد پہلے شوہر کے علاوہ سے نکاح جائز نہیں

سوال (۱۰۹۵): قدیم ۲/۲۳۲- بہشتی زیور حصہ سوم (۲)، دین سے پھر جانے کے بیان میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جب کسی نے کفر کا کلمہ زبان سے نکالا تو ایمان جاتا رہا اور جتنی نیکیاں اور عبادت اس نے کی تھی سب اکارت گئی اور نکاح ٹوٹ گیا پس اگر کسی عورت نے کفر کا کلمہ زبان سے نکالا اور توبہ کر کے پھر مسلمان ہوئی اب وہ کہتی ہے کہ میں کسی دوسرے مرد سے نکاح کروں گی تو اس عورت کے پہلے خاوند کو جس کے نکاح میں یہ تھی اُس کو طلاق دینے کی ضرورت ہے یا نہیں شرعاً جو حکم ہو تحریر فرمائیے؟

الجواب: اوّل تو جو کلمات کفر فقہاء نے لکھے ہیں اُن میں تاویل ممکن ہے اس لئے اُن پر کفر کا فتویٰ نہ دینا چاہئے مقصود فقہاء کا زجر ہے اور اگر غیر محتمل تاویل کلمہ بھی کہدیا تب بھی گو وہ کافر ہو جاوے گی مگر اس کو دوسرے مرد سے نکاح نہ کرنے دینگے۔

---

(۱) **ويحرم الجمع بين المرأتين لو فرضت إحداهما ذكرا تحرم عليه الأخرى** ...... **بخلاف الجمع بين امرأة وبنت زوجها فإنه يجوز؛ لأنه لو فرضت المرأة ذكراً جازله أن يتزوج بنت الزوج؛ لأنها بنت رجل اجنبي.** (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۴۸۰)

ولابأس بأن يجمع بين امرأة وبنت زوج كان لها من قبل؛لأنه لا قرابة بينهما ولارضاع. (هداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، مكتبه اشرفية ديوبند ۲/ ۳۰۹)

جاز نكاح أحداهما على تقدير مثل المرأة وبنت زوجها أوامرأة ابنها فإنه يجوز الجمع بينهما عند الأئمة الأربعة. (البحرالرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند۳/ ۱۷۳، كوئٹة ۳/ ۹۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) اختری بہشتی زیور، باب ۳۲، دین سے پھر جانے کا بیان، حصہ سوم ص:۵۸، اشاعتی بہشتی زیور، تیسرا حصہ ص:۱۷۵۔

وينبغي للعالم إذا رفع إليه هذا ألايبادر بتكفير أهل الإسلام مع أنه يتساهل في إثبات ←

في الدر المختار: وليس للمرتدة التزوج بغير زوجها، به يفتى وأيده في رد المحتار جلد:۳، صفحه : ۴۶۹. (۱) فقط

۲۵؍ جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۹۲)

← **الإسلام فيقضى بصحة إسلام المكره، ونقل ابن عابدين عن صاحب الفتاوى الصغرى قوله: الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافرا متى وجدت رواية أنه لايكفر. وفي كتب الحنفية: إذاكان في المسألة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنعه فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم إلاإذا صرح بإرادة موجب الكفر فلاينفعه التاويل ولايكفر بالمحتمل؛ لأن عقوبة الكفر نهاية في العقوبة تستدعي نهاية في الجناية ومع الإحتمال لانهاية في الجناية، والذي تقرر: أنه لايفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۹۱/۱۲)

شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب مايشك في أنه ردة، مكتبه زكريا ديوبند ۳۵۸/٦، كراچي ۲۲٤/٤۔

البحرالرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، مكتبه زكريا ديوبند ۲۱۰/۵، كوئٹة ۱۲۵/۵۔

خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل في ألفاظ الكفر، مكتبه اشرفية ديوبند ۳۸۲/٤۔

الفتاوى التاتار خانية، كتاب أحكام المرتدين،الفصل الأول، مكتبه زكرياديوبند ۲۸۱/۷، رقم: ۱۰٤۸۷۔

(۱) الدرالمختار مع ردا لمحتار، كتاب النكاح، باب المرتد، مطلب لوتاب المرتد هل تعود حسناته، مكتبه زكريا ديوبند ٤۰۰/٦، كراچي ۲۵۳/٤۔

امرأة ارتدت لتفارق زوجها تقع الفرقة...... وليس لها أن تتزوج إلابزوجها الأول. (الجوهرة النيرة، كتاب النكاح، قبيل كتاب الرضاع، مكتبه دارالكتاب ديوبند۸۹/۲-۹۰)

ارتدت لتفارق زوجها تجبر على الإسلام، وليس لها أن تتزوج غير زوجها به أخذ الفقهاء .(النهرالفائق، كتاب الحدود، باب حدالقذف، فصل في التعذير،قبيل كتاب السرقة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۷۲/۳)

مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، دارالكتب العلمية بيروت ۵٤۷/۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

لفظ قبول کے بجائے الحمد للہ کہنے سے نکاح کا حکم

سوال (۱۰۹۶): قدیم ۲/ ۲۳۲- زید نے لفظ قبول کی جگہ الحمد للہ کہا نکاح صحیح ہوا یا نہ؟

الجواب: **في الدر المختار: وينعقد بإيجاب وقبول وضعا للمضي وبما وضع أحدهما له أي للمضى والآخر للاستقبال أو للحال فالأول الأمر الخ. وفي رد المحتار: تحت قول الدر المختار: لو قال لها ياعرسى فقالت: لبيک الخ. ما نصه صوابه لم ينعقد فقد صرح في البحرعن الصيرفيّة بأن الانعقاد خلاف ظاهر الرواية ومثله في النهر وكذا في شرح المقدسي عن فوائد تاج الشريعة الخ، جلد: ۲، صفحه: ۴۳۳ مصري** (۱)

اس نظیر سے معلوم ہوتا ہے کہ الحمد للہ کہنا موجب انعقاد نکاح نہیں لیکن کوئی جزیہ نہیں ملا بہتر یہ ہے کہ کسی اور جگہ بھی تحقیق کرلیا جاوے (۲)۔ فقط

۴ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٦٩-٧٣، كراچي ٣/ ٩-١٠-١٢۔

(۲) حضرت والا تھانویؒ نے عدم انعقاد نکاح کا حکم لکھنے کے بعد تردد کا اظہار فرمایا اور ساتھ میں فرمایا، کہ کسی اور جگہ سے بھی تحقیق کر لی جائے: اس بارے میں غور کر کے دیکھا گیا، کہ نکاح میں صرف جانب ایجاب میں کلمہ ایجاب کا تملیک عین کے لئے موضوع ہونا کافی ہے اور کلمۂ قبول کے لئے یہ شرط نہیں ہے؛ بلکہ بغیر کلام کے قبول بالعمل سے بھی قبول نکاح معتبر ہو جاتا ہے؛ اسلئے لفظ الحمد للہ سے بھی قبول نکاح معتبر ہو جائے گا۔

احسن الفتاوی میں دو متضاد جواب میں سے جواز ہی کے حکم کو صحیح ثابت فرما ہے اور خلاصۃ الفتاوی اور ھندیہ کی عبارات سے بھی جواز کی بات واضح ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

امرأة قالت لرجل زوجت نفسي منک فقال الرجل بخداوندكارى پذر فتم يصح النكاح ولولم يقل الرجل ذلک لكنه قال لها شاباش إن لم يقل بطريق الطنز يصح النكاح كذاقال القاضي الإمام. (خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الأول في جواز النكاح، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/ ٣)

الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح الخ، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ٢٧٢، جديد ١/ ٣٣٧۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

لڑکی کا سکوت اس وقت اذن ہوگا جبکہ ولی پوچھے ورنہ زبانی جواب ضروری ہے

سوال (۱۰۹۷): قدیم ۲/۲۳۲- اس طرف یہ دستور ہے کہ جس بالغہ لڑکی کا عقد ہوتا ہے تو اس طریقہ سے ہوتا ہے کہ لڑکی جہاں پردہ میں بیٹھی ہوتی ہے وہاں تین آدمی ایسے جاتے ہیں کہ جو قریب کے رشتہ دار ہوتے ہیں اوران میں سے ایک تو وکیل ہوتا ہے اور دو گواہ ہوتے ہیں لڑکی کی ماں بہن لڑکی سے کہلواتی ہیں کہ میں نے اپنے نکاح باندھنے کے لئے (وکیل کا نام لیکر) فلاں کو اختیار دیا تو لڑکی یا تو بالکل خاموش رہتی ہے یا رو دیتی ہے یا سر ہلا دیتی ہے پس وہ تینوں آدمی باہر آتے ہیں جس جگہ کہ دولھا اور قاضی وغیرہ موجود ہوتے ہیں اور وہ جو دو گواہ ہیں قاضی کے روبرو یہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں بنت فلاں نے اپنا نکاح کر دینے کے لئے فلاں شخص کو جس سے وکیل مراد ہوتا ہے اختیار دیا ہے ہمارے روبرو پس قاضی وکیل سے مہر کی تعداد معلوم کرتا ہے اور نکاح پڑھانے کی اجازت چاہتا ہے جب وکیل نے اجازت دیدی تو قاضی نے خطبہ وغیرہ پڑھا اور دولھا سے کہا کہ مسماۃ فلاں بنت فلاں نے اپنے نفس کا اختیار بالعوض اتنے مہر (جتنی تعداد مقرر ہوئی) نصف معجّل اور نصف مؤجل کے تجھ کو دیا وہ کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا اوران دو گواہ اور وکیل کے نام معہ نام قاضی و دولھا دلھن درج رجسٹر سرکاری ہو جاتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ بالا درست ہے یا نہیں؟ اگر نہ ہو تو اصلاح فرما دی جاوے۔

الجواب: یہ سکوت لڑکی کا جبکہ پوچھنے والا ولی نہیں ہے معتبر نہیں (۱) پس یہ وکالت درست نہیں گواہوں کا یہ کہنا کہ لڑکی نے اختیار دیا ہے جھوٹی گواہی ہے پس یہ نکاح درست نہیں ہوا (۲)

---

(۱) **إن كان لها ولي أقرب من المزوج لايكون السكوت منها رضاولها الخيار إن شاء رضيت وإن شاء ردت.** (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، مكتبه زكريا قديم ديوبند ۱/۲۸۷، جديد ۱/۳۵۳)

فلو استأذنها من غيره أقرب منه فلا يكون سكوتها إذنا ولا بد من النطق. (البحرالرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء ،مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۹۷، كوئٹة ۳/۱۱۲)

وكذافي الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ۴/۱۶۴، كراچي ۳/۶۲۔

(۲) **لايجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل...... فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف ←**

البتہ اس کے بعد جب رخصت ہوکر دولھا کے گھر آئی اور صحبت کے وقت انکار نہ کیا اس وقت وہ نکاح جواب تک معلق وموقوف تھا صحیح ہوا (۱) لیکن چونکہ بروقت نکاح پڑھنے کے صحیح نہ ہوا تھا اس لئے یہ خلوت اوراس کو ہاتھ لگانا اور برہنہ کرنا اور برہنہ دیکھنا اور بے پردگی یہ کس طرح جائز ہوگی (۲) اسلئے اس کی اصلاح یہ ہے کہ اگرلڑکی نابالغ ہوتب تو ولی سے اجازت لی جاوے (۳)

← **على إجازتها فإن اجازته جاز وإن ردته بطل.** (الفتاوى العالمگيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، مكتبه زكريا ديوبندقديم ١/٢٨٧، جديد١/٣٥٣)

وقف تزويج فضولي من أحد الجانبين وهو من لم يكن وليا ولاأصيلا ولا وكيلا أو فضوليين من الجانبين على الإجازة أي إجازة من له العقد بالقول أو الفعل فإن أجاز ينفذ وإلالا. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، فصل، قبيل باب المهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٥٠٦)

(١) **لأنه إذا ثبت الرضا بالقول يثبت بالتمكين من الوطء بالأولى؛ لأنه أدلّ على الرضا.** (شامي، كتاب النكاح، باب الولى ، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٦٥/ كراچي ٣/٦٢)

البحرالرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٢٠٤، كوئٹة ٣/١١٦۔

فلو بلغت وذهبت إلى بيت الزوج جاز النكاح. (خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الأول في جواز النكاح، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/٦)

(٢) **عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا لا يبيتن رجل عند امرأة ثيب إلا أن يكون ناكحا أوذا محرم .** (صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الخلوة بالأجبينة والدخول عليها، النسخة الهندية ٢/٢١٥، بيت الأفكار الدولية رقم:٢١٧١)

وقد اتفق الفقهاء على أن الخلوة بالأجنبة محرمة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٩/٢٦٧)

الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٥٢٩، كراچي ٦/٣٦٨۔

(٣) **فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب توقف على إجازته.** (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٩٩، كراچي ٣/٨١)

وكذا في المبسوط للسرخسى، كتاب النكاح، باب نكاح الصغيروالصغيرة، درالكتب العلمية بيروت ٤/٢٢٠۔

اور اگر بالغ ہو تو اس لڑکی سے ولی کو دریافت کرنا چاہئے اُس کے دریافت کرنے پر جو سکوت کریگی وہ اذن ہے(۱) پھر ولی کا اجازت دینا صحیح ہوگا (۲) اور اگر خواہ مخواہ وکیل ہی بننا ضروری ہے تو پھر ضروری ہوگا کہ وہ لڑکی اپنی زبان سے اُس وکیل کو اجازت نکاح کردے اگر زبان سے نہ کہے گی تو وہی خرابی ہوگی جو اوپر مذکور ہوئی اس مسئلہ کو اچھی طرح لوگوں میں شائع کردینا چاہئے۔ (تتمہ اولیٰ، ص:۹۴)

گواہوں کے سامنے وکیل کے ایجاب وقبول سے نکاح کا جواز

سوال (۱۰۹۸): قدیم ۲/۲۳۴- ایک مسئلہ دریافت طلب آں حضرت قبلہ کے حضور میں پیش ہے۔ زینب وزید میں آپس میں مناکحت کا اقرار ہوا زینب نے زید سے کہا کہ مجھے تمہارے ساتھ نکاح کرنا منظور ہے میں تم کو اپنا وکیل مقرر کرتی ہوں اپنے ساتھ میرا نکاح دو گواہوں کے روبرو کرلو۔ زید نے دو گواہوں کے روبرو اسکو پیش کر کے کہا کہ بحیثیت وکیل مسماۃ زینب میں مسماۃ زینب کے اقبال ومنظوری نکاح کو ہمراہ زید کے (میرے) ظاہر کرتا ہوں اور بحیثیت خود اقبال ومنظوری نکاح کا اقرار کرتا ہوں آپ لوگ اس امر کے شاہد رہئے۔ گواہوں نے سُن کر شہادت مناکحت زید وزینب منظور کرلی۔ آیا اس قسم کا نکاح جائز ہے؟

الجواب: جائز ہے۔(۳)

۲۲/رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۵۷)

---

(۱) **ولا يجبر البالغة البكر على النكاح فإن استأذنها هو الولي وهو السنة أووكيله فسكتت أو ضحكت غير مستهزئه أوتبسمت أو بكت بلا صوت فهو إذن.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٤/١٥٩-١٦٠، كراچي ٣/٥٨-٥٩)

وإن استأذن الولي البكر البالغة فسكتت فذلك إذن منها. (هندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/٢٨٧، جديد ١/٣٥٣)

(٢) **الموكل هو من يقيم غيره مقام نفسه في تصرف جائز معلوم ويشترط فيه أن يكون ممن يملك ذلك التصرف وتلزمه الأحكام.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/٢١)

وتقع (الإجازة) ممن يملك التصرف سواء أكان أصيلا، أم وكيلا، أو وليا، أم وصيا، أم قيما. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٠/٢٥٦) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(٣) **ويتولى طرفي النكاح واحد بإيجاب يقوم مقام القبول في خمس صور كأن كان وليا أو وكيلا من الجانبين أو أصيلا من جانب ووكيلا أو وليا من آخر (الدر) وتحته** ←

مزنیہ کی لڑکی سے اپنے لڑکے کے نکاح کا حکم

سوال (۱۰۹۹): قدیم ۲/۲۳۴- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کی موجودگی میں بکر کی زوجہ سے ناجائز تعلق پیدا کیا بکر کی زوجہ کی بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ دختر معلوم نہیں زید کے نطفہ سے یا بکر کے نطفہ سے کس کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے اور زید کی اصلی بی بی سے زید کے نطفہ سے ایک لڑکا ہوا ہے اب اس لڑکی اور لڑکے میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: فتویٰ سے جائز ہے مگر احتیاط کے خلاف ہے۔(۱)

۱۵/ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ، ص: ۷۰)

← **في الشامية: كمالو وكلته امرأة أن يزوجها من نفسه.** (الدرالمختارمع الشامي، كتاب النكاح، باب الكفاءة، مطلب في الوكيل والفضولي الخ۔مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٢٤، كراچي ٣/ ٩٦-٩٧)

ولو وكلته أن يزوجها من نفسه، فزوجها من نفسه يجوز. (المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل الثامن: الوكالة في النكاح، المجلس العلمي ٤/ ٤٨، رقم: ٣٥٨٩)

امرأة وكلت رجلا بأن يزوجها من نفسه فقال زوجت فلانة من نفسي يجوز وإن لم تقل: قبلت. (هندية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ٢٩٥، جديد ١/ ٣٦١)

خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الحادي‌عشر في الوكالة في النكاح، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/ ٣٠۔

امرأة وكلت رجلا بأن يزوجها من نفسه فقال الوكيل اشهدوا أني قدتزوجت فلانة من نفسي(إلى قوله) إن عرف الشهود فلانة وعرفوا أنه أرادبه تلك المرأة يجوز وإن لم يذكر أباها وجدها. (خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل السادس في الشهود، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/ ٣٠) شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

(۱) **وفي تجنيس خواهر زاده: ولايحرم على ولد الواطي ولا على أبيه ولد الموطوءة ولاأمهاتها.** (الفتاوى التاتار خانية، كتاب النكاح، الفصل السابع في أسباب التحريم، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٤٩، رقم: ٥٤٨)

ولا تحرم أصولها وفروعها (المزنية) على ابن الواطي وأبيه. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٨١) ←

گواہوں کے سامنے مردوعورت کے اقرارِ زوجیت سے نکاح کا حکم

سوال (۱۱۰۰): قدیم ۲/۲۳۴- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ قوم طوائف سے تھی اور پیشہ ناچ گانے وغیرہ کا کرتی تھی جب زید سے اُس کا تعلق ہوا تو زید نے اس کو سمجھا کر پیشہ ناچ گانے وغیرہ سے توبہ کرادی اور ہندہ اس کو قطعی چھوڑ کر زید کے پردہ کے مکان کے اندر رہنے لگی زید کے آدمی کے سوا کوئی غیر شخص آ جا نہ سکتا تھا اور زید اور ہندہ دونوں مثل میاں بیوی کے رہنے لگے اور ہر دو اشخاص نے دو شخصوں کے روبرو کہا کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں اب فرمائیے کہ ہندہ زید کی بیوی ہوئی یا نہیں؟

الجواب: في رد المحتار عن الفتح: قال قاضي خان: وينبغي أن يكون الجواب على التفصيل إن أقرا بعقد ماض ولم يكن بينهما عقد لا يكون نكاحا وإن أقر الرجل أنه زوجها وهي أنها زوجته يكون نكاحا ويتضمن إقرارهما الإنشاء الخ ۲/۴۳۵. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب دونوں نے دو گواہوں کے روبرو اقرار کرلیا (بشرطیکہ وہ دونوں مرد ہوں اور دونوں اقرار ایک ہی مجلس میں ہوں) تو نکاح ہو گیا۔

۱۶ رشوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی ص:۷۹)

← الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١٤/٣٦۔

ويحل لأصول الزاني وفروعه، أصول المزني بها وفروعها. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكرياديوبند ١٠٧/٤، كراچي ٣٢/٣)

(١) شامي، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب، مكتبه زكريا ديوبند ٧٤/٤، كراچي ١٣/٣۔

فتح القدير، كتاب النكاح، قبيل فصل في بيان المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ١٩٦/٣، كوئٹة ١١٥/٣۔

خانية على هامش الهندية، كتاب النكاح، الفصل الأول في الألفاظ التي ينعقد الخ، مكتبه زكريا ديوبند، قديم ٣٢٢/١، جديد ١٩٧/١۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل الأول، مكتبه زكريا ديوبند ١٥/٤، رقم: ٥٣٨٦۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۱۱۰۱): قدیم ۲/ ۲۳۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ بارہ سال کا ہوتا ہے کہ ایک مرد اور عورت سے تعلق بلا عقد نکاح ہوکر ایک لڑکا تولد ہوا اور چند روز بعد عورت لڑکے کو لیکر دوسرے ملک میں جا کر رہنے لگی۔ کئی برس بعد مرد بھی اس ملک میں گیا عورت مرد کے پاس خود آئی اور مرد کو اپنے مکان پر لے گئی اور آدمیوں سے کہا کہ ہمارا خصم آیا ہے اور مرد نے بھی آدمیوں سے کہا کہ ہماری جورو ہے دوسرے ملک میں تین سال گزرے دونوں کو رہتے ہوئے اور جبکہ مرد عورت کو جورو تسلیم کرتا ہے ہر آدمی کے سامنے اور عورت خصم قبول کرتی ہے ہر آدمی کے سامنے اہل محلّہ مرد کو خصم اور عورت کو بی بی کہتے ہیں اور جانتے ہیں اور مرد وعورت اہل محلّہ کے اس کہنے کو قبول کرتے ہیں تو ایسی حالت میں دونوں کا کیا حکم ہے بموجب دستور زمانہ نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں؟ عورت کا وارث ابتداء سے نہیں ہے از روئے شرع محمدی کیا حکم ہے؟

الجواب: اس میں کئی قول ہیں اور قاضی خان نے اس تفصیل کو پسند کیا ہے۔

إن أقرا بعقد ماض ولم يكن بينهما عقد لا يكون نكاحا و إن أقر الرجل أنه زوجها وهي أنها زوجته يكون نكاحا ويتضمن إقرارهما الإنشاء الخ. كذا في رد المحتار عن الفتح. ج: ۲، ص: ۴۳۵. (۱)

اس بناء پر اس مرد وعورت کے ان قولوں سے نکاح نہیں ہوا۔

لأن قول المرأة يتضمن الإقرار بعقد ماض؛ لأن معناه أن الرجل الذي هو زوجي قبل المجيء قد جاء.

ان کو اب نکاح باقاعدہ کر لینا چاہئے۔

۴ر رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۱۶۰)

---

(۱) شامي، كتاب النكاح، مطلب التزوج بإرسال كتاب، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۷۴، كراچي ۳/ ۱۳۔

فتح القدير، كتاب النكاح قبيل فصل في بيان المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۹۶، كوئٹة ۳/ ۱۱۵۔

خانية على هامش الهندية، كتاب النكاح، الفصل الأول في الألفاظ التي ينعقد الخ، مكتبه زكريا ديوبند، قديم ۱/ ۳۲۲، جديد ۱/ ۱۹۷۔

الفتاوى التاتار خانية، كتاب النكاح، الفصل الأول، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۱۵، رقم: ۵۳۸۶۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رضاعی بھائی کے نسبی باپ سے نکاح کرنا

سوال (۱۱۰۲): قدیم ۲/ ۲۳۵- عبدالقدوس نامی ایک شخص ہیں اُن کی زوجہ کے ایک لڑکا تولد ہوا اور اُن ایام میں زوجہ عبدالقدوس کے دودھ نہ اترتا تھا تو زوجہ عبدالقدوس کی خالہ نے آکر کے اپنا دودھ اُس لڑکے کو پلایا اور جنھوں نے دودھ پلایا ہے وہ رشتہ میں اس طرح کی خالہ ہیں کہ زوجہ عبدالقدوس کی والدہ کے انتقال کے بعد زوجہ عبدالقدوس کے والد صاحب نے عقد ثانیہ کیا ہے اُسی زوجہ عقد ثانیہ کی یہ عورت جس نے دودھ پلایا ہے ہمشیرہ تھی اور اسی طرح سے اُس عورت کی ایک لڑکی تھی بعد وفات زوجہ عبدالقدوس کے اپنی لڑکی کا عقد عبدالقدوس سے کردیا آیا یہ عقد جائز ہوا یا نہیں۔؟

الجواب: اس صورت میں یہ لڑکی جو کہ زوجہ عبدالقدوس کی سوتیلی والدہ کی بھانجی ہے ابن عبدالقدوس کی ہمشیرہ رضاعی ہے تو اُس کا نکاح جو عبدالقدوس سے ہوا تو اپنے رضاعی بھائی کے نسبی باپ سے ہوا تو یہ جائز ہے۔

في الدرالمختار: يجوز تزوجه بأم أخيه وتزوجها بأبي أخيها الخ مع رد المحتار. ج :۲، ص: ۶۶۹. (۱)

۲۵/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۱۰۰)

نکاح خواں نے غلطی سے کسی دوسرے مرد سے عقد کردیا تو یہ نکاح صحیح نہیں

سوال (۱۱۰۳): قدیم ۲/ ۲۳۶- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

---

(۱) الدرالختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٤٠٩، كراچي ٣/ ٢١٦۔

وكذلك المرأة يحل لها أن تتزوج بأبي أخيهامن الرضاع. (تبيين الحقائق، كتاب الرضاع، مكتبه امدادية ملتان ٢/ ١٨٣، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٦٣٥)

البحرالرائق، كتاب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٣٩٠، كوئٹة ٣/ ٢٢٤۔

يجوز لها أن تتزوج بأبي أخيها من الرضاع ولا يجوز ذلك من النسب. (البناية شرح الهداية، كتاب الرضاع، مكتبه اشرفية ديوبند ٥/ ٢٦٥) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

کہ لڑکی صغیرہ نابالغہ مسماۃ رقیہ کے باپ نے اپنے لڑکے مسمی داؤد کو جو کہ لڑکی مذکورہ کا سوتیلا بھائی ہے اجازت دی کہ رقیہ کا نکاح زید سے جا کر پڑھا دو بعدہٗ داؤد ایک ایسے جلسہ میں نکاح پڑھانے کے واسطے گیا جہاں دو تین لڑکوں کا نکاح تھا ازاں بعد قاضی نے بذریعہ ولایت داؤد کی غلطی سے عمرو سے قبول کرا دیا پھر اسی جلسہ میں داؤد نے انکار کیا کہ عمرو سے نکاح کرنے نہیں آیا ہوں پھر قاضی نے اُسی جلسہ میں زید سے قبول کرایا اب صورت مذکورہ بالا رقیہ کا عقد عمرو سے صحیح ہوا یا زید سے؟

الجواب: داؤد وکیل ہے اور قاضی عمرو کے ساتھ نکاح پڑھ دینے میں فضولی ہے اس کا یہ تصرف لڑکی کے باپ کی اجازت پر موقوف تھا (۱) مگر جب داؤد کی اجازت سے قاضی نے زید سے نکاح پڑھا تو بوجہ وکالت کے یہ ایسا ہوا جیسے خود لڑکی کے باپ نے یہ دوسرا نکاح پڑھا (۲) اور فضولی کے تصرف موقوف کے بعد اگر اصیل یا اُس کا وکیل کہ بمنزلہ اصیل کے ہے خلاف تصرف فضولی کے تصرف کرتا ہے تو اس سے وہ تصرف موقوف فضولی کا باطل ہو جاتا ہے اس لئے عمرو سے جو نکاح پڑھا گیا وہ باطل ہو گیا (۳)

---

(۱) **ووقف تزويج فضولي من جانب أوفضوليين من جانبين على الإجازة ممن عقد له أو عليه بالقول أوالفعل الخ.** (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، فصل قبل باب المهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٥٠٥-٥٠٦)

كل عقد صدر من الفضولي وله قابل يقبل سواء كان ذلك القابل فضوليا آخر أووكيلا أو أصيلا انعقد موقوفا هكذا في النهاية. (هندية، كتاب النكاح، الباب السادس، مكتبه زكريا ديوبند، قديم ١/٢٩٩، جديد ١/٣٦٥)

(٢) **لأن الوكيل في باب النكاح ليس بعاقد بل هو سفير عن العاقد ومعبرعنه بدليل أن حقوق النكاح والعقد لاترجع إلى الوكيل وإذا كان معبرا عنه وله ولاية على الزوجين فكانت عبارته كعبارة المؤكل الخ.** (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل وأما ركن النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٨٩، كراچي ٢/٢٣٢)

الموسوعة الفقهية الكويتية ٤١/٢٤٥۔

(٣) **ووقف أي جعل موقوفا تزويج فضولي......أوفضوليين من الجانبين على الإجازة أي إجازة من له العقدبالقول أو الفعل فإن أجازينفذ وإلا لا.** (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، فصل قبل باب المهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٥٠٦)

تصرفات الفضولي تقع منعقدة صحيحة لكنها موقوفة على إجازة صاحب الشأن ←

اور زید کے ساتھ جو نکاح پڑھا گیا وہ صحیح ہوا(۱) مگر یہ جواب اس صورت میں ہے کہ لڑکی کے باپ نے داؤد کو اس کا بھی اختیار دیا ہو کہ قاضی سے نکاح پڑھوا دے ورنہ وکیل کی توکیل درست نہیں (۲) اور زید سے جو نکاح پڑھا گیا ہے اس میں ایجاب مستقل بھی ہوا ہو یہ نہ کیا ہو کہ عمرو کے ساتھ جو ایجاب ہوا تھا اُس پر کفایت کی ہو اگر ان دونوں امر میں سے کوئی امر بھی کم ہو یعنی یا تو داؤد کو اس کی اجازت نہ دی گئی ہو کہ قاضی کو نکاح پڑھانے کی اجازت دے یا عمرو کے ایجاب پر کفایت کی ہو تو یہ جواب نہیں ہے مکرر سوال کیا جاوے۔

(تتمہ ثانیہ، ص:۱۴۸)

تین مرتبہ ایجاب وقبول مستحب نہیں

سوال (۱۱۰۴): قدیم ۲/ ۲۳۶- نکاح میں ایجاب وقبول جو تین مرتبہ کہلایا جاتا ہے آیا واجب ہے یا سنت موکدہ یا مستحب؟ بینوا توجروا بحوالہ کتب معتبرۃ حنفیہ.

الجواب: کچھ بھی نہیں۔(۳)

۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۱۴۸)

---

(۱) **وينعقد متلبسا بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر..... كزوجت نفسي أوبنتي أومؤكلتي منك ويقول الآخر تزوجت**(الدر) وفي الشامية: **كزوجت نفسي الخ، أشار إلى عدم الفرق بين أن يكون الموجب أصيلا أووليا أو وكيلا.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٦٨-٦٩، كراچي ٣/ ٩-١٠)

(۲) **ليس للوكيل أن يوكل غيره بماوكل إلا أن يطلق له الذي وكله أويجيز أمره فيماوكل به فيكون له ذلك.** (هندية، كتاب الوكالة، الباب الأول، أما حكمها، مكتبه زكريا ديوبند، قديم ٣/ ٥٦٦، جديد ٣/ ٤٨٢)

نص الحنفية على أنه ليس للوكيل أن يوكل ماوكل به إلا أن يأذن له المؤكل أويفوض له بأن يقول له اعمل برأيك أواصنع ماشئت لإطلاق التفويض إلى رأيه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/ ٨٢) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۳) صرف ایک مرتبہ ایجاب وقبول کافی ہے، تین مرتبہ کہلوانا کہیں سے ثابت نہیں، بس صرف ایک جانب سے ایجاب اور دوسری جانب سے قبول کافی ہے۔

(النكاح) ينعقد متلبسا بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر. (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٦٩، كراچي ٣/ ٩) ←

ابن الزناء کے ساتھ صحیح النسب عورت کے نکاح کا حکم

سوال (۱۱۰۵): قدیم ۲/ ۲۳۷- ایک شخص ہے ولد الزنا جس کی عمر ۲۰ سال کی ہے اب تک اس کی شادی نہیں ہوئی جب کہیں پیغام دیا جاتا ہے تو لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ ایسے آدمی کے پیچھے نماز درست نہیں ہے تو نکاح کیونکر درست ہوگا یہ کہہ کر نسبت قائم نہیں کرتے پس اس صورت میں شخص مذکور کا نکاح صحیح النسب عورت سے درست ہے کہ نہیں؟ اگر کیا جائے خواہ کوئی عورت بالغہ خود کرے خواہ کسی نابالغہ کا کوئی ولی کرے ہر دو صورت میں نکاح درست ہوگا کہ نہیں؟ شخص مذکور یقینی ولد الزنا ہے بینوا توجروا .

الجواب: جس عورت بالغہ کا کوئی ولی نہ ہو یا جس عورت بالغہ کا کوئی ولی ہو اور وہ عورت اور وہ ولی دونوں اس کے ساتھ نکاح کرنے پر رضامند ہوں اُس کا نکاح درست ہے باقی صورتوں میں اختلاف ہے اسلئے نابالغہ کا اس سے نکاح کرنا یا بالغہ کا بدون رضائے ولی کے اس سے نکاح نہ کرنا چاہئے۔(۱)

۱۰/ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۱۶۲)

← **ينعقد بالإيجاب والقبول......فإذا قال بها أتزوجك بكذا فقالت قد قبلت يتم النكاح.** (الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب الثاني، مكتبه زكريا قديم ١/ ٢٧٠،جديد ١/ ٣٣٥)

وينعقد بإيجاب من الزوج أومن الزوجة وقبول من الآخر. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٦٨)

(١) **ويفتى في غير الكفو بعدم جوازه أصلا وهو المختار للفتوى لفساد الزمان فلاتحل مطلقة ثلاثا نكحت غير كفو بلارضاولي بعد معرفته إياه(الدر) وفي الشامية: قوله: بعدم جوازه أصلا هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة،وهذا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضابعده "بحر"وأما إذا لم يكن لها ولي فهو صحيح نافذ مطلقا؛ لأن وجه عدم الصحة على هذه الرواية دفع الضررعن الأولياء أما هي فقد رضيت بإسقاط حقها (إلى قوله) قوله وإن لم يكن لها ولي الخ. والظاهر أيضا أن هذافي البالغة، أما الصغيرة فلايصح لأنها لم ترض بإسقاط حقها ألاترى أنها لوكان لها عصبة فزوجها غير كفء لم يصح،فكذا إذا لم يكن لها عصبة.** (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند٤/ ١٥٦ تا ١٥٨، كراچي ٣/ ٥٦ تا ٥٨) ←

ولدیت میں غلطی سے نکاح کا منعقد نہ ہونا

سوال (۱۱۰۶): قدیم ۲/ ۲۳۷- وقت نکاح اگر زوجین نابالغین کی ولدیت بیان کرنے میں فرق پڑ جائے تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار: غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها لم يصح للجهالة. وكذا لو غلط في اسم ابنته إلا إذا كانت حاضرة وأشار إليها فيصح وفي رد المحتار: قوله: إلا إذا كانت راجع إلى المسألتين. الخ (۱)

اس سے ثابت ہوا کہ ولدیت کی غلطی سے نکاح نہ ہوگا البتہ اگر وہ سامنے ہو اور اس کی طرف نام لینے کے وقت اشارہ بھی کیا ہو تو نکاح ہو جاوے گا۔(۲)

۱۰ رمحرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۷)

← نفذ نكاح حرة مكلفة بلاولي وله الاعتراض في غير الكفو وروى الحسن عن الإمام (ملتقى الأبحر) وفي مجمع الأنهر: وهو رواية عن أبي يوسف عدم جوازه أي عدم جوازنكاحها إذا زوجت نفسها بلا ولي في غيرالكفو وبه أخذ كثير من مشائخنا؛ لأن كم من واقع لايرفع وعليه فتوى قاضيخان وهذا أصح وأحوط والمختار للفتوى......وفي الفتح وغيره لوزوجت المطلقة ثلاثا نفسها بغير كفوودخل بها لاتحل للأول......أما لو باشرا لولي عقد المحلل فإنها تحل للأول هذا إذا كان لهاولي، أما إذا لم يكن لها ولي فهو صحيح مطلقا اتفاقا كمافي البحر وعند محمد ينعقد موقوفا على إجازة الولي ولو من كفو. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأوليا والأكفاء، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۴۸۸-۴۹۰)

البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۹۳-۱۹۴، كوئٹة ۳/ ۱۱۰۔

(۱) الدر المختارمع رد المحتار، كتاب النكاح، قبيل فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۹۶-۹۷، كراچي ۲/ ۲۶۔

(۲) لو غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها ولم تكن حاضرة لاينعقد النكاح (الأشباء) وتحته في شرح الحموي: لأنها إذا لم تكن حاضرة تحتاج إلى تعيينها وتعريفها بنسبتها إلى أبيها لم تتعين فلا ينعقد النكاح أما إذا كانت حاضرة فلا يضر الغلط في اسم أبيها لتعيينها بالإشارة إليها ←

بیوی کی موجودگی میں اس کی سوتیلی ماں سے نکاح

سوال (۱۱۰۷): قدیم ۲/ ۲۳۷- زید نے اپنی زوجہ کے حین حیات ہی میں اپنے خسر کی منکوحہ بیوہ سے یعنی اپنی زوجہ کی مائدر سے اپنا نکاح کرلیا تو شرعاً یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار: **فجاز الجمع بين امرأة وبنت زوجها.** (۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ یہ نکاح جائز ہے۔(۲)

۱۰ر شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص:۸۷)

← **فلا يحتاج إلى التعريف.** (الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، الفن الثاني، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند جديد ۲/ ۱۴)

لو وكلت امرأة رجلا بأن يزوجها فزوجها وغلط في اسم أبيها لاينعقدالنكاح، إذا كانت غائبة. (البحر الرائق، كتاب النكاح، مكتة زكريا ديوبند ۳/ ۱۵۰، كوئٹة ۳/ ۸۴)

خانية على هامش الهندية، كتاب النكاح، الفصل الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۱/ ۳۲۴، جديد ۱/ ۱۹۷۔

غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها لم يصح وكذا لوغلط باسم بنته، ولوكانت حاضرة صح إن أشار إليها. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، قبيل باب المحرمات، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۴۷۵)

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۱۱۷، كراچي ۳/ ۳۹۔

(۲) **ويحرم الجمع بين المرأتين لوفرضت إحداهما ذكرا تحرم عليه الأخرى، بخلاف الجمع بين امرأة وبنت زوجها، فإنه يجوز؛ لأنه لو فرضت المرأة ذكرًا جازله أن يتزوج بنت الزوج؛ لأنها بنت رجل أجنبي.** (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۴۸۰)

ولابأس بأن يجمع بين امرأة وبنت زوج كان لها من قبل، بالأنه لاقرابة بينها ولارضاع. (هداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، مكتبه أشرفية ديوبند ۲/ ۳۰۹)

جاز نكاح إحداهما على تقدير مثل المرأة وبنت زوجها أوامرأة ابنها فإنه يجوز الجمع ←

چار بیویوں کی موجودگی میں باندی رکھنا جائز ہے

سوال (۱۱۰۸): قدیم ۲/ ۲۳۷- جس زید کے ایک یا دو یا تین چار زوجۂ حُر موجود ہیں تو یہ زید اپنی زرخرید کنیز سے بھی وطی بے نکاح کر سکتا ہے یا کنیز سے وطی کو بھی بحضور شاہدین نکاح شرط ہے؟

الجواب: **في الدرالمختار: وصح نکاح أربع من الحرائر والإماء فقط للحر لا أکثر وله التسري بما شاء من الإماء فلو له أربع وألف سرية وأراد شراء أُخریٰ فلامه رجل خيف عليه الکفر،۱۵.** (۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ چار منکوحہ کے بعد بھی کنیز صحبت کے لئے خریدنا درست ہے اور اس سے نکاح کی ضرورت نہیں (۲) لیکن یہ یاد رہے کہ ہندوستان میں جو کنیزیں کہلاتی ہیں وہ شرعا کنیز نہیں ہیں اُن سے صحبت درست نہیں وہ حکم حرائر میں ہیں۔ (۳)

۱۰/ شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالث، ص: ۸۷)

← **بينهما عند الأئمة الأربعة.** (البحرالرائق، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، مکتبه زکريا ديوبند ۳/ ۱۷۳، کوئٹة ۳/ ۹۸)

تبيين الحقائق، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، امدادية ملتان ۲/ ۱۰۵، مکتبه زکريا ديوبند ۲/ ٤٦٨۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، مکتبه زکريا ديوبند ٤/ ۱۳۸، کراچي ۳/ ٤٨

(۲) وأربع من الحرائر والإماء أي وحل تزوج أربع لا أکثر (إلی قوله) قيد بالتزوج؛ لأن له التسری بما شاء من الإماء لإطلاق قوله تعالیٰ: أوماملکت أيما نکم وفي الفتاوی: رجل له أربع نسوة وألف جارية وأراد أن يشتري جارية أخری فلامه رجل يخاف عليه الکفر.

(البحرالرائق، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، مکتبه زکريا ديوبند ۳/ ۱۸٦)

النهر الفائق، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، مکتبه زکريا ديوبند ۲/ ۱۹۷۔

وصح نکاح الحرة علی الأمة ونکاح أربع فقط بالإجماع للحر من حرائر وإماء أومختلطا وأما التسري فله ماشاء حتی لوکان له أربع نساء وألف سرية وأراد أخذ أخری ←

← **فلامه أحد خيف عليه الكفر.** (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٤)

حاشية الشلبي مع التبيين، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٨٣، امداية ملتان ٢/١١٢

فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات فروع: النظر من وراء الزجاج، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٢٢٩-٢٣٠، كوئٹہ ٣/١٤٣-١٤٤

(٣) اس وقت دنیا میں کہیں بھی مملوکہ باندی کا وجود نہیں ہے؛ اس لئے کہ اقوام متحدہ میں شامل ممالک نے آپس میں معاہدہ کررکھا ہے کہ کوئی قوم دوسروں کو غلام نہیں بنائے گی؛ لیکن اگر بالفرض آئندہ زمانہ میں کہیں باندی کا وجود ہو تو شرعاً باندی سے جسمانی تعلق قائم کرنا حلال ہے، اس سے الگ سے نکاح کی ضرورت نہیں ہے اور اس سے پیدا شدہ اولاد کا نسب آقا سے ثابت ہوگا اور وہ منکوحہ آزاد عورت سے پیدا شدہ اولاد کی طرح ہی وراثت کی حق دار ہوگی اور یہ باندی ام ولد کہلائے گی، جو آقا کے انتقال کے بعد فوراً خود بخود آزاد ہوجائے گی۔

إن أكثر أقوام العالم قد أحدثت اليوم معاهدة فيما بينها وقررت أنها لاتسترق أسيرًا من أسارى الحروب وأكثر البلاد الإسلامية اليوم من شركاء هذه المعاهدة ولا سيما أعضاء الأمم المتحدة فلا يجوز لمملكة إسلامية اليوم أن تسترق أسيراً مادامت هذه المعاهدة باقية، وأما إحداث مثل هذاالعهد فلم أرحكمه صريحا عند المتقدمين والظاهر أنه يجوز. (تكمله فتح الملهم، كتاب العتق، تنبيه في معاهدة عدم الاسترقاق الخ، مكتبه اشرفية ديوبند ١/٢٧٢)

وإذا ولدت الأمة من سيدها، بإقراره (إلى قوله) فهي أم ولد......حكمها كالمدبرة ......أنها تعتق بموته من كل ماله، وإن ولدت بعده ولداثبت نسبه بلا دعوى ...... لأن أمومية الولد فرع ثبوت النسب كما قد مناه. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب العتق، باب الإستيلاد، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٤٥٢-٤٦٨، كراچي ٣/٦٨٩ تا ٦٩٣-٧٠٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جس عورت کے اعضاء دودو ہیں اس سے نکاح کا حکم

سوال (۱۱۰۹): قدیم ۲/ ۲۳۸- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے دولڑکی جڑی ہوئی پیدا ہوئیں کہ جن کے دودو پیر اور دودو ہاتھ اور جدا جدا سر اور جُدا جُدا پیشاب کے راستے مگر مقام براز دونوں کا ایک ہی ہے چونکہ کمر سے اوپر کا حصہ جدا جدا ہے اور کمر سے مع سرین کے ایک ہے اب اس کو ایک سمجھا جاوے گا یا دو اگر زید نکاح کا ارادہ کرے تو کیا اجازت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: جو اعضاء مکرر ہیں اگر ان دونوں سے ان کے افعال مختصہ صادر ہوتے ہیں تب تو وہ دولڑکیاں ہیں ورنہ ایک لڑکی پس ایک ہونے کی صورت میں تو اس کا نکاح مرد سے جائز ہے بقیہ اعضاء کو زائد سمجھا جاوے گا اور دو ہونے کی صورت میں دیکھنا چاہئے کہ وہ اسی طرح سے رکھی جائیں گی یا حکماء کے مشورہ سے ان کو جدا جدا کر دیا جائے گا، اگر جدا جدا کر دیا جاوے تب بھی دونوں کا نکاح دو مردوں سے درست ہے اور اگر ملی ہوئی رہیں تو اس کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر دونوں کا ایک مرد سے کیا جاوے تب تو دو بہنیں ایک شخص سے نکاح نہیں کرسکتیں (۱) اور اگر ایک مرد سے ایک ہی کا کیا جاوے تو اس لئے جائز نہیں کہ اس سے تمتع بدون دوسری سے تمتع ہوئے ممکن نہیں اور غیر منکوحہ سے تمتع حرام ہے (۲)

---

(۱) **حرمت علیکم......وأن تجمعوا بین الأختیین.** (النساء: ۲۳)

وأن تجمعوا بین بین الأختین "الآیة" أي وحرم علیکم الجمع بین الأختین معا في التزویج. (تفسیر ابن کثیر، مکتبه زکریا دیو بند ۲/ ۲۲۷)

ولا یجمع بین الأختین نکاحا ولا بملک یمین وطیا لقوله تعالیٰ: وأن تجمعوا بین الأختین ولقوله علیه السلام: من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلا یجمعن ماء ه في رحم أختین. (هدایة، کتاب النکاح، مکتبه اشرفیة دیو بند ۲/ ۳۰۸)

(۲) **أما الاستمتاع بالأجنبیة بأي نوع من أنواع الاستمتاع کنظر ولمس وقبلة ووطء فهو محظور یستحق فاعله الحد إن کان زني، والتعذیر إن کان غیر ذلک کمقدمات الوطء.** (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤/ ٩٧)

عن جابر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ألا لا یبیتن رجل عند امرأة ثیب إلا أن یکون ناکحا أو ذا محرم. (صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الخلوة بالأجنبیة والدخول علیها، النسخة الهندیة ۲/ ۲۱۵، بیت الأفکار الدولیة ،رقم: ۲۱۷۱)

پس موقوف علی الحرام بھی حرام ہے (۱) خصوص جبکہ عضو مشترک میں احتمال ہے کہ یہ شاید غیر منکوحہ کا ہو یا منکوحہ وغیر منکوحہ میں مشترک ہو جیسے کہ خنثیٰ سے نکاح ایسے ہی اشتباہ کے سبب باطل ہے۔ (۲) وقد صرحوا بہ
۱۰/ شعبان ۱۳۲۵ھ (تتمہ: ۵، ص: ۲۰)

دو بہنیں ایک دوسرے سے چسپاں ہیں ان سے نکاح کا حکم

سوال (۱۱۱۰): قدیم ۲/ ۲۳۸- آجکل نمایش ہورہی ہے اُس میں ریاست میسور کے برہمنی کی دولڑکیاں تو اُم بھی آئی ہیں، ایک کا داہنا کولھا دوسری کے بائیں کولھے سے خلقۃً جڑا ہوا ہے، اس طرح کہ نہ ایک تنہا بیٹھ سکتی ہے نہ لیٹ سکتی ہے نہ چل سکتی ہے نہ پاخانہ پیشاب کو جاسکتی ہے نہ دونوں الگ الگ پاجامہ پہن سکتی ہیں دونوں کا ایک ہی لہنگا ہے، چار پاؤں چار ہاتھ غرض سب اعضاء الگ الگ ہیں

---

(۱) **الأصل بسبب الحرام حرام.** (الهداية، كتاب الكراهية، فصل في الاستبراء وغيره، مكتبه اشرفية ديوبند ٤/ ٤٦٦)

تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في الاستبراء وغيره، امدادية ملتان ٦/ ٢٤، مكتبه زكريا ديوبند ٧/ ٥٣۔

بدائع الصنائع، كتا ب الاستحسان، النوع الذي تثبت حرمته الخ، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٩٠، كراچي ٥/ ١١٩۔

(۲) **هو عقد يفيد ملك المتعه أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي فخرج الذكر والخنثى المشكل قوله: فخرج الذكر والخنثى المشكل أيأن إيراد العقد عليهما لايفيد ملك استمتاع الرجل بهما لعدم محليتهما له و كذا على الخنثى لامرأة أو لمثله الخ.** (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٥٩ تا ٦١، كراچي ٣/ ٣-٤)

وأما المحلية فقال في فتح القدير: إنها من الشروط العامة......والأولى أن يقال: إن محليته الأنثى المحققةمن بنات آدم ليست من المحرمات وفي العناية: محله امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي فخرج الذكر للذكر والخنثىٰ مطلقا ولذا قال التبين من كتاب الخنثى: لوزوجه أبوه أو مولا ه امرأة أور جلا لايحكم بصحته حتى يتبين حاله أنه رجل أو امرأة فإذا ظهر أنه خلاف مازوج به تبين أن العقد كان صحيحا وإلا فباطل الخ. (البحرالرائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ١٣٨، كوئٹة ٣/ ٧٨) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یہ سب امور میں نے اور حافظ یعقوب صاحب گنگوہی اور حاجی احمد مرزا صاحب نے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں اور سینکڑوں آدمی مرد وعورت ہر روز ان کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ یہ دوسروں سے معلوم ہوا ہے کہ بھوک پیاس نیند پاخانہ پیشاب کی حاجت تندرستی بیماری اور طمث طہر سب دونوں کو ساتھ ساتھ ہوتے ہیں چودہ پندرہ برس کی عمر ہے صرف اتنا فرق ہے کہ مجرائے بول ایک کے ہے دوسری کی نہیں جب صاحب مجریٰ پیشاب سے فارغ ہوجاتی ہے تو دوسری بھی فارغ ہوجاتی ہے۔ مجرائے طمث الگ الگ ہیں یہ حال عرض کرنے سے مقصود یہ پوچھنا ہے کہ اگر دونوں مسلمان ہوتیں یا ہوجائیں تو شرعاً اُن کے نکاح کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: **في الدر المختار: حكم المفضاة مانصه وأنه لا يحل وطؤها إلاإن أمكن الاتيان في القبل بلا تعدج. ص: ۱۴۱. (۱)**

اس سے ایک کلیہ ثابت ہوا جس عورت سے وطی کرنا بدون ارتکاب معصیت کے عادۃً ممکن نہ ہو اُس سے وطی کرنا حرام ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں اگر وطی کی جائے تو وطی کرنے والے کو دوسری سے نہ تو انتفاع حلال ہے کیونکہ دونوں اخت ہیں (۲) اور نہ اس دوسری کے لمس ونظر وتعری سے عادۃً بچ سکتا ہے (۳)

---

(۱) شامي، كتاب الطهارة، مطلب نواقض الوضوء، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۶۳، كراچي ۱/۱۳۶۔

وتختص (المفضاة) بحكمين آخرين أحدهما أنهما لاتحل لمن طلقها ثلا ثا بوطء الثاني ما لم تحبل لاحتمال الوطء في الدبر والثاني حرمة جماعها إلا يمكنه الوطء في القبل بلا تعد. (حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في أوصاف الوضوء، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص:۸۶)

(۲) **حرمت عليكم......وأن تجمعوا بين الأختين.** (النساء: ۲۳)

ولايجمع بين الأختين نكاحا ولا بملك يمين وطيا لقوله تعالىٰ: وأن تجمعو بين الأختين ولقوله عليه والسلام من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يجمعن ماء ه في رحم أختين. (الهداية، كتاب النكاح، مكتبه اشرفية ديوبند ۲/۳۰۸)

(۳) اور اجنبیہ کے ساتھ اس طرح کے افعال جائز نہیں۔

أما الاستمتاع بالأجنبية بأي نوع من أنواع الاستمتاع كنظر ولمس وقبلة ووطء فهو محظور. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴/۹۷)

اس لئے کلیہ مذکورہ کی بناء پر منکوحہ سے بھی وطی حرام ہوگئی یہ حکم تو وطی کا ہے باقی نکاح کی صحت میں کوئی امر مانع نہیں ہوتا لیکن یہ نکاح فائدہ سے خالی ہونے کے سبب لغیرہ منہی عنہ ہوگا جیسے منکوحہ کا اگر کوئی شخص حق ادا نہ کرسکے جس کو خوف جور سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے لئے حسب تصریح فقہاء نکاح کرنا مکروہ ہے (۱) اور جیسے منکوحہ اگر مصاہرۃ حرام ہوجاوے نکاح تو باقی ہے مگر اس کا امساک بالمعروف چونکہ ممکن نہیں اس لئے تسریح باحسان واجب ہوگا (۲) یہاں پہلے ہی سے نہی عن النکاح کا حکم کیا جاوے گا۔ ولولغیرہ ومع حکم الصحۃ

۲/ جمادی الاخریٰ ۴۳ھ (تتمہ: ۵،ص: ۳۶۳)

مشورہ: اگر ڈاکٹر دونوں کی جلد قطع کرکے علیحدہ کرسکیں تو پھر سب اشکال رفع ہوجاویں گے۔

---

(۱) **ويكره (النكاح) عند خوف الجور أي عند عدم رعاية حقوق الزوجية؛ لأن مشروعيته إنما هي لتحسين النفس وتحصيل الثواب بالولد والذي يخاف الجور يأثم ويرتكب المحرمات فتنعدم المصالح لرجحان هذه المفاسد وقضيته الحرمة إلا أن النصوص لم تنهض بها فقلنا بالكراهة.** (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٦٧)

البحرالرائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٤٠، كوئٹة ٣/٧٩۔

و**(يكون) مكروها لخوف الجور.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٦٦، كراچي ٣/٧)

ويكون مكروها: إذا خاف الشخص الوقوع في الجور والضرر إن تزوج لعجزه عن الإنفاق أوعدم القيام بالواجبات الزوجية. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١١/٢٥٢)

(٢) **وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح حتى لايحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة .** (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١١٤، كراچي ٣/٣٧)

إن ثبوت الحرمة يفوت الإمساك بالمعروف فيلزم التسريح بالإحسان. (هداية، كتاب الطلاق، باب اللعان، مكتبه اشرفية ديوبند ٢/٤١٨)

وقال أبو حنيفة: إن ثبوت الحرمة لايقتضي فسخ النكاح ألاترى أنه بالظهار يثبت الحرمة، ولاينفسخ النكاح غير أنه إذا ثبت الحرمة عجز الزوج عن الإمساك بالمعروف فيلزمه التسريح بالإحسان. (تفسير المظهري، سورة النور، تحت تفسير رقم الآية: ٩، مكتبه زكرياديوبند قديم ٦/٤٥٠، جديد ٦/٣٥٢) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

مقام خلوت سے زوجہ کے فرار سے خلوت صحیحہ کا حکم

سوال (۱۱۱۱): قدیم ۲/ ۲۴۰- ایک مرد اپنی عورت کے پاس گیا اور کواڑ بند کیا فوراً عورت نکل کر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی وہ ایک منٹ کا عرصہ گھر میں ہوا ہوگا کیا یہ خلوت صحیحہ ہوگی مہر پورا دینا ہوگا یا نصف فقہاء عدم مانع کے قیود لکھتے ہیں مگر وقت کی مقدار نہیں بتلاتے اور یہاں ایک قصہ ایسا ہی ایک جگہ ہوا ہے سائل کو کیا جواب دیا جاوے؟

الجواب: جزئیہ کی تحقیق تو دیو بند سے کر لیجئے باقی قواعد سے جو مجھ کو شرح صدر ہوا وہ یہ کہ خلوت کو قائم مقام وطی کے اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں تمکن من الوطی ہے اور جتنے موانع خلوت کے ذکر کئے ہیں سب میں امر مشترک عدم تمکن من الوطی ہے پس معلوم ہوا کہ اصل مانع یہی عدم تمکن ہے اور صورت مسئولہ میں یہ متحقق ہے پس اس کا مقتضی یہ ہے کہ اس صورت میں خلوت صحیحہ نہ ہو۔(۱) واللہ اعلم

۲۵ / صفر ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامس ،ص:۱۳۹)

---

(۱) أمابيان مايتأكد بها المهر؛ فالمهر بتأكد بأحد معان ثلاثه: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين (إلى قوله) وهي(الخلوة الصحيحة)عبارة عن التمكن من الإنتفاع ولايتحقق التمكن إلا بعد ارتفاع الموانع كلها فثبت أنه وجد منها تسليم المبدل فيجب على الزوج تسليم البدل؛ لأن هذا عقد معاوضة وأنه يقتضي تسليما بإزاء التسليم كما يقتضي ملكا بإزاء ملك تحقيقا بحكم المعاوضة كما في البيع والإجارة. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، بيان مايتأكد به المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥٨٤-٥٨٦، كراچي ٢/ ٢٩١-٢٩٢)

والخلوة ...... كالوطء بلامانع حسي كمرض لأحدهما يمنع الوطء وطبعي كوجود ثالث عاقل ذكره ابن الكمال وجعله في الأسرار من الحسي......وشرعي كإحرام لفرض أو نفل ومن الحسي رتق وقرن وعفل وصغر لايطاق معه الجماع وبلاوجود ثالث معهما ولونائما أوأعمٰى إلا أن يكون الثالث صغيرا لايعقل بأن لايعبر عما يكون بينهما أو مجنونا أو مغمى عليه ......أوجارية أحدهما......وبقي منه عدم صلاحية المكان كمسجد وطريق وحمام وصحراء وسطح وبيت بابه مفتوح وماإذا لم يعرفها(الدر) وتحته في الشامية: لأن التمكن لايحصل بدون المعرفة بخلاف ما إذالم تعرفه والفرق أنه متمكن من وطئها إذا عرفها ولم تعرفه ←

لڑکی کے ولی کے وکیل کے قبول کرنے سے نکاح کا حکم

سوال (۱۱۱۲): قدیم ۲/ ۲۴۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ یہاں نکاح کا طریقہ یہ ہے پہلے نسبت ہوتی ہے جس میں تمام امور طے ہو جاتے ہیں حتی کہ وقت نکاح سے چند گھنٹے پہلے قاضی صاحب کو ولی کی طرف سے اس کی اطلاع دی جاتی ہے کہ فلاں کا نکاح فلانے کے ساتھ اتنے مہر میں ہوگا فلاں فلاں وکیل وگواہ ہوں گے اور آپ نکاح پڑھائیں گے قاضی صاحب اپنے رجسٹر میں حسب قاعدہ تمام باتیں درج کر لیتے ہیں پھر خود ولی یا اُس کی اجازت سے تین قریبی رشتہ دار لڑکے کے پاس جاتے ہیں؛ تا کہ اس کے نکاح کی اس سے اجازت حاصل کر لیں لڑکی سکوت وغیرہ سے اجازت دیدیتی ہے اب وکیل وہر دو گواہ قاضی صاحب کے پاس مجلس نکاح میں حاضر ہوتے ہیں مجلس میں بہت سے لوگ ہوتے ہیں قاضی صاحب وکیل سے نکاح کی اجازت لیکر خطبہ پڑھتے ہیں اور خطبہ کے بعد وکیل کی طرف مخاطب ہوکر قاضی صاحب بآواز بلند کہتے ہیں (کیونکہ وکیل عموماً اپنے مطلب کو بخوبی ظاہر نہیں کر سکتے ہیں) آپ نے اپنی وکالت سے ان دو شاہدوں (شاہدین کی طرف اشارہ کرکے) کی شہادت سے اور حاضرین مجلس کی شہادت سے پچاس ٹیکل زر خالص مہر موجل کی عوض میں فلانہ بنت فلاں کو فلاں بن فلاں کی ذات کے تئیں آپ نے نکاح کر کے دیا؟ وکیل جواب دیتا ہے کہ ہاں دیا اُسی وقت قاضی صاحب نوشہ کی جانب متوجہ ہوکر خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے سُنا پھر سے سنئے فلاں نے اپنی وکالت سے فلانہ بنت فلاں کو پچاس ٹیکل زر خالص مہر کے عوض میں آپ کے ذات کے تئیں نکاح کر کے دیا آپ نے قبول کیا؟ نوشہ جواب دیتا ہے قبول کیا پھر قاضی صاحب کہتے ہیں کہ جو الفاظ میں کہتا ہوں

← **بخلاف عكسه فإنه يحرم عليه كذا في البحر، وفيه أنه إذا لم تعرفه يحرم عليها تمكينه منها فالظاهر أنها تمنعه من وطئها بناء على ذلک فينبغي أن يكون ما نعا فتأمل.** (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في أحكام الخلوة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٤٩ تا ٢٥٣، كراچي ٣/ ١١٤ تا ١١٦)

ومن المانع الشرعي أن لا يعرفها حين دخلت عليه أو حين دخل عليها على الأصح لأنها إنما تقام مقام الوطء إذا تحقق بالخلوة التسليم والتمكين وذالايحصل إلا بالمعرفة الخ. (البحرالرائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٢٦٩، كوئٹة ٣/ ١٥٣)

وہی الفاظ آپ بھی کہیں کہو "نکحتها وقبلتها وزوجتها" نوشہ انہیں الفاظ کو دہراتا ہے حاضرین مجلس میں سے بہت سے لوگ ان تمام کارروائیوں کو دیکھتے اور سنتے ہیں عام طور سے یہاں نکاح اسی طریق پر ہوتا ہے لیکن اس وقت بعض علماء نے اعتراض کیا اور فرمایا کہ یہ ایجاب وقبول قابل اعتماد نہیں اور نکاح نہیں ہوا کیونکہ وکیل کی موجودگی میں قاضی صاحب کے واسطہ ہونے کی ضرورت نہیں ان الفاظ کو خود وکیل کہے اور نوشہ جواب دے قاضی کی ترجمانی نکاح کے لئے مفسد ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا فی الواقع نکاح صورت مذکورہ میں نہیں ہوتا ہے اور کیا یہ مسئلہ مختلف فیہ فیما بین علماء ہے یا ائمہ احناف وشوافع کا مختلف فیہ ہے کیا ہے ہم میں سے بعض اصحاب شافعی بھی ہیں مہربانی فرما کر جواب میں نقل مذہب کے ساتھ حوالہ کتب بھی دیں بلکہ نقل عبارت بہت مناسب ہوگا اگر لڑکا یا لڑکی دو میں سے کوئی ایک شافعی اور دوسرا حنفی ہو تو کیا حکم میں بھی فرق ہو جاوے گا یہ بھی اس لئے سوال ہے کہ یہاں کبھی کبھی زوج تو حنفی ہوتا ہے اور زوجہ شافعی ایسی حالت میں طرفین میں اختلاف ہو جاتا ہے بہرحال جواب میں تمام شقوں کو صاف کر دیا جاوے تا کہ آئندہ یہ مسئلہ طے شدہ سمجھا جاوے اور نزاع سے پرہیز کی تدبیر اختیار کی جاوے۔ فقط والسلام

الجواب: في الدرالمختار: والأصل عندنا أن كل من ملك قبول النكاح بولاية نفسه انعقد بحضرته (إلىٰ قوله) والأصل ان الآمر متى حضر جعل مباشرا. وفي رد المحتار: لأنه اذ كان في المجلس تنتقل العبارة إليه كما قد مناه (في الصفحة السابقة) ج:۲ ، ص : ۴۴۸ و ۴۴۹. (۱)

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٩٤-٩٥، كراچي ٣/٢٤-٢٥۔

الأصل عندنا أن كل من ملك قبول النكاح لنفسه ينعقد النكاح بحضوره- إلى قوله-ومن أمر رجلا أن يزوج صغيرته فزوجها عند رجل......إن كان حاضرا الأب لأنه إذا كان حاضرا انتقل عبارة الوكيل إلى الأب فصار كأنه عاقد. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، قبيل باب المحرمات، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٧٤)

الجوهرة النيرة، كتاب النكاح،مكتبه دارالكتاب ديوبند ٢/٦٥۔

كل من يملك قبول عقد بنفسه ينعقد ذلك العقد بحضوره. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل وأما صفات الشاهد، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٢٤، كراچي ٢/٢٥٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صغر سنی کی شادی کا حکم

سوال (۱۱۱۳): قدیم ۲/ ۲۴۱- قولہ اس میں شک نہیں کہ ایک مسلمان کیلئے کسی امر الٰہی کی نوعیت کا بدلنا حرام ہی نہیں بلکہ نافرمان اور مجرم بنانا ہے لیکن نابالغ لڑکیوں کے جواز نکاح کا کوئی حکم اسلام میں نہیں ملتا اسلام میں اس کی کوئی پوزیشن نہیں پائی جاتی بخلاف اس کے قرآن مجید کے پارۂ چہارم رکوع ۱۲ میں نکاح کی عمر بتائی گئی ہے۔ وابتلوا الیتمٰی حتی إذا بلغو النکاح.(۱)

اقول: آدمی جس فن کو نہ جانے اُس میں کیوں دخل دے آیت کا مفہوم تفاسیر میں تو دیکھ لیا ہوتا یہاں قابلیت نکاح سے مراد پوری قابلیت ہے اور پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے قبل وہ توالدوتناسل کی صلاحیت نہیں رکھتا (۲) اور نکاح سے اصل مقصود یہی ہے (۳) پس پوری قابلیت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے قبل نکاح جائز نہ ہو ورنہ لازم آوے گا کہ آج تک قرآن کو نہ کسی عالم نے سمجھا نہ کسی مجتہد نے کیوں کہ مجتہدین کے اجماعی فتاوے کتب مذہب میں نابالغ کے نکاح کے جواز میں مدون ہیں۔

---

(۱) سورة النساء رقم الآية:٦۔

(۲) **وابتلو اليتامىٰ حتى إذا بلغوا النكاح أي صلاح النكاح والتوالد وذلك في الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال إذا وطي وفي الجارية بالحيض والاحتلام والحبل فإن لم يوجد شيء من ذلك فيهما فباستكمال خمس عشرة سنة غلاما كان أو جارية عند مالك وأحمد والشافعي وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله هو رواية عن أبي حنيفة وعليه الفتوىٰ.** (تفسير مظهري، سورة النساء: تحت رقم ألآية:٦، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٢/ ١٣، جديد ٢/ ٢٢٢)

وقال العلامة الآلوسي تحت تفسير الآية: "حتى إذا بلغوا لنكاح" أي إذا بلغواحد البلوغ وهو إما بالاحتلام أو بالسن وهو خمس عشرة سنة عند الشافعي وأبي يوسف ومحمد وهي رواية عن أبي حنيفة وعليها الفتوىٰ عند الحنفية لما أن العادة الفاشية أن الغلام والجارية يصلحان للنكاح وثمرته في هذه المدة ولا يتأخران عنها. (روح المعاني، سورة النساء، تحت رقم الآية:٦، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣١٩)

(۳) **لأن المقصود من النكاح التوالد.** (تبيين الحقائق، كتاب الإعتاق، باب الإستيلاد، مكتبه امدادية ملتان ٣/ ١٠٢، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ٤٠٨)

البناية شرح الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، مكتبه اشرفية ديوبند ٥/ ٢٨۔ ←

قولہ : نابالغہ کے نکاح کے جواز میں اکثر حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح پیش کیا جاتا ہے؛ لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ صدیقہؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ایسی حالت میں ہوا جب آپ نابالغہ تھیں ہم فروری ۱۹۲۶ء کے بلاغ میں اس غلطی کا ازالہ کر چکے ہیں کتاب اکمال فی اسماء الرجال کے ترجمہ کے ص: ۱۲ پر حضرت اسماء کے حال میں لکھا ہے کہ حضرت اسماءؓ کا بیٹا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ۷۳ھ میں سولی دیا گیا اور آپ اس واقعہ فاجعہ کے دس یا بیس دن بعد فوت ہوئیں اس سے معلوم ہوا کہ آپ (یعنی حضرت اسماءؓ) کی وفات بھی ۷۳ھ میں ہوئی وفات کے وقت آپ کی عمر سو برس کی لکھی ہے (۱) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ہجرت کے ستائیس سال پہلے ہوئی ہے اور چونکہ حضرت عائشہؓ حضرت اسماءؓ سے دس سال چھوٹی تھیں اس لئے حضرت عائشہؓ بالضرور ہجرت سے سترہ سال پہلے پیدا ہو چکی تھیں یا یوں کہو کہ ہجرت کے وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کا زفاف ہجرت سے دو یا تین سال بعد ہوا پس اظہر من الشمس ہے کہ جناب حضرت عائشہؓ صدیقہ زفاف کے وقت انیس یا تیئیس سال کی تھیں اس سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ان کی بلوغت میں ہوا اب تو اس کی سند صحیح موجود ہے۔

اقول : کیا اچھی سند موجود ہے جس اکمال میں یہ لکھا ہے اسی اکمال میں حضرت عائشہؓ کے حالات میں یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ زفاف کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر نو برس کی تھی اور زفاف ہجرت کے اٹھارہ مہینے یا سترہ مہینے بعد ہوا اور نکاح اس سے تین برس قبل ہجرت ہوا تو نکاح کے وقت چھ یا سات برس کی ہوئیں اور حضور کی خدمت میں نو سال رہیں اور حضور کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کی تھیں۔ (۲)

← **والغرض الصحيح من الزواج إنما هو التناسل الذي به تكثر الأمة ويعزجا نبها.**
(كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ، كتاب النكاح، حكم النكاح، دارالكتب العلمية بيروت ٨/٤)

(١) هي (أسماء بنت أبي بكر) أم عبدالله بن الزبير أسلمت بمكة قديما قيل أسلمت بعد سبعة عشر إنسانا وهي أكثر من أختها عائشة بعشر سنين وماتت بعد قتل ابنها بعشرة أيام وقيل بعشرين يوما بعد ما أنزل ابنها من الخشبة ولها مأة سنة وذلك سنة ثلث وسبعين بمكة. (إكمال في أسماء الرجال مع مشكاة المصابح، الباب الأول، حرف الهمزة، مكتبه رشيدية دهلي ص:٥٨٧)

(٢) خطبها (عائشة رضي الله عنها) النبي صلى الله عليه وسلم وتزوجها بمكة في شوال سنة عشر من النبوة وقبل الهجرة بثلاث سنين وقيل غير ذلك وأعرس بها بالمدينة ←

آہ یہ کیا بات ہے کہ اکمال کے ایک جز وکو مانتے ہو دوسرے کو نہیں مانتے ہو اب اکمال کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ سے ثابت کرو جیسا ہم اکمال سے زیادہ قوی دلیل سے ثابت کرتے ہیں۔ سنو! صحیح مسلم میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنا قصہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا جب یہ سات برس کی تھیں اور زفاف ہوا جب نو برس کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی جب یہ اٹھارہ سال کی تھیں (۱) اور حدیث صحیح کے مقابل کوئی تاریخ نہیں ہوسکتی مورخین کے پاس محدثین کی سی سند نہیں ہوتی۔

وہ فوائد جو صغر سنی کے نکاح کے مباحث سے متعلق ہیں

نمبر (۱): حضرت عائشہؓ کی حدیث فعلی ہے جس میں جاہل کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید خصوصیت حضور کی ہو، میں ایک قولی حدیث لکھتا ہوں جو قانون عام ہے جس میں یہ شبہ نہیں ہوسکتا وہ حدیث یہ ہے:

عن عمر بن الخطابؓ، وأنس بن مالكؓ عن رسول الله ﷺ قال في التوراة مكتوب من بلغت ابنته اثنتي عشرة سنة ولم يزوجها فأصابت إثما فإثم ذلك عليه رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكوة باب الولي في النكاح) (۲)

← **في شوال سنة اثنتين من الهجرة على رأس ثماني عشر شهرا ولها تسع سنين وقيل دخل بها بالمدينة بعد سبعة أشهر من مقدمه وبقيت معه تسع سنين ومات عنها ولها ثماني عشرة سنة الخ.** (إكمال في اسماء الرجال مع مشكاة المصابيح، الباب الأول، حرف العين ، فصل في الصحابيات، مكتبه رشيدية دهلي ص:٦١٢)

(۱) **عن عائشة رضي الله عنها قالت: تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي بنت ست وبنى بها وهي بنت تسع ومات عنها وهي بنت ثمان عشرة.** (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب جواز تزويج الأب البكر الخ، النسخة الهندية ٤٥٦/١)

بيت الأفكار الدولية رقم:١٤٢٢

صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب من بنٰى بامرأة وهي بنت تسع سنين، النسخة الهندية رقم:٤٩٦٤ ف ٥١٥٨۔

(۲) مشكاة المصابح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، الفصل الثالث، مكتبه رشيدية دهلي ٢٧١/١۔

شعب الإيمان للبيهقي، الستون من شعب الإيمان، باب في حقوق الأولاد والأهلين، دارالكتب العلمية بيروت ٤٠٢/٦، رقم: ٨٦٧٠۔

نمبر (۲): ساری خرابی اس سے ہوئی کہ مضمون لکھنے والوں نے اصل دلائل یعنی قرآن وحدیث سے استدلال کرنا شروع کردیا جاہلوں نے اس میں شبہات نکالنا شروع کردیا یہ کام علماء ومجتہدین کا ہے ہم کو اتنا کافی ہے کہ جو کتابیں مذہبی تسلیم کرلی گئی ہیں یعنی فقہ کی کتابیں جن کو گورنمنٹ نے بھی مذہبی کتابیں مان لیا ہے اس میں جواز موجود ہے پس جواز کا حکم مذہبی ہوا۔

نمبر (۳): بڑا شبہ ان جاہلوں کا یہ ہے کہ شرعی جائز کو قانوناً ممنوع کرنا مداخلت مذہبی نہیں ہے ورنہ ٹیکہ سے انکار جائز ہے اور قانوناً یہ انکار جرم ہے پس یہ بھی مداخلت ہونا چاہئے حالانکہ اس کو کوئی مداخلت نہیں کہتا اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی ایک تحقیقی، الزامی تو یہ کہ گاؤکشی بھی واجب نہیں جائز ہے(۱) تو کیا کوئی مسلمان گوارہ کرسکتا ہے کہ یہ قانوناً جرم ہوجائے اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ جائز کے دو درجے ہیں ایک محض مباح جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت کی نہیں جیسے معالجہ امراض کا اور اس کا ترک اور دوسرا درجہ جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت کی بھی ہے(۲) اور معیار اس کا یہ ہے کہ اس کی فضیلت اور ترغیب شریعت میں آئی ہو جیسے نکاح کہ اس کی تاکید وارد ہے۔(۳)

---

(۱) **قال الله تعالیٰ: والأنعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تأكلون.** [النحل:٥]

عن جابر رضي الله عنه يقول: نحر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نسائه وفي حديث ابن بكر عن عائشة بقرة في حجته. (صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز الاشتراك في الهدى الخ، النسخة الهندية ١/٤٢٤، بيت الأفكار الدولية رقم: ١٣١٩)

صحيح البخاري، كتاب الأضاحي، باب الأضحية للمسافر والنساء، النسخة الهندية ٢/٨٣٢، رقم: ٥٣٣٣، ف:٥٥٤٨۔

(٢) **الجواز عند الفقهاء يطلق على ماليس بلازم...... كما يستعملون الجواز فيما قابل الحرام فيكون لرفع الحرج فيشمل الواجب والمستحب والمباح والمكروه.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦/٢٢٦-٢٢٧)

(٣) **عن أبي أيوب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أربع من سنن المرسلين، الحياء والتعطر والسواك والنكاح.** (سنن الترمذي، أبواب النكاح، النسخة الهندية ١/٢٠٦، دارالسلام رقم: ١٠٩١)

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تزوج فقد استكمل نصف الإيمان فليتق الله في النصف الباقي. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ٥/٣٧٢، رقم: ٧٦٤٧)

اوراس کے ترک بلا عذر پر وعید بھی (۱) یہ صاف دلیل ہے اُس کے دین ہونے کی۔ اسی لئے فقہاء نے جونکاح کے اقسام اوران کے احکام لکھے ہیں ان میں کوئی درجہ مباح کا نہیں (۲) ہاں عارض کے سبب مکروہ تو ہوجاتا ہے مگرفی نفسہ طاعت ہی ہے اورفقہاء نے اس کواس درجہ کی طاعت فرمایا ہے کہ اس کو

---

(۱) **عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: النكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني وتزوجوا فإني مكاثر بكم الأمم ومن كان ذاطول فلينكح ومن لم يجد فعليه با لصيام فإن الصوم له وجاء.** (سنن ابن ماجه ، أبواب النكاح، باب ماجاء في فضل النكاح، ص:۱۳۳ ، دارالسلام رقم: ۱۸٤٦)

عن أنس رضي الله عنه أن نفراً من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم سألو أزواج النبي صلى الله عليه وسلم عن عمله في السر فقال بعضهم لاأتزوج النساء وقال بعضهم لاآكل اللحم وقال بعضهم لاأنام على فراش فحمد الله وأثنى عليه فقال مابال أقوام قالوا كذا وكذا لكني أصلي وأنام وأصوم و أفطر وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني. (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه الخ، النسخة الهندية ١/٤٤٩ ، بيت الأفكار الدولية رقم: ١٤٠١)

(۲) مباح اس کو کہا جاتا ہے، کہ جس کام کے کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی ثواب ملتا ہے اورعلامہ شامی نے اس پر کافی بحث فرمائی ہے۔(شامی مکتبہ زکریا دیوبند۴/۷۷، کراچی ۳/۷)

اورصاحب بحرنے مکروہ ومباح کے الفاظ بھی نقل فرمائے ہیں۔(البحرالرائق قدیم کوئٹہ ۳/۷۹، مکتبہ زکریا جدید دیوبند ۳/۱۴۰)

اورحضرت والا تھانویؒ نے فرمایا کہ اقسام نکاح میں کوئی درجہ مباح کا نہیں ہے، اس سے بظاہر کسی کے ذہن میں شبہ پیدا ہوسکتا ہے،تو اس کی وضاحت یہ ہے، کہ امرمباح میں نیت صحیح ہوتو باعث ثواب ہوجاتا ہے، توحقیقت میں امرمباح ہے؛لیکن نیت صحیح ہونے کی وجہ سے طاعت اور عبادت بن گیا ہے؛ اس لئے یہ امراب مباح نہیں رہا؛ بلکہ مستحب اوراطاعت کے دائرہ میں داخل ہوگیا ہے؛اس لئے حضرتؒ نے یہی فرمایاہے، کہ نکاح میں مباح کاکوئی درجہ نہیں یعنی جومباح بھی اطاعت اور باعث ثواب کی وجہ سے مستحب بن گیا ہے؛ البتہ عارض کی وجہ سے کبھی حرام اورکبھی مکروہ ہوجاتا ہےاورحالات کی وجہ سے کبھی فرض اورکبھی واجب اورکبھی سنت کبھی مستحب ہوجاتا ہے۔

جزئیہ ملاحظہ فرمائیے:

ويكون واجبا عند التوقان فإن تيقن الزنا إلابه فرض، وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا إثم بتركه، ويكون سنة مؤكدة في الأصح، فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينا ←

''اشتغال بالتعلیم والتعلّم والتخلی للنوافل'' سے افضل کہا ہے، کذا فی الشامی (۱) پس نکاح کا کوئی نیا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہے اور معالجہ کا قانون بنانا مداخلت في الدين نہیں ہے یہ فرق ہے دونوں میں اس پر اگر کوئی شبہ کرے کہ مطلق نکاح دین ہے بقید صغرسن تو دین نہیں ہے جواب اس کا کوئی کسی قدر مہارت علم دین پر موقوف ہے وہ یہ کہ شرعی فقہی قاعدہ ہے کہ جو عمل اطلاق کے درجہ میں جس شان کے ساتھ موصوف ہوتا ہے وہ جس قید جائز کے ساتھ بھی صادر ہوگا اسی شان کے ساتھ موصوف رہے گا، مثلاً نماز ظہر کی فرض ہے اور خاص اس کی یہ قید کہ دو ہی بجے کے وقت ہو فرض نہیں؛ لیکن اگر دو ہی بجے پڑھی گئی تو اس کو بھی فرض کہیں گے اگر کوئی ایسا قانون بنایا جاوے کہ دو بجے پڑھنا جائز نہیں تو وہ مداخلت فی الدین یقیناً ہے اسی طرح جب مطلق نکاح دین ہے تو اگر صغرسن کی حالت سے پایا جاوے اس فرد کو بھی دین ہی کہیں گے تو اس کی ممانعت کا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہوگی اور اسی طرح قربانی میں کہیں گے کہ قربانی عبادت ہے اگر بقید بقرہ ہو تب بھی عبادت ہے تو اس کی ممانعت مداخلت فی الدین ہوگی خوب سمجھ لیا جاوے۔

آخر محرم ۱۳۴۷ھ (تتمہ خامس، ص: ۶۳۴)

← وولداحال الاعتدال أي القدرة على وطء ومهر ونفقة ورجح في النهر وجوبه للمواظبة عليه و الإنكار على من رغب عنه ومكروها لخوف الجور فإن تيقنه حرم ذلک (الدر) وفي الشامية: وترک الشارح قسما سادسا سأذكره في البحر عن المجتبى وهو الإباحة إن خاف العجز عن الإيفاء بموجبه أي خوفا غير راجح وإلا كان مكروها تحريما؛ لأن عدم الجور من مواجبه والظاهر أنه لم يقصد إقامة السنة بل قصد مجرد التوصل إلى قضاء الشهوة ولم يخف شيئا لم يثب عليه إذا لا ثواب إلا بالنية فيكون مباحًا أيضا كالوطء لقضاء الشهوة الخ.

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٦٣ تا ٦٦، كراچي ٣/٦-٧)

البحرالرائق، كتاب النكاح، كوئٹة ٣/٧٩، مكتبه زكريا ديوبند ٣/١٤٠

(۱) قالوا: إن الاشتغال به أفضل من التخلي لنوافل العبادات، أي الاشتغال به وما يشتمل عليه من القيام بمصالحه وإعفاف النفس عن الحرام وتربية الولد ونحو ذلک.

(شامي، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٥٧، كراچي ٣/٣)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رسالہ ضَمّ شارد الإبل في ذم شارد إبل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال (۱۱۱۴): قدیم ۲/ ۲۴۵- بعد حمد وصلوۃ یہ ایک مختصر تحریر ہے ملقب بہ ضم شارد الابل فی ذم شارد ابل جس کا معنون عنوان ہذا کے دوسرے جزو سے ظاہر ہے اور جزاول غایت ہے جزو ثانی کی یعنی جو لوگ جہل یا تجاہل کے سبب مستقر حقیقی سے متوحش ومنتشر ہیں ان کو اس مستقر پر جمع کرنا مقصود ہے اور اب تک اس موضوع پر خاص طور پر لکھنے کی احتیاج دووجہ سے نہ سمجھی تھی ایک اس لئے کہ مسئلہ اس قدر بدیہی جلی ہے کہ اس کو امارت کی بھی حاجت نہیں اس کی تقویت کیلئے کچھ لکھنا موہم ہے اس کے خفي یا نظری ہونے کا جو خلاف واقع ہے دوسرے اس لئے کہ دوسرے مستند علماء اس پر ضرورت سے زیادہ لکھ بھی چکے ہیں جو ہر پہلو سے کافی ہے یعنی شرعی طور پر بھی اور سیاسی طور پر بھی، مگر پھر بھی بعض ذی علم مخلص احباب نے محض اس اُمید پر کہ شاید کوئی خاص عنوان مشککین کے سکون کے لئے زیادہ نافع ہوجاوے لکھنے پر اصرار کیا نیز اکثر مختلف اوقات میں اس کے متعلق استفتے بھی آتے رہتے ہیں جن کا جواب اب تک ضابطہ ہی کا جاتا رہا جس کو عجب نہیں سائلین نے دفع الوقتی سمجھا ہو اس تحریر سے ان کا حسب مرضی جواب بھی ہوجاوے گا اور یہ دونوں داعی گو ضعیف ہیں مگر محرکین کی دعاء کی برکت سے اُمید منفعت کی قوت پر نظر ہو کر یہ چند سطریں لکھنے کی رائے ہوگئی بقول عارف رومیؒ ؎

کوئے نومیدی مرد کا میدہاست
سوئے تاریکی مرد خورشید ہاست

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وعلیہ التکلان

اطلاع: زیادہ تر مطمح نظر اس تحریر میں شرعی تحقیق ہے اور وہ بھی علمی اصطلاحات میں کیونکہ اس کے مخاطب اول وہی اہل علم ہیں جو اس تحریر کے محرک ہیں پھر وہ اپنی رائے سے غیر اہل علم کو مخاطب ثانی بنا سکتے ہیں اور سیاسی پہلو پر اس لئے کلام مقصود نہیں کہ میں نہ علماً اس پر قادر ہوں کہ اس قانون میں تمدن ومعاشرتی خرابیاں دکھلاسکوں اور نہ عملاً اس پر قادر ہوں کہ اس سے نجات حاصل کرنے کی تدبیریں بتلاسکوں باقی کسی موقع پر غیر سیاسی طرز پر اس کا تبعا واستطرداداً ذکر آجانا اور بات ہے اور نظر بعنوان بالا اس تحریر کے اجزاء کو عطن سے ملقب کرتا ہوں اور نظر بمقاصد اس کو چند عطن پر منقسم کرتا ہوں۔ فقط

عطف اوّل: اس کی تحقیق کہ مطلق نکاح قطع نظر متناکحین کے بالغ ونابالغ ہونے سے آیا دنیا کا کام ہے یا دین کا تا کہ اس سے یہ سمجھنا آسان ہو کہ اس میں تصرف کرنا یہ تصرف فی الدنیا ہے یا فی الدین سو اس کا ایک معیار ہے وہ یہ کہ جس کام کا شریعت میں تاکیدی یعنی وجوبی یا ترغیبی یعنی استحبابی حکم کیا گیا ہو یا اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو وہ دین کا کام ہے پھر اگر اس کے ترک پر کوئی وعید یا ناراضی بھی وارد ہو وہ فرض یا واجب ہے(۱) اور جس کے ترک پر وعید یا ناراضی وارد نہ ہو وہ مستحب ہے(۲) اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ دنیا کا کام ہے گو اس کے متعلق جو احکام وارد ہوں وہ احکام ہر حال میں دین ہی ہیں اور جس اعتقاد یا عمل سے ان احکام میں تغیر ہوتا ہو وہ بھی تغیر في الدین ہے اب نکاح کو اس معیار پر منطبق کر کے دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دین کا کام ہے کیونکہ بعض حالات میں اس کا تاکیدی اور بعض میں ترغیبی حکم بھی ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی ہے اور اس کے ترک کی مذمت اور شناعت بھی فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ. (*) (سورۂ نور)(۳) تم میں جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔

(*) في القاموس الايّم ككيّس من لازوج لها بكراًأوثيبًا ومن لا امرأة له، آه واما إطلاق الأيّم في بعض الأحاديث على غير البكر فجاز بقرينة المقابلة ويحتمل الرواية بالمعنى حيث ورد في بعضها الثيب مكان الأيّم. ۱۲

---

(۱) الفرض والفريضة: ما أوجبه الله تعالىٰ على عباده سمى به؛ لأن له معالم وحدودا وعند الأصوليين ماثبت بدليل قطعي الدلالة حيث لاشبهة فيه ويكفر جاحده ويعذب تاركه والواجب ماثبت بدليل قطعي الدلالة وظني الثبوت أو ظني الدلالة وقطعي الثبوت. (قواعد الفقه، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۴۱۰)

الواجب هو في عرف الفقهاء عبارة عماثبت وجوبه بدليل فيه شبهة لكونه ظني الدلالة أو ظني الثبوت وحكمه أنه يثاب بفعله ويستحق بتركه عقوبة لولا العذر حتى يضلل جاحده ولايكفربه. (قواعدالففقه، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۵۳۹)

معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دار الفضيلة ۳/ ۴۶۰۔

(۲) المندوب شرعا: اسم لفعل مدعو إليه على طريق الاستحباب والترغيب دون الحتم والإيجاب فأما المدعو إليه عن طريق الحتم والإيجاب فيسمٰى فرضا واجبا...... وفي الحدود الأنيقة: مايثاب على فعله ولايعاقب على تركه ويراد فه السنة والمستحب والنفل والتطوع.

(معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ۳/ ۳۶۲-۳۶۳)

(۳) سورة النور، جزء الآية: ۳۲۔

یہ امر کا صیغہ ہے جس کا اصل مدلول تو وجوب ہے اور اگر کسی وجہ سے وجوب مراد نہ لیا جاوے تو پھر اگر کسی قرینہ سے فعل کو ترک پر ترجیح ہو تو استحباب مراد ہوگا ورنہ اباحت اور یہاں قرینہ نکاح کی مطلوبیت کا موجود ہے کما سیذکر عنقریب اور یہی معیار تھا مامور بہ کے دین ہونے کا پس نکاح کا امر دینی ہونا ثابت ہوا اور وہ قرینہ اسی آیت میں یہ ارشاد ہے:

إِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. (۱) (یعنی ان بے نکاحوں کے نکاح میں اپنے عزیز ناکح کے فقر کو یا اپنی عزیزہ منکوحہ کے شوہر کے فقر کو مانع مت سمجھا کرو جبکہ بالقوہ اس میں مادہ اکتساب وخدمت عیال کا ہو کیونکہ) اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا آھ۔ اور اس کا قرینہ ہونا اس طرح ہے کہ زکوٰۃ اور حج تک میں جو کہ شعائر اسلام سے ہیں باختلاف احوال وجوب یا استحباب کے لئے فقر مانع ہے مگر نکاح میں یہ بھی مانع نہیں خواہ مستقل دلیل سے اور کوئی مانع ہو اس سے صاف طور پر نکاح کی مطلوبیت کی ترجیح ثابت ہوگئی اور اس سے اس کا دین ہونا ثابت ہوگیا اور راز اس تفاوت کا یہ ہے کہ حالت فقر میں زکوٰۃ اور حج ادا نہ کرنے سے کسی گناہ میں ابتلاء کا احتمال نہیں اور نکاح نہ کرنے سے زناء میں ابتلاء کا اندیشہ ہے اگر اس پر سوال ہو کہ اس مقام پر اگلی آیت میں ارشاد ہے:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (۲)

ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہئے کہ ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انکو اپنے فضل سے غنی کر دے، آہ، یہاں فقر کو مانع نکاح قرار دیا گیا۔

جواب: یہ ہے کہ قرآن مجید کے مضامین میں خاص کر ایک ہی مقام میں تعارض کا تو احتمال ہو ہی نہیں سکتا جب تک کوئی دلیل نسخ کی نہ ہو پس حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں فقر کو مانع نہیں فرمایا گیا بلکہ بیوی کے نہ ملنے کو مانع فرمایا ہے چنانچہ عنوان لایجدون بھی بتلا رہا ہے یعنی کسی پر جبر تو ہے ہی نہیں اگر ملے تو کر لو نہ ملے تو صبر سے بیٹھے رہو اور اسی معنی کو دوسری آیت میں عدم استطاعت سے تعبیر فرمایا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ. [سورة النساء] (۳)

---

(۱) سورة النور، جزء الآية: ۳۲۔

(۲) سورة النور، جزء الآية: ۳۳۔

(۳) سورة النساء، جزء الآية : ۲۵۔

(یعنی) اور جوشخص تم میں پوری قدرت نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو لونڈیوں سے نکاح کر لے۔

یہاں بھی بالا جماع نہ ملنا مراد ہے باوجود ملنے کے فقر کے سبب نہ کرنا مراد نہیں باقی حنفی شافعی کا اختلاف کسی قید کے احترازی وغیر احترازی ہونے میں یہ دوسری بات ہے اور یہی مراد ہے عدم استطاعت سے حدیث آئندہ (*) میں ''**ومن لم یستطع فعلیه بالصوم**'' یہ تو نکاح کے امر دینی ہونے کا قرآن سے اثبات تھا اب حدیث لیجئے:

عن عبداللہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فإنہ أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فإنہ لہ وجاء متفق علیہ۔ (مشکوۃ)(۱)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے جماعت جوانوں کی! جوشخص تم میں خانہ داری (**) کے بار اُٹھانے کا مقدور رکھے ''**بالقوة یا بالفعل کما ذکر في تفسیر الآیة**'' اس کو نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ نکاح کو نگاہ کے پست ہونے میں اور شرمگاہ کے محفوظ رہنے میں خالص دخل ہے اور جوشخص مقدور نہ رکھے (اور اس لئے نکاح نہ کر سکے) وہ روزے رکھنا اختیار کرے وہ روزہ اس کے لئے (گویا) رگیں مل دینا ہے۔

(*) دلیله الحاشیة الآتیة من المرقاة. ۱۲

(**) کذا في المرقاة: ونصها وفیه حذف مضاف أي مؤنة الباء ة من المهر والنفقة؛ لأن قوله: ومن لم یستطع عطف علی من استطاع ولو حمل الباء ة علی الجماع لم یستقم قوله: فإن الصوم له وجاء؛ لأنه لایقال للعاجز هذا. آه

---

(۱) مشکاة المصابیح، کتاب النکاح، الفصل الأول، مکتبه اشرفیة دیوبند ۲/۲۶۷۔

صحیح البخاري، کتاب النکاح، باب من لم یستطیع الباء ة فلیصم، النسخة الهندیة ۲/۷۵۸،رقم: ۴۸۷۵، ف:۵۰۶۶۔

صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت الخ، النسخة الهندیة ۱/۴۴۸، بیت الأفکار الدولیة رقم: ۱۴۰۰۔

وعن أنسؓ، قال رسول اللّٰہ ﷺ إذا تزوج العبد فقد استكمل نصف الدين فليتق اللّٰہ في النصف الباقي۔ رواه البيهقي (ترغيب)(۱)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بندہ نکاح کر لیتا ہے وہ آدھا دین کامل کر لیتا ہے اب اس کو چاہئے کہ بقیہ نصف دین میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

وعن أبي نجيح أن رسول اللّٰہ صلى الله عليه وسلم قال: من كان موسراً الأن ينكح ثم لم ينكح فليس مني۔ رواه الطبراني بإسناد حسن (ترغيب)(۲)

ابونجیح سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص تم میں نکاح کرنے کی وسعت رکھتا ہو، پھر نکاح نہ کرے وہ مجھ سے بے تعلق ہے۔

وعن أبي ذرؓ في حديث طويل: قال رسول اللّٰه: لعكاف ياعكاف هل لک من زوجة قال: لا، قال: ولاجارية؟ قال ولا جارية، قال وأنت موسر بخير قال وأنا موسربخير. قال: أنت إذا من أخوان الشياطين لوكنت من النصارىٰ كنت من رهبانهم أن سنتنا النكاح شراركم عزابكم وأراذل موتاكم عزابكم، أبالشيطان تمرسون؟ ماللشيطان سلاح أبلغ في الصالحين من النساء إلا المتزوجون أولئک المطهرون المبرؤن من الخنا (إلىٰ قوله ويحک يا عكاف تزوج وإلا فأنت من المدبرين رواه أحمد. (جمع الفوائد) (۳)

---

(۱) الترغيب والترهيب، كتاب النكاح، الترغيب في النكاح سيما بذات الدين الولود، دارالكتب العلمية بيروت ۲۹/۳، دارالكتاب العربي رقم: ۲۸۶۹۔

شعب الإيمان للبيهقي، باب في تحريم الفروج، فصل في الترغيب في النكاح، دارالكتب العلمية بيروت ۳۸۳/٤، رقم: ٥٤٨٦۔

(۲) الترغيب والترهيب، كتاب النكاح، الترغيب في النكاح سيما بذات الدين الخ، دارالكتب العلمية بيروت ۲۹/۳، دارالكتاب العربي رقم: ۲۸۷۱۔

المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۳٦۷/۲۲، رقم: ۹۲۰۔

(۳) جمع الفوائد، كتاب النكاح، الحث على النكاح والخطبة النظر، مكتبه مجمع الشيخ سهارنبور ۳۷۸/۲، رقم: ۳۲۸۸۔

مجمع الزوائد، كتاب النكاح، دارالكتب العليمية بيروت ۲٥۰/٤۔

مسند للإمام أحمد بن حنبل، بيروت ۱٦۳/٥-۱٦٤، رقم: ۲۱۷۸۱۔

ابوذرؓ سے ایک حدیث طویل میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عکاف سے فرمایا اے عکاف! کیا تیرے بیوی ہے انھوں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا اور نہ لونڈی عرض کیا اور نہ لونڈی آپ نے فرمایا اور تو خیر سے وسعت والا ہے عرض کیا اور میں خیر سے وسعت والا ہوں آپ نے فرمایا تو اس حالت میں تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو ان کا راہب ہوتا بلا شبہ ہمارا طریقہ نکاح ہے تم میں سب سے بدتر بے نکاحی ہیں اور مرنے والوں میں بھی سب سے بدتر بے نکاحی ہیں کیا تم شیطان سے لگاؤ رکھتے ہو شیطان کے پاس عورتوں سے زیادہ کوئی ہتھیار نہیں جو صالحین میں کارگر ہو مگر جو نکاح کئے ہوئے ہیں یہ لوگ بالکل مطہر اور فحش سے مبّرا ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ کم بختی مارے عکاف نکاح کرلے ورنہ تو ادبار والوں میں سے ہوگا۔

یہ چار حدیثیں ہیں جو نمونہ کے طور پر ذکر کی گئیں اور اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں ان میں سے پہلی حدیث میں امر کا صیغہ وارد ہے جس سے بانضمام قرائن مقامیہ یعنی سببیت نکاح لغض البصر واحصان الفرج جو کہ دونوں دین ہیں ونصب بدل یعنی صوم وقت العجز نکاح کی مطلوبیت صاف مفہوم ہے خواہ واجب ہو خواہ مستحب باختلاف احوال، دوسری حدیث میں اس کی فضیلت فرمائی ہے کہ مکمل ایمان ہے، تیسری حدیث میں وسعت ہوتے ہوئے نکاح نہ کرنے پر ناراضی اور بے تعلقی کا اظہار فرمایا جو علامات وجوب سے ہے اور چوتھی حدیث میں تو کئی طرح سے نکاح نہ کرنے والوں کی مذمت وشناعت فرمائی کہ یہ بھی امارت وجوب سے ہے گو بعض ہی احوال کے اعتبار سے سہی اور یہ سب معیار ہیں نکاح کے امر دینی ہونے کی البتہ جہاں شرعی لونڈی میسر ہو وہاں لونڈی رکھنا بھی نکاح کا بدل قرار دیدیا گیا ہے گو اکثر احوال میں خلاف اولیٰ ہے لیکن جہاں لونڈی بھی نہیں وہاں تو نکاح ہی متعین ہے جیسے ہندوستان میں۔

فائدہ: جن حدیثوں میں استطاعت ووسعت کی قید ہے یہ قید اشتراط امر بالنکاح کے لئے نہیں کہ اس کے فوت سے مشروط یعنی امر بالنکاح فوت ہو جاوے بلکہ اقتضاء کیلئے ہے یعنی استطاعت مقتضی ہے امر بالنکاح کو اور مقتضی خاص کی نفی کو مقتضا کی نفی مقتضی نہیں جیسے آیت "**فمن کان یرجو لقاء ربه فليعمل عملا صالحا ولا يشرک بعبادة ربه أحدا**"(۱) میں رجاء لقاء مقتضی ہے عمل صالح وترک شرک کو یہ نہیں کہ اگر یہ رجاء نہ ہو تو عمل صالح وترک شرک مطلوب نہ رہے یہ دوسری بات ہے کہ مقبول نہ ہو

(۱) سورۃ الکہف: ۱۱۰۔

اور راز اس کا یہ ہے کہ شرط لازم ہوتی ہے اور مقتضی ملزوم اور انتفاء لازم مستلزم ہے انتفاء ملزوم کو نہ بالعکس۔ پس یہ حدیثیں معارض نہ ہوئیں آیت: **أن یکونوا فقراء یغنهم الله من فضله.** (۱) کی پس ان حدیثوں سے فقر کے مانع نکاح ہونے کا وہم نہ کیا جاوے۔

یہاں تک نکاح کے امر دینی ہونے کا اثبات قرآن وحدیث سے ہو چکا اب علماء امت وائمہ کے اقوال، لیجئے درمختار میں ہے:

لیس لنا عبادۃ شُرعت من عهد اٰدم إلیٰ الاٰن ثم تستمر في الجنة إلا النکاح والإیمان۔(۲)

ہمارے لئے بجز نکاح اور ایمان کے اور کوئی ایسی عبادت نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے اب تک مشروع رہی ہو پھر جنت میں بھی مستمر رہے۔

اس میں نکاح کے عبادت ہونے کی تصریح ہے اور عبادت بھی ایسی کہ تمام شرائع میں مشترک اور عبادت کے دینی کام ہونے میں کس کو کلام ہوسکتا ہے اور گو اس کے استمرار في الجنة پر بعض نے کلام کیا ہے؛ لیکن باقی دوسرے اجزاء سب کے نزدیک مسلم ہیں اور ردالمحتار میں ہے:

وقدمه علی الجهاد (إلیٰ قوله) وکذا علی العتق والوقف والأضحیة وإن کانت عبادات أیضاً لأنه أقرب إلیٰ الأرکان الأربع حتی قالوا إن الاشتغال به أفضل من التخلي لنوافل العبادات أي الاشتغال به وما یشتمل علیه من القیام بمصالحه وإعفاف النفس عن الحرام وتربیة الولد ونحو ذٰلک. (۳)

اور نکاح کے باب کو (ترتیب ابواب میں باب) جہاد پر مقدم کیا پھر آگے چل کر کہا ہے کہ اسیطرح اعتاق اور وقف اور قربانی کے ابواب پر مقدم کیا اگرچہ وہ بھی عبادات ہیں (بھی کا یہ مطلب کہ جیسے نکاح عبادت ہے ایسے ہی وہ بھی عبادت ہیں مگر پھر بھی نکاح کو ان پر مقدم کیا) اس لئے کہ نکاح (عبادت ہونے کے وصف میں) ارکان اربعہ (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کیساتھ (بہ نسبت اعتاق اور وقف اور قربانی کے)

---

(۱) سورة النور، جزء الآیة: ۳۲۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، مکتبه زکریا دیوبند ٤/٥٧- ٥٩، کراچي ٣/٣۔

الأشباه النظائر، الفن الثاني الفوائد، کتاب النکاح، مکتبه زکریا دیوبند ٢/٦۔

(۳) شامي، کتاب النکاح، مکتبه زکریا دیوبند ٤/٥٧، کراچي ٣/٣۔

زیادہ قرب رکھتا ہے)اسلئے ان ارکان کے ابواب کے بعد نکاح کا باب ترتیب میں رکھا گیا، یہاں تک کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں مشغول ہونا نفل عبادات کے لئے بالکل فارغ ہو جانے سے بھی افضل ہے یعنی خود نکاح کرنے میں مشغول ہونا اور نکاح جن چیزوں پر مشتمل ہے (ان میں مشغول ہونا) جیسے مصالح نکاح کا اہتمام کرنا اور نفس کو حرام سے بچانا اور اولاد کی تربیت کرنا اور اسیطرح کی جو چیزیں ہیں۔ آھ

دیکھئے اس عبارت میں کیسے شد و مد سے نکاح کی فضیلت دینیہ کو بیان کیا ہے:

(۱) اعتاق اور وقف واضحیہ پر جن کے ثواب سے نصوص بھری پڑی ہیں ذکر میں اس کا مستحق تقدیم ہونا۔

(۲) ارکان اسلام کے ساتھ بہ نسبت ان عبادات کے اس کو زیادہ مناسبت ہونا۔

ولعل السر فيه أن أركان الإسلام فيها إكبار الإسلام بإظهار الأحكام والنكاح فيه إكبار الإسلام بإكثار أهل الإسلام وأشير إليه. في قوله عليه السلام: فإنى أباهي بكم الأمم (۱) في تعليل التزوج فأشبه الأركان لاسيما الصلوٰة، فإن في النكاح إعلانا أدناه نصاب الشهادة كما أن في الصلوٰة أذانًا وان في أوله ثناء وتوحيدًا أوقرآنا وفي اٰخره دعاء كما أن في أولها ثناء وتوحيدًا وقرآنا وفي اٰخرها دعاء بالسلام على الملائكة والمصلين ويسن كونهما في المسجد فهو بالصلوٰة أشبه.

(۳) نکاح اور متعلقات نکاح کے اشتغال کا نفل عبادات کے اشتغال سے افضل ہونا۔ ان تصریحات کے بعد اس کے امر دینی ہونے میں کیا خفارہ سکتا ہے؟

---

(۱) عن سعيد بن أبي هلال: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تناكحوا تكثروا فإني أباهي بكم الأمم يوم القيامة ، الحديث. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب النكاح، باب وجوب النكاح وفضله،دارالكتب العلمية بيروت ۶/۱۳۸، رقم: ۱۰۴۳۲)

عن معقل بن يسار قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: إني أصبت امرأة ذات حسب وجمال وإنها لاتلد أفأتزوجها قال: لا ثم أتاه الثانية فنها ثم أتاه الثالثة فقال: تزوجوا الودود الولود،فإني مكاثر بكم الأمم. (سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في تزويج الأبكار، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۰، دارالسلام رقم: ۲۰۵۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عطن ثانی: اوپر کے دلائل سے مطلق نکاح کا عبادت ہونا ثابت ہوتا ہے پس وہ اپنے اطلاق سے عام ہیں ہر نکاح خالی عن الموانع کو خواہ متناکحین بالغ ہوں خواہ نابالغ ہوں خواہ ایک بالغ ہو ایک نابالغ ہو اور عام کی دلالت اپنے افراد کے لئے حکم ثابت کرنے میں قطعی ہوتی ہے جب تک دلیل خصوص کی نہ ہو خواہ عام ثبوتاً ظنی ہی ہو مگر یہاں ثبوت بھی قطعی ہے کتاب اللہ کا قطعی ہونا ظاہر ہے احادیث بھی معنیً متواتر ہیں اور اگر احاد بھی ہوں تو انضمام اجماع کے بعد قطعی ہوگئیں اس حالت میں خصوصیت کے ساتھ نابالغوں کے نکاح کی مشروعیت کے ثابت کرنے کی حاجت نہیں لیکن تبرعاً اس خصوص کے ساتھ بھی ثابت کیا جاتا ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَايُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَاءِ الّٰتِيْ لَاتُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ......الاٰية (۱)

اور لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں تم کو حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی (حکم دیتی ہیں) جو کہ (اسکے قبل) قرآن کے اندر تم کو پڑھکر سنائی جایا کرتی ہیں جو کہ اُن یتیم عورتوں کے باب میں ہیں جن کو تم جو اُن کا حق مقرر ہے نہیں دیتے اور اُن کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو۔

فائدہ: یہ مضمون مختصر ہے احادیث میں اس کی شرح آئی ہے کہ یتیم بچیاں جو اقارب کی پرورش میں تھیں ان کے ساتھ بعض لوگوں کا یہ برتاؤ تھا کہ اگر وہ صاحب جمال ہوئیں تو ان سے خود نکاح کر لیا مگر ان کا پورا مہر نہیں دیا اور اگر صاحب جمال نہ ہوئیں تو بے رغبتی کے سبب نہ خود اپنے ساتھ نکاح کرتے تھے اور نہ مال قبضہ سے نکل جانے کے خوف سے دوسروں کے ساتھ نکاح کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس آیت میں یتیمہ کے محل نکاح ہونے کی تصریح ہے اور لفظ یتیم لغۃً وشرعاً مخصوص ہے نابالغ کے ساتھ چنانچہ قاموس میں ہے:

و يتيم ويتمان ما لم يبلغ الحلم، لايتم بعد إحتلام. رواه أبو داؤد عن عليؓ (۲)

---

(۱) سورة النساء، رقم الآية: ۱۲۷۔

(۲) **قال علي بن أبي طالب حفظت عن رسول الله صلى الله عيله وسلم: لايتم بعد إحتلام ولا صمات يوم إلى الليل.** (أبوداؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء متى ينقطع اليتم، النسخة الهندية ۳۹۷/۲، دارالسلام رقم: ۲۸۷۳)

(إلیٰ قوله) وحسنه النووی متمسكا بسكوت أبي داؤد عليه لاسيما وهو عند الطبراني في الصغير من وجه اٰخر عن علي(۱) بل له شواهد عن جابر وأنس وغيرهما كذا في المقاصد.

یتیم اور یتمان کا اطلاق اس کے وقت تک ہوتا ہے جب تک بلوغ کو نہ پہونچ جاوے اور حدیث میں ہے بلوغ کے بعد یتیمی نہیں رہتی روایت کیا اسکو ابوداود نے حضرت علیؓ سے، آگے کہا ہے کہ امام نوویؒ نے اس حدیث کو ابوداؤد کے سکوت سے تمسک کر کے حسن کہا ہے خصوص اس حالت میں کہ یہ حدیث طبرانی کی صغیر میں ایک دوسرے طریق سے بھی حضرت علیؓ سے مروی ہے بلکہ اس کے شواہد دوسرے بھی، ہیں حضرت جابر اور حضرت انس اور ان کے علاوہ اوروں سے بھی اسی طرح ہے مقاصد حسنہ میں۔

رہا احتمال مجاز کا بلا دلیل ہے اور اگر لفظ نساء کو اس کی دلیل کہا جاوے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ نساء کا احکام عامہ للبالغات وغیر البالغات کی نصوص میں بکثرت آنا جیسا عطن رابع میں بعض موارد نمونہ کے طور پر مذکور بھی ہوں گے اور لفظ یتامیٰ کا ایسے احکام میں شذوذ وقلت کے ساتھ آنا اس کی دلیل ہے کہ آیت میں نساء میں تجوز کا قائل ہونا راجح ہے بہ نسبت یتیم میں تجوز کے قائل ہونے کے اور اگر اس پر بھی کسی کو شبہ رہے تو وہ اس لئے مضر نہیں کہ دوسرے دلائل سے اصل مدعا ثابت ہے چنانچہ حدیث میں حضرت عائشہؓ کا نکاح نابالغی کی حالت میں ہونا متواتر ہے پھر متأید بالاجماع ہے جس کے بعد شبہ کی گنجایش ہی نہیں اجماع تو ظاہر ہے اور حدیث یہ ہے:

عن عائشةؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم تزوّجها وهي بنت سبع سنين وزفت إليه وهي بنت تسع سنين ولعبها معها ومات عنها وهي بنت ثماني عشرة. رواه مسلم (مشكوٰة)(۲)

---

(۱) التلخيص الحبير، كتاب قسم الفئ والغنيمة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۲۰ رقم: ۱۳۸۸۔

حدثنا أحمد بن صالح، قال: نايحيى بن محمد الجاري، قال: نا أبو شاكر عبد الله بن حسان بن سعيد بن أبي مريم عن أبيه عن سعيد بن عبد الرحمن بن رقيش، أنه سمع خاله عبد الله بن أبي أحمد بن جحش، يقول: قال علي بن أبي طالب: حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم ستاً: لاطلاق إلا من بعد نكاح، ولاعتاق إلا من بعد ملك، ولا وفاء لنذر في معصية، ولايتم بعد احتلام ولاصمات يوم إلى الليل ولاوصال في الصيام. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۹۶، رقم: ۲۹۰)

(۲) مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، مكتبه رشيدية دهلي ۲/ ۲۷۰۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے نکاح کیا اور وہ اس وقت سات برس کی تھیں اور وہ آپ کے پاس رخصت کی گئیں اور وہ اس وقت نو برس کی تھیں اور ان کی گڑیاں (جو تصویر دار نہ تھیں) ان کے ساتھ تھیں اور آپ ان کے سر پر سے اسوقت اُٹھ گئے جب وہ اٹھارہ برس کی تھیں روایت کیا اس کو مسلم نے۔ ظاہر ہے کہ سات برس کی عمر یقیناً عدم بلوغ کی عمر ہوتی ہے اس سے مدعا صاف ثابت ہے اور اگر کسی کو خصوصیت کا شبہ ہو تو وہ غیر ناشی عن دلیل ہونے کے سبب محض لغو ہے۔

عطن ثالث: اوپر جب شرعی نابالغوں کے نکاح کی مشروعیت ثابت ہوچکی تو جو قانونی نابالغ ہوں ان کے نکاح کی مشروعیت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگئی کیونکہ قانونی نابالغ شرعاً یا بالغ ہوں گے یا نابالغ ہوں گے اور دونوں کے نکاح کی مشروعیت ثابت ہوچکی کسی دلیل مستقل کے قائم کرنے کی حاجت نہیں جس میں قانونی عمر سے کم عمر کی تصریح کے ساتھ نکاح کا حکم ہو مگر تبرعاً ایسی مستقل دلیل کا بھی ذکر کرتے ہیں اور وہ ذیل کی حدیثیں ہیں جن میں سے ایک میں بعنوان عدد عمر کی تصریح ہے جس میں بعض اوقات شرعی بلوغ بھی نہیں ہوتا اور ایک میں بعنوان بلوغ کے جس کا منتہیٰ پندرہ سال ہے عمر کا ذکر ہے۔

عن أبي سعید وابن عباس قالا: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثما فإنما إثمہ علی أبیہ وعن عمر بن الخطابؓ وأنس بن مالک عن رسول اللّٰہ ﷺ في التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ اثنتي عشرۃ سنۃ ولم یزوجھا فأصابت إثما فإثم ذلک علیہ رواھما البیھقي في شعب الإیمان۔ (مشکوٰۃ)(۱)

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی کچھ اولاد پیدا ہو اس کو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے پھر جب وہ بالغ ہوجائے

← صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب جواز تزویج الأب البکر الخ، النسخۃ الھندیۃ ۱/۴۵۶، بیت الأفکار الدولیۃ رقم: ۱۴۲۲۔

(۱) مشکاۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب الولي في النکاح واستیذان المرأۃ، الفصل الثالث، مکتبہ رشیدیۃ دھلي ۲/۲۷۱۔

شعب الإیمان للبیھقي، الستون من شعب الإیمان، باب في حقوق الأولاد والأھلین، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۴۰۱، رقم: ۸۶۶۶-۸۶۷۰۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(جس کا منتہیٰ پندرہ سال ہے جو لڑکے کی قانونی عمر سے کم ہے) اسکا نکاح کردے اگر وہ بالغ ہوجاوے

اور یہ اس کا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ (تسبب کے درجہ میں) صرف باپ ہی پر ہوگا (گو مباشرت کے درجہ میں خود اُسپر ہوگا) اور حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ توراۃ میں لکھا ہے جسکی لڑکی بارہ سال کو پہونچ جاوے (جو لڑکی کی قانونی عمر سے کم ہے اور قرائن سے نکاح کی حاجت معلوم ہو) اور یہ شخص اسکا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جاوے تو اس کا گناہ اس باپ پر ہوگا ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ) حدیثوں کی دلالت مدعا پر صاف ظاہر ہے۔

عطن رابع: مسئلہ کے متعلق بعض شبہات کے جواب میں، شبہ اوّل: قرآن مجید میں محل نکاح نساء کو فرمایا ہے مثلاً ''فانکحوا ماطاب لکم من النساء'' (۱) اور نساء مخصوص ہے بالغات کے ساتھ۔

جواب: اگر اس کا حقیقت لغویہ ہونا بھی ثابت ہو جاوے مگر حقیقت شرعیہ ہونے میں کلام ہے اور حقیقت ومجاز میں وہی اصطلاح معتبر ہے جس میں تخاطب ہو سو قرآن مجید میں جو احکام عام ہیں صغیرات وکبیرات کو ان میں جا بجا لفظ نساء ہی وارد ہے مثلاً ارشاد ہے:

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ اَنْ يَكُوْنُوْا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ اَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ. (حجرات) (۲)

مردوں کو مردوں سے تمسخر کرنا نہ چاہئے شاید وہ ان سے اچھے ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں سے تمسخر کرنا چاہئے شاید وہ ان سے اچھی ہوں۔

اور مثلاً ارشاد ہے:۔ فَاِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ. (۳)

پھر اگر (وارث اولاد میں) عورتوں کا موجود ہونا (دویا) دو سے زیادہ تو ان کو میت کے ترکہ سے دو ثلث ملے گا۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں حکموں میں بالغات وغیر بالغات میں کوئی فرق نہیں اور جہاں مستضعفین کی تفصیل میں استعمال لغوی کی بناء پر نساء کے بعد ولدان بھی بڑھایا گیا ہے وہاں عذر کے سبب ضعف یا عفو کی

---

(۱) سورة النساء، جزء الآية: ۳.

(۲) سورة الحجرات، رقم: الآية: ۱۱.

(۳) سورة النساء، جزء الآية: ۱۱.

تقویت کا عارض اس اصل سے عدول کا سبب ہوگا اور ما بقی اپنی اصل پر رہے گا اسی طرح اور آیات میں بھی نساء عام معنی میں آیا ہے اور اگر ان میں شرعی مجاز بھی تسلیم کرلیا جاوے تب بھی دوسرے دلائل قطعیہ مذکورہ بالا سے تعارض سے بچنے کے لئے نساء کو مجاز پر محمول کرنا واجب ہے۔

شبہ دوم وسوم : از جانب بعض ایڈیٹران اخبار، ان میں ایک آیت کے متعلق ہے دوسرا حدیث کے متعلق چونکہ ان دونوں شبھوں کا جواب اس کے قبل لکھا جاچکا (یعنی اس رسالہ کے لکھنے کے قبل) اسلئے اس وقت ان کو مع اس جواب کے بعینہ نقل کئے دیتا ہوں۔قولہ سے شبہ کی تقریر اور اقول سے جواب کی تقریر لکھی جاوے گی۔

قولہ : اس میں شک نہیں کہ ایک مسلمان کے لئے کسی امر الٰہی کی نوعیت کا بدلنا حرام ہی نہیں؛ بلکہ نافرمان اور مجرم بنانا ہے لیکن نابالغ لڑکیوں کے جواز نکاح کا کوئی حکم اسلام میں نہیں ملتا اسلام میں اس کی کوئی پوزیشن نہیں پائی جاتی بخلاف اس کے قرآن مجید کے پارہ چہارم رکوع ۱۲ میں نکاح کی عمر بتائی گئی ہے۔

وابتلوا الیتٰمیٰ حتی إذا بلغوا النکاح. (۱)

اقول : آدمی جس فن کو نہ جانے اس میں کیوں دخل دے؟ آیت کا مفہوم تفاسیر میں تو دیکھ لیا ہوتا یہاں قابلیت نکاح سے مراد پوری قابلیت ہے اور پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے قبل وہ توالد وتناسل کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ (۲)

---

(۱) سورۃ النساء: رقم الآیۃ:٦۔

(۲) **وابتلوا الیتمٰی حتی إذا بلغوا النکاح، أي صلاح النکاح والتوالد، وذلک في الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال إذا وطي وفي الجاریة بالحیض والاحتلام والحبل، فإن لم یوجد شيء من ذلک فیها فباستکمال خمس عشرۃ سنۃ غلاما کان أو جاریۃ عند مالک وأحمد والشافعي وأبي یوسف ومحمد وهو روایۃ عن أبي حنیفۃ وعلیه الفتوی.** (تفسیر مظهري، سورۃ النساء، تحت رقم الآیۃ:٦، مکتبه زکریا قدیم ۱۳/۲، جدید ۲۲۲/۲)

وقال العلامۃ الآلوسي تحت تفسیر الآیۃ:"حتی إذا بلغوا النکاح" أي إذا بلغوا حد البلوغ وهو إما بالاحتلام أو بالسن وهو خمس عشرۃ سنۃ عند الشافعي وأبي یوسف ومحمد وهي روایۃ عن أبي حنیفۃ وعلیها الفتویٰ عند الحنیفۃ لما أن العادۃ الفاشیۃ أن الغلام والجاریۃ یصلحان للنکاح وثمرته في هذه المدۃ ولا یتأخران عنها. (روح المعاني، سورۃ النساء، تحت رقم الآیۃ: ٦، مکتبه زکریا دیوبند ۳۱۹/۳)

اور نکاح سے اصل مقصود یہی ہے (۱) پس پوری قابلیت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے قبل نکاح جائز نہ ہو ورنہ لازم آویگا کہ ابتک قرآن کو نہ کسی عالم نے سمجھا نہ کسی مجتہد نے کیونکہ مجتہدین کے اجتماعی فتوے کتب مذہب میں نابالغ کے نکاح کے جواز میں مدون ہیں۔

قولہ: نابالغہ کے نکاح کے جواز میں اکثر حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح پیش کیا جاتا ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ صدیقہؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ایسی حالت میں ہوا جب آپ نابالغہ تھیں ہم فروری ۲۶ء کے بلاغ میں اس غلطی کا ازالہ کر چکے ہیں کتاب الاکمال فی اسماء الرجال کے ترجمہ کے ص:۱۲ پر حضرت اسماء کے حال میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ۷۳ھ میں سولی دیا گیا اور آپ اس واقعہ فاجعہ کے دس دن یا بیس دن بعد فوت ہوئیں اس سے معلوم ہوا کہ آپ (یعنی حضرت اسماء) کی وفات بھی ۷۳ھ میں ہوئی وفات کے وقت آپ کی عمر سو برس کی لکھی ہے (۲) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ہجرت کے ۲۷ سال پہلے ہوئی ہے اور چونکہ حضرت عائشہؓ حضرت اسماءؓ سے دس سال چھوٹی تھیں اس لئے حضرت عائشہؓ بالضرور ہجرت سے سترہ سال پہلے پیدا ہو چکی تھیں یا یوں کہو کہ ہجرت کے وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کا زفاف ہجرت سے دو یا تین سال بعد ہوا پس اظہر من الشمس ہے کہ جنابہ حضرت عائشہؓ زفاف کے وقت انیس یا بیس سال کی تھیں اس سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہ کا نکاح ان کی بلوغت میں ہوا۔ اب تو اس کی سند صحیح موجود ہے۔

---

(۱) **لأن المقصود بالنكاح التوالد والتناسل.** (البناية شرح الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات ،مكتبه اشرفية ديوبند ٥/٢٨)

تبيين الحقائق، كتاب الإعتاق، باب الإستيلاد،امداية ملتان ١٠٢/٣، مكتبه زكريا ديوبند ٤٠٨/٣۔

والغرض الصحيح من الزواج إنما هو التناسل الذي به تكثر الأمة ويعز جانبها. (كتاب الفقه على المذهب الأربعة، كتاب النكاح، حكم النكاح، دارالكتب العلمية بيروت ٨/٤)

(٢) **هي (أسماء بنت أبي بكر) أم عبد الله بن الزبير أسلمت بمكة قد يماً،قيل: أسلمت بعد سبعة عشر إنسانا وهي أكثر من أختها عائشةؓ بعشر سنين وماتت بعد قتل ابنها بعشرة أيام وقيل بعشرين يوما بعد ما أنزل ابنها من الخشبة ولها مأة سنة وذلک سنة ثلاث وسبعين بمكة .** (الإكمال في أسماء الرجال مع مشكاة المصابيح، الباب الأول، حرف الهمزة، مكتبه رشيدية دهلي ص: ٥٨٧) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اقول: کیا اچھی سند موجود ہے جس اکمال میں یہ لکھا ہے اسی اکمال میں حضرت عائشہؓ کے حالات میں بھی تو دیکھا ہوتا کہ زفاف کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر نو برس کی تھی اور زفاف ہجرت کے اٹھارہ مہینہ بعد ہوا اور نکاح ان سے تین برس قبل ہجرت ہوا۔ تو نکاح کے وقت چھ یا سات برس کی ہوئیں اور حضور کی خدمت میں نو سال رہیں اور حضور ﷺ کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کی تھیں (۱) آہ یہ کیا بات کہ اکمال کے ایک جزو کو مانتے ہو اور دوسرے کو نہیں مانتے ہو اب اکمال کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ سے ثابت کرو جیسا ہم اکمال سے زیادہ قوی دلیل سے ثابت کرتے ہیں سنو صحیح مسلم میں خود حضرت عائشہؓ اپنا قصہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا جب یہ سات برس کی تھیں اور زفاف ہوا جب نو برس کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی جب یہ اٹھارہ سال کی تھیں (۲) اور حدیث صحیح کے مقابل کوئی تاریخ نہیں ہو سکتی مورخین کے پاس محدثین کی سی سند نہیں ہوتی۔

شبہ چہارم: متعلق حدیث عائشہؓ یہ حدیث فعلی ہے ممکن ہے کہ اس میں حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت ہو۔ جواب:۔ کوئی خصوصیت احتمال غیر ناشی عن دلیل سے ثابت نہیں ہوتی پھر دلائل عامہ وخاصہ مذکورہ بالا کی خصوصیت کی نفی کرتے ہیں۔

شبہ پنجم: حسب تصریح علماء نکاح عبادت محضہ نہیں ہے چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

ذكره عقيب العبادات الأربع أركان الدين؛ لأنه بالنسبة إليها كالبسيط إلى المركب؛ لأنه عبادة من وجه معاملة من وجه۔ (۳)

---

(۱) **خطبها (عائشة رضي الله عنها) النبي صلى الله عليه وسلم وتزوجها بمكة في شوال سنة عشر من النبوة وقبل الهجرة بثلاث سنين وقيل غير ذلك وأعرس بها بالمدينة في شوال سنة اثنتين من الهجرة على رأس ثماني عشر شهرا ولها تسع سنين وقيل: دخل بها بالمدينة بعد سبعة أشهر من مقدمه وبقيت معه تسع سنين ومات عنها ولها ثماني عشرة سنة الخ.** (إكمال في أسماء الرجال مع مشكاة المصابيح، الباب الأول، وحرف العين فصل في الصحابيات، مكتبه رشيدية دهلي ص:٦١٢)

(۲) **عن عائشة رضي الله عنها قالت: تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي بنت ست وبني بها وهي بنت تسع ومات عنها وهي بنت ثمان عشرة.** (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب جواز تزويج الأب البكر الخ، النسخة الهندية ١/٤٥٦، بيت الأفكا الدولية رقم: ١٤٢٢)

(۳) شامي، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٥٧، كراچي ٣/٣۔

مصنف نے کتاب النکاح کو عبادات اربعہ ونماز وروزہ وحج زکوٰۃ، کے بعد ذکر کیا جو کہ ارکان دین ہیں اسلئے کہ یہ نکاح بہ نسبت ان عبادات اربعہ کے ایسا ہے جیسے بسیط ہوتا ہے بہ نسبت مرکب کے کیونکہ یہ من وجہ عبادت ہے اور من وجہ معاملہ ہے (تو اس میں دو وصف ہوئے اور عبادات اربعہ میں صرف ایک ہی وصف ہے عبادت کا اور ظاہر ہے کہ ایک اور دو میں بسیط اور مرکب کی سی نسبت ہے)

الجواب: عبادات محضہ تو بعضے حالات میں وہ امور بھی نہیں رہتے جن کا جزو دین ہونا بلا اختلاف مسلم ہے جیسے روزہ کہ بعض حالات میں اس میں وصف عقوبت کا بھی آجاتا ہے جیسے اصولیین نے صوم کفارہ میں اس کی تصریح کی ہے (۱) مگر باوجود اس کے اس کو کوئی امر دنیوی نہیں کہتا اسی طرح اگر نکاح میں دوسرا وصف معاملہ ہونے کا بھی ہو تو اس سے اس کا امر دنیوی ہونا کیسے ثابت ہوگیا بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وصف عقوبت کو بہ نسبت وصف معاملہ کے عبادت سے زیادہ بُعد ہے کیونکہ عقوبت معصیت سے مسبب ہے جو کہ ضد ہے عبادات کی اور معاملہ معصیت سے مسبب نہیں بلکہ اکثر اوقات عبادت سے مسبب ہوتا ہے مثلاً ادائے حقوق واجبہ سے پس جب عبادت کے ساتھ وصف عقوبت ملکر بھی اس عبادت کو امر دنیوی نہ بنا سکا تو عبادت کے ساتھ وصف معاملہ ملکر تو اس عبادت کو امر دنیوی کیسے بنا سکتے ہے دوسرے ایسے مرکبات میں اعتبار غالب کا ہوتا ہے اور نکاح میں ان ہی علماء کے قول سے جنھوں نے اس میں وصف معاملہ مانا ہے غالب وصف عبادت ہی ہے چنانچہ عطن اول میں جو عبارت ردالمحتار کی نقل کی گئی ہے (اور سائل کی عبارت منقولہ اسی عبارت کا جزو ہے) اس میں تصریح ہے کہ نکاح کو زیادہ قرب ارکان اربعہ ہی سے ہے اور جہاد واعتاق ووقف واضحیہ پر اس کی تقدیم کو اسی پر مبنی کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جہاد اور اس کے اخوات میں جہت عبادت کی غالب ہے تو وہ چیز ان سے بھی زیادہ ارکان اربعہ سے مناسبت رکھتی ہو اس میں وصف عبادت کے غالب ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے اور قطع نظر اقوال علماء سے اس مناسبت کی تائید حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے۔

---

(۱) وأما صفتها (الكفارة) فهي عقوبة وجوبا لكونها شرعت أجزية لأفعال فيهامعنى الحظر، عبادة أداء لكونها تتأدى بالصوم والإعتاق والصدقة وهي قرب والغالب فيها معنى العبادة إلا كفارة الفطر في رمضان فإن جهة العقوبة فيها غالبة بدليل أنها تسقط بالشبهات كالحدود ولاتجب مع الخطأ بخلاف كفارة اليمين لوجوبها مع الخطأوكذا كفارة القتل الخطأ الخ. (البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب الظهار، فصل في الكفارة،مكتبه زكريا ديوبند ١٦٩/٤، كوئٹة ١٠٠/٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٥/٣٩-٤٠)

عن علي أن النبي ﷺ قال: يا علي! ثلاث لا توخرها الصلوٰة إذا اٰنت والجنازة إذا حضرت والأيم إذا وجدت لها كفواً. رواه الترمذي (مشكوٰة)(۱)

اس میں نکاح کو وجوب تعجیل میں نماز کا قرین قرار دیا جس سے اس مناسبت کی صریح تقویت ہوتی ہے۔

وذكر سره في العطن الأول ويتأيد أيضاً كون وصف العبادة فيه غالبا على وصف المعاملة بأن المعاملات التي يتوقف انعقادها على تراضي الجانبين يتوقف فسخها أيضاً على تراضيهما والعبادات المحضة يتفرد العامل بفسخها وكذلک النكاح يستقل الزوج بإبطاله فكان مشابهته بالعبادات أقوى وبالمعاملات أضعف.

عطن خامس ملقّب بحق وطن: اس میں اس قانون کے مطالبہ نسخ کے متعلق ایک استطرادی اور مختصر کلام ہے اور اسی لئے اس کا عنوان گوتغلیباً عطن رکھدیا گیا لیکن اصل لقب حق وطن ہے کیونکہ اس کا تعلق خاص اپنے ملک ووطن کے مصالح سے ہے خطبہ میں بزیر عنوان اطلاع اس مادہ میں سیاسی پہلو پر کلام کرنے سے اپنا علمی وعملی عذر ظاہر کر چکا ہوں اور وہاں ہی یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شاید غیر سیاسی طور پر کسی موقع پر اس کا ذکر استطراداً آجاوے سو وہ موقع یہی ہے جس میں بجائے سیاسی کلام کے اپنے بھائیوں کے لئے ایک مفید مشورہ معروض ہے اور وہ یہ ہے کہ حکومت سے اس قانون کے نسخ کی درخواست دو بناؤں پر ہوسکتی ہے ایک تو اس بناء پر کہ یہ قانون خلاف معاہدہ عدم مداخلت في المذاہب ہے سو اگر اس بناء کو اختیار کیا جاوے تو اس کی بھی ضرورت ہے کہ اُس معاہدہ میں جو لفظ مذہب یا اُس کا مرادف آیا ہے اُس کے مفہوم کی تحقیق کی جاوے جس میں استقراء سے کئی احتمال ہیں:

(۱) ایک یہ کہ مراد اس سے وہ امور ہیں جن کو احقر نے عطن اول میں امر دینی کہا ہے جس میں نکاح بھی داخل ہے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے بھی عام معنی مراد ہوں یعنی وہ جمیع امور جن کا شریعت نے قانون بتلادیا ہے اس میں تمام دیانات ومعاملات آگئے۔

---

(۱) مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب تعجيل الصلاة، مكتبه رشيدية دهلي ۶۱/۱۔
سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في الوقت الأول من الفضل، النسخة الهندية ۴۳/۱، دارالسلام رقم: ۱۷۱۔

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے کہ مراد وہ امور ہیں جن کو عام خیالات سے دین کا کام سمجھا جاتا ہے خواہ دین میں اُس کی کچھ اصل ہو یا نہ ہو اس میں جس طرح امور دین یعنی نماز واذان وروزہ وحج وزکوٰۃ ونکاح وغیرہ داخل ہیں اسی طرح رسوم محرم وشب برات اوراعراس قبور بھی داخل ہیں۔

(۴) چوتھا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مجموعہ معنی ثالث مع شفعہ ومیراث ووقف وقربانی وامثالہا ہوں اوراحتمالات عقلیہ گو اور بھی ہوسکتے ہیں مگر تتبع سے وہی احتمالات لکھے گئے جن کا تذکرہ زبانوں پر آتا ہے اور ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کوئی پانچواں مفہوم ہو اور ہر حالت میں جب لفظ مذہب کا مفہوم متعین ہو جائے گا تو آسانی سے معاہدہ کے خلاف ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ بھی ہوجائے گا اور بہت سے اختلافات رفع ہوجائیں گے اور بہت سے سوالات حل ہوجائینگے چنانچہ بعضے سوالات دائرہ علی الالسنہ مع جوابات نمونہ کے طور پر ذکر کئے جاتے ہیں۔

سوال اول: اگر نکاح کا یہ قانون مداخلت فی الدین ہے تو بیع وشراء وحفظ صحت کے قوانین بھی مداخلت في الدين ہیں حالانکہ ان کے متعلق کوئی مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

جواب: مذہب کے معانی مذکورہ میں سے جس معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق نہ ہو اس پر تو یہ جواب ہے کہ عدم التفات کے وقت سکوت کر لینے سے التفات کے وقت بھی سکوت کر لینا لازم نہیں اور جس معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہو تو جواب ظاہر ہے اوراسی جواب مبنی علی الفرق کو میں نے اپنی ایک تقریر میں ذکر کیا ہے۔

وھوھذا: بڑا شبہ ان لوگوں کا یہ ہے کہ شرعی جائز کو قانوناً ممنوع کرنا مداخلت ہونا چاہئے حالانکہ اس کو کوئی مداخلت نہیں کہتا اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی ایک تحقیقی، الزامی تو یہ کہ گاؤکشی بھی واجب نہیں جائز ہے(۱)

---

(۱) **قال الله تعالیٰ: والأنعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تأكلون.** (النحل:۵)

عن جابر رضي الله عنه يقول: نحر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نسائه بقرة في حجته.

(صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز الاشتراك في الهدى الخ، النسخة الهندية ۱/۴۲۴، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۳۱۹)

صحيح البخاري، كتاب الأضاحي، بالأضحية للمسافر والنساء، النسخة الهندية ۲/۸۳۲، رقم: ۵۳۳۳ ف:۵۵۴۸۔

تو کیا کوئی مسلمان گوارا کرسکتا ہے کہ یہ قانوناً جرم ہوجاوے اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ جائز کے دو درجے ہیں ایک محض مباح جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت کی نہیں جیسے معالجہ امراض کا اور اس کا ترک اور دوسرا درجہ جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت کی بھی ہے (۱) اور معیار اس کا یہ ہے کہ اس کی فضیلت اور ترغیب شریعت میں آئی ہو جیسے نکاح کہ اس کی تاکید وارد ہے (۲) اور اس کے ترک بلاعذر پر وعید بھی (۳) یہ صاف دلیل ہے اس کے دین ہونے کی۔ اسی لئے فقہاء نے جو نکاح کے اقسام اور ان کے احکام لکھے ہیں ان میں کوئی درجہ مباح کا نہیں (۴) ہاں عارض کے سبب مکروہ تو ہوجاتا ہے مگر فی نفسہ طاعت ہی ہے۔

---

(۱) **الجواز عند الفقهاء يطلق على ماليس بلازم...... كمايستعملون الجواز فيما قابل الحرام فيكون لرفع الحرج فيشمل الواجب والمستحب المباح والمكروه.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦/٢٢٦-٢٢٧)

(۲) **عن أبي أيوب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أربع من سنن المرسلين، الحياء والتعطرو السواک والنكاح.** (سنن الترمذي، أبوب النكاح، النسخة الهندية ١/٢٠٦، دارالسلام رقم: ١٩٣)

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تزوج فقد استكمل نصف الإيمان فليتق الله في النصف الباقي. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ٥/٣٧٢، رقم:٧٦٤٧)

(۳) **عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: النكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني وتزوَّجوا فإني مكاثر بكم الأمم ومن كان ذاطول فلينكح ومن لم يجد فعليه بالصيام فإن الصوم له وجاء.** (سنن ابن ماجة، أبواب النكاح، باب ماجاء في فضل النكح، ص:١٣٣، دارالسلام رقم:١٨٤٦)

عن أنس بن مالک رضي الله عنه يقول: جاء ثلاثة رهط إلى بيوت أزواج النبي صلى الله عليه وسلم......وأتزوَّج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح، النسخة الهندية ٢/٧٥٧-٧٥٨، رقم: ٤٨٧٢، ف:٥٠٦٣)

(۴) اس کے متعلق تفصیل سوال ۲۴۱ر کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور فقہاء نے اس کو اس درجہ کی طاعت فرمایا ہے کہ اسکو ''اشتغال بالتعلم والتعلیم والتخلي للنوافل'' سے افضل کہا ہے کذا في الشامي (۱) پس نکاح کا کوئی نیا قانون بنانا مداخلت في الدین ہے اور معالجہ کا قانون بنانا مداخلت في الدین نہیں ہے۔

سوال دوم: مطلق نکاح دین ہے بقید صغرسن تو دین نہیں۔

جواب: معانی مذکورہ میں سے جس معنی کر یہ دین ہے اس میں کوئی قید نہیں لہذا ہر عمر میں دین ہے۔ یہ تو اس جواب کی قانونی حقیقت ہے اور شرعی حقیقت اس جواب کی کسی قدر مہارت علم دین پر موقوف ہے وہ یہ کہ شرعی فقہی قاعدہ ہے کہ جو عمل اطلاق کے درجہ میں جس شان کے ساتھ موصوف ہوتا ہے وہ جس قید جائز کے ساتھ بھی صادر ہوگا اسی شان کے ساتھ موصوف رہے گا مثلاً نماز ظہر کی فرض ہے اور خاص اس کی یہ قید کہ دو ہی بجے کے وقت ہو فرض نہیں لیکن اگر دو ہی بجے پڑھی گئی تو اس کو بھی فرض کہیں گے اگر کوئی ایسا قانون بنایا جاوے کہ دو بجے پڑھنا جائز نہیں تو وہ مداخلت في الدین یقیناً ہے اسی طرح جب مطلق نکاح دین ہے تو اگر صغرسن کی حالت سے پایا جاوے اس فرد کو بھی دین ہی کہیں گے تو اس کی ممانعت کا قانون بنانا مداخلت في الدین ہوگی اور اسی طرح قربانی میں کہیں گے کہ قربانی عبادت ہے اگر بقید بقرہ ہو تب بھی عبادت ہے تو اس کی ممانعت مداخلت في الدین ہوگی خوب سمجھ لیا جاوے۔

سوال سوم: قانونی بلوغ کے قبل کسی خاص عمر میں فرض و واجب نہیں۔

جواب: بعض حالات میں فرض و واجب بھی ہو جاتا ہے مثلاً صحت بدنیہ و قوت مزاجیہ کے سبب تقاضا شدید ہو اس حالت میں فرض و واجب ہو جاتا ہے دوسرے جس معنی کر یہ دین ہے اس میں فرض غیر فرض میں کوئی فرق نہیں جیسا فرض نماز اور نفل نماز سے روکنا برابر ہے اور اس دوسرے جواب کا مرجع وہی ہے جو سوال دوم کے جواب میں مذکور ہوا۔

یہ سب کلام اس وقت تھا جب بناء درخواست تنسیخ کی معاہدہ عدم مداخلت في المذہب ہو اور ایک دوسری بناء درخواست تنسیخ کی اور ہے اور یہ دوسری بناء اسلم ہے بالخصوص جو لوگ سیاسیات میں علماً و عملاً قاصر ہیں

---

(۱) قالوا إن الاشتغال به أفضل من التخلي لنوافل العبادات أي الاشتغال به وما يشتمل عليه من القيام بمصالحه وإعفاف النفس عن الحرام وتربية الولد ونحو ذلك.

(شامي، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٥٧، كراچي ٣/ ٣) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ان کے لئے تو بالتعیین اسی بناء کے اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہوں یعنی اگر کریں اور تحریک کے عام کرنے کے لئے کر ہی لینا اصلح ہے اور وہ یہ ہے کہ حکومت سے یہ درخواست کی جاوے کہ اگر اس قانون کو خلاف معاہدہ ہونے کی بناء پر آپ منسوخ نہیں کرتے تو ترحم وراحت رسانی ہی کی بناء پر منسوخ کر دیجئے۔ کیا رعایا کے صرف وہی حقوق ہیں جن کی فہرست منضبط کر دی جاوے کیا ان کا یہ حق نہیں ہے کہ ان کو تکلیف و پریشانی سے بچایا جاوے۔ کیا وقتاً فوقتاً حکومت کی طرف سے مصالح کی رعایتیں ہوتی نہیں رہتیں اور اس قانون سے جو کلفتیں اور زحمتیں ہوں گی کیا وہ متیقن ومتبین نہیں پھر ان دونوں مقدموں کے بعد ترتب نتیجہ یعنی نسخ قانون میں کاہے کا انتظار ہے؟

یہ تو خطاب تھا حکام سے مگر اسی پر اکتفا نہ کریں بلکہ حق تعالیٰ سے بھی التجا ودعاء کرتے رہیں کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما کہ یہی گناہ اصل ہے نزول دواہی کی اور حکام کے قلوب کو قلت رعایت سے صاف فرما جو فرع ہے عفو مناہی کی واللہ الموفق تمت الرسالہ لنصف رجب ۱۳۴۸ھ

(النور، ص: ۳ تا ۱۹ بابت ماہ شعبان ۱۳۴۸ھ)

آیت ”وابتلوا لیتامی“ سے صغیر کے نکاح کے عدم جواز پر استدلال کا حکم

سوال (۱۱۱۵): قدیم ۲/ ۲۶۰- زید آیت وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (۱) سے استدلال کرتا ہے کہ نکاح قبل بلوغ صغیر وصغیرہ کا جائز ہی نہیں ولی کی اجازت سے ہو یا نہ ہو؛ کیونکہ ” بَلَغُوا النِّكَاحَ “ سے وقت بلوغ مراد ہے، تفسیر بیضاوی میں ہے:

حتىٰ إذا بلغوا حد البلوغ بان يحتلم وبلوغ النكاح كناية عن البلوغ لأنه يصلح للنكاح عنده. (۲)

اور حاشیہ بیضاوی میں ہے:

لأن المقصود من النكاح التوالد ولا توالد إلا عندالبلوغ.

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شریعت میں نکاح کا کوئی وقت معین ہے کہ اس وقت انسان کو اس کی صلاحیت ہوتی ہے اور نکاح قبل البلوغ قبل از وقت وصلاحیت ہے اور قبل از وقت کوئی چیز صحیح نہیں ہوتی جیسے نماز قبل از وقت

---

(۱) سورة النساء، رقم الآية: ٦۔

(۲) التفسير البيضاوي، سورة النساء تحت رقم الآية: ٦، مكتبه سعد ديوبند ٢/ ٤٤۔

اب مطلوب یہ ہے کہ اس آیت میں نکاح سے کیا مراد ہے عقد یا وطی اور اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط ہوسکتا ہے اس کا قائل ایک غیر مقلد شخص ہے جو جمہور کے خلاف کہہ رہا ہے اس کے جواب کی ضرورت ہے پس اس کو استدلال کے جواب میں کیا کہنا چاہئے مختصر وخلاصہ تحریر فرمائیے کہ اپنے کو بھی تسکین ہو دوسرے کو بھی فائدہ ہو۔

الجواب : قولہ لأنہ یصلح عندہ اقول صلاحیت سے مراد صلاحیت تامہ ہے قولہ المقصود من النکاح الخ اقول صلاحیت تامہ سے یہی صلاحیت تو الدمراد ہے قولہ اس عبارت سے اقول اول تو عبارت کے معنی معلوم ہوگئے دوسرے بیضاوی کی تقلید کب درست ہوگی قولہ اور قبل از وقت اقول وقت سے مراد وقت جواز ہے یا وقت وجوب اگر اول ہے تو مسلّم مگر مذکور کا وقت جواز ہونا ثابت نہیں اور اگر وقت وجوب مراد ہے تو خود یہ مقدمہ غیر مسلّم چنانچہ وضو قبل از وقت درست ہے۔ قولہ عقد یا وطی اقول دونوں صحیح ہوسکتے ہیں قولہ ہوسکتا اقول نہیں قولہ خلاصہ تحریر فرمایا جاوے اقول استدلال مذکور کا جواب تو ہوگیا جس کے بعد اس کا دعویٰ بلا دلیل رہ گیا اب اس سے دوبارہ دلیل کا مطالبہ کافی ہے اور جب تک وہ دلیل نہ لاوے اس کا دعویٰ غیر مسموع اور قول جمہور کا غیر مقدوح ہے اب تبرعاً نفس مسئلہ پر دلیل پیش کی جاتی ہے کہ خود جناب رسول اللہ ﷺ نے جس وقت حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا ہے وہ اس وقت نابالغ تھیں چنانچہ احادیث صحیحہ میں مصرح ہے۔(۱)

۱۸؍رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۲۶۰)

---

(۱) **عن عائشة رضي الله عنها قالت: تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي بنت ست وبنى بها وهي بنت تسع ومات عنها وهي بنت ثمان عشرة.** (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب جواز تزويج الأب البكر، النسخة الهندية ۱/۴۵٦، بيت الأفكار الدولية رقم: ۱۴۲۲) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب من بنى بامرأة وهي بنت تسع سنين، النسخة الهندية ۲/۷۷۵، رقم: ۴۹٦۴، ف: ۵۱۵۸.

عن عائشة رضي الله عنها، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت ست وبنى بها وهي بنت تسع. (سنن النسائي، كتاب النكاح، إنكاح الرجل الصغيره، النسخة الهندية ۲/٦۳، دارالسلام رقم: ۳۲۵۷) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

خنثیٰ کا حکم

سوال (۱۱۱۶): قدیم ۲/ ۲۶۱- میرا ایک بھائی ہے اس میں چند علامات پیدا ہوگئی ہیں جن کے سبب سے اس کے مرد اور عورت ہونے کا پہچاننا مشکل ہوگیا ہے۔

(۱) پہلی علامت یہ ہے کہ ذکر نہیں ہے اور ذکر کی جگہ میں چھنگلیا انگلی کے سر کے برابر ایک ٹکڑا گوشت کا ہے وہ گوشت عورتوں کے شرمگاہ کی طرح بھی نہیں ہے اور اس سے پیشاب نکلتا ہے۔

(۲) دوسری علامت یہ ہے کہ خصیتین بھی نہیں ہیں۔

(۳) تیسری علامت یہ ہے کہ ہر مہینے میں عورتوں کے مانند حیض آتا ہے۔

(۴) چوتھی علامت یہ ہے کہ دو پستان بھی عورتوں کے پستان کے مانند اُبھر آئے ہیں۔

(۵) پانچویں شہوت بھی ہے کہ اگر مرد کیساتھ لیٹے تو اس کی طرف خیال جاتا ہے اور اگر عورت کے پاس لیٹے تو عورت کی طرف بھی خیال جاتا ہے۔

(۶) یہ کہ کبھی منی نہیں نکلتی ہے گویا کہ بند ہے۔

آپ مہربانی فرما کر اس مسئلہ کا جواب دیجئے کہ وہ شخص حکم عورت میں یا حکم مرد میں اور نماز روزہ پڑھتے وقت کیسا پڑھنے کا حکم ہوگا؟

الجواب: چونکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بالغ ہوگیا ہے اس لئے بول کے احتمالات کو تو علامت نہ بنایا جاوے گا۔

كما في العالمگيرية: بعد ذكر هذه الاحتمالات. قالوا: وإنما يتحقق هذا الإشكال قبل البلوغ فاما بعد البلوغ والإدراک يزول الإشكال، فإن بلغ وجامع بذكره فهو رجل وكذا إذا لم يجامع بذكره؛ ولكن خرجت لحيته فهو رجل كذا في الذخيرة: وكذا إذا احتلم كما يحتلم الرجل أو كان له ثدي مستورو لو ظهر له ثدي كثدي المراة أو نزل له لبن في ثدييه أو حاض أو حبل أو امكن الوصول إليه من الفرج فهو امرأة وإن لم تظهر إحدى هذه العلامات فهو خنثى مشكل وكذا إذا تعارضت هذه المعالم كذا في الهداية، وأما خروج المني فلا اعتبار له لأنه قد يخرج من المرأة كما يخرج من الرجل كذا في الجوهرة النيرة قال وليس الخنثى يكون مشكلا بعد الإدراک على حال من الحالات

لأنه اما ان يحبل أو يحيض أو يخرج له لحية أو يكون له ثديان كثدى المرأة وبهذا يتبين حاله وإن لم يكن له شيء من ذٰلک فهو رجل لأن عدم نبات الثديين كما يكون للنساء دليل شرعي على انه رجل كذا في المبسوط لشمس الائمه السرخسيؒ جلد :۷،ص:۲۸۵) (۱)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذکر سے جماع کرنا اور ڈاڑھی نکلنا اور مردوں کی طرح احتلام ہونا اور پستان کا نہ ابھرنا علامات ذکورت کی ہیں اور پستان اُبھرآنا یا پستان میں دودھ اتر آنا یا حیض آنا یا مرد کا اس سے فرج میں صحبت کرسکنا علامات انوثت کی ہیں اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو حیض آتا ہے اور پستان بھی اُبھرآئی ہیں اور یہ علامتیں عورت ہونے کی ہیں اب دیکھنا چاہئے کہ ذکورت کی مذکورہ علامات میں سے بھی اس میں کوئی علامت ہے یا نہیں اگر ہے تو یہ خنثیٰ مشکل ہے ورنہ عورت (۲) ہے، عورت کے احکام مشہور ہیں اور خنثیٰ کے احکام بھی کتب میں مذکور ہیں اگر پھر بھی ضرورت استفسار کی ہو پوچھ لیا جاوے۔

۱۶/ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامس،ص:۲۵۳)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الخنثىٰ، الفصل الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم۶/۴۳۸، جديد ۶/۴۳۳۔

هداية، كتاب الخنثىٰ، مكتبه اشرفية ديوبند ۴/۷۰۱۔

الجوهرة النيرة، كتاب الخنثىٰ، دارالكتاب ديوبند ۲/۴۸۔

(۲) **وإنما لا يبقي الإشكال فيه بعد البلوغ فلابد أن يزول الإشكال بظهور علامة فيه فإنه إذا جامع بذكره أو خرجت له لحية أو احتلم كما يحتلم الرجال فهو رجل ...... وإن كان له ثديان مثل ثدي المرأة أو رأى حيضًا كما ترى النساء أو كان يجامع المرأة أو ظهر به حبل أو نزل في ثدييه لبن فهو امرأة لأن هذه علامات الفصل للبلوغ.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الخنثىٰ، دارالكتب العلمية بيروت ۳۰/۱۰۴-۱۰۵)

فإذا بلغ الخنثىٰ بالسن فإن ظهرت بعض علامات الرجال من نبات لحية أو قدرة على الجماع أواحتلام كالرجل أو كان له ثدي مستو فرجل أو فحكمه حكم الرجل فإن ظهر بعض علامات النساء من حيض و حبل وانكسار ثدي ونزول فيه و تمكين من الوطء فامرأة أي فحكمه حكم النساء، وإن لم يظهر شيء من علامات الذكورة ولا من علامات الأنوثة أوتعارضت هذه المعالم مثل ما إذا حاض وخرجت له لحية أو يأتي ويؤتى فمشكل أي فهو خنثىٰ مشكل لعدم المرجح. (مجمع الأنهر، كتاب الخنثىٰ، دارالكتب العلمية بيروت ۴/۴۶۸) ←

بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی سے روکنے کا حکم

سوال (۱۱۱۷): قدیم ۲/۲۶۲- بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی سے روکنا؟

الجواب : فَلما قال اللّٰه تعالیٰ: **فَلا تعضلوهُنَّ ان ينكِحن اَزواجَهُنَّ اِذَا تراضَوا بَيْنَهُم بِالمَعْرُوْفِ ذٰلکَ يُوعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنكُمْ يُؤمِنُ بِاللّٰه واليوم الأخر ذٰلِكم اَز كیٰ لكم وَاَطهر. الأية** (۱)

وقال الله تعالیٰ: وَاَنْكِحوا الايامىٰ مِنكم. الأية (۲)

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا علي لا تؤخر ثلا ثاً وعدّ منها الأيم إذا وجدت لها كفوا الحديث (۳)

اور اگر اس کو عار وعیب وننگ سمجھتا ہے تو خوف کفر ہے۔

لقوله تعالیٰ: فلا وربک لا يومنون حتىٰ يحكموک فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويُسلموا تسليما الأيه (۴) **ولقوله عليه السلام: لايُومن احدكم حتى يكون هواه تبعا لم جئتُ به. الحديث** (۵)

(امداد، ص:۱۲۶، ج:۲)

← تبيين الحقائق، كتاب الخنثیٰ، مكتبه زكريا ديوبند ۷/۴۴۱، امدادية ملتان ۶/۲۱۵ ۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) سورة البقرة، رقم الآية: ۲۳۲۔

(۲) سورة النور، رقم الآية: ۳۲۔

(۳) عن علي بن أبي طالبؓ، أن النبي صلي الله عليه وسلم قال له: يا علي ثلاث لا تؤخرها. الصلاة: إذا انت. والجنازة: إذا حضرت. والأيم: إذا وجدت لها كفوا. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الوقت الأول من الفضل، النسخة الهندية ۱/۴۳، دار السلام رقم: ۱۷۱)

(۴) سورة النساء، رقم الآية: ۶۵۔

(۵) عن عبد الله بن عمرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعًا لما جئت به. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، النسخة الهندية ۱/۳۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کئی بیویوں میں ہر ایک کے گھر شب باشی کرے یا ایک کے گھر میں سب کو بلائے

سوال (۱۱۱۸): قدیم۲/ ۲۶۲- ایک مرد مشائخ کے پاس تین یا چار عورتیں ہیں وہ فقط اپنی ایک عورت کے گھر میں سکونت پذیر ہے اور وہیں کھاتا پیتا سوتا ہے پھر وہ اسی گھر میں ہر نوبت والی عورت کے ساتھ بلا رضا مندی اس کے بلوا کر شب گزاری کرتا ہے۔ عورتیں اپنی سوکن کے گھر میں جانا پسند نہیں کرتیں بلکہ موت کو اس پر ترجیح دیتی ہیں اور وہ مرد کہتا ہے کہ میرے اوپر صرف یہ لازم ہے کہ شب گزاری میں مساوات کروں باقی ہر نوبت والی کے گھر اس کے دن (یعنی باری) میں جانا اور اس کے گھر میں شب گزار ہونا واجب نہیں اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ گو حضورﷺ برابر ہر نوبت والی کے گھر میں جایا کرتے تھے اور کسی بیوی کو آپ سوکن کے گھر میں نہیں بلاتے تھے لیکن اُن کا یہ عمل اختیاری تھا آپ کے فعل سے اُمت مرحومہ پر ایسا کرنا واجب نہیں اور ''یبیت عندھا'' اور ''اقام عندھا'' کے معنی اس طرح کرتا ہے کہ اس سے فقط شب گزار ہونا مقصود ہے نہ کہ اس کے گھر میں بیتوتت اور اقامت کرنا مطلوب وثابت ہے کیا اس مرد کے لئے ایسا کرنا جائز ہے اور ایسے معنی کرنا اس کا صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: في الدر المختار: ولو مرض هو في بيته دعا كلا في نوبتها الخ. وفي رد المحتار: هذا إذا كان له بيت ليس فيه واحدة منهن وإلا فإن لم يقدر على التحول إلىٰ بيت الأُخرى يقيم بعد الصحة عند الأُخرى بقدر ما أقام عند الأُخرىٰ، ثم يقسم بينهما (قبيل الرضاع) (۱)

وفي العالمگيرية: لا يجوز أن يجمع بين اضرتين أو الضرائر في مسكن واحد الابرضا هن للزوم الوحشة ولو اجتمعت الضرائر في مسكن واحد بالرضا يكره أن يطأ إحداهما بحضرة الأخرىٰ حتى لو طلب وطأها لم تلزمها الإجابة ولاتصير في الامتناع ناشزة ولاخلاف في هذه المسائل. (قبيل الرضاع فيما يتصل بذلک من المسائل) (۲)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، قبيل باب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٣٨٦، كراچي ٣/ ٢٠٧۔

(۲) الفتاوي الهندية، كتاب النكاح، الباب الحادي عشر في القسم، ومما يتصل بذلك مسائل، مكتبه زكريا ديوبند قديم ١/ ٣٤١، جديد ١/ ٤٠٧۔ ←

یہ روایات اس مرد کے قول کے ہر جزو کے بطلان میں صریح ہیں اور اس مرد کا یہ فعل بالکل ناجائز ہے۔(۱) واللہ اعلم

کتبہ اشرف علی عفی عنہ

۲۷/ رجب ۱۳۵۶ھ (النور، ص: ۷، رمضان ۱۳۵۷ھ)

الصراح في أجرة النكاح

بعد الحمد والصلوٰة والسلام لِلّٰه تعالیٰ علیٰ رسوله وآله واصحابه الكرام.

بہت روز سے میرے دل میں خیال تھا کہ اس نکاح خوانی کی اجرت متعارفہ کے متعلق کچھ تحقیق کیا جاوے؛ لیکن اتفاق سے آجکل خاص طور پر اس کا ایک استفتاء آ گیا؛ چونکہ اس کا جواب قدرے مفصل لکھا گیا جس سے وہ ایک چھوٹے رسالہ کے برابر ہو گیا اس لئے بمناسبت مضمون "الحق الصراح في اجرة الانكاح" اس کا نام رکھ دینا مناسب معلوم ہوا، وجہ استفتاء کی یہ ہوئی تھی کہ احقر نے ایک جگہ ایک حافظ صاحب کو نیابت سے منع کر دیا تھا اس لئے منیب کے صاحبزادے نے بغرض اپنے والد ماجد کو کہ ان کا قیام دوسری جگہ ہے حکم شرعی سے اطلاع دینے کے اس کی تحقیق کی۔ **فبارک الله تعالیٰ فیهم۔** العبد محمد اشرف علی عفی عنہ

← البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم، قبيل كتاب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۸۵، کوئٹہ ۳/۲۲۱۔

(۱) **ولم أر كيفية قسمه في مرضه حيث كان لا يقدر على التحول إلى بيت الأخرىٰ والظاهر أن المراد أنه إذا صح ذهب عند الأخرى بقدر ما أقام عند الأولىٰ مريضا ولا يخفى أنه إذا كان الاختيار في مقدار الدور إليه حال صحته ففي مرضه أولىٰ فإذا مكث عند الأولىٰ مرة أقام عند الثانية بقدرها (إلى قوله) ولايجمع بين الضرائر إلا بالرضى ويكره وطء إحداهما بحضرة الأخرى.** (النهر الفائق، كتاب النكاح، باب القسم، قبيل كتاب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۹۶-۲۹۷)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۳/۱۸۷۔

البحر الرائق، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۳۸۳-۳۸٤، کوئٹہ ۳/۲۲۰۔

لايجوز أن يجمع بين الضرائر إلا بالرضا، ويكره وطء إحداهما بحضرة الأخرىٰ فلها أن لاتجيبه إذا طلب. (فتح القدير، كتاب النكاح، باب القسم، قبيل كتاب الرضاع، مكتبه زكريا ديوبند ۳/٤۱۷، کوئٹہ ۳/۳۰٤) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۱۱۱۹): قدیم ۲/۲۶۴- حضرت اقدس جناب مولانا صاحب مدظلہ العالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حافظ صاحب نے رجسٹر نکاح یہ فرما کر واپس کر دیا ہے کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اوّل تو یہ آمدنی ناجائز ہے اور اگر طوعاً وکرہاً جائز بھی ہوئی ہے تو اس طرح ناجائز ہوجاتی ہے کہ تم اس میں سے کچھ جزو قاضی صاحب کو دیتے ہو جو مقدمہ رشوت ہے رشوت جبریہ تو جائز ہے بھی مگر یہ رشوت طبعی ہے بلا کسی دباؤ کے محض بغرض انتفاع اس لئے ناجائز ہے۔ جناب والد صاحب یہاں تشریف نہیں رکھتے جو اس کام کو خود انجام دیتے یا کوئی انتظام فرماتے لہذا میری غرض یہ ہے کہ ان کی خدمت میں بذریعہ عریضہ کل احکام متعلقہ جواز وعدم جواز عرض کر دوں تا کہ انتظام میں سہولت ہو ورنہ خدا جانے کیا انتظام ہو اور ناحق بھی مبتلائے گناہ ہونا پڑے پس گزارش ہے کہ جناب ضروری احکام متعلقہ سے مطلع فرما کر سرفراز فرماویں گے اور نیز اس سے بھی مطلع فرما دیں گے کہ آیا بطور تنخواہ دار کے کسی شخص سے یہ کام لیا جاوے تو جائز بھی ہے یا نہیں اطلاعاً یہ بھی گزارش ہے کہ لوگ نکاح خواں کا حق صرف چار ہی آنہ خیال کرتے ہیں باقی ایک روپیہ قاضی صاحب کے نام کا ہوتا ہے جس کو عطیہ یا نذرانہ جو کچھ بھی ہو کہنا چاہئے اور اکثر ایسا ہوا بھی ہے کہ قاضی صاحب کے نام کا روپیہ انھوں نے نکاح خواں کو نہیں دیا خود اپنے آپ آکر دے گئے ہیں مکرر یہ ہے کہ اگر حافظ صاحب نے یہ کام نہ کیا تو اور لوگوں سے یہ اُمید نہیں کہ وہ مسائل کی تحقیق کریں گے پس بہت سے نکاح خلاف شرع ہوا کریں گے؟

الجواب: اس کا مجمل جواب تو یہ ہے کہ مولانا محمد اسحٰق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل اربعین میں ایک ایسے سوال کے جواب میں خزانۃ الروایات سے استدلال کر کے اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے چنانچہ وہ سوال وجواب مع روایات نقل ہوتا ہے۔

مسئلہ: بعد نکاح بقاضی ووکیل وشاہداں کہ از طرف عروس می آیند بخوشی خود بدون مطالبۂ شان چیزے دادن جائز است یا نہ؟

جواب: دادن ایں مرد ماں بدون مطالبہ وجبر از طرف ایشاں مباح است واگر جبر کنند وخواہ مخواہ بکد واصرار طلب نمایند وبگیرند پس مباح نیست چنانچہ در کتاب خزانۃ الروایات مرقوم است۔(۱)

---

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

وممـاسنّه القضاة في دارالإسلام ظلم صريح وهوان يأخذوا من الأنكحة شيئا، ثم يـجيـزون أولياء الزوج والزوجة بالمناكحة فإنهم ما لم يرضوا بشيء من أولياء هما لم يـجيـزوا بـذلک فـإنه حرام للقاضي والمناكح انتهى الجواب المذكور قلت فكما ان الإجازة غيـر متـقـومة لا يـحل العـوض عنها كذلک الجاه والعقود الفاسدة التي هي المنشاء في الأكثر لهذا الأخذ كما سياتي غير متقومة لايحل العوض عنها.

اور مفصل جواب یہ ہے کہ جو چیز کسی کو دیجاتی ہے اُس کی دو حالتیں ہیں یا تو بعوض دیا جاتا ہے یا بلا عوض اور جو بعوض دیا جاتا ہے دو حال سے خالی نہیں یا تو ایسی شئ کا عوض ہے جو شرعاً متقوم وقابل عوض ہے یا ایسی شئ کا عوض ہے جو شرعاً متقوم وقابل عوض نہیں خواہ حقیقۃً جیسا عقود باطلہ میں ہوتا ہے یا حکما جیسا عقود فاسدہ میں ہوتا ہے اور جو بلا عوض دیا جاتا ہے وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو محض طیب خاطر اور آزادی سے دیا جاتا ہے یا تنگی خاطر وکراہت قلب سے دیا جاتا ہے خواہ وہ تنگی اور کراہت زیادہ ہو یا کم ہو یہ کل چار قسمیں ہوئیں:

قسم اوّل: جو متقوم شئے کے عوض میں حاصل ہو۔

قسم دوم: جو چیز غیر متقوم شئے کے عوض میں حاصل ہو۔

قسم سوم: جو بلا عوض بطیب خاطر حاصل ہو۔

قسم چهارم: جو بلا عوض بکراہت حاصل ہو۔

قسم اوّل بوجہ اُجرت یا ثمن ہونے کے اور قسم سوم بوجہ ہدیہ وعطیہ ہونے کے حلال ہے۔(۱)

---

(۱) اعـلـم بـأن الهبة عقد جائز ثبت جوازه بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالىٰ: وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا. [سورة النساء:٨٦]

والـمـراد بالتحية: العطية، وقيل: المراد بالتحية السلام. والأول: أظهر؛ فإن قوله: أو ردوهـا يتـناول ردها بعينها وإنما يتحقق ذلک في العطية، وقال الله تعالىٰ: فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئاً مَرِيْئاً. [سورة السناء:٤]

وإبـاحة الأكل بطريق الهبة دليل جواز الهبة. والسنة: حديث أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الواهب أحق بهبته ما لم يثب منها؛ ولأنه من باب الإحسان وإكتسـاب سبـب التودد بين الإخوان وكل ذلک مندوب إليه بعد الإيمان وإليه أشار رسول الله صـلـى اللهعليه وسلم بقوله: تهادوا تحابوا. (المبسوط للسرخسي، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/ ٤٧-٤٨)

اور قسم دوم بوجہ رشوت یا ربوا حقیقی یا حکمی ہونے کے اور قسم چہارم بوجہ ظلم یا جبر فی التبرع ہونے کے حرام ہے(۱) اب دیکھنا چاہئے کہ نکاح خوانی کی آمدنی کون قسم میں داخل ہے تاکہ اُس کا ویسا ہی حکم ہوا گر قسم اول میں داخل کہا جاوے جیسا خود نکاح پڑھنے والے کی نسبت اس کا ظاہراً احتمال ہوسکتا ہے؛ کیونکہ جو خود نکاح پڑھنے نہ جاوے وہاں تو اس کا احتمال ہی نہیں؛ البتہ نکاح خواں کے اعتبار سے ظاہراً اس کا شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ نکاح خواں کے اس عمل کی اُجرت ہے، مگر غور کرنے کے بعد یہ احتمال صحیح نہیں رہتا کیونکہ صحت اجارہ کے لئے شرعاً چند امور لازم ہیں وہ یہ کہ کام لینے والے کو پورا اختیار ہو جس سے چاہے کام لے اور کام کرنے والے کو پورا اختیار ہو کہ کام کرے یا نہ کرے اور اسی طرح مقدار اُجرت ٹھیرانے میں کام لینے والے کو پورا اختیار ہو کہ جس قدر چاہے کم کہہ سکے اور زیادہ پر راضی نہ ہو اور کام کرنے والے کو بھی پورا اختیار چاہے زیادہ مانگے ان امور میں اپنی آزادی واختیار سے متنفع ہونے میں ایک پر دوسرے کی طرف سے کوئی طعن یا ملامت مانع نہ ہو(۲)

---

(۱) **عن عبد الله بن عمرؓ وقال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي.** (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحكم، النسخة الهندية ۱/ ۲۴۸، دار السلام رقم:۱۳۳۷)

عن أبي سلمة بن عبد الرحمن عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار. (مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم بيروت ۳/ ۲۴۷، رقم:۱۰۳۷)

المعجم الأوسط للطبراني، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۵۰، رقم:۲۰۲۶۔

أخذ الرشوة حرام بإجماع الفقهاء. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۰/ ۷۶)

قال الله تعالیٰ: اَحَلَ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِبَا. [سورة البقرة:۲۷۵]

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه في حديث طويل: قال: فإن دماء كم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا إلى يوم تلقونه، ثم قال: اسمعوا مني تعيشوا، ألا لاتظلموا، ألا لاتظلموا، ألا لاتظلموا إنه لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه الحديث. (المسند للإمام أحمد بن حنبل، بيروت ۵/ ۷۲، رقم: ۲۰۹۷۱)

لأن الجبر على التبرع ليس بمشروع. (هندية، كتاب الشفعة، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند ۵/ ۱۶۰، جديد ۵/ ۱۸۸)

(۲) **يشترط في العاقدين للصحة أن يقع بينهما عن تراض؛ فإذا وقع العقد مشوبا بإكراه، فإنه يفسد.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱/ ۲۵۸) ←

اور یہ سب امور مسئلہ مبحوث عنہا میں مفقود ہیں؛ کیونکہ گو کام لینے والے کو اس میں تو آزادی حاصل ہے کہ کسی سے مفت نکاح پڑھوالے؛ لیکن اگر وہ اُجرت پر کسی نئے شخص سے نکاح پڑھوالے مثلاً مجمع حاضرین میں سے کیفما اتفق کسی کو کہدے کہ تم پڑھ دو اور وہ اُجرت تم کو دیں گے یا اسی مقرر نکاح خواں سے کہے کہ تم دوسری جگہ اتنا لیتے ہو ہم تو اس سے نصف دیں گے اگر نہیں پڑھتے تو ہم کسی دوسرے کو بلالیں گے یا اسی طرح اگر کام دینے والا نہ تو خود جاوے اور نہ اپنی طرف سے کسی کے بھیجنے کا اہتمام کرے بلکہ صاف جواب دیدے کہ کچھ ہمارے ذمہ نہیں یا یوں کہے کہ گو اور جگہ سے ایک روپیہ لیتا ہوں مگر تم سے دس لوں گا چاہے لے چلو چاہے نہ لے چلو تو ضرور ان چار صورتوں میں ایک دوسرے کی طرف سے بھی اور عام سننے دیکھنے والوں کی طرف سے سخت ملامت ہوگی کہ لو صاحب ہمیشہ سے تو اس طرح چلا آرہا ہے انھوں نے یہ نئی بات نکالی اور سب قائل معقول کر کے اسی رسم قدیم پر اس کو مجبور کریں گے۔

پس جب صحت اجارہ کے شرائط مفقود ہیں تو اجارہ مشروعہ نہ رہا پھر اُجرت کہنے کی گنجائش کہاں رہی پھر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح خواں بلانے والے کا اجیر نہیں سمجھا جاتا بلکہ خود اصل قاضی کے خیال میں بھی اور دوسرے عوام کے خیال میں بھی اصل قاضی کا نوکر سمجھا جاتا ہے چنانچہ وہ قاضی اس کو جب چاہے معزول کر دیتا ہے اور اس صورت میں اس کا غیر مشروع ہونا اور زیادہ ظاہر ہے کیونکہ نوکر کسی کا اور اُجرت کسی کے ذمہ یہ خود باطل ہے اور شرع میں اس کی کوئی نظیر نہیں اور اگر قسم سوم میں داخل کیا جاوے جیسا خود نکاح نہ پڑھنے والے کی نسبت اس کا ظاہراً احتمال ہوسکتا ہے کیونکہ جو شخص نکاح پڑھانے گیا ہے وہاں تو مفت ملنے کا احتمال ہی نہیں البتہ غیر نکاح خواں کے اعتبار سے ظاہراً علی عکس القسم الاول اس کا شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس کو عطیہ و ہدیہ کے طور پر دیا گیا ہے جیسا سوال میں اس سے تعرض بھی ہے مگر غور کرنے کے بعد یہ احتمال بھی صحیح نہیں رہتا کیونکہ مشروعیت ہدیہ کے لئے بھی چند امور لازم ہیں وہ یہ کہ نہ تو دینے والا اس کو لینے والے کا اور نہ خود لینے والا اس کو اپنا حق سمجھے اور دینا بھی ضروری نہ سمجھا جاوے

← **أما كون العاقد طائعا مختارا عامدا فليس بشرط لانعقاد هذا العقد ولا لنفاذ عندنا لكنه من شرائط الصحة.** (الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الأول، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٤/ ٤١٠، جديد ٤/ ٤٤٠)

بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، شروط انعقاد الإجارة ثلاثة، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٩، كراچي ٤/ ١٧٦۔

اور اسی طرح مقدار ہدیہ میں دینے والے کو اختیار ہو کہ خواہ کم دے یا زیادہ دے غرض یہ کہ نہ دینے میں بھی ملامت نہ ہو اور کم دینے پر بھی ملامت نہ ہو(۱) اور مسئلہ مبحوث عنہا میں یہ امور بھی مفقود ہیں کیونکہ گو بعضے لوگوں کو اس میں آزادی حاصل ہے کہ بالکل نہ دیں چنانچہ جو لوگ اس سے پورے واقف ہیں کہ ان کا کوئی حق نہیں وہ بالکل نہیں دیتے اور ان پر ملامت بھی نہیں کی جاتی لیکن عوام میں سے جو لوگ دیتے ہیں وہ بیشک یہی سمجھ کر دیتے ہیں کہ ان کا حق ہے خواہ بوجہ قدامت کے کہ ان کے بڑوں سے یہ بات چلی آرہی ہے خواہ اس خیال سے کہ ان کو اس کام پر سرکار نے مقرر کر دیا ہے، خواہ بوجہ زمین داری کے کہ ہم ان کی رعایا ہیں جیسا کہ مختلف مقامات پر مختلف عادات و خیالات ہیں غرض دینے والے بھی حق سمجھتے ہیں اور لینے والے بھی بعضے ویسے بھی حق سمجھتے ہیں؛ چنانچہ بعض ان میں قرض خواہوں کی طرح مانگ بھیجتے ہیں اور بعضے تدبیرات و تقریرات سے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ عوام میں یہ خیالات جاگزیں رہیں کہ یہ ان کا حق ہے حتیٰ کہ اگر دوسرا ان ہی طرح اس کام کو کرنا شروع کر دے تو اس سے آزردہ اور اس کے درپے ہوتے ہیں کہ یہ ہمارے حق میں خلل ڈالتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی بجائے روپیہ کے آنہ دو آنہ دینا چاہے تو خود لینے والا بھی اور دوسرے لوگ بھی اس کو طریقہ مقررہ کے خلاف سمجھ کر موجب ملامت قرار دیں گے جب مشروعیت ہدیہ کے شرائط مفقود ہوئے پھر ہدیہ کہنے کی گنجائش کہاں رہی۔ جب اس آمدنی کا قسم اول وسوم میں داخل نہ ہونا ثابت ہو گیا پس لامحالہ قسم دوم یا چہارم میں داخل ہوگی جس کی وجہ قسمیں منفیین کی تقریر نفی سے خود ظاہر ہو چکی ہے اور تنبیہ مکرر کے لئے اس کا خلاصہ پھر عرض کئے دیتا ہوں کہ بدون نکاح پڑھے دینا جیسا اکثر منیب کو ملتا ہے یا تو ان کے جاہ و قدامت و زمینداری کے عوض میں ہے اور یہ سب امور غیر متقوم ہیں تب تو یہ دینا رشوت ہوگا اور یا پابندی رسم کے سبب حق سمجھنے کی وجہ سے ہے تو یہ جبر في التبرع ہوگا اور نکاح پڑھوا کر دینا جیسا اکثر نائب کو اور کہیں منیب کو ملتا ہے یہ اجارہ فاسدہ پر مبنی ہے اور خصوصا جبکہ نائب نوکر قاضی کا سمجھا جاوے تو یہ آمدنی اجارہ غیر مشروع کی حکما ربوا ہوگی۔ جب اس کا قسم دوم یا چہارم میں داخل ہونا ثابت ہو گیا تو ان دونوں قسموں کا جو حکم تھا یعنی عدم جواز وہ بھی ثابت ہو گیا اور یہ تقریر تو اس عمل کی نفس حقیقت کے اعتبار سے تھی اور اگر اس کیساتھ ایک امر خارجی کو بھی ملاحظہ فرمایا جاوے جو کہ وقوع میں اس کا مقترن ہے وہ یہ کہ اکثر جگہ عادت ہے کہ نکاح خوانی کے لئے بلانے والا تو دولہن والا ہوتا ہے اور نکاح خوانی دلواتے ہیں دولھا والے سے اور وہ بوجہ پابندی رسم کے خواہ مخواہ دیتا ہے

---

(۱) **أن الهبة من المكره لا تصح لأن شرط صحة الهبة تمام الرضا والإكراه يعدم الرضا.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ۵۲/۱۲)

جو کہ شرعاً محض ناجائز ہے کہ بلا وجوب شرعی کسی سے کوئی رقم اس کو ضروری ولازم قرار دیکر وصول کی جاوے تو اس عارض کی وجہ سے اس کا عدم جواز اور زیادہ مؤکد ہو جاوے گا غرض باعتبار نفس عمل کے بھی اور باعتبار اس عارض کے بھی یہ رقم ناجائز ٹھیری اور یہ تمام کلام خود لینے والے کے اعتبار سے ہے اور دوسرے کو دینا جیسا نائب کے ذمہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک بڑا حصہ اس رقم کا اپنے منیب کو دے سو یہ دینا محض اس بناء پر ہوتا ہے کہ اس نے مجھ کو اس کام کیلئے اجازت دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اجازت دینا شریعت میں امر غیر متقوم ہے اور غیر متقوم کے عوض میں دینا رشوت ہے اور رشوت بلاضرورت دفع ظلم دینا حرام ہے پس اس دینے والے کو ایک گناہ رشوت دینے کا اور زائد ہوا (۱) غرض جو صورتیں اس کی متعارف ہیں اس میں کسی کو نہ لینا جائز ہے اور نہ دینا جائز ہے اور اس میں نائب ومنیب اور شادی والے سب آ گئے جیسا بوجہ اکمل والبسط اس کی تفصیل گزر چکی اب ان متعارف صورتوں کے علاوہ دو صورتیں اور رہ گئی جن میں ظاہراً جواز کا احتمال معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ بطور اجارہ کے قاضی کسی کو نوکر رکھ کر اس کی تنخواہ مقرر کر دیں اور اس سے کام لیں جس سے سوال میں بھی تعارض ہے۔

دوسرے یہ کہ بطور شرکت تقبل کے قاضی میں اور دوسرے کسی شخص میں باہم قرارداد ہو جاوے کہ دونوں نکاح پڑھا کریں اور جو کچھ دونوں کو آمدنی ہو وہ فلاں نسبت سے باہم تقسیم کر لیا کریں سو تامل کرنے کے بعد ان میں بھی جواز نہیں معلوم ہوتا مثلاً اوّل صورت میں اگر اس کو اجیر خاص کہا جاوے

---

(۱) **عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي.** (جامع الترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحكم، النسخة الهندية ۲۴۸/۱، دار السلام رقم:۱۳۳۷)

أبوداؤد شريف، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ۵۰۴/۲، دارالسلام رقم:۳۵۸۰۔

ابن ماجه شريف، كتاب الأحكام، باب التغليظ في الحيف والظلم، النسخة الهندية ص:۱۶۷، دارالسلام رقم: ۲۳۱۳۔

عن أبي سلمة بن عبد الرحمن رضي الله عنه عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار. (مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم بيروت ۲۴۷/۳، رقم:۱۰۳۷)

المعجم الأوسط للطبراني، دار الكتب العلمية بيروت ۵۵۰/۱، رقم:۲۰۲۶۔

تو اُس میں دوسرے کی نوکری نہیں کرسکتا (۱) حالانکہ اس میں نائب کو اس میں ممانعت نہیں ہوتی اور اگر اجیر مشترک کہا جاوے تو اجیر مشترک ہر شخص کا جو کام چاہے کرسکتا ہے (۲)؛ حالانکہ یقینی بات ہے کہ اگر قاضی کو معلوم ہو جاوے کہ یہ نائب کچھ نکاح میری طرف سے پڑھتا ہے اور کچھ دوسرے شخص کی طرف سے جو اتفاقاً مثل قاضی کے وہ بھی یہی کام کرتا ہو تو یقیناً اس نائب کو معزول کردے گا پھر دونوں شقوں میں محذور مشترک یہ ہے کہ خود قاضی میں اور اہل تقریب میں باہم کوئی عقد اجارہ نہیں ٹھہرتا پھر اس قاضی کو اجرت لینا کسی طرح جائز ہوگا اور اگر کہا جاوے یہی نائب وکالۃً اہل تقریب سے عقد اجارہ ٹھیرالے جو مثل قبول قاضی کے ہوگا اس کا جواب ایک تو ان پر دونوں شقوں کے جدا جدا محذور سے معلوم ہوگیا؛ کیونکہ جواز اور عدم جواز کے مقتضیات جمع ہونے سے عدم جواز کا مقتضیٰ موثر ہوگا دوسرا جواب آگے شرکت تقبل کے محذور سوم میں آتا ہے۔

---

(۱) **والأجير الخاص هو الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه في المدة وإن لم يعمل وإنما سمى خاصًا؛ لأنه يختص بعمله دون غيره؛ لأنه لا يصح أن يعمل لغيره في المدة.** (الجوهرة النيرة، كتاب الإجارة، دارالكتاب ديوبند ۱/۳۱۳)

وأما الخاص فهو الذي يجب عليه أن لا يعمل لغير من استأجره وذلک كالأجير اليومي الذي له أجرة يومية فإنه لا يصح أن يشغل وقته بشيء غير العمل المستأجر. (الفقه على المذاهب الأربعة، مباحث الإجارة، دارالفكر بيروت ۳/۱٤٦)

الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مكتبه زكريا ديوبند ۹/۹٦، كراچي ٦/۷۰۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۵/۳۰، رقم:۲۲۰۲۵۔

(۲) **الأجير المشترک من يعمل لا لواحد أو يعمل له عملا غير مؤقت أو مؤقتا غير تخصيص.** (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مكتبه زكريا ديوبند ۹/۸۷، كراچي ٦/٦٤)

الأجير المشترک من يعمل لغير واحد. (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، فصل قبيل باب فسخ الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت۳/۵٤۳)

البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مكتبه زكريا ديوبند ۸/٤٦، كوئٹه۸/۲٦

یہ تحقیق تو اوّل صورت کی ہوئی اور دوسری صورت یعنی شرکت تقبل اولا تو ایسا واقع نہیں کیونکہ قاضی کو جو ملتا ہے اس میں سے نائب کو کچھ نہیں دیا جاتا دوسرے ہدایہ کتاب القسمۃ میں مصرح ہے کہ جو لوگ تقسیم کا کام اُجرت پر کرتے ہوں حاکم اسلام کو چاہئے کہ ان کو باہم شریک نہ ہونے دے کہ عمل تقسیم کی اُجرت گراں نہ ہو جاوے (۱) یہی حال ہے نکاح خوانی کا کہ ضرورت اس کی دنیا اور دین دونوں اعتبار سے ہر شخص کو پڑتی ہے اور اکثر نکاح خواں لوگ باوجاہت ہوتے ہیں اگر سب جدا جدا رہیں گے ہر شخص ارزاں ملے گا اور اگر سب شریک ہو گئے تو گراں ہو جاویں گے۔

تیسری خرابی وہی ہے کہ جو قسم سوم کی نفی میں مذکور ہوئی ہے کہ عرفاً یہ قاضی کا حق مختص سمجھا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اختصاص کا کوئی استحقاق نہیں اور جو شخص قاضی یا نائب قاضی کو بلاتا ہے اسی استحقاق واختصاص کی بناء پر بلاتا ہے پس قاضی کا اجیر بنانا واجب اس بناء فاسد پر مبنی ہے تو خواہ وہ بالانفراد اجیر ہو جیسا ابھی صورت اولیٰ میں مذکور ہوا جس میں حوالہ اسی محذور سوم کا دیا گیا ہے اور خواہ بالاشتراک اجیر ہو جیسا اس صورت دوم میں فرض کیا گیا ہے ہر حالت میں بناء الفاسد علی الفاسد کے سبب ناجائز ہوگا پس سابقہ متعارف صورتیں اور اخیر کی غیر متعارف صورتیں سب ناجائز قرار پائیں؛ البتہ اگر مثل دیگر معمولی اجارات تعلیم اطفال وفرائض نویسی اور دوسری صنعتوں اور حرفتوں کے اس کی بھی حالت رکھی جاوے کہ جس کا دل چاہے جس کو چاہے بلاوے اور کسی کی خصوصیت نہ سمجھی جاوے اور جس اُجرت پر چاہیں جانبین رضامند ہو جاویں نہ کوئی اپنے کو اصل مستحق قرار دے نہ دوسروں کے ذہن میں اس کو پیدا کیا جاوے اور اگر اتفاق سے کوئی دوسرا یہ کام کرنے لگے نہ اس سے رنج وآزردگی ہو اگر نائب نیابت سے دستبردار ہو کر خود مستقل طور پر یہ کام شروع کر دے نہ اس کی شکایت ہو اور شہر میں جتنے چاہیں اس کام کو کریں ان سب کو آزاد سمجھا جاوے ہاں جو اس کا اہل نہ ہو اس کو خود ہی جائز نہ ہوگا وہ ایک عارض کی وجہ سے روکا جاوے گا جیسا کوئی امام اگر قرآن صحیح نہ پڑھتا ہو امامت سے روکا جاوے

---

(۱) **لا يترك القسام يشتركون كيلا تصير الأجرة غالية بتوا كلهم، وعند عدم الشركة يتبادر كل منهم إليه خيفة الفوت فيرخص الأجر.** (الهداية، كتاب القسمة، مكتبه اشرفية ديوبند ٤/ ٤١١)

ولايجبر الناس على قاسم واحد أي لا يعين القاضي قاسما واحدا للقسمة؛ لأنه يتحكم في الزيادة على أجر مثله ولا يترك القسام ليشتركوا أي يمنعهم القاضي من الاشتراك كيلا تصير الأجرة غالية بتواكلهم وعند عدم الشركة يتبادر كل منهم إليه خيفة الفوت فيرخص الأجر بسبب ذلك. (مجمع الأنهر، كتاب القسمة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٢٧)

الدر المختار مع الشامي، كتاب القسمة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٣٧٣، كراچي ٦/ ٢٥٧۔

لیکن جو بہت سے آدمی اس کے اہل ہوں تو ان میں مختلف ومتعدد آدمی اس کام کو کرنے کے مختار سمجھے جاتے ہیں اسی طرح اس نکاح کے ساتھ معاملہ کیا جاوے اور نیز بلانے والا اپنے پاس سے اُجرت دے دولھا والوں کی تخصیص نہ ہو اس طرح البتہ جائز اور درست ہے (۱) غرض دوسرے اُجرت کے کاموں میں اوراس میں کوئی فرق نہ کیا جاوے یہ تحقیق ہے اس اُجرت نکاح خوانی کے متعلق اور جو مضمون اخیر میں مکرر کے عنوان سے لکھا اس کا جواب بہت واضح ہے کہ دوسرے شخص کے دین سنور نے کے لئے اپنا دین بگاڑنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا خصوصاً جبکہ اس کا دوسرا طریقہ بھی ممکن ہو جیسا کہ احقر نے ابھی عرض کیا تھا کہ اس پیشہ کو عام رکھا جاوے مگر نا اہل کو نہ بلایا جاوے اس کا تو کام لینے والے خود یا کسی ذی علم سے دریافت کر کے انتظام کر سکتے ہیں دوسرے یہ کہ اس انتظام متعارف میں بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ بہت جگہ نا اہل اس کام کو کر رہے ہیں پھر اس انتظام کی پابندی سے شرعاً کون نفع خاص ہوا اور پابندی نہ کرنے سے کون ضرر خاص ہوا پھر یہ کہ قاعدہ شرعی ہے کہ جب کسی امر میں مفسدہ ومصلحت جمع ہو جاویں مفسدہ موثر ہوتا ہے مصلحت مؤثر نہیں ہوتی (۲) پس اگر اس مصلحت کو تسلیم بھی کیا جاوے تو اس قاعدہ کی بناء پر اس عمل کی اجازت نہ دی جاوے گی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۲۱/محرم ۱۳۲۴ھ (امداد، ص:۶۳، ج:۳)

---

(۱) قال في البزازية من كتاب القضاء: وإن كتب القاضي سجلا أو تولي قسمة وأخذ أجرة المثل له ذلك ولو تولىٰ نكاح صغيرة لا يحل له أخذ شيء؛ لأنه واجب عليه وكل ما يجب عليه لا يجوز أخذ الأجر عليه وما لا يجب يجب أخذ الأجر وذكر عن البقالي في القاضي يقول: إذا عقدت عقد البكر فلي دينار، وإن ثيبًا فلي نصفه إنه لا يحل له، إن لم يكن لها ولي فلو كان ولي غيره يحل بناء على ما ذكروا. (البحر الرائق، كتاب الوقف، قبيل أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٤٠٨، كوئٹه ٥/٢٤٣)

ولو تولّي القاضي القسمة لا يحل له أخذ الأجرة؛ لكن يحل له الأجرة على الكتابة ولا يحل له أخذشيء على النكاح، إن كان نكاحًا يجب عليه مباشرته كنكاح الصغائر وفي غيره يحل.
(خلاصة الفتاوى، كتاب القضاء، الفصل العاشر في الحظر والإباحة، مكتبه اشرفية ديوبند ٤/٤٨)

الفتاوى الهندية، كتاب القضاء، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي وما ينبغي للقاضي، مكتبه زكريا ديوبند قديم ٣/٣٤٥، جديد٣/٣٠٦۔

(۲) ونظير القاعدة الرابعة، قاعدة خامسة وهي درء المفاسد أولىٰ من جلب المصالح ←

در تحقیق اجرۃ الانکاح

(۱) **سوال** (۱۱۲۰): قدیم ۲/ ۲۷۰- بحضور فیض گنجور مولانا صاحب مدظلہ تسلیم۔

← **فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات، ولذا قال عليه الصلاة والسلام إذا أمرتكم بشيء فأتوا منه ما استطعتم وإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه، وروي في الكشف حديثا لترك ذرة مما نهي الله عنه أفضل من عبادة الثقلين، ومن ثم جاز ترك الواجب دفعًا للمشقة.** (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الخامسة، الضرر يزال، مكتبه زكريا ديوبند قديم ص:۱٤۷، جديد ۱/ ۲٦٤) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۱) **خلاصۂ ترجمۂ سوال نمبر ۳۵۵:** بخدمت عالی جناب مولانا صاحب مدظلہ فتاوی امدادیہ اور ایک علاحدہ رسالہ میں نکاح خوانی کی اجرت کے بارے میں حضور والا کی تحقیق نظر سے گذری چوں کہ آنجناب حکیم الامت ہیں اور تمام لوگ خصوصا علماء حضرات کی جماعت دیار ہند میں اسلامی دور حکومت کے آغاز سے اب تک اس امر میں مبتلاء ہیں؛ لہٰذا اس کے جواز کی تاویل کرنا ضروری ہے علامہ شامیؒ نے فتاوی حامدیہ کی تنقیح میں سگریٹ نوشی کے مسئلے سے متعلق فرمایا ہے: **مع أن في الافتاء بحله دفع الحرج عن المسلمين، فإن أكثرهم مبتلون بتناوله.**

نیز اس حقہ نوشی کی حلت کا فتوی دینے کا مقصد مسلمانوں سے حرج کو دور کرنا ہے؛ کیونکہ کہ اکثر مسلمان حقہ نوشی میں مبتلا ہیں۔ نیز حوادث الفتاوی ۱۳۳۱ھ ص: ۱۱۱/۳ پر ''مزدور کاشت کاروں کو کرائے پر رکھنے میں عمل اور اجرت کا متعین نہ ہونا'' اس مسئلے کی تحقیق میں حضور والا فرماتے ہیں: ''بوجہ ابتلاء عام کے اس عقد کو اس تاویل سے جائز کیا جاوے'' آپ نے عوام کو چھٹکارا دلانے کے لئے بہت دور کی تاویل اختیار کی ہے؛ لہٰذا ہمارے پیش نظر مسئلے میں کبھی ضرور بالضرور نظر ثانی فرمائیں اور نسلوں کو گمراہی میں پڑنے اور حرام مال کھانے سے بچالیں ورنہ معاملہ بہت مشکل ہے اور آپ کا وجود مسعود حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی برکت سے پوری امت کے لئے رحمت کا باعث ہے؛ لہٰذا اس مسئلے میں بھرپور غور وخوض اور نظر ثانی فرمالیں، اور آپ کی مشقت کو کم کرنے کے لئے میں تمام مالہ وماعلیہ جواز کی روایات اور علماء کے فتاوی حاضر خدمت کرتا ہوں، حضور غور فرما کر واپسی میں مطلع فرمائیں۔ ٹکٹ برا بلاغ است

مولوی حضرات اور ان کا افسر جن کو قاضی گرد اور کہا جاتا ہے یہ اجرت اپنے عمل کے بدلے میں لیتے ہیں اور صورت مسئلہ جو کہ ''انجمن مستشار العلماء'' کے علماء حضرات کے سوال وجواب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے وہ ہمارے سامنے ہے، یعنی اجازت اور وجاہت کا بدلہ نہیں ملتا اور نہ ہی اجازت اور وجاہت کا بدلہ ہمارے پیش نظر مسئلے میں متصور ہے کہ امداد الفتاوی میں آپ نے مولانا اسحاق دہلویؒ کی جس روایت سے استدلال کیا ہے، ←

تحقیق حضور درباره اُجرت نکاح خوانی درفتاویٰ امدادیہ وعلیٰحدہ رسالہ دیدہ شد۔ چونکہ حضور حکیم الامت اند تمام مخلوق سیما طائفہ علماء وملایان دریں امر مبتلا اند از اول وقت حکام اسلام در دیار ہند تا حال لہٰذا تاویل صحت آں ضروری است علامہ شامی درباره مسئلہ شرب دخاں در تنقیح فتاوی حامدیہ فرمودہ۔

مع ان في الافتاء بحله دفع الحرج عن المسلمين، فإن أكثرهم مبتلون بتناوله.

اور نیز حضور والا در حوادث الفتاویٰ ۱۳۳۱ھ، ص: ۱۱۳، درمسئلہ تحقیق عدم تعین عمل واُجرت در استیجار عمال مزار عین فرمودند۔ بوجہ ابتلاء عام کے اس عقد کو اس تاویل سے جائز کہا جاوے ۱۲ بغرض خلاص عوام نہایت بعید تاویل اختیار فرمودند در مانحن فیہ ضرور بالضرور نظر ثانی فرمایند۔ ومخلوق را از ورطۂ ضلالت واکل حرام خلاص دہند۔ ورنہ امر نہایت صعب است وجود حضور رحمت است برائے امت مرحومہ ببرکت حاجی حرمین الشریفین علیہ الرحمتہ والغفران ضرور دریں مسئلہ خوض اتم ونظر ثانی بغور فرمایند برائے دفعہ تکلیف حضور تمام مالہ وما علیہ وروایات جواز وفتاویٰ علماء کرام بندہ درگاہ حاضر خدمت می کند جناب تعمق نظر فرمودہ بواپسی اطلاع فرمایند ٹکٹ دو پیسہ ابلاغ است۔ ملایاں وافسر اوشان مسمیٰ بہ قاضی گرد اور این اجرت بدلہ عمل خودمی گیرند وصورت مسئلہ درسوال وجواب علماء مستشار العلماء مفصل است ملاحظہ مایند بدلہ اجازت ووجاہت نمی باشد ونہ در مانحن فیہ متصور است تاکہ روایت مولوی محمد اسحاق دہلوی کہ درامداد الفتاویٰ استدلال فرمودہ اند سند ایں امر شود بلکہ حکام وقت ایں رقم کہ موجب دستور قدیم وصول می شد سہ حصہ ازاں ملا را بدلۂ کار او مقرر کردند وچہارم حصہ افسر پڑتال کنندہ مسمیٰ قاضی را بدلہ کار را ومقرر کردہ اند تفصیل کار ہر دو در سوال جواب مستشار العلماء موجود است خلاصۃ المعروض آنکہ، ضرور از تمام امور رہائی غریق مقدم است زیادہ حد ادب۔ ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

نقل جواب مسئلہ اجرۃ نکاح از دفتر انجمن مستشار العلماء لاہور مورخہ ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

← وہ اس مسئلہ کی سند اور دلیل بن جائے؛ بلکہ دستور قدیم کی رو سے موصول ہونے والی رقم کے تین حصے حکام وقت نے مولوی کے لئے اس کے کام کے بدلے مقرر کئے تھے اور چوتھا حصہ جانچ پڑتال کرنے والے افسر، جس کو قاضی کہا جاتا ہے کیلئے، اس کے عمل کے بدلے مقرر کیا تھا دونوں کی تفصیل انجمن ''مستشار العلماء'' کے سوال وجواب میں موجود ہے، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ دیگر تمام امور سے پہلے اس معاملہ کا حل تلاش فرمائیں۔ ۲۹؍ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ

نقل جواب مسئلۂ اجرت نکاح از دفتر ''انجمن مستشار العلماء'' لاہور مؤرخہ: ۱۹؍ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

سوال (۱۱۲۱): چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ دریں دیار از قدیم قبل از حکومت ہذا عرف بلانکیر جاری است کہ در ہر قریہ ومحلّہ یک ملا نکاح خواں مقرر است مردماں بر تقرر او راضی اند دو او را عوض ذہاب وایاب جلسہ نکاح وتلقین تجدید شرائط ایمان وطرائق ایجاب وقبول واندراج رجسٹر مبلغ یک روپیہ چار آنہ یا کم وبیش رقم نکاح خوانی مید ہند در حکومت ہذا از جانب سرکار عالی بر سر تمام ملایان تحصیل یک افسر باسم قاضی مقرر است آن قاضی تمام ملایاں را طرائق اندراج رجسٹر ونقشہ وہدایات شرعی دربارۂ نکاح وطلاق تحریراً اُو تقریراً تلقین می کند واصلاح رجسٹر اوشان میکند ونزد ہر ملا دورہ برائے اصلاح اوشان می کند تا کہ کدام غیر شرعی امر ارتکاب نہ کند عوض ایں خدمت برائے قاضی از ہر ملا از ہر نکاح خوانی چہارم حصہ یا فی نکاح ۴/ مقرر است قاضی مذکور از ہر ملا می گیرد۔ ایں تمام انتظام سرکار عالی برائے فوائد مسلمانان مقرر کردہ اند کہ بوقت خصومت مقدمہ نکاح اصلیت ظاہر گردد ونکاح بموجب شرع صحیح منعقد گردد وبیان فرمایند

---

(۱) **ترجمۂ سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اس دیار میں موجود حکومت سے بھی پہلے قدیم زمانے سے ایک عرف بلا چوں وچراں جاری ہے اور وہ یہ کہ ہر گاؤں اور ہر محلّہ میں ایک مولوی نکاح خواں مقرر ہے اور لوگ بھی اس کی تقرری پر راضی ہیں اور اس مولوی کو نکاح کی مجلس میں آنے جانے، شرائط ایمان کی تجدید وتلقین کرنے، ایجاب وقبول کا طریقہ بتلانے اور رجسٹر میں درج کرنے کے بدلے میں ایک روپیہ چار آنے یا کم وبیش رقم نکاح خوانی کے طور پر دیتے ہیں، موجود حکومت میں سرکار کی جانب سے ایک تحصیل کے تمام مولویوں پر قاضی کے نام سے ایک افسر مقرر ہوتا ہے وہ قاضی تمام مولویوں کو رجسٹر میں اندراج کرنے کے طریقے بتلاتا ہے۔

نیز نقشہ اور تحریری یا تقریری طلاق ونکاح کے بارے میں شرعی ہدایات کی تلقین کرتا ہے اور ان مولویوں کے رجسٹر کی اصلاح کرتا ہے اور ان کی اصلاح کے لئے ہر مولوی کے پاس جاتا ہے؛ تاکہ کوئی بھی مولوی غیر شرعی امر کا مرتکب نہ ہو، قاضی کو اس خدمت کے بدلے میں ہر مولوی کی ہر نکاح خوانی کی رقم کا چوتھا حصہ ملتا ہے یا فی نکاح چار فیصد مقرر ہے، جو رقم قاضی مذکور ہر مولوی سے لیتا ہے سرکار یہ مکمل انتظام مسلمانوں کے فائدے کے لئے کرتی ہے؛ تاکہ جب نکاح کا کوئی مقدمہ آئے تو خصومت کے وقت اصلیت ظاہر ہوجائے اور شریعت کی رو سے نکاح صحیح طور پر منعقد ہوجائے۔

براہ کرم یہ بتلائیں کہ ملا کے لئے نکاح خوانی کی رقم لینا اور قاضی کا فی نکاح چوتھا حصہ یا چار فیصد لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو فبہا ورنہ بہت بڑی مصیبت کھڑی ہوجائے گی؛ کیوں کہ ہمارے دیار کے تمام علماء اس میں مبتلاء ہیں اور تمام مسلمانوں کو حرام خوری سے بچانا ضروری ہے؟ بینوا توجروا

ملا راقم نکاح خوانی وقاضی را چہارم یا ۴/ فی نکاح از ہر ملا گرفتن بموجب حکم شرع شریف عوض عمل مذکور جائز است یا نہ اگر جائز است بہتر ورنہ دیگر مصیبت عظیم است کہ تمام اہل علم ایں دیار بایں مبتلا اند۔ رہائی کافہ مسلمان راازحرام خوری ضروری است؟ بینوا توجروا

الجواب: مندرجہ بالا صورت ایک قسم کا اجارہ ہے اور جس طرح تعلیم قرآن تعلیم فقہ امامت اوراذان پر بلحاظ ضرورت کے اُجرت مقررہ یا اجر مثل کا دینا یا لے لینا درست ہے اسی طرح ملائے نکاح خواں کو حرمت وحلت نکاح کے مواقع اور مشروع صورت میں نکاح کے ایجاب وقبول اور تقرر مہر وغیرہ کے شرعی طریقے بتلا دینے کی اجرت مقررہ یا اجر مثل لینا اور عقد کرنے یا کرانے والوں کو دینا شرعا درست ہے جس طرح مثلاً تعلیم فقہ پر اجرت کے لینے اور دینے کے بند ہو جانے میں علم فقہ کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے اسی طرح ملائے نکاح خواں کی مذکورہ بالا اُجرت بند ہو جانے میں نکاحوں کے شرعا فاسد اور باطل ہو جانے اور دیگر مفاسد پیدا ہو جانے کا سخت خطرہ ہے اسی طرح قاضی کو جو ان ملاؤں کو رجسٹروں کے نقشے اوران کے اندراج کے طریقے اور نکاح وطلاق کے احکام اور ہدایات کی تعلیم دیتا ہے اجرت مقررہ یا اجر مثل جیسی کہ صورت ہو لے لینا درست ہے اور تعلیم فقہ کے جواز میں اس کا جواز بھی شامل ہوسکتا ہے علاوہ بریں جب عام مسلمانوں میں مدت مدید سے اس کا تعامل اور تعارف چلا آتا ہے اور کسی نص شرعی اور صریح حکم مذہبی کے برخلاف بھی نہیں ہے تو اب اس کے جواز میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی شیخ الاسلام علاء الدین حصکفی کتاب درمختار میں فرماتے ہیں:

ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القران والفقه والامامة والاذان ویجبر المستأجر علی دفع ماقبل فیجب المسمٰی بعقد وأجر المثل إذا لم تذکر مدة شرح وهبانیة من الشرکة و یحبس به وبه یُفتٰی ج:۵، ص:۳۷. (۱)

نیز ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

وجاز اجارة الحمام لأنه علیه الصلوٰة والسلام دخل حمام الحجفة وللعرف وقال علیه الصلوٰة والسلام ما راٰه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن قلتُ والمعروف وقفه علی ابن مسعود کما ذکره ابن حجر، ج:۵، ص:۳۵.

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار علی الطاعات، مکتبه زکریا دیوبند ۹/۷۶-۷۷، کراچي ۶/۵۵-۵۶۔

علامہ سید محمد امین کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

قولہ وللعرف لأن الناس في سائر الامصار یدفعون أجرۃ الحمام وإن لم یعلم مقدار ما یستعمل من الماء ولا مقدار القعود فدل إجماعھم علی جواز ذلک وإن کان القیاس یاباہ لورودہ علی اتلاف العین مع الجھالۃ۔ اتقاني جلد: ۵، ص: ۳۵۔(۱) ھذا واللّٰہ اعلم بالصواب۔ کتبہ العبد المذنب المفتی محمد عبداللّٰہ عفي عنہ

دستخط علمائے مستشار العماء لاہور

الجواب صحیح
اصغر علی مدرس عربیہ مدرسہ لاہور

المجیب مصیب
احمد علی عفي عنہ

قد اصاب من اجاب
محمد عالم امام مسجد گمٹی بازار

المجیب مصیب في ھذا الجواب
محمد یار عفي عنہ امام مسجد طلائی لاہور

نقل تحریر مولوی علی گوہر صاحب تونسوی شریف

درباره اُجرت نکاح حسب الارشاد درجواب مسئلہ مسئولہ عرض میرود کہ ملایاں حسب دستور ورواج جماعۃ مسلمین از قبیل اجیر مشترک اند کہ بر عمل خود کہ مشتمل است بر حرکات ونقل وتردد وحضور جماعت وجلسۂ نکاح

(۱) الدر المختار مع در المحتار، کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ، مطلب في حدیث دخولہ علیہ الصلاۃ والسلام الحمام، مکتبہ زکریا دیوبند۹/ ۷۰-۷۱، کراچي ۶/ ۵۱-۵۲۔

ترجمۂ نقل تحریر مولوی علی گوہر صاحب تونسوی شریف: نکاح کی اجرت کے بارے میں حسب ارشاد مسئولہ سوال کے جواب میں عرض کیا جاتا ہے کہ جماعت المسلمین کے رواج اور دستور کے اعتبار سے مولوی حضرات اجیر مشترک کے قبیل سے ہیں اوران کے اعمال جیسے نکاح کے جلسے میں آنا جانا، مجمع میں حاضر ہونا، ایمان کی تجدید وتلقین کرانا اور ایجاب وقبول کا طریقہ بتلانا یہ سب مباحات کی قبیل سے ہیں نہ تو واجب لعینہ ہیں اور نہ تو گناہ کے کام ہیں اوراس پر اجیر بنانا شرعًا جائز ہے اور اجارے کی تعریف جو بیع المنفعۃ مع العوض ہے، اس پر صادق آتی ہے؛ لہٰذا ان کو اجر ملے گا اور المعروف کالمشروط کی بناء پر اجرت کو متعین نہ کرنا جانبین کے لئے مفضی إلی النزاع اور فساد کا سبب نہیں بنے گا، زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی مولوی متعارف مقدار سے زیادہ کی طمع کرنے لگے تو اس صورت میں بھی جانبین سے بات چیت کر کے اور طرفین کو راضی کر کے فساد کا ازالہ ہوجائے گا ←

اور مولی صاحب کیلئے اجرت کا لینا درست ہوگا جو نکاح کرنے والے یا ان کے اولیاء جبر و اکراہ کے بغیر اپنی رضامندی اور خوش دلی سے ادا کردیں؛ البتہ اگر اجرت خود ہی متعین کر کے اولیاء سے اصرار کے ساتھ بڑھا چڑھا کر لیا تو یہ رشوت اور سحت کی قبیل سے گردانا جائے گا، مقرر شدہ مولوی کا اس معاملہ میں چارہ جوئی کرنا کہ میرے علاوہ کوئی دوسرا نہیں پڑھائے گا یہ بھی اس قسم سے سمجھا جائے گا کہ ایک اجیر مستاجر کو اپنے کو اجیر رکھنے پر ابھارے؛ لیکن طرفین کی تراضی کی صورت میں یہ کراہت ختم ہو جائے گی اور عوض میں کوئی کراہت نہیں آئے گی، اور وہ قاضی جو رجسٹر دیکھنے اور مولوی کے عمل کو درست کرنے کے لئے مقرر ہیں یہ بھی شروعات و مباحات میں سے ہیں اور مولوی کے لئے قاضی کی تصحیح، تنبیہ اور ہدایات ناگزیر ہیں اور اس پر اجرت کی تعیین جائز ہے، قسمت کے باب میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ بہتر ہے کہ تقسیم کرنے والوں کا وظیفہ بیت المال سے ادا کیا جائے گا اور اگر تقسیم کرانے والوں پر کچھ مقرر کر دیا جائے اور ان لوگوں سے اجرت لی جائے تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ قاسم کے عمل کا نفع تقسیم کرانے والوں کو ہی مل رہا ہے، اگر مولوی یہ عذر کرے کہ مجھے اپنے کام کی تصحیح کے لئے کسی متعین قاضی کے تعین کی ضرورت نہیں ہے، میں خود اس معاملہ کو درست کر سکتا ہوں یا کسی عالم سے رہنمائی لے سکتا ہوں تو اس کا یہ عذر قابل قبول نہیں؛ کیونکہ حکام وقت نے مصالح عامہ کی خاطر مسلمانوں کے اتفاق رائے سے اور فاسد نکاح کو ختم کرنے اور نکاح سے متعلق پیدا ہونے والے اختلافات کے دفعیہ کے لئے اس قاضی کو مقرر کیا ہے اور چونکہ مولوی کا عمل کسی بڑے عالم کی جانچ پڑتال کے بغیر ناقص ہے؛ لہٰذا مولوی کے فعل کا متقوم ہونا بھی اس پر موقوف ہوگا؛ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اس اجر کو خوش دلی سے قبول کرے ورنہ مکابر اور ہٹ دھرم شمار کیا جائے گا اور اپنے اس ناقص عمل پر وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا اور حکام وقت کو یہ اختیار ہے کہ کسی دوسرے مولوی کو مقرر کر دیں جو قاضی کے عمل تصحیح یعنی دورہ کرنا اور رجسٹر وغیرہ دیکھنا اور تصحیح کرنے کے ساتھ اس قدر اجرت لینے پر خوش دلی کے ساتھ تیار ہو جائے اور اس کا یہ فعل متقوم ہے اور اس کے لئے اس عمل پر اجرت لینا جائز ہے۔

قاضی حضرات اور علماء کا وظیفہ اگرچہ مقرر ہو، پھر بھی فتوے کی کتابت مسئلے کی تلاش جستجو اور کتابوں کی تحقیق و تفتیش پر اجرت مثل لینا جائز ہے؛ چنانچہ فقہ میں باب القضاء میں یہ بات ثابت شدہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولوی کے تمام کام جیسے نکاح کی مجلس میں حاضر ہونا، تجدید ایمان کی تعلیم دینا اور ایجاب و قبول کا طریقہ بتانا نیز قاضیوں کے اعمال یعنی دورہ کرنا، رجسٹر وغیرہ چیک کرنا یہ سب کے سب عمل متقوم کے قبیل سے ہیں؛ لہٰذا اس پر اجرت لینا جائز ہے؛ البتہ وہ امور جو اجارہ کو فاسد کرنے والے ہیں، جیسے اجرت میں اضافہ پر مجبور کرنا اور اجرت مثل سے زائد لینا یا خود سے متعین کر کے اجرت وصول کرنا، ان سب چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ فقط

اجرت نکاح کے مسئلے میں حضور ص: ۶۶، سطر: ۱۶ پر فرماتے ہیں اور شرع میں اس کی نظیر نہیں۔

واقوال تعلیم تجدید ایمان وطریق ایجاب وقبول کہ ہمہ آں از قبیل مباحات اند نہ واجب لعینہ و نہ معصیت اند

واستیجار بروشرعا جائز است وتعریف اجارہ کہ بیع المنفعت مع عوض است بروصادق است واجرمیگیرند۔ بنابریں کہ المتعارف کالمشروط تعیین اُجرت ناکردن مفضی بنزاع جانبین یا فساد نمی گردد۔ غایت امر اگر ملا زیادت کہ از قدر متعارف طمع کند بعد محاورۂ جانبین وتراضی طرفین فساد مرتفع خواہد بود وملا را اخذ اُجرت کہ ناکحین یا اولیاء ایشاں بطیب خاطر یا برضاء دون الاکراہ حوالہ اش کردہ اند درست خواہد بود البتہ اخذ اُجرت اضعافا مضاعفہ بالجاء اولیاء بناء برتعین خود کہ از احکام وقوع یافتہ از قبیل رشوت وسُحت خواہد بود ملا مقرر را چارہ جوئی کردن دریں باب کہ دیگر نہ خواند ہم ازیں قسم می تواں شد کہ یک اجیر مستاجر را براجیر ساختن خود تحریض کند لیکن درصورت تراضی طرفین ایں کراہت مرتفع است ودرعوض خبث پیدا نمی کند وقاضی کہ برائے ملاحظہ رجسٹر ودرستگی عمل ملایاں مقرر است ایں ہم منجملہ مشروعات ومباحات است ملا را ازیں تصحیح وتنبیہات وہدایات ناچاری است وتعین اجر بروجائز است۔ درباب قسمت دیدہ باشند کہ فقہاء فرمودہ اند کہ اولیٰ ایں ست کہ وظیفہ قاسمین از بیت المال باشد واگر برمتقاسمین مقرر کردہ شود واُجرت از ایشاں گرفتہ شود ہم جائز است کہ نفع عمل او بمتقاسمین راجع است وعمل او برائے ایشاں۔ اگر ملا عذر کند کہ مارا برائے تصحیح کاروائی احتیاج بتعین قاضی معین نیست من خود درست کردن می توانم یا از کسے عالم مجاز اُدرستگی حاصل کردن می توانم ایں عذر او نامسموع است چرا کہ حکام وقت برائے مصلحت عامہ باتفاق رائے جماعت مسلمین ودفع فساد انکحہ وتشاجرات درباب نکاح ایں مد مقرر کردہ اند وچونکہ عمل ملا بدون پڑتال وملاحظہ عالم ناتمام است پس تقوم فعل ملا بریں موقوف خواہد بود واورا ضروری ست کہ او ایں اجر را بطیب خاطر قبول کند ودرصورت عدم رضاء مکابر خواہد بودن ومستحق برعمل غیرتام خود نخواہد بود وحکام می تواند کہ دیگر ملا را کہ بطیب خاطر ایں قدر اجر دادن برتصحیح عمل قاضی از قسم نقل ودورہ وملاحظہ رجسٹرات متقوم است کہ گرفتن عوض بروصحیح است قضاۃ وعلماء را اگرچہ وظیفہ ایشاں مقرر باشد برکتابت فتویٰ وتلاش مسئلہ وتفتیش کتب اجر مثل گرفتن جائز داشتہ اند چنانچہ درباب القضاء درفقہ مقرر است۔ بالجملہ عمل ملایاں از رفتن بجلسۂ نکاح وتعلیم تجدید ایمان وطریقۂ ایجاب وقبول ونیز عمل قضاۃ از دورہ ملاحظہ رجسٹرات وغیرہ از قبیل عمل متقوم است کہ اخذ اُجرت بروجائز است۔ البتہ از امور یکہ از مفسدات اجارہ باشند از اکراہ برزیادت اجر وگرفتن زیادت از اجر مثل متعارف یا کار ناکردہ محض بربناء تعین خود اجر وصول کردن ازیں احترازی باید کرد۔ فقط

درمسئلہ اُجرت نکاح حضور فرمودند در ص: ۶۶، سطر: ۱۶۔ اور شرع میں اس کی نظیر نہیں۔

نظائر شرعی

(۱) وأما أجر كتاب القاضی وأجرة قسامه، فإن رأي القاضی أن یجعل ذلک علی الخصوم فله ذلک وإن رأي أن یجعل ذلک في مال بیت المال وفیه سعة فلا بأس به. (فتاویٰ عالمگیریه جلد ثالث، ص: ۲۳۰ کتاب الادب) (۱)

(۲) وفي النوازل قال إبراهیم سمعت أبا یوسفؒ سئل عن القاضی إذا اُجری له ثلثون درهما في ارزاق کاتبه وثمن صحیفته وقراطیسه واعطی الکاتب عشرین درهما وجعل عشرة لرجل یقوم معه وکلف الخصوم الصحف أیسعه ذلک قال: ما أحب أن یصرف شیئا من ذٰلک عن موضعه الذي سمی له کذا في التاتارخانیه وعالمگیریة. (۲)

(۳) وأجر هذه الصحیفة التی یکتب فیها دعوی المدعی وشهادة الشهود ان رأی القاضي أن یطلب ذلک من المدعی فله ذلک (فتاویٰ عالمگیریة ۲۳۵/۳) (۳)

روایات کتب معتبرہ فقہ درجواز اُجرۃ نکاح خوانی

(۱) وکل نکاح باشره القاضی وقد وجبت مباشرته علیه کنکاح الصغار والصغائر فلا یحل له أخذ الأجرة علیه، وما لم تجب مباشرته علیه حل له أخذ الأجرة علیه. کذا في المحیط: واختلفوا في تقدیره والمختار للفتویٰ أنه إذا عقد بکرا یأخذ دینار أو في الثیب نصف دینار ویحل له ذلک وهکذا قالوا کذا في البرجندی فتاویٰ عالمگیریة

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب أدب القاضي، الباب التاسع في رزق القاضي، مکتبه زکریا دیوبند ۳۲۹/۳، جدید۲۹٤/۳۔

(۲) الفتاوی العالمگیریة، کتاب أدب القاضي، الباب التاسع في رزق القاضي، مکتبه زکریا دیوبند قدیم ۳۳۰/۳، جدید۲۹٤/۳۔

الفتاوی التاتارخانیة، کتاب أدب القاضي، الفصل التاسع في رزق القاضي، مکتبه زکریا دیوبند۷۱/۱۱-۷۲، رقم:۱٥٤۹٤۔

(۳) الفتاوی الهندیة، کتاب الإجارة، الباب الثاني والثلاثون في المتفرقات، مکتبه زکریا دیوبند قدیم۵۲۹/٤، جدید٥۷۷/٤۔

جلد ثالث الباب الخامس عشر في اقوال القاضى وما ينبغى للقاضى أن يفعل وما لا يفعل مطبوعه مصر، ص: ۴۱۵. (۱)

(۲) وفي شرح أداب القاضي: للخصاف ان للقاضى أن يأخذ في عقود الانكحة شيئا زائد اعلى ما يأخذه الأكابر في ذلك الموضع إن كان الولى غيره. وإن كان هو الولي لايحل له الأخذ واختلفوا في تقديره و المختار للفتوىٰ انه إذا عقد بكرا يأخذ دينارا. وفي الثيب نصف دينار يحل له ذلك وهكذا قالوا. برجندى جلد رابع كتاب القضاء، ص: ۵. (۲)

(۳) وذكر عن الباقلى في القاضى: يقول: إذا عقدت عقد البكر فلى دينار ولو ثيبا فلى نصفه انه لا يحل له إن لم يكن لها ولى ولو كان لها ولي غيره يحل بناءً علىٰ ما ذكرنا. فتاوىٰ بزازية. (۳)

(۴) ولا يحل أخذ شيء على نكاح الصغار وفي غيره يحل. (۴) خلاصة الفتاوىٰ (لأولى لهم)

(۵) ولا يحل له (أي للقاضِى) أخذ شيء على النكاح إن كان نكاحا يجب مباشرته عليه كنكاح الصغائر وفي غيرها يحل. (۵)

معدن۔ ھکذا در باقی کتب بخوف تطویل بریں قدر اکتفاء کردہ شد۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب أدب القاضي، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، مكتبه زكريا ديوبند قديم ۳/۳۴۵، جديد۳/۳۰۶۔

المحيط البرهاني، كتاب القضاء، الفصل السابع عشر في أقوال القاضي، المجلس العلمي ۱۲/۲۳۲-۲۳۳، رقم:۱۴۲۹۹۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۳) الفتاوى البزازية، كتاب أدب القاضي، الفصل الثاني في أدبه، النوع الأول في المقدمة، مكتبه زكريا ديوبند جديد ۲/۷۲، وعلى هامش الهندية ۵/۱۴۰۔

(۴) تكملة شامي، كتاب الهبة، مطلب للناظر ماعينه له الواقف وإن زاد على أجر مثله، مكتبه زكريا ديوبند ۱۱/۷۴، كراچي۷/۵۹۔

(۵) خلاصة الفتاوى، كتاب القضاء، الفصل العاشر في االحظر والإباحة، مكتبه اشرفية ديوبند۴/۴۸۔

الجواب (۱): روایات ودلائل دیده شد نزد من مفید مدعا نیست یعنی از جمله ایں ہا جواز نفس اجرت النکاح ثابت میشود ولا کلام فیہ لیکن جواز صورت متعارفہ بخصوصیات مروجہ ثابت نمی شود از جملہ این خصوصیات اینست کہ عقد اجارہ باولیاء دختر منعقد می شود واجرت براولیاء پسر لازم می شود۔

وهذا باطل بالضرورة وكذا أخذ الأجرة لمن لم يباشر الانكاح.

مگر تحریر سامی جزء رسالہ خود کردہ ام۔ علماء خود فیصلہ خواہند فرمود۔

بازبریں جواب مکتوب ذیل آمد

جناب والا مدظلکم۔ تسلیم۔ فدوی غریق راد ستگیری نفرمودند۔ سرفراز نامہ درباره مسئلہ اُجرت نکاح رسید۔ حضور درطلب سائل امعان نفرمودند۔ بار ثانی بطور خلاصہ معروض آنکہ۔ واقعی فرمان حضور مسلم است کہ اجرة لمن لم يباشر الانکاح را گرفتن جائز نیست ونہ ایں امر کہ عقد اجارہ باولیاء دختر منعقد می شود واُجرت براولیاء پسر لازم می شود جائز است در دیار ما ایں خصوصیت واقع نیست علی ہذا القیاس باقی خصوصیات کہ در رسالہ جناب مصرح اند مگر ما نحن فیہ مسئلہ دیگر است حضور جواب آں بحکم ادائی امر واجب کہ از آیہ ''**فاسئلوا أهل الذكر الآية**) مفہوم میشود عنایت فرمایند۔

---

(۱) **ترجمۂ جواب**: روایات اور دلائل دیکھ لئے گئے، میرے نزدیک ان سے مدعا ثابت نہیں ہوتا، یعنی ان تمام دلائل سے صرف نکاح خوانی کی اجرت کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس سے انکار نہیں ہے؛ لیکن مروجہ خصوصیات کے ساتھ صورت متعارفہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا ہے، منجملہ ان خصوصیات کے یہ ہے کہ عقد اجارہ کا انعقاد لڑکی کے اولیاء کے ساتھ ہوتا ہے اور اجرت لڑکے کے اولیاء پر لازم ہوتی ہے اور یہ بداہۃ باطل ہے اور اسی طرح اس شخص (قاضی) کا اجرت لینا بھی باطل ہے، جس نے نکاح نہیں پڑھایا ہے، مگر جناب کی گراں قدر تحریر کو اپنے رسالہ کا جز بنا تاہوں علماء کرام خود فیصلہ فرمائیں گے۔

جناب والا مدظلکم تسلیم حضور نے عاجز کی دستگیری نہیں فرمائی اجرت نکاح کے مسئلے میں والا نامہ موصول ہوا، حضور نے سائل کی درخواست پر غور نہیں فرمایا خلاصہ کے طور پر دوبارہ عرض یہ ہے کہ حضور کا کہنا واقعۃً اپنی جگہ مسلم ہے کہ ''**لمن لم يباشر الانكاح**'' یعنی جس شخص نے نکاح نہیں کرایا، اس کے لئے اجرت لینا جائز نہیں ہے اور نہ ہی یہ بات جائز ہے کہ عقد اجارہ تو لڑکی کے اولیاء کے ذریعہ پایا جائے اور اجرت لڑکے کے اولیاء پر لازم ہو ہمارے علاقے میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی علی ہذا القیاس دیگر خصوصیات جن کی تصریح جناب والا نے اپنے رسالے میں کی ہے، مگر ہمارا مسئلہ دوسرا ہے، حضور ''**فاسئلوا أهل الذكر**'' سے سمجھے جانے والے امر واجب کی ادائیگی کے طور پر جواب عنایت فرمائیں۔

سوال (۱۱۲۱): قدیم ۲/ ۲۷۶- دریں دیار بر سر تمام ملایاں تحصیل از سر کار عالی منظوری گورنمنٹ یک افسر مسمیٰ باسم قاضی مقرر است عمل اُو ملاحظہ رجسٹر ہا ملایاں ست کہ اُو شان را نقشہا رجسٹر تحریر کردہ مید ہد و ہدایات شرعی و مسائل شرعی متعلقہ نکاح وطلاق بر ہر رجسٹر نوشتہ دادہ وسال بسال دورہ می کند ملاحظہ ہر نکاح مندرجہ میکند کہ کدام طریقہ غیر شرعی سرزد نہ شدہ۔ وطرائق نکاح خوانی وطریقہ اجازت از عورت از طرف ولی تا کہ سکوت علامت رضاء گردد۔ ہر ملا را بر رجسٹر نوشتہ مید ہد ہر وقت در خدمت اُمور شرعی نگراں است اگر کسے در عدت نکاح میکند آنجا قاضی مذکور رفتہ با اسامیاں را طلب کردہ اصلاح می کند

ترجمۂ سوال (۱۱۲۱): ہمارے علاقے میں سرکار کی طرف سے ایک تحصیل کے تمام مولویوں پر ایک افسر مقرر ہے، جس کو قاضی کہا جاتا ہے، جس کے ذمہ مولویوں کے رجسٹروں کو چیک کرنا ہوتا ہے اور وہ قاضی ان کو رجسٹر کے نقشے لکھ کر دیتا ہے اور ہر رجسٹر پر نکاح وطلاق سے متعلق شرعی مسائل اور ہدایات نوٹ کر کے دیتا ہے اور ہر سال دورہ کرتا ہے اور ہر لکھے ہوئے نکاح کے رجسٹر کو چیک کرتا ہے تا کہ کوئی غیر شرعی طریقہ اس سے سرزد نہ ہو جائے اور نکاح خوانی کا طریقہ اور ولی کی جانب سے عورت سے اجازت لینے کا طریقہ ''کہ سکوت رضا کی علامت ہے'' یہ سب باتیں ہر مولوی کو رجسٹر پر لکھ کر دیتا ہے، ہر وقت امور شرعیہ کی نگرانی کرتا ہے، اگر کوئی شخص عدت میں نکاح کرتا ہے تو قاضی مذکورہ وہاں جا کر متعین لوگوں کو طلب کر کے اصلاح کرتا ہے اور زوجین میں تفریق کر دیتا ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کی سرزنش کرتا ہے اور پھر عدت جدیدہ کے بعد نکاح صحیح کراتا ہے اور مولویوں کے رجسٹر میں جو غلطیاں ہوتی ہیں ان غلطیوں پر ان کو متنبہ کرتا ہے؛ تا کہ آئندہ ان سے یہ غلطی سرزد نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ تمام مولویوں کو کتب فقہ کی روشنی میں شریعت کی راہ راست پر چلاتا ہے دن رات ان کے حال کی نگرانی کرتا ہے، سرکار کی جانب سے مذکورہ افسر کے لئے حق خدمت کے بدلے میں ہر مولوی کے ہر نکاح کا چوتھا حصہ مقرر کیا جاتا ہے، دورے کے وقت قاضی افسر ہر مولوی سے حساب لگا کر ہر نکاح کا چوتھا حصہ وصول کر لیتا ہے اور دیگر زائد رقم اور کسی قسم کا ہدیہ اور دعوت مولویوں سے قبول نہیں کرتا؛ بلکہ اس کو حرام سمجھتا ہے۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ اگر یہ انتظام نہ کیا جائے تو تمام مولوی حضرات امور غیر شرعی کے مرتکب ہو جائیں گے اور انتظام شریعت درہم برہم ہو کر رہ جائے گا تو جناب اس مذکور قاضی وافسر کا اس اجرت کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ جو ہر مولوی سے لیتا ہے مفصل تحریر فرمائیں۔

''انجمن مستشار العلماء'' لاہور کی طرف سے پہلے سے بھیجے گئے تمام تحریری امور اور اس کے علاوہ فتاوی عالمگیری کے نقول پر غور فرمائیں عجلت اور جلد بازی سے کام نہ لیں؛ بلکہ تامل بسیار کے بعد احقر کو جواب عنایت فرمائیں۔

وتفریق زوجین میکند مرتکبان راسرزنش می کند بعد عدت جدید عقد می کنانند، براغلاط رجسٹر اوشاں راتحریراً متنبہ می کند تاکہ آئندہ سرزد نکنند خلاصہ تمام ملایاں رابر جادۂ شریعت بموجب کتب فقہ داشتہ است روز و شب نگراں حال است از سرکار عوض ایں خدمت حق افسر مذکور در ہر نکاح خوانی از ہر ملا چہارم حصہ مقرر کردہ اند بوقت دورہ قاضی افسر از ہر ملا حساب کردہ چہارم وصول می کند دیگر رقم زاید وکدام ہدیہ ودعوت از ملایاں نمی گیرد بلکہ حرام دانستہ است۔ نیز واضح باد کہ اگر ایں انتظام نہ باشد تمام ملایاں مرتکب امور غیر شرعی میشوند وانتظام شرعی برہم درہم می شود۔ جناب جواب ایں اُجرت قاضی وافسر مذکور را گرفتن جائز ست یا نہ کہ از ہر ملا می گیرد مفصل تحریر فرمایند۔ تمام امور تحریرات فرستادہ سابقہ مستشار العلماء لاہور وغیرہ نقول فتاویٰ عالمگیری۔ نظر دارند عجلت نفرمایند بعد تامل صادق غریق را رہائی عطا فرمایند؟

الجواب (۱): تحریر ہذا رامع تحریرات سابقہ مکرر دیدہ شد حاصل ہمہ ایں قدر ست کہ ملایاں روافسر ایشاں رابر عمل اُجرت ستدن دادن جائز ست ولا کلام فیہ انچہ در وکلام است دوامر ست یکے آنکہ اکثر قضاۃ ہیچ عمل نمی کنند واز ملایاں چہارم یا پنجم میگیرند ودر دیار ماہمیں زیادہ است پس ایں از کجا جائز باشد دیگر آنکہ وجوب اُجرت بر **من یطلب العمل** باشد وایناں از غیر **من یطلب العمل** ہم میگیرند وایں محذور در ہمہ دیار ست کہ اگر کسے بطور خود نکاح منعقد کنانند بجبر از وہم وصول میکنند واگر نہ دہد آں نکاح راکالعدم شمارند حتیٰ کہ در بعض جاہا بعد ایں نکاح خود ایں قضاۃ نکاح دیگر می کنند آیا کسے از فقہاء ایں چنیں مفاسد را جائز داشتہ است باوجود عدم احتیاج ایں مدعا بدلیلے نظیرے بتائیدش نقل می کنم فی النہایۃ۔

---

(۱) **ترجمۂ جواب**: سابقہ تحریروں کے ساتھ ساتھ تحریر ہذا کو بھی بار بار دیکھا گیا تمام کا خلاصہ بس اتنا ہے کہ مولویوں کو اوران کے افسر کو ان کے کام پر اجرت دینا اور لینا جائز ہے اوراس پر ہمیں کوئی کلام نہیں، ہمیں جس میں کلام ہے اور جس بات پر اعتراض ہے وہ دو چیزیں ہیں:

(۱) یہ کہ اکثر قاضی حضرات کچھ کام نہیں کرتے وہ مولویوں سے چوتھا یا پانچواں حصہ لیتے ہیں اور ہمارے علاقے میں ہی بات زیادہ پائی جاتی ہے، تو یہ اجرت کہاں سے جائز ہو جائے گی؟

(۲) یہ کہ اجرت کا وجوب ''**من یطلب العمل**'' پر ہوتا ہے اور یہ لوگ ''**من یطلب العمل**'' کے علاوہ (یعنی جو مولوی سے نکاح نہیں کرانا چاہتا ہے) اس سے بھی اجرت لے لیتے ہیں اور یہ ممنوع اور ناجائز صورت تمام علاقوں میں پائی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے طور پر نکاح کرالے تو یہ لوگ اس سے بھی اجرت وصول کر لیتے ہیں اور اگر وہ اجرت نہیں دیتا، تو وہ اس نکاح کو کالعدم سمجھتے ہیں حتی کہ بعض جگہوں پر اپنے طور پر نکاح کر لینے کے بعد یہ قاضی حضرات دوبارہ نکاح کراتے ہیں تو کیا فقہاء میں سے کسی نے اس قسم کے مفاسد کو جائز کہا ہے؟ ←

وینبغي للقاضی أن ینصب قاسما یرزقه من بیت المال لیقسم بین الناس بغیر أجر، فإن لم یفعل نصب قاسما یقسم بالأجر معناه بأجر علی المتقاسمین (غور فرمایند دریں جا متقاسمین طالب العمل ہستند) ویقدر أجر مثلا کیلا یتحکم بالزیادة (غور فرمایند کہ تقدیر برائے نفی زیادت ست واکنوں قضاۃ آں را در نفی نقصان استعمال می کنند یعنی بزور اجرت مقدرہ وصول می کنند) ولا یجبر القاضی الناس علی قاسم واحد معناه لا یجبرهم علیٰ أن یستأجروه (غور فرمایند دریں جا ایں قضاۃ جبر می کنند) ولو اصطلحوا أي الشرکاء نهایة فاقتسموا جاز

← باوجود یہ کہ اس مدعا کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، پھر بھی اس کی تائید میں ایک نظیر نقل کرتا ہوں جو ''نہایہ'' میں ہے: وینبغي للقاضي أن ینصب قاسمًا یرزقه من بیت المال لیقسم بین الناس بغیر أجر، فإن لم یفعل نصب قاسما یقسم الأجر معناه بأجر علی المتقاسمین. (اور قاضی کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایک قاسم متعین کرے اور وہ قاضی اس قاسم کو بیت المال سے وظیفہ دے؛ تاکہ وہ لوگوں میں بلا اجرت تقسیم کردے؛ چنانچہ اس نے اگر ایسا نہ کیا تو ایک ایسا قاسم متعین کیا جائے جو اجرت لے کر تقسیم کرے مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں پر تقسیم کررہا ہے ان پر اس قاسم کی اجرت لازم ہے) غور فرمائیں کہ یہاں متقاسمین سے مراد طالب العمل ہیں ''ویقدر أجر مثلا کیلا یتحکم بالزیادة'' (اور اس کے لئے اجرت متعین کردی جائے تاکہ وہ خواہ مخواہ زائد اجرت کا مطالبہ نہ کرے) غور فرمائیں کہ تعیین زیادتی کی نفی کے لئے ہے اور اب قاضی حضرات اس کو نقصان کی نفی میں استعمال کررہے ہیں یعنی زبردستی متعینہ اجرت وصول کررہے ہیں۔ ''ولا یجبر القاضي الناس علی قاسم واحد معناه لا یجبرهم علی أن یستأجروه'' (اور قاضی لوگوں کو ایک ہی قاسم پر مجبور نہیں کرے گا مطلب یہ ہے کہ قاضی لوگوں کو اس بات پر مجبور نہیں کرسکتا ہے کہ وہ اسی کو اجیر بنائیں) غور فرمائیں کہ یہاں پر قاضی جبر سے کام لے رہا ہے ''ولو اصطلحوا رأي الشرکاء نهایة فاقتسموا جاز'' (اور وہ لوگ اگر شرکاء کی رائے پر متفق ہوگئے نہایہ پھر انہوں نے تقسیم کرلیا تو یہ جائز ہے) غور فرمائیں کہ یہاں نکاح کے اولیاء کی آپسی رضامندی کو بھی قاضی حضرات جائز قرار نہیں دیتے ''ولا یترک القسام یشترکون'' (اور قاسمین کو اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ شریک بن جائیں) غور فرمائیں کہ یہاں قاضی حضرات پورے طور پر یہ سازش رچتے ہیں کہ عام لوگ آزادی سے نکاح نہ کرسکیں ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا: لہٰذا یہ ممنوع چیز کو غیر ممنوع چیز پر قیاس کرنا ہے، ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ کسی بھی امر کا جواز میری موافقت پر موقوف نہیں مجھے مخاطب بنانے سے معذور سمجھیں۔ ۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۳۵ھ

(غور فرمایند ایں جا تراضی اولیاء نکاح راایں قضاۃ جائز نمی دارند) **ولا یترک القسام یشترکون.** (۱) (غور فرمایند ایں جا ایں ہمہ سازش میدارند کہ عامہ ناس آزادی را بکار نمی توانند برد) ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا. **فهذا قياس المحظور على غير المحظور** وبایں ہمہ جواز امرے موقوف بر موافقت بمن نیست مرا از خطاب معاف دارند۔

۱۳/ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ

اس کے بعد اُن صاحب کا خط ذیل آیا

جواب الجواب مسئلہ اجرۃ نکاح وعمل قاضی وملایاں رسید اطمینان شد۔ جزاک اللہ خیرا الجزاء۔

ترجیح الراجح، ج:۵،ص:۱۱۔

سوال (۱۱۲۲): قدیم ۲/ ۲۷۸- بعض مقامات میں لوگ نکاح پڑھانے کا حق ۴/ آنہ قاضی کو دیتے ہیں اور نہ نائب کا حق چار آنے دیتے ہیں جبر یہ ہمارے قاضی کا روپیہ مسجد میں لگاتے ہیں یہ جائز ہے یانہیں؟ قاضی کی موجودگی ہی میں جبراً دوسرے سے نکاح پڑھواتے ہیں اور روپیہ قاضی کو نہیں دیتے؟

(۲) اور بعض مقامات میں نکاح چاہے جو پڑھادے؛ لیکن نکاح خوانندہ کو صرف ۴/ آنہ لوگ دیتے ہیں اور ایک روپیہ جبر یہ نکاح خوانندہ سے لیکر قاضی کے گھر بھیج دیتے ہیں یہ بات جائز ہے یانہیں؟

(۳) کانپور میں بعض ملا نکاح پڑھاتے ہیں کل حق ۴/ آنہ خود لیتے ہیں روپیہ قاضی کو نہیں دیتے یہ جائز ہے یانہیں؟ حاصل کلام نکاح خوانندہ کو روپیہ قاضی کا دینا چاہئے یانہیں في زماننا شرعاً خواہ قاضی موجود ہو یا نہ ہو قاضی کا حق ہے یانہیں؟

الجواب: دینے والا اگر دولہا والا ہو اور قاضی یا ملاّ کو بلا کر لے گیا ہو دلہن والا جبکہ اکثر ایسا ہی دستور ہے تب تو یہ لینا بالکل جائز نہیں کیونکہ اُجرت بذمہ بلانے والے کے تھی دوسرے پر بار ڈالنا جائز نہیں اور اگر بلانے والا بھی دولہا والا ہے خواہ اپنے آدمی کے ہاتھ بلایا ہو یا دولہن والے سے کہہ کر بلایا ہو تو نکاح خواں کو اس کا دیا ہوا لینا جائز ہے (۲) مگر اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر دینے والے نے پوری رقم اسی کی ملک کردی ہے

(۱) هداية، كتاب القسمة، مكتبه اشرفية ديوبند ٤/ ٤١٠-٤١١۔

البناية، شرح الهداية، كتاب القسمة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱۱/ ٤٠٣ تا ٤٠٥۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) **ولايحل له (أي للقاضي) أخذ شيء على النكاح، إن كان نكاحا يجب عليه ←**

تب تو سب رکھنا جائز ہے اور اگر یہ کہہ دیا کہ اتنا تم رکھ لینا اور اتنا قاضی کو دیدینا تو اپنا حصہ تو رکھ لینا درست ہے اور قاضی کا حصہ رشوت ہے وہ واپس کر دینا واجب ہے (۱) قاضی کو دینا اور اسی طرح قاضی کو اس کو لینا جائز نہیں (۲) اور اگر صاف نہ کہا ہو تو مگر دستور ایسا ہو کہ کچھ نکاح خواں کا سمجھا جاتا ہے

← **مباشرته كنكاح الصغائر، وفي غيرها يحل.** (خلاصة الفتاوى، كتاب القضاء، الفصل العاشر في الحظر والإباحة، مكتبه اشرفية ديوبند ٤٨/٤)

تكمله شامي، كتاب الهبة، مطلب للناظر ما عينه له الواقف، مكتبه زكريا ديوبند ٧٤/١١، كراچي ٥٩/٧۔

إذا كانت الإجارة صحيحة ترتب عليها حكمها الأصلي وهو ثبوت الملك في المنفعة للمستأجر، وفي الأجرة المسماة للمؤجر. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦٥/١)

بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل: وأما حكم الإجارة، مكتبه زكريا ديوبند ٥٩/٤، كراچي ٢٠١/٤۔

(١) صرح الفقهاء بأن من اكتسب ما لا بغير حق فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستيجار على المعاصي والطاعات أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصري ١٤٨/١، هندي ٣٧/١، دار البشائر الإسلامية بيروت ٣٥٩/١، تحت رقم الحديث: ٥٩)

(٢) عن عبد الله بن عمروؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: الراشي والمرتشي. (جامع الترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحكم، النسخة الهندية ٢٤٨/١، دار السلام رقم:١٣٣٧)

أبوداؤد شريف، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ٥٠٤/٢، دارالسلام رقم: ٣٥٨٠۔

ابن ماجه شريف، كتاب الأحكام، باب التغليظ في الحيف والظلم، النسخة الهندية ص:١٦٧، دارالسلام رقم: ٢٣١٣۔

عن أبي سلمة بن عبد الرحمنؓ عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:الراشي ←

کچھ قاضی کا تب بھی اسی طرح حکم ہے (۱) اور اگر اور کسی نے نکاح پڑھا ہو تب تو قاضی یا نائب قاضی کو لینا بالکل جائز نہیں (۲) اور قاضی سے نکاح پڑھوانا واجب نہیں (۳) اور مسجد میں بھی جبراً لینے کا کوئی حق نہیں (۴)

۲۹/محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۱۲۶)

← **والمرتشي في النار**. (مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم بيروت ٢٤٧/٣، رقم:١٠٣٧)

المعجم الأوسط للطبراني، دار الكتب العلمية بيروت ٥٥٠/١، رقم:٢٠٢٦.

(١) **المعروف بالعرف كالمشروط شرطا.** (قواعد الفقه اشرفي ص:١٢٥، رقم القاعده:٣٣٤)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦١/١٦)

المبسوط للسرخسي، كتاب الوكالة، باب من الوكالة بالبيع والشراء، دارالكتب العلمية بيروت ٤١/١٩.

(٢) **عن أبي حميد الساعدي رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه. وذلك لما حرم الله مال المسلم على المسلم.** (مسند أحمد بن حنبل، بيروت ٤٢٥/٥، بيت الأفكار الدولية رقم: ٢٤٠٠٣)

لايجوز لأحد من المسلين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، مكتبه زكريا ديوبند ١٠٦/٦، كراچي ٦١/٤)

(٣) **وينعقد بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر (الدر المختار) وفي الشامية: وينعقد أي النكاح أي يثبت ويحصل انعقاده بالإيجاب والقبول.** (شامي، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٦٨/٤-٦٩، كراچي ٩/٣)

وكذا في الهداية، كتاب النكاح، مكتبه اشرفية ديوبند ٣٠٥/٢.

(٤) **عن أبي حرة الراقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه.** (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٩١/٢، رقم:١٥٦٧)

شعب الإيمان للبيهقي، الباب الثامن والثلاثون، باب في قبض اليد، دارالكتب العلمية بيروت ٣٨٧/٤، رقم:٥٤٩٢.

مسند أحمد بن حنبل، بيروت ٧٢/٥، رقم: ٢٠٩٧١. **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

نکاح میں تاشہ بجانے کا حکم

سوال (۱۱۲۳): قدیم ۲/ ۲۷۸- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ شادی کی تقریب پر تاشوں کا بجوانا کیسا ہے تحفۃ المشتاق میں جواز لکھا ہے اور تحفۃ الزوجین میں عدم جواز کے متعلق درج ہے ایک مرتبہ یہاں پر حضرت مولانا مولوی شیخ حسین صاحب عرب انصاری بھوپال سے تشریف فرما ہوئے تھے اس موقعہ پر تاشے پیش کر کے دریافت کیا گیا تھا تو جواز ہی کا حکم فرمایا تھا آپ اسکے متعلق کیا فتویٰ دیتے ہیں چونکہ میرے نزدیک خصوصاً اور یہاں کے لوگوں کے نزدیک عموماً آپ کا فتویٰ معتبر ہے فلھذا اس کے متعلق جواب شافی تحریر فرماویں؟

الجواب: چونکہ مجھ کو کبھی اہتمام کے ساتھ اس مسئلہ کی تحقیق کا اتفاق نہ ہوا تھا اسلئے بنا بر قول مشہور مذکور علی لسان الجمہور یہ سمجھتا تھا کہ شادی میں دف بجانا جائز ہے دوسرے باجے ناجائز مگر تھوڑا زمانہ ہوا کہ ایک مضمون جو ضمیمہ اخبار الفقیہ امرتسر ۵/ نومبر ۱۹۱۹ء میں بعنوان باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ شائع ہوا ہے نظر سے گزرا تب سے متعارف ضرب دف کے جواز میں بھی شبہ ہو گیا اور احتیاطاً ترک اور منع کا عزم کر لیا افادہ عامہ کے لئے اس کی نقل کی جاتی ہے۔ وہو ہذا

باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ

کس قدر افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ حضور ﷺ تو فرمائیں کہ خدا نے مجھے ہدایت کے واسطے رسول بنایا اور حکم دیا کہ تمام جہاں سے راگ راجہ باجہ مٹا دوں۔

رواه أبوداؤد الطيالسي(١) واللفظ له وأحمد بن منيع وأحمد بن حنبل والحرث.(٢)

---

(١) عن أبي امامة رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن الله عزوجل بعثني هدىً ورحمة للعالمين وأمرني بمحق المحازف والمزامير والأوثان والصلب وأمر الجاهلية [الحديث] (مسند أبي داود الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٦٣٥، رقم: ١٢٣٠) المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٨/ ١٩٧، رقم: ٧٨٠٣۔

(٢) مسند أحمد بن حنبل، بيروت ٥/ ٢٥٧، بيت الأفكار الدولية رقم: ٢٢٥٧١۔

كف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، مقدمة في ذم المعازف والمزامير، مكتبه القرآن القاهرة ص: ٢٠۔

اور یہ بھی فرمایا کہ میری اُمت سے ایک قوم آخر زمانہ میں مسخ ہو کر سور بندر ہو جائیں گے اصحاب نے پوچھا کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے یا کون حضور ﷺ نے فرمایا ہاں یہ سب مسلمان ہوں گے خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کے شاہد ہوں گے اور روزہ بھی رکھتے ہوں گے مگر آلات لہو یعنی باجہ اور دف بجاویں گے اور گانا سنیں گے اور شراب پئیں گے تو مسخ کردیئے جاویں گے۔(رواہ منذروبن حبان عن أبي هريرة) (۱)

ان احادیث کی رو سے تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ حضرات علماء جو شریعت کے حامل اور نائب رسول تھے یہ لوگ پوری کوشش کر کے کل راگ و باجہ اٹھا دیتے مگر بجائے اس کے الٹی کوشش کی کسی نے ڈھولک وسارنگی کو قوالی کیساتھ جائز کیا اور کسی نے دف کو مطلقاً جائز سمجھا اور تحریراً تقریراً اس کا جواز شائع کیا اور مولوی وحید الزماں سرگردہ غیر مقلدین نے تو اور غضب ڈھایا اپنی کتاب نزل الابرار (۲) جو باہتمام مولوی ابوالقاسم بنارس میں چھپی ہے اس کے صفحہ تین میں صاف لکھدیا ہے کہ شادیوں میں ہر طرح کا باجہ وگانا بہتر ہی نہیں بلکہ واجب اور ضروری ہے اور جو حرام کہتا ہے وہ گمراہ ہے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

اہل حدیث کا دعویٰ اور حدیث کی یہ قدر کی اور کھلم کھلا مخالفت رسول پر کمر باندھی ہے چونکہ ہمارے علماء احناف کل باجے وگانے کو حرام کہتے ہیں اور اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے البتہ سماع کے ساتھ ڈھولک اور شادیوں میں دف بجانے میں اختلاف ہے لہٰذا ضرورت معلوم ہوئی کہ اس مسئلہ پر تحقیق کی پوری روشنی ڈالی جائے تاکہ حق اور باطل میں فیصلہ ہو جائے اور برادران سنی حنفی کو اپنا مذہب معلوم ہو جاوے۔

---

(۱) عن أبي هريرة رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسخ قوم من أمتي في آخر الـزمان قردة وخنازير، قالوا: يا رسول الله! يشهدون أن لا إله إلا الله وأنک رسول الله؟ قال: نعم ويـصـلـون ويصومون ويحجون. قالوا: فما بالهم يا رسول الله؟ قال: اتخذوا المعازف والقينات والدفوف ويشربون هذه الأشربة فباتوا على لهوهم وشرابهم فأصبحوا قردة وخنازير. (المحلى بالآثار، كتاب البيوع، حكم بيع الشطرنج والمزامير والعيدان، دارالكتب العلمية بيروت٥٦٤/٧)

كف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، مقدمة في ذم المعازف والمزامير، مكتبه القرآن القاهرة ص:٢١۔

(٢) ونـدب إعلان الـنـكـاح ولـو بـضرب الدفوف واستعمال المزامير والتغني ومن حـرمه في النكاح والأعياد ومراسم الفرح كالختان وغيره فقد أخطأ. والصحيح هو أن تقاس المزامير المرسومة في كل بلد على الدف الوارد في الحديث بل الظاهر يقتضي وجوب ←

پہلی روشنی : مذہب حنفی میں کل باجے حرام ہیں ہدایہ شریف میں ہے۔

ان الملاهي كلها حرام حتىٰ التغني بضرب القضيب. (۱)

ونیز بزازیہ ودرمختار میں ہے:

استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام. (۲)

بخلاف مذہب شافعی کے کہ ان کے یہاں مباح اور ترک اولیٰ ہے چنانچہ آگے معلوم ہوتا ہے۔

دوسری روشنی: دف بھی چونکہ باجہ ہے لہٰذا حنفیہ نے تصریح وتشریح کردی کہ دف بھی حرام ہے شامی میں ہے:

استماع ضرب الدف والمزماروغيرذلك حرام. (۳)

شرح نقایہ میں ہے:

أما الاستماع فكاستماع ضرب الدف والمزماروالغناء وغير ذلك حرام. (۴)

ابوالمکارم میں ہے:

كره تحريما لهو كضرب الدف والمزمار. (۵)

مجموعہ فتاویٰ عزیزی رسالہ غنا میں کئی عبارتیں منقول ہیں: غنا وضرب بربط ودف ودوتاروطنبوراست وآں ہم بایں نص حرام اند۔

من استحله فقد كفر (۶) وفي فتاوى البيهقي: التغني واستماعه وضرب الدف وجميع أنواع الملاهي حرام ومستحلها كافر. (۷)

← **ضرب الدفوف في النكاح إذا قدر عليه فالذي يمنع منه هو لم يخض في مقاصد الشرع.**

(نزل الأبرار، كتاب النكاح، مكتبه سعيد بنارس ۲/۳)

(۱) هداية، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس، مكتبه اشرفية ديوبند ٤/٤٥٥ـ

(۲) الفتاوى البزازية، كتاب الكراهية، الفصل الثالث فيما يتعلق بالمناهي، زكريا جديد ۳/۲۰۲، وعلى هامش الهندية زكريا قديم٦/٣٥٩ـ

الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند٩/٥٠٤، كراچي٦/٣٤٩ـ

(۳) شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٥٦٦، كراچي ٦/٣٩٥ـ

(۴/۵/۶/۷) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

وفي النهاية: التغني والطنبور والبربط والدف ومايشبه ذٰلک حرام.(۱)

مالابد منہ میں ہے ملاہی ومزامیر وطنبور دہل ونقارہ ودف وغیرہ باتفاق حرام اند۔(۲)

تیسری روشنی : مذہب شافعی بموقعہ شادی وختنہ دف بجانا مباح ہے اور سوائے شادی وختنہ میں حرام کہا چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ اپنی کتاب کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع مطبوعہ مصر، ص: ۳۷ علی ہامش الزواجر میں لکھتے ہیں:

القسم الرابع في الدف المعتمد من مذهبنا انه حلال بلاكراهة في عرس وختان وتركه أفضل وهذا حكمه في غيرهما فيكون مباحا أيضا على الأصح في المنهاج وغيره. وقال جمع من أصحابنا: إنه في غيرهما حرام. (۳)

اور پیشوائے طریقہ سہروردیہ حضرت عارف باللہ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی شافعی علیہ الرحمۃ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں:

فأما الدف والشبابة وإن كان فيهما في مذهب الشافعي فسحة فالأولىٰ تركها والأخذ بالأحوط والخروج من الخلاف.(۴)

یعنی باوجود یہ کہ ہمارے مذہب شافعی میں دف کو جھانجہ کے ساتھ بھی بجانا مباح ہے اور ہمارے مذہب میں اس میں بڑی وسعت ہے مگر اس کا ترک کردینا بہتر ہے اور بہتری واحتیاط اسی میں ہے کہ دف بالکل ترک کردیا جائے دیکھو شیخ سہروردیؒ کا یہ کتنا نفیس خیال ہے کہ جب ہمارے مذہب میں مباح ہے نہ مستحب کہ بجانے سے ثواب ملے اور نہ واجب کہ ترک کردینے سے گناہ ہو۔ پس خیریت اس کے ترک کر دینے میں ہے کیونکہ اور مذاہب جیسے حنفیہ وغیرہ میں حرام ہے اور حرام سے گناہ ہوتا ہے تو خطر اور شبہ سے خالی نہیں اور شبہ کی چیزوں کا ترک کردینا تاکیدی حکم ہے۔

---

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) مالابد منہ فارسی، فصل درمتفرقات وآداب معاشرت، مکتبہ بلال دیوبند ص: ۱۱۸۔

(۳) كف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، القسم الرابع في الدف، مكتبه القرآن القاهرة ص: ٥٦۔

(۴) عوارف المعارف، الباب الثاني والعشرون في القول في السماع قبولا وإيثارًا، دارالمعارف ۲/ ۷۔

قال علیه الصلوٰة والسلام فمن اتقی المشبهات فقد استبرأ لدینه وعرضه. (۱)
وقال دع ما یریبک إلیٰ ما لا یریبک. (۲)

پر شیخ سہروردی نے فرمایا کہ: حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دف بجانا مسلمانوں کا طریقہ نہیں۔

عن الحسن أنه قال لیس الدف من سنة المسلمین. (۳)

چوتھی روشنی: مذہب شافعی میں جو بتقریب نکاح وختنہ دف کا مباح ہونا لکھا ہے وہ مطلقا مباح نہیں؛ بلکہ چند قیود وشرائط کے ساتھ مقید ومشروط ہے ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے ورنہ اباحت نہ رہے گی اور صاف حرمت آجائے گی، علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ نے اُن شرائط کو اپنے رسالہ **کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع** میں مفصلاً تحریر فرمایا ہے اس کا ضروری خلاصہ درج کیا جاتا ہے اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ احناف کیلئے بھی یہ شرائط قابل لحاظ ہیں:

اول شرط یہ ہے کہ خاص عورتیں اور لڑکیاں دف کے بجانے والی ہوں اور حکم اباحت خاص انھیں کے بجانے میں ہے نہ مردوں کے پس اگر تقریب نکاح یا ختنہ مین مرد بجائے گا تو جائز نہ ہوگا اور وہ مرد بوجہ تشبہ بالنساء کے ملعون ہوگا کیونکہ سلف میں کسی مرد کا بجانا ثابت نہیں ہوا، دف کے بجانے میں جس قدر احادیث وآثار ثابت ہیں سب میں عورتوں یا لڑکیوں کا ذکر ہے چنانچہ عبارت یہ ہے:

أنا إذا أبحنا الدف فإنما نبیحه للنساء خاصة وعبارة منهاجه: وضرب الدف لایحل إلا للنساء لأنه في الأصل من أعمالهن وقد لعن رسول الله ﷺ المتشبهین بالنساء

---

(۱) صحیح البخاري، کتاب الإیمان،باب فضل من استبرأ لدینه، النسخة الهندیة ۱/۱۳، رقم:۵۲۔

(۲) سنن الترمذي، أبواب الزهد عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، باب منه قبیل أبواب صفة الجنة، النسخة الهندیة ۲/۷۸، دارالسلام رقم:۲۵۱۸۔

(۳) عوارف المعارف، الباب الثالث والعشرون في القول في السماع ردا وانكارًا، دارالمعارف ۲/۲۱۔

قال الحسن: لیس الدف من أمر المسلمین في شيء. (فتح الباري لابن رجب، کتاب العیدین، باب سنة العیدین لأهل الإسلام، مکتبه الغرباء الأثریة المدینة المنورة ۸/۴۳۷، تحت رقم الحدیث:۹۵۲)

(إلیٰ قولہ) لم یحفظ عن أحد من رجال السلف انه ضرب به وبان الأحادیث والآثار إنما وردت في ضرب النساء والجواری به انتهی ملخصا. (۱)

دوسری شرط یہ ہے کہ جھانجھ نہ ہو اور بجانے میں کوئی تکلیف اور تصنع نہ کیا جاوے کہ طرب یعنی خوش آوازی معلوم نہ ہو بلکہ بالکل سادگی کے ساتھ ہاتھوں سے پیٹا جاوے چنانچہ فرماتے ہیں:

وخلا عن الصنج ونحوه وعن التانق والتصنع في الضرب بأن یکون ضرباً بالکف. (۲)

پھر لکھتے ہیں کہ دف اسی طریقہ سے مباح ہے جیسا عرب لوگ بجاتے ہیں کہ اسمیں رقص وسرود نہ پایا جاوے اور نہ انگلی کے سرے سے بجایا جاوے کہ اس میں بھی ایک طرح کی صنعت طرب ہے عبارت یہ ہے۔

وإنما یباح الدف الذی تضرب به العرب من غیر زفن أي رقص فأما الذي یزفن به وینقر أي برؤوس الأنامل ونحوها علی نوع من الأنغام فلا یحل الضرب به. (۳)

تیسری شرط یہ ہے کہ وقت نکاح یا وقت زفاف یا اس کے بعد تھوڑی دیر تک عورتیں دف بشرائط مذکورہ بجادیں چنانچہ لکھتے ہیں:

والمعهود عرفا أنه یضرب به وقت العقد ووقت الزفاف أو بعده بقلیل. (۴)

پانچویں روشنی: علامہ ابن حجرؒ نے ماوردی کا قول لکھا ہے کہ اب ہمارے زمانہ میں استعمال دف مکروہ ہے کیونکہ بے وقوفی اور سفاہتِ پائی جاتی ہے عبارت یہ ہے:

وأما في زماننا قال فیکره فیه لأنه أدی إلی السخف والسفاهة. (۵)

---

(۱) کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، في الدف أراء المعترضین، مکتبه القرآن القاهرة ص:۶۰۔

(۲) کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، في الدف أراء المعترضین، مکتبه القرآن القاهرة ص:۵۸۔

(۳) کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، القسم الرابع في الدف، أراء المعترضین، مکتبه القرآن القاهرة ص:۵۹۔

الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۷۲/۳۸۔

(۴) کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، القسم الرابع في الدف، أراء المعترضین، مکتبه القرآن القاهرة ص:۶۰۔

(۵) وخصه بعضهم ببعض البلدان الذي لا یتناکره أهلها في المناکح کالقریٰ والبواري، فیکره في غیرهما وبغیر زماننا. قال: فیکره فیه لأنه عدل به إلی السخف والسفاهة، ←

اس پر علامہ نے لکھا ہے کہ ہمارے اور ماوردی کے زمانہ میں پانچسو برس کا فاصلہ ہے اب تو اس سے زیادہ خرابی آگئی ہے میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن حجر کو بھی گزرے ہوئے قریب چار سو برس ہوئے شر وفساد کے سوائے خیر وصلاح کا نام نہیں ہے اب تو باوجود لحاظ شرائط مذکورہ ترک کر دینا چاہئے۔

چھٹی روشنی: اصل مذہب حنفیوں کا تو پہلی اور دوسری روشنی کے ذیل میں جو عبارات لکھی گئی ہیں اُن سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عموماً باجہ اور خصوصاً دف بھی حرام ہے اب بعض علماء حنفیہ جو اپنی کتابوں میں اعلان نکاح کے واسطے دف بجانا لکھتے ہیں تو اصل میں یہ قول ظاہر روایت کے خلاف ہے اور کچھ تعجب نہیں جو علماء حنفیہ کو روایات شافعیہ سے دھوکا ہو گیا ہو اور اس کے نظائر وامثال کتب حنفیہ میں کثرت سے ملتے ہیں کہ کسی ایک کتاب میں کوئی قول دوسرے مذہب کا کسی مصنف نے لکھا اور دوسروں نے اس کی دیکھا دیکھی اعتماد کر کے اپنی تصنیف مین درج کر دیا اور وہ یوں ہی نقل ہوتا چلا آیا۔ حتیٰ کہ دس بیس کتب میں منقول ہوا اب کسی عالم کو شبہ ہو سکتا ہے کہ مذہب حنفی کا یہ مسئلہ نہیں ہے مگر بوقت تحقیق معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قول خلاف مذہب نقل در نقل ہوتا آیا ہے۔ دیکھو علامہ ابن ہمام فتح القدیر باب نکاح الرقیق میں فرماتے ہیں:

فهذا هو الوجه وكثيرا اما يقلد السَاهون الساهين. (۱)

یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی پیروی کر لیتے ہیں۔

البحر الرائق کتاب البیوع باب المتفرقات میں لکھتے ہیں:

وقد يقع كثيرا ان مؤلفا يذكر شيئًا خطأً في كتابه فيأتي من بعده من المشايخ فينقلون تلك العبارة من غير تغيير ولا تنبيه فيكثر الناقلون لها وأصلها لواحد مخطيء. (۲)

← **وحكاه في البحر عنه وأقره. قال الأذرعي: وهو حسن غريب، وتأمل قوله: "وبغير زماننا" تعلم به أنه إذا كان في ذلك الزمن الذي بيننا وبينه أكثر من خمس مأة سنة قد عدل به إلى السخف والسفاهة فما بالك بزمن الذي لم يبق فيه معالم الخيرات إلا القليل وتعارفت فيه المنكرات حتى صارت هي التي التعديل. فإنا لله وإنا إليه راجعون.** (كف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، القسم الرابع في الدف، آراء المعترضين، مكتبه القرآن القاهرة ص:۵۸-۵۹)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۷۲/۳۸۔

(۱) فتح القدير، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، مكتبه زكريا ديوبند ۳۷۵/۳، کوئٹہ ۲۷۰/۳۔

(۲) البحر الرائق، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مكتبه زكريا ديوبند ۳۰۸/۶، کوئٹہ ۱۸۵/۶۔

یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک مؤلف کسی مسئلہ کے لکھنے میں خطا کرجاتا ہے اُس کے بعد علماء ومشائخ اس کی دیکھا دیکھی لکھتے چلے جاتے ہیں؛ حالانکہ خطا کرنے والا ایک ہی تھا۔ دیکھو صاحب درمختار نے بہ تبعیت صاحب النہر الفائق والبحر الرائق لکھدیا کہ ''أقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ'' قرآن میں ۸۲ جگہ ہے؛ حالانکہ یہ شمار غلط ہے صرف اعتماداً یہ غلط شمار منقول ہوتا گیا قرآن عظیم موجود ہے دیکھ لیجئے صرف ۳۲ جگہ یہ جملہ ملے گا (۱) پس ہماری کتب فقہیہ حنفیہ میں جو دف کا جواز اعلان نکاح کے واسطے لکھا ہوا ہے وہ اصل مذہب اور ظاہر الروایت کے خلاف ہے پس منشاء تقلید ہرگز یہ نہیں ہے کہ دف کو جائز سمجھا جاوے پس کسی عالم حنفي کی تصنیف یا فتاویٰ میں جواز لکھنے سے حقیقت میں جائز نہ ہوگا بلکہ ان حضرات علماء احناف محققین کا اپنی تصانیف وفتاویٰ میں لکھنا اسی پر محمول ہوگا کہ یہ ایک غلطی ہے جو نقل درنقل ہوتی گئی جس کا اصل مذہب میں پتہ نہیں اسی وجہ سے علامہ تورپشتیؒ نے فرمایا کہ دف اکثر مشائخ کے نزدیک حرام ہے اور اس حدیث کا جس میں اعلان نکاح کے واسطے دف بجانے کا ذکر آیا ہے ہمارے مشائخ حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ دف بجانے سے مراد اعلان ہے نہ حقیقت میں باجہ دف بجانا چنانچہ شرح نقایہ اور انقلاب الاحتساب وبستان العارفین میں یہ جواب مذکور ہے عبارت شرح نقایہ یہ ہے:

قال التورپشتی انه حرام علی قول أکثر المشایخ وما ورد من ضرب الدف في العرس کنایة عن الإعلان. (۲)

جب حدیث میں ضرب دف سے مراد اعلان اور تشہیر ہے تو پھر متاخرین علماء حنفیہ کا جائز کہنا اور اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا صحیح نہیں بلکہ بے محل ہے اور ضرب دف سے اعلان اور تشہیر کے مراد ہونے پر بڑا زبردست قرینہ یہ ہے کہ اب تک کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہ ہوا کہ زمانۂ رسالت میں کسی صحابي

---

(۱) کتاب الزکاة قرنها بالصلاة في اثنین وثمانین موضعا في التنزیل (الدر المختار وتحته في الشامیة: کذا عزاه في البحر إلی المناقب البزاریة وتبعه في النهر والمنح قال: وصوابه اثنین وثلاثین کما عده شیخنا السید رحمة الله تعالیٰ. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الزکاة، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ۱۷۰، کراچي ۲/ ۲۵۶)

النهر الفائق، کتاب الزکاة، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۴۱۱۔

البحر الرائق، کتاب الزکاة، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۳۵۲، کوئٹه ۲/ ۲۰۱۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

نے اعلان نکاح کیلئے دف بجا کر اُس حدیث کی تکمیل کی ہو حالانکہ صحابہ کرامؓ کو اتباع سنت میں جو شغف تھا وہ علماء پر مخفی نہیں اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ خود حضور ﷺ نے متعدد نکاح اپنا اور اپنی صاحبزادیوں کا فرمایا کبھی کسی نکاح میں آپ نے دف بجانے کا حکم نہیں دیا **من ادعی فعلیه البیان**. زیادہ سے زیادہ بخاری شریف کی حدیث ربیع بنت مجوذ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چند نابالغ لڑکیوں نے بعد زفاف کے دف بجایا تھا۔(۱)

اس حدیث سے بالغ عورتوں کا بجانا ثابت کر کے جواز سمجھنا ثابت اور صحیح کیونکر ہوسکتا ہے؛ کیونکہ لڑکیاں غیر مکلّف تھیں اگر کسی روایت سے بالغ عورتوں کا بجانا ثابت بھی ہو جائے تو اس کے جواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کافی ہے۔

أن رسول الله ﷺ نهى عن ضرب الدف ولعب الضنج وضرب الزمارة.(۲)

یعنی اس حدیث کی رو سے یہ کہا جائے گا کہ اگر آپ نے اجازت دی ہوگی تو پھر منع فرمادیا جس کو حضرت علیؓ نے ظاہر فرمایا۔ علاوہ اس کے جناب رسول اکرم ﷺ کے سامنے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دف کو مزمور الشیطان کہا اور حضور ﷺ نے سکوت فرمایا۔(۳)

خیال فرمایا جائے کہ اگر حضرت صدیق اکبرؓ کا دف کو مزمارۃ الشیطان فرمانا بجا اور صحیح نہ ہوتا تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور منع فرماتے پس بموجب اس روایت کے جب دف مزمور الشیطان ٹھیرا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ صحابہ کرام اس سے اعلان نکاح کرتے پس اکثر مشائخ حنفیہ کا حدیث ضرب دف سے اعلان اور تشہیر مراد لینا بہت بجا ہے کیونکہ زبان عربی اور فارسی کے محاورہ میں ضرب دف بول کر اعلان اور تشہیر مراد ہوا کرتی ہے۔

---

(۱)**عن خالد بن ذكوان قال: قالت الربيع بنت معوذبن عفراء: جاء النبي صلى الله عليه وسلم قدخل حين بنى علي فجلس على فراشي كمجلسك مني فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف. الحديث** (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ضرب الدف في النكاح، النسخة الهندية ۷۷۳/۲، رقم:۴۹۵۳، ف:۵۱۴۷)

(۲) كف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، مقدمة في ذم المعازف والمزامير، مكتبه القرآن القاهرة ص:۲۳۔

نيل الأوطار، كتاب الجهاد، باب ما جاء في آلة اللهو، دارالحديث القاهرة ۴۲۱/۸۔

(۳) **ولما يأتي عن الصديق رضي الله عنه أنه سماه مزمور الشيطان بحضرة رسول الله** ←

زبان عربی کا حال تو ابھی علامہ تورپشتی اور علامہ فقیہ امام الہدیٰ ابواللیث سمرقندی اور علامہ عمر بن محمد بن عوض سنامی رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال سے معلوم ہو چکا فارسی میں بھی دف زدن کے معنی اعلان کردن وشہرت دادن کے ہیں نظیر کے طور پر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا شعر جو بوستان میں ہے ملاحظہ فرمائیے:

یکے راچو من دل بدست کسے گرد بودومے بردخواری بسے
پس از ہو شمندی و فر زانگی بدف بر زدندش بدیوانگی(۱)

مصرعہ اخیر کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کی دیوانگی کا دف بجایا یعنی اس کو دیوانہ مشہور کیا پس جس طرح یہاں دف بجانے سے مشہور کرنا مراد ہے اسی طرح حدیث کا مطلب ہے کہ نکاح کو علانیہ کرو اور خوب مشہور کرو۔

ساتویں روشنی: تنزل کے درجہ پر اگر بعض علماء احناف متاخرین کا استدلال صحیح مان لیا جاوے کہ اعلان نکاح کے واسطے دف بجانا کچھ مضائقہ نہیں بلکہ مباح ہے تو ان شرائط وقیود کا لحاظ ضروری ہے جن کو مباح سمجھنے والوں نے بیان کیا ہے (شرط اول) جھانجھ نہ ہو (شرط دوسری) تطریب نہ ہو چنانچہ شامی اور فتاویٰ سراجیہ اور ابوالمکارم اور شرح نقایہ چاروں میں ہے۔

هذا إذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب. (۲)

(تیسری شرط) یہ ہے کہ بہت تھوڑی دیر تک بجایا جاوے۔ لمعات میں ہے:

دل الحديث على إباحة مقدار اليسير. (۳)

← **صلى الله عليه وسلم ولم ينكر عليه.** (كف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، القسم الرابع في الدف، مكتبه القرآن القاهرة ص:٥٦)

عن عائشةؓ قالت: دخل أبوبكر، وعندي جاريتان من جواري الأنصار تغنيان بما تقاولت الأنصار يوم العاث، قالت: وليستا لمغنيتين، فقال أبوبكر: أمزامير الشيطان في بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ وذلک في يوم عيد، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أبابكر! إن لكل قوم عيدا وهذا عيدنا. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب سنة العيدين لأهل الإسلام، النسخة الهندية ١/١٣٠، رقم: ٩٤٢، ف:٩٥٢)

(۱) بوستاں سعدی، حکایت صاحب نظر پارسا، سب رنگ کتاب گھر دہلی باب:۳، ص:۱۱۰۔

(۲) شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/٥٠٥، كراچي ٦/٣٥٠۔

(۳) لمعات التنقيح، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، الفصل الأول، مكتبه دار النوادر دمشق ٣/٥٥٢۔

مجمع البحار میں ہے: **أقر على القدر اليسير في نحو العرس والعيد الخ. (۱)**

پس آجکل جو جائز سمجھا جاتا ہے کہ متعدد دف برات کے ساتھ لیکر چلتے ہیں اور بجانے والے بھی کاریگر ہوتے ہیں جو کچھ دنوں تک بجانا سیکھتے ہیں جس میں صاف تطریب ہوتی ہے یہ کیونکر جائز ہوگا جائز ہونے کی صورت حسب تصریحات ان علماء کے صرف یہ ہوسکتی ہے کہ بعد نکاح چند مرتبہ ہاتھ سے دف یا اور کوئی باجہ پیٹ دیا جاوے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ نکاح ہوگیا پس قبل نکاح کے برات کے ساتھ دف لیجانا اور اس کو شرعی برات قرار دینا نہایت قبیح اور مذموم ہے اور اس میں شرعاً چند قباحتیں ہیں۔ اول لہو کیونکہ نکاح ابھی ہوا نہیں یہ اعلان کیسا۔ دوسرے نمایش کیونکہ برات کے ساتھ دف لیجانے میں سوائے نمایش کے دوسری غرض شرعی نہیں ہوسکتی اور نمایش خود حرام ہے تیسری اسراف کیونکہ بے محل بجایا، محل اس کا بعد نکاح ہے لہذا ناجائز، پس صورت کے ساتھ علماء متاخرین نے خلاف مذہب دف کے جواز کی صورت لکھی ہے وہ طریقہ مروج نہیں اور جو مروج ہے وہ خود اُن کے نزدیک جائز نہیں علاوہ اس کے سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ اعلان نکاح کے واسطے صرف دف کو لوگ جائز سمجھتے ہیں اور دوسرے باجوں کو ناجائز جانتے ہیں یہ ایک نہایت نامعقول بات ہے جن علماء متاخرین نے اعلان نکاح کے واسطے اپنے مذہب کے خلاف دف کی اجازت دی ہے وہی علماء لکھتے ہیں کہ اعلان نکاح کے واسطے دف کی تخصیص نہیں جس باجہ سے ممکن ہو اعلان کر سکتے ہیں مگر جو باجہ تینوں شرائط مذکورہ جو ابھی لکھی گئی ہیں ان کا لحاظ کرنا بہرحال لازم ہے۔

اب ان عبارتوں کو ملاحظہ فرمایئے جن سے دف کی خصوصیت نہیں ثابت ہوتی۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رسالہ سماع میں فرماتے ہیں۔

''چون ضرب دف برائے اعلان نکاح حلال یا مستحب باشد دہل وطنبورہ ونقارہ را از دف چہ تفاوت است برائے شہرت ہمہ حرام است وبرائے غرض صحیح ہمہ حلال باشد اعلان از ہر یک میشود فرق کردن در دف وغیرہ آں امر یست غیر معقول۔ (۲)'' اور اسی عدم خصوصیت کی وجہ سے علامہ طحطاوی نے طبلہ کو اعلان نکاح کے واسطے جائز لکھا ہے عبارت یہ ہے: '' **وطبل العروس فيجوز (۳)**''

---

(۱) مجمع بحار الأنوار، زمر، مكتبه دار الإيمان المدينة المنورة ٢/٤٣٨۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۳) حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، کوئٹہ ٤/٢٩۔

حضرت شاہ احمد سعید صاحب نقشبندی مجددیؒ تحقیق الحق المبین میں فرماتے ہیں۔ ''پس برقول مجیب حکم

دہل وتاشہ وغیرہ نیز موافق طبل قیاس کن ۔(۱)‘‘ علامہ شامی نے ردالمحتار میں ایک قاعدہ کلیہ تحریر فرمایا ہے جس سے کل باجوں کا اعلان نکاح کے واسطے بجانا ثابت ہے عبارت یہ ہے:’’ **ان اٰلة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو.** (۲)‘‘ دیکھو آلۂ لہو کو عموماً لکھا ہے کہ بقصد لہو حرام اور بغرض صحیح جائز کیونکہ دف اور غیر دف باجہ ہونے میں برابر ہے۔

خلاصۂ تحریر

پس خلاصۂ تحریر یہ ہے کہ اصل مذہب حنفی یہ ہے کہ دف (۳) وغیرہ کل باجے حرام ہیں شادی اور غیر شادی میں کسی وقت جائز نہیں ہاں مذہب شافعی میں صرف ختنہ ونکاح وغیرہ بعض مواقع سرور میں بپابندی شرائط مذکورۂ ذیل چوتھی روشنی مباح ہے اور ترک اولیٰ اور جو علماء احناف متاخرین خلاف مذہب جائز لکھتے ہیں وہ دف کی خصوصیت نہیں کرتے بلکہ کل باجوں کو بقصد لہو حرام اور بقصد صحیح مباح کہتے ہیں اور جن صورتوں سے مباح ہے وہ مروج نہیں پس مقلدین امام ابوحنیفہ علیہ الرحمتہ کے لئے خیریت اسی میں ہے کہ ہرگز اس کو اختیار نہ کریں ورنہ سخت خطرہ میں مبتلا ہوں گے۔(احقر ابوالاسحاق انصاری محمد آبادی)(تتمہ خامس، ص:۱۴۱)

---

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، مكتبه زكريا ديوبند ۹/۵۰۵، كراچي ٦/۳۵۰۔

(۳) دف بجانے کی اباحت ابتداء اسلام میں تھی یعنی ہجرت کے بعد چند سال تک جائز تھا، پھر بعد میں دف بجانا، شراب پینا، عورتوں کے بے پردہ رہنا وغیرہ احکام منسوخ ہو چکے ہیں۔ بخاری شریف میں حدیث دف ۲/۵۷۰، رقم:۳۸۵۷، ف:۴۰۰۱ رمیں موجود ہے، اس کے تحت علامہ عینیؒ نے منسوخ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے: **ومن يمنعه من العلماء يقول كان هذا وامثاله في ابتداء الإسلام الخ ۔** (عمدۃ القاری جدید ۱۲/۵۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مہر پر قدرت نہ ہونے کے وقت نکاح کا حکم

سوال (۱۱۲۴): قدیم ۲/ ۲۸۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کی آمدنی قلیل ہے اور عام رواج ہے کہ مہر کثیر ہوتا ہے کہ جسکو وہ شخص ادا نہیں کر سکتا ایسی صورت میں اس شخص کو نکاح کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اگر اس شخص کی حالت ایسی ہو کہ اس کے لئے نکاح کرنا فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ ہو یعنی نفس میں ایسا تقاضا ہو کہ اگر نکاح نہ کرے گا تو بظن غالب یا علی الیقین کسی معصیت میں مبتلا ہو جاوے اور معصیت عام ہے زنا اور نظر حرام اور استمناء بالید کو اور یہ صورت فرضیۃ ووجوب کی ہے یا اس درجہ کا تقاضا نہ ہو مگر اعتدال کے ساتھ تقاضا ہو اور یہ صورت سنیت کی ہے اور تینوں حال میں نفقۂ واجبہ پر قدرت ہو اسی طرح مہر معجّل پر قدرت ہو یا مہر مؤجل ہو گو في الحال اس پر قدرت نہ ہو تو ایسے شخص کو نکاح کرنا فرض یا واجب یا سنت ہے اور مہر کثیر پر قدرت نہ ہونا جبکہ وہ مؤجل ہو ترک نکاح میں عذر نہیں۔

ودليل الجميع ما في الدرالمختار ويكون واجبا عند التوقان فإن تيقن الزنا الابه فرض نهاية وهذا ان ملك المهر والنفقة وإلا فلاإثم بتركه بدائع ويكون سنة مؤكدة في الاصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوىٰ تحصينا وولدا حال الاعتدال أي القدرة على وطء ومهر ونفقة اه وفي رد المحتار تحت قوله عند التوقان قلت وكذا فيما يظهر لوكان لايمكنه منع نفسه عن النظر المحرم أو عن الاستمناء بالكف فيجب التزوج وإن لم يخف الوقوع في الزنا. وفيه تحت قوله وهذا ان ملك المهر والنفقة قلت ومقتضاه الكراهة ايضًا عندعدم ملك المهر والنفقة لانهما حق عبد ايضًا وان خاف الزنا لكن يأتى (أي في الدرالمختار بعد سطر) انه يندب الاستدانة له وهذا مناف للاشتراط المذكور إلا ان يقال الشرط ملك كل من المهر والنفقة ولو بالاستدانة اويقال هذا في العاجز من الكسب ومن ليس له جهة وفاء الخ. (۱)

---

(۱) الدرالمختا مع رد المحتار، كتاب النكاح، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٦٣ تا ٦٥، كراچي ٣/ ٦-٧۔

دلالت روایات کی جواب کے اجزاء پر ظاہر ہے صرف دو امر غالباً محتاج تنبیہ ہوں ایک یہ کہ روایات میں متبادر قدرت علی المہر سے قدرت فی المآل معلوم ہوتی ہے اور جواب میں قدرت کو عام لیا ہے فی الحال وفی المآل کو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مہر کی دو قسمیں ہیں تو قدرت بھی عام ہوگی۔ ہر قسم پر اُس کے مناسب قدرت ہوگی پس عموم ثابت ہوگیا نیز بالاستدانته اور لیس له جهة وفاء سے بھی مہر مؤجل کو شمول معلوم ہوتا ہے کیونکہ غیر کے مدیون بننے سے منکوحہ کا مدیون بالرضاء بننا اقرب الی الجواز ہے کیونکہ اس دین میں خود منکوحہ کے مصالح بھی ہیں اسی طرح زوجین میں باہم محبت ومودت رجاء ابراء کے لئے مقوی ہے خصوص نساء ہند میں اور برأت ذمہ وفاء اور ابراء میں مشترک ہے اور صورت وفاء میں بھی تدریج پھر تاجیل بالفراق استدانت غیر سے بھی سہل ہے پھر جواز استدانت کے بعد عسرت کی صورت میں وجوب امہال معلوم ہے پس قدرت علی الاستدانۃ میں قدرت علی المہر المؤجل بھی داخل ہوگئی۔

دوسرا امر محتاج تنبیہ یہ ہے کہ عبارت مقتضاہ الکراھت الخ سے متوہم ہوتا ہے کہ عدم قدرت علی المہر کی صورت میں باوجود خوف زنا کے مکروہ ہے اور اس کا جو جواب دیا گیا ہے وہ محض ایک توجیہ ہے جس کا حجت ہونا محتاج دلیل ہے اس کا جواب یہ کہ یہ توجیہ محض بحث نہیں بلکہ روایت استدانت اس میں صریح ہے اور صریح مقدم ہوگیا مقتضاء پر پس ان دونوں امر کی تحقیق کے بعد کوئی جزو روایات مذکورہ کی دلالت سے خارج نہ رہا وللہ الحمد پس صورت مسئولہ میں قیود مذکورہ جواب کے ساتھ نکاح کا تاکد ثابت ہوگیا اور یہی مقصود تھا اب صرف ایک شبہ کا رفع کرنا باقی رہ گیا وہ کہ بعض روایات میں (جو کہ عنقریب مذکور ہوں گی) نکاح میں ادائے مہر کی نیت نہ ہونے پر وعید آئی ہے اور ظاہر ہے کہ مہر کثیر ناقابل تحمل کے ادا کی نیت نہایت مستبعد ہے تو ایسی حالت میں نکاح کرنا ممنوع ہوگا اور اس سے جواب بالا مخدوش ہوجاویگا اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں یہ الفاظ ہیں:۔

نمبر (۱): ینوی ان لایعطیھا من صداقھا شیئا الخ

نمبر (۲): وھو ینوی ان لایؤدیہ الیھا

نمبر (۳): وھو لیس فی نفسہ ان یؤدی الیھا ھا خدعھا الخ۔

ان الفاظ میں ادنیٰ تامل کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی عذر کے سبب عدم نیت اداء پر وعید نہیں ہے بلکہ نیت عدم اداء پر وعید ہے۔

حیث قال ینوی ان لا یعطیها وهو ینوی ان لا یؤدیه ولم یقل لا ینوی أن یعطیها ولا ینوی ان یؤدیه.

اور دونوں عنوانوں کا تفاوت ظاہر ہے اور تیسری روایت میں جو لا ینوی کا مرادف وارد ہے یعنی "**لیس فی نفسه أن یؤدی الخ**" سو مراد اس سے بھی ینوی ان لا یؤدی ہے جس کا قرینہ اسی روایت میں خدعہا کے ساتھ تفسیر فرمانا ہے کیونکہ خداع میں نیت عدم ادا ہوتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے پس سب روایات کا حاصل مشترک نیت عدم اداء ہے نہ کہ عدم نیت اداء۔ البتہ عدم نیت اداء اگر بلا عذر ہو تو احکام میں وہ بھی بجائے نیت عدم اداء کے ہوتی ہے جیسے پورا وقت نماز کا گزر جائے اور کوئی مکلّف اداء کی نیت نہ کرے تو یہ عدم نیت اداء بجائے نیت عدم اداء کے ہوگی۔ لیکن عذر کی حالت میں اس کا حکم جدا ہوگا اسی لئے میں نے عذر کی قید لگائی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ حالت عذر میں محض صورۃً عدم نیت ہوتی ہے ورنہ واقع میں ادا ہی کی نیت ہوتی ہے اس طرح سے کہ جب عذر مرتفع ہو جاوے گا ادا کردوں گا پس وہ شبہ بھی رفع ہو گیا اور جواب مذکور خدشہ سے سالم رہ گیا اب وہ روایات نقل کرتا ہوں جن کے کچھ کچھ ٹکڑے جواب شبہ بھی نقل کئے گئے ہیں وہ روایات یہ ہیں:

روی الطبرانی في الکبیر عن صهیب الخیر رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول أیما رجل تزوج امرأة ینوی ان لا یعطیها من صداقها شیئًا مات یوم یموت وهو زانٍ. الحدیث (۱) وفي اسناده عمرو بن دینار متروک وروی البزار وغیره عن أبي هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ من تزوج امرأة علی صداق وهو ینوی ان لا یؤدیه إلیها فهو زان. الحدیث (۲) وروی الطبرانی في الصغیر والأوسط ورواته ثقات عن میمون الکردی عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول أیما رجل تزوج امرأة علی ما قل من المهر أو کثر ولیس في نفسه أن یؤدی إلیها حقها خدعها فمات ولم یؤد إلیها حقها لقی الله تعالیٰ یوم القیٰمة وهو زان. الحدیث (۳)

---

(۱) المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي ۳۵/۸، رقم:۷۳۰۲۔

(۲) مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم، ۲۵۶/۱۵، رقم:۸۷۲۱۔

(۳) المعجم الأوسط للطبراني، دارالکتب العلمیة بیروت ۵۰۱/۱، رقم:۱۸۵۱۔

الروايات كلها في الترغيب والترهيب في ذكر الترهيب من الدين. (۱)

نیز یہ امر قابل غور ہے کہ ان روایات میں جو عدم اداء پر وعید ہے اس کی علت اضرار ہے صاحب حق یعنی منکوحہ کا تو اصل وعید کا مدار اضرار و اتلاف حق ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ صاحب حق مطالبہ کرتا ہو اور یہ بلا عذر ٹال مٹول کرے جس کو "**حديث مطل الغني ظلم** (۲)" میں ظلم فرمایا ہے اور عذر میں تو آیت "**وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَة** (۳)" میں خود امہال کو واجب فرمایا ہے یا اس صورت میں ہے کہ صاحب حق سے وعدہ تعجیل کا کیا تھا اور نیت میں تاجیل تھی جس کو اوپر ایک روایت میں خداع فرمایا ہے اور جس صورت میں نہ اضرار و اتلاف ہو نہ خداع ہو؛ بلکہ صاحب حق کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ یہ حق مؤجل ہے اور وہ اُس پر راضی ہو یا من علیہ الحق کو توقع قوی ہو کہ صاحب حق معاف کردے گا خواہ وہ بعد میں معاف کرے یا نہ کرے تو ان دونوں صورتوں میں علت معدوم ہوگی پس حکم وعید بھی معدوم ہوگا اور ہندوستان میں عام عادت سے تاجیل پر رضا معلوم ہے یا توقع ابراء مظنون ہے اس لئے اس حالت میں اداء میں توقف محل وعید نہ ہوگا اور اتلاف حق دین پر وعید کچھ نکاح کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مطلق دین کے اتلاف پر وعید آئی ہے چنانچہ احادیث بالا کی ساتھ ہی کتاب الترغیب والترہیب میں وہ وعید بھی مذکور ہے:

عن أبي هريرة رضـ قال: قال رسول الله ﷺ من أخذ أموال الناس يريد أداء ها أدى الله عنه (في الدنيا أو في الآخرة كما ورد كلاهما في هذا المقام ايضاً) ومن أخذ أموال الناس يريد إتلافها أتلفه الله. الحديث (۴)

---

(۱) الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، باب الترهيب من الدين وترغيب المستدين، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۳۷۲-۳۷۴، دار الكتاب العربي رقم: ۲۶۹۰ تا ۲۶۹۶۔

(۲) **عن أبي هريرة رضـ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: مطل الغني ظلم ومن أتبع على ملي فليتبع.** (صحيح البخاري، كتاب الحواله، باب إذا حال على ملي فليس له رد، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۵، رقم: ۲۲۳۳، ف: ۲۲۸۸)

(۳) سورة البقرة: ۲۸۰۔

(۴) الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهيب من الدين وترغيب المستدين، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۳۷۱، دارالكتاب العربي رقم: ۲۶۸۶۔

صحيح البخاري، كتاب الاستقراض، باب ما أخذ أموال الناس يريد أداء ها وإتلافها، النسخة الهندية ۱/ ۳۲۱، رقم: ۲۳۲۵، ف: ۲۳۸۷۔

اور بھی اس مقام پر اس قسم کی چند حدیثیں وارد ہیں جن میں اشتراء کے بعد ثمن نہ دینے والے کو خائن اور دین ادا نہ کرنے والے کو سارق فرمایا ہے(۱) جیسے مہر نہ دینے والے کو زانی فرمایا ہے شاید نکتہ اس میں یہ ہو کہ مہر بضع کے متعلق ہے جیسا زنا اور ثمن اور دین مال کے متعلق ہے جیسا خیانت وسرقہ سو اس نکتہ کے سبب وعید کے عنوان میں اختلاف ہے ورنہ نفس معنون میں سب برابر ہیں یعنی اصل مقصود اتلاف حق واجب پر معصیت کا حکم فرمانا ہے گو تشبیہ اس معصیت کی ہر مقام پر جدا معصیت سے ہے۔ للتنا سب میں طرفی التشبیہ واللہ اعلم

ولقبت هذه العجالة بتحقيق التشبيه بأهل السفاح +لمن لا يريد أداء المهر في النكاح .

۲۰/ رجب ۱۳۵۲ھ (النور رجب ۱۳۵۳ھ، ص:۷)

خلوت صحیحہ کے بعد جماع میں زوجین کا اختلاف غیر معتبر ہے

سوال (۱۱۲۵): قدیم ۲/ ۲۹۰- اور ایک مسئلہ ضروری یہ ہے ”إذا اختلف الزوجان في الدخول“، تو بعض فتاویٰ میں لکھا ہے: القول قوله وفي بعض القول قولها. تو کس پر فتویٰ ہوگا، تو جس صورت میں زوج محلل بعد خلوت صحیحہ ودخول بوجہ خبث باطنی ولالچ دنیاوی دخول سے انکاری ہے اور زوجہ اقراری ہے اور شاہدین اُن کی خلوت صحیحہ وتنہائی کی شہادت دیتے ہیں تو قطع نظر از دخول یہ خلوت صحیحہ دخول مجازاً تو ہے گو حقیقتہً نہیں اور غالب ظن اس امر کا ہے کہ مرد وعورت جب چار پانچ روز ایک ہی مکان میں بدون ثالث شب باشی کریں تو کیونکر سالم رہیں گے اگر چہ محلل انکار کرے؟

---

(۱) عن صهيب الخير رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ...... أيما رجل اشترى من رجل بيعًا ينوي أن لا يعطيه من ثمنه شيئًا مات يوم يموت وهو خائن والخائن في النار. (الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، باب الترهيب من الدين وترغيب المستدين، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۳۷۲، دارالكتاب العربي رقم: ۲۶۹۰)

عن ميمون الكردي عن أبيه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم لامرة ولا مرتين ولا ثلاثة حتى بلغ عشر مرار: ...... أيما رجل استدان دينا لايريد أن يؤدي إلى صاحبه حقه خدعه حتى أخذ ماله فمات ولم يؤده لقي الله وهو سارق. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۰۱، رقم: ۱۸۵۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب(*): **في الدر المختار: أوّل باب المهر ويجب نصفه بطلاق قبل وطء أوخلوة (۱) وفيه في أحكام الخلوة ولو افترقا فقالت بعد الدخول وقال الزوج قبل الدخول فالقول لها. وفي رد المحتار قوله فقالت بعد الدخول يطلق الدخول على الوطء وعلى الخلوة المجردة والمتبادر منه الأول والمراد هنا الاختلاف في الخلوة مع الوطء أو في الخلوة المجردة لافي الوطى مع الاتفاق على الخلوة لأن الخلوة مؤكدة لتمام المهر وفيه ويظهر لى أرجحية القول الاوّل (أي ان القول لها لاله) ولذا جزم به المصنف الخ (۲)**

اس سے معلوم ہوا کہ جب خلوت صحیحہ ہوچکی ہے جیسا سوال سے ظاہر ہے تو یہ اختلاف مضر نہیں کیونکہ خلوت بدون وطی کے بھی مؤکد ہے تمام مہر کی (۳) البتہ اگر خلوت میں بھی اختلاف ہوتا تو اس وقت عورت کا قول مع الیمین معتبر ہوتا (۴) البتہ اگر نکاح فاسد ہو تو اس میں خلوت مثل وطی کے نہیں۔

(*) یہ جواب باعتبار وجوب مہر وعدم وجوب مہر کے ہے اور ایک سوال ایسا ہی کتاب الطلاق میں آتا ہے، وہ بہ اعتبار حلالہ وعدم حلالہ کے ہے۔ ۱۲ منہ

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٢٣٥/٤-٢٣٦، كراچي ١٠٤/٣-

(۲) شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في أحكام الخلوة، مكتبه زكريا ديوبند ٢٥٩/٤، كراچي ١٢١/٣-

(۳) **أما بيان مايتأكد به المهر؛ فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين.** (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، بيان ما يتأكد به المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٥٨٤/٢، كراچي ٢٩١/٢)

الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٧٢/١٩-

المهر كما يتأكد بالدخول يتأكد بالخلوة الصحيحة عندنا لأن البدل في عقود المعاوضات يقرره بتسليم من له البدل [المبدل] لا بحقيقة استيفاء المبدل. (المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في المهر، المجلس العلمي ١٥١/٤، رقم: ٣٨٩١)

(۴) **وفي القنية: افترقا فقالت: افترقنا بعد الدخول، وقال الزوج قبل الدخول فالقول قولها لأنها تنكر سقوط نصف المهر.** (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٢٥٦/٣، كوئٹه ١٤٦/٣)

وفي الدر المختار: ويجب مهر المثل في نكاح فاسد بالوطى في القبل لا بغيره كالخلوة لحرمة وطئها. (۱)

اوراگراس میں اختلاف ہوتو بھی عورت کا قول مع الیمین معتبر ہے۔

۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص:۸۹)

غیرولی کی اجازت سے نکاح کے صحیح ہونے کی شرطیں

سوال (۱۱۲۶): قدیم ۲/۲۹۱- فی زماننا اکثر بیوہ عورتیں اپنے جیٹھ اور دیور اور سُسر سے لڑکر علیحدہ ہوجاتی ہیں اور پھر وہ اپنی نابالغہ لڑکیوں کا نکاح بلاحصول اذن جیٹھ وسُسر ودیور وغیرہ ورثاء کے اپنی مرضی کے موافق جہاں چاہیں کردیتی ہیں شرعاً ایسے نکاح درست ہیں یا حرام؟ پھر ایسے نکاحوں سے جواولاد پیدا ہوتی ہے وہ اپنے باپ دادا چچا تائے کے متروکہ میں سے حصہ لینے کی مستحق ہیں یانہیں؟

الجواب: اگر یہ لڑکی جس کا نکاح ہوا ہے بالغ ہے اور تصریحاً اس نے اجازت دیدی ہے یاسنکر سکوت کیا لیکن صحبت کے وقت رضامند ہے تو نکاح ہوگیا ورنہ نکاح نہیں ہوا۔

في الدر المختار: وهو أي الولي شرط صحة نكاح صغير الخ (۲)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٧٤-٢٧٥۔

ولا يجب شيء بلا وطء في عقد فاسد وإن خلابها فإن وطأ وجب مهر المثل لا يزاد على المسمى. (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر، فصل دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٥٢٢)

وفي النكاح الفاسد إنما يجب مهر المثل بالوطء (كنز) وتحته في النهر: في القبل لأنه لا جائز أن يجب بالعقد لفساده ولا بالخلوة لوجود المانع الشرعي فيها وبالوطء قداستوفى منافع بضعها. (النهر الفائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٥٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ١٥٥، كراچي ٣/ ٥٥۔ ←

وفيه فإن استأذنها غير الأقرب كأجنبى أو ولي بعيد فلا عبرة لسكوتها بل لابد من القول كالثيب البالغة (إلىٰ قوله) أو هو في معناه كطلب مهرها وتمكينها من الوطء. (۱)

اور جس صورت میں نکاح صحیح ہے میراث بھی ملے گی اور جس صورت میں صحیح نہیں میراث نہ ملے گی، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (امداد جلد:۲،ص:۱۹)

زوجہ سے یہ شرط کرنا

سوال (۱۱۲۷): قدیم ۲/۲۹۱- زید نے کہا کہ اگر نکاح کروں میں کسی عورت سے بعد نکاح کے ان پر طلاق ہے اس صورت میں نزدیک حنفی کے طلاق واقع ہوگی یا نہیں باوجود ایسے کہنے کے وہ بغیر نکاح کے زنا میں مبتلا ہونے کا نہایت اندیشہ ہے اس حالت میں نزدیک حنفی کے کوئی صورت ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو دوسرے امام کی تقلید جائز ہے یا نہیں؟

← **إن الولي ركن من أركان العقد عند غير الحنفية وهو شرط صحة نكاح صغير ومجنون ورقيق في مذهب الحنفية.** (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، الفصل الرابع، الولاية، مكتبه زكريا ديوبند ۸/۷۰۵)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٦٤-١٦٥، كراچي ٣/٦٢۔

وإن استأذنها غير الولي فلا بد من القول كالثيب أي فلا يكفى السكوت (إلى قوله) إن الرضا بالقول لايشترط في حق الثيب أيضًا بل رضاها هنا يتحقق تارة بالقول كقولها رضيت وقبلت و أحسنت وأصبت أوبارك الله لنا ولك ونحوها وتارة بالدلالة كطلب مهرها نفقتها أوتمكينها من الوطء. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٢٠٢ تا ٢٠٤، كوئٹه ٣/١١٥-١١٦)

النهر الفائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٠٥-٢٠٦۔

ولو استأذنها غير الولي الأقرب أجنبيًا كان أو قريبًا لا ولاية له ككافر وعبد فلا بد من القول الدال على الرضا صريحًا أو دلالة كطلب المهر والنفقة والتمكين. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية بيروت ١/٤٩٢) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

سوال (۱۱۲۷): قدیم ۲/ ۲۹۱- زید نے کسی عورت سے نکاح کرنے کے بعد اُس سے اس طرح وعدہ کیا کہ تمہاری وفات کے بعد اگر کسی سے میں نکاح کروں تو اس پر طلاق ہوگا۔ اس صورت میں اُس کی منکوحہ کا انتقال ہوگیا اور زید کو بغیر نکاح کے زنا میں مبتلا ہونے کا نہایت اندیشہ ہے اس حالت میں اس کو کسی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نزدیک حنفی کے اور اگر نہیں تو کسی دوسرے امام کی تقلید جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: دونوں سوالوں کا جواب ایک ہی ہے وہ یہ کہ ان تینوں صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک نکاح کرتے ہی طلاق واقع ہوجاوے گی (۱)؛ لیکن اگر کسی شخص کو اس قدر غلبہ شہوت کا ہو کہ بدون نکاح زنا کا اندیشہ ہو تو اس کو جائز ہے کہ شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرلے، بعد تحریر جواب ہذا یہ سمجھ میں آیا کہ بلا ضرورت شدیدہ دوسرے امام کے مذہب پر عمل نہ کرنا چاہئے (۲) اور یہاں یہ صورت ہوسکتی ہے کہ فضولی اس شخص کا نکاح کردے اور یہ شخص اس کو اجازت بالقول سے نافذ نہ کرے بلکہ اُس عورت سے جا کر صحبت کرلے اس سے وہ نکاح نافذ ہوگا۔ (۳)

۲۱/ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ

---

(۱) **أما التعليق بالملك فنحو أن يقول لأجنبية: إن تزوجتك فأنت طالق وإنه صحيح عند أصحابنا حتى لو تزوجها وقع الطلاق وعند الشافعي لا يصح ولا يقع الطلاق ...... وعلى هذا الخلاف إذا قال: كل امرأة أتزوجها فهي طالق فتزوج امرأة طلقت عندنا ولو تزوج تلك المرأة ثانيًا لا تطلق.** (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، وأما الذي يرجع إلى المرأة فمنها الملك، مكتبه زكريا ديوبند۳/ ۲۰۸-۲۰۹)

إذا أضاف الطلاق إلى النكاح وقع عقيب النكاح مثل أن يقول لامرأة إن تزوجتك فأنت طالق أو كل امرأة أتزوجها فهي طالق وقال الشافعي لا يقع. (هداية، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه اشرفية ديوبند ۲/ ۳۸۵)

(۲) **وقد نصوا أنه لا بأس بتقليد غير إمامه عند الضرورة لكن بشرط أن يلتزم جميع ما يوجبه ذلك الإمام لأن الحكم الملفق باطل بالإجماع؛ ولهذا أفتوا ببعض أقوال الإمام مالكؒ ضرورة كما في المفقود.** (قواعد الفقة اشرفي ص:۵۷۶)

الدر المختار مع در المحتار، كتاب الصلاة، قبيل باب الأذان، مكتبه زكريا ديوبند۲/ ۴۶، كراچي ۱/ ۳۸۲۔

(۳) **إذا قال: كل امرأة أتزوجها فهي طالق فزوجه فضولي وأجاز بالفعل بأن ساق** ←

← **المهر ونحوه لا تطلق.** (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه زكريا ديوبند ٤/١٠٦، كوئٹه٣/٤٤٦)

كل امرأة أتزوجها طالق والحيلة فيه ما في البحر من أنه يزوجه فضولي ويجيز بالفعل كسوق الواجب إليها أو يتزوجها بعد ما وقع الطلاق عليها؛ لأن كلمة كل لا تقتضي التكرار. (شامي، كتاب الطلاق، باب التعليق، مطلب: التعليق المراد به المجازاة دون الشرط، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٥٩٤، كراچي٣/٣٤٥)

البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب التعليق، مكتبه زكريا ديوبند ٤/٧، كوئٹه٤/٤ ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ / باب الجهاز والمهر

نافرمانی کی حالت میں شوہر سے جہیز کی واپسی اور مہر وصول کرنے کی مستحق ہے یا نہیں؟

سوال (۱۱۲۸): قدیم ۲/۲۹۲- کیا بلاحصول طلاق منجانب خاوند بی بی یا اس کا ولی ایسی صورت یا کسی حالت میں کہ بی بی خود یا ولی اس کا عدم موجودگی و بلا اجازت شوہر وعدم رضا مندی اُن اشخاص کے کہ جن کی حفاظت میں ہے بجبر چلی جاوے یا اپنے مکان پر لے جاوے مستحق پانے دین مہر و واپسی اسباب جہیز کے شوہر سے ہو سکتے ہیں؟

الجواب: مہر مثل دیگر دیون کے شوہر پر دین لازم ہے اور دین نشوز سے ساقط نہیں ہوتا تو اگر عورت بلا اجازتِ شوہر اپنے والدین کے گھر چلی گئی بوجہ نافرمانی کے گنہگار ہوئی لیکن مہر کا استحقاق باطل نہیں ہوا (۱) اور اسباب جہیز کا واپس کرنا یہ بات عرف کے متعلق ہے اگر عرفاً جہیز کو دختر کے مِلک کرتے ہوں تو وہ اسباب اس کا مملوک ہے اپنی چیز کی واپسی کا اختیار ہے اور اگر عرفاً شوہر کی ملک کرتے ہوں تو واپس کرنا

---

(۱) **والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لايسقط منه شيء بعد ذلك إلابالإبراء.** (الفتاوى العالمگيرية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۳۰۳، جديد ۱/۳۷۰)

وإذا تأكد المهر بما ذكر لايسقط بعد ذلك......لأن البدل بعد تأكده لايحتمل السقوط إلا بالإبراء. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبة زكريا ديوبند٤/٢٣٣، كراچي ٣/١٠٢)

بدائع الصنائع، كتاب النكاح، بيان مايسقط به كل المهر، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٥٩١، كراچي ٢/٢٩٥-

عورت کو تو جائز نہیں اور ولی کا واپس کرنا رجوع فی الھبہ ہے جو اس کا حکم ہے وہی اس کا جو شرائط وموانع اس کے ہیں وہی اس کے اور واپس کرنا مکروہ ہوگا جو عرفاً دونوں کا مملوک کرتے ہوں تو شئے مشترک ہے بغیر تقسیم (*) واپسی درست نہیں۔(۱) فقط

۲۶/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ (امداد، ص:۳۰، ج:۲)

نکاح کے وقت مہر کی مقدار میں زوجین کے اختلاف کا حکم

سوال (۱۱۲۹): قدیم ۲/۲۹۲- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بحالت قیام نکاح زوج اور زوجہ میں تعداد مہر میں اختلاف ہوا زوج کم بیان کرتا ہے اور زوجہ زیادہ بیان کرتی ہے اور دونوں نے اپنے اپنے تائید قول میں گواہ پیش کئے اور زوجہ نے اپنے مہر مثل کی تعداد اپنی ظاہر کی ہوئی تعداد سے بھی زیادہ ثابت کرائی تو اس حالت میں کس کا قول صحیح سمجھا جائے؟

(*) البتہ تقسیم یا تہایو یعنی باری باری سے منتفع ہونے کا مطالبہ جائز ہے۔۱۲ منہ

---

(۲) جهز ابنة ثم ادعى أن مادفعه لها عارية وقالت هو تمليک أوقال الزوج ذلک بعد موتها ليرث منه، وقال الأب أو ورثته بعد موته لها عارية فالمعتمد أن القول للزوج ولها إذا كان العرف مستمرا أن الأب يدفع مثله جهازا لا عارية وأما إن مشتركا كمصر وشام، فالقول للأب (الدر) وتحته في الشامية: والمعتمد البناء على العرف كماعلمت. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية، مكتبة زكريا ديوبند ٤/٣٠٧ تا ٣٠٩، كراچي ٣/١٥٦-١٥٧)

الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع: الفصل السادس عشر، مكتبة زكريا ديوبند قديم ١/٣٢٧، جديد ١/٣٩٣.

وفي الفتاوى الخيرية: سئل فيما يرسله الشخص إلى غيره في الأعراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزمه الوفاء به أم لا؟ أجاب: إن كان العرف بأنهم يدفعونه على وجه البدل يلزم الوفاء به...... وإن كان العرف خلاف ذلک بأن كانوا يدفعونه على وجه الهبة ولاينظرون في ذلک إلى إعطاء البدل فحكمه حكم الهبة في سائر أحكامه بعد الهلاک أو الاستهلاک، والأصل فيه أن المعروف عرفا كالمشروط شرطا. (شامي، كتاب الهبة، مكتبة زكريا ديوبند ٨/٥٠١، كراچي ٥/٦٩٦) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

في الدرالمختار: وإن اختلفا في قدره حال قيام النكاح (إلىٰ قوله) إن أقاما البينة فبينتها مقدمة إن شهد مهر المثل له وبينته مقدمة إن شهد مهر المثل لها؛ لأن البينات لإثبات خلاف الظاهر (۱) واللہ اعلم

۴؍رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ (امداد، ج:۲،ص:۳۳)

مہر مؤجل کی میعاد ایسی مجہول ہو کہ اُس کی تعیین نہ ہو سکے تو یہ مہر معجّل سمجھا جائیگا

سوال (۱۱۳۰): قدیم ۲/۲۹۳- زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ تین برس گزرے جب ہوا اور اولاد بھی پیدا ہوئی اب باہم رنجش ہوئی تو ہندہ کہتی ہے میرا نصف مہر مؤجل تھا اور نصف غیر مؤجل تھا اور کوئی مدّت اور وقت مؤجل کا نہیں بیان کرتی کہتی ہے کہ مجھ کو نصف مؤجل ادا کر دو تو تمھارے پاس رہونگی ورنہ نہیں رہوں گی اب زید نے نالش رخصت کی دائر کی اس حالت میں قاضی کو کیا حکم دینا چاہئے؟ بینوا توجروا

---

(۱) الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب مسائل الختلاف في المهر، مكتبة زكريا ديوبند ٤/٢٩٧، كراچي ٣/١٤٨-١٤٩.

وإن اختلفا أي الزوجان حال قيام النكاح في قدرالمهر بأن ادعي أنه تزوجها على ألف وادعت أنه بألفين (إلى قوله) وإن برهنا فبينته أولى حيث يكون القول لها وبينتها أولى حيث يكون القول له لأن بينة من لم يشهد له الظاهر أولى لأنها تثبت الحط والزيادة.

(مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر، فصل، دار الكتب العلمية بيروت ١/٥٢٨-٥٣٠)

ولو اختلفا أي الزوجان في قدر المهر نقداً كان أو مكيلا أو موزونا أو دينا ......حكم مهر المثل (إلى قوله) وإن برهنا فللمرأة ظاهر فيما إذا كان مهر المثل شاهدا له أما إذا شهد لها فتقديم بينتها أحد قولين وجزم الشارح وغيره بأن البينة له لأنها تظهر حط الألف عن مهر المثل .

(النهر الفائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٢٦٠-٢٦١)

موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، الزواج وآثاره، الفصل السادس، الاختلاف في المهر، مكتبة اشرفية ديوبند ٨/٢٩٩۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: عورت کے موافق حکم دینا چاہئے۔

في الـدرالمختار: ولها منعه من الوطء (إلىٰ قوله) فكما شرط؛ لأن الصريح يفوق الدلالة إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا غاية.(۱)

البتہ اگر شوہر ثابت کردے کہ اجل معلوم ہے اور وہ اجل اب تک نہیں آئی تو عورت کے موافق حکم نہ ہوگا گو اس صورت میں بھی اگر کچھ غیر موجل ہو اس کے لینے تک عورت تسلیم نفس سے عذر کرسکتی ہے۔(۲) واللہ اعلم (تاریخ بالا)

ادائیگی مہر میں نیت کی ضرورت

سوال (۱۱۳۱): قدیم ۲/۲۹۳- زکوٰۃ میں تصریح ہے کہ اداء زکوٰۃ کے وقت اگر نیت نہ کی ہو تو جب تک مال قبضہ فقیر میں باقی رہے زکوٰۃ کی نیت کرلینا جائز ہے کسی نے زوجہ کو مہر دیا لیکن دیتے وقت نیت نہ کی تو کیا اسی پر قیاس کرکے قیام مال فی یدہا تک نیت جائز ہے اور نیت لاحقہ سے بھی مہر ادا ہوجائے گا یا پھر دینا پڑے گا؟

---

(۱) الـدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في منع الزوجة نفسها بقبض المهر، مكتبة زكريا ديوبند ٤/٢٩٠-٢٩١.

(۲) **وللمرأة منع نفسها من الوطء والسفر حتىيوفيها قدرما بين تعجيله من مهرها كلا أو بعضا...... وإن لم يبين قدر المعجل فقدرما يعجل من مثله عرف(ملتقي الأبحر) وتحته في مجمع الأنهر: أي ماحكم به العرف يعني ينظر إلى المسمى والمرأة فإن حكم بتعجيل بعض لها وتأجيل بعض فذاك وهو الصحيح لأن المعروف كالمشروط بخلاف ما إذا شرطا تعجيل الكل إذلاعبرة بالعرف (إلى قوله) وليس لها ذلك المنع لو أجل كله أي المهر (إلى قوله) وأما لوكان الأجل مبهما كهبوب الريح فحينئذٍ يكون المهر حالا الخ.** (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر، فصل، دارالكتب العلمية بيروت ١/٥٢٦ تا ٥٢٨)

تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٥٧٤ تا ٥٧٦، امدادية ملتان ٢/١٥٥-١٥٦۔

البحرالرائق، كتا ب النكاح، باب المهر، مكتبة زكريا ديوبند ٣/٣٠٨ تا٣١٠، كوئٹة ٣/١٧٦ تا ١٧٨۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: جب دینے کے وقت کچھ نیت نہیں کی تو ظاہر ہے کہ یہ تملیک ہبہ ہوئی ادائے دین نہیں ہوئی اور درمختار کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ ہونے کے بعد مہر نہیں بنتا۔

في باب المهر منه ولو بعث إلىٰ امرأته شيئًا ولم يذكر جهة عند الدفع غير جهة المهر كقوله لشمع أوحناء ثم قال إنه من المهر لم يقبل قنية لوقوعه هدية فلا ينقلب مهرا (۱) الخ قلت علله بوقوعه هدية ووقوعه هدية يكون بالذكر قضاء وبلا ذكره ديانة فلما لم ينو كونه من المهر وكان كونه مهرا متوقفا على هذه النية ديانة وقع هدية فلا ينقلب مهراً.

بخلاف زکوٰۃ کے کہ خود زکوٰۃ بھی تبرع ہے اور ہدیہ بھی تبرع، یہاں کا انقلاب غیر تبرع کی طرف لازم نہیں آتا اسلئے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور مہر ادا نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸/ربیع الاول (امداد، ج:ص:۴۴)

کیا مہر باقساط ادا کرنا اور نان ونفقہ ساقط کرنا جائز ہے

سوال (۱۱۳۲): قدیم ۲/۲۹۴- مبلغ دو ہزار روپیہ تعداد مہر اگر اس شرط پر مقرر کی جاوے کہ اخراجات خورد ونوش وپوشاک ماہوار بھر پانچ روپیہ ادا ہوتے جاویں گے گویا کہ ہر سال میں ساٹھ روپیہ ادا ہوتے رہیں گے تو یہ تعیین مہر جائز ہے یا کس طرح سے جائز ہوسکتا ہے؟

الجواب: عبارت سوال کی واضح نہیں تأمل سے یہ معلوم ہوا ہے کہ سوال کے دو جزو مقصود ہیں اوّل یہ کہ مہر کا ادا کرنا باقساط متعددہ بحساب پانچ روپیہ ماہوار قرار پایا ہے دوسرے یہ کہ علاوہ مہر کے جو نان ونفقہ واجب ہوتا ہے اس کو ساقط کردیا ہے سو اگر یہی مقصود ہے تو جزو اوّل کا جواب یہ ہے کہ یہ شرط جائز ہے کیونکہ حاصل اس کا مہر کا مؤجل ہونا ہے اور اجل کی یہ صورت ٹھہری ہے سو اس میں کوئی امر مانع جواز نہیں (۲)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة، مكتبة زكريا ديوبند ۴/۳۰۱، كراچي ۳/۱۵۱۔

(۲) **قوله تعالى: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.** (سورة البقرة: ۲۸۰)

لاخلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح.

(الفتاوى العالمگيرية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الحادى عشر، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۳۱۸، زكريا جديد ۱/۳۸۵) ←

دوسرے جزو کا جواب یہ ہے کہ اس سے نفقہ جو کہ واجب مستقل ہے ساقط نہیں ہوتا کیونکہ وجوب اس کا ''شیئاً فشیئاً'' ہے سو جو جزو ابھی واجب نہیں ہوا اس کا اسقاط لغو ہے؛ البتہ جو ایام گزر چکے ہیں ان میں معاف کردینے سے گزشتہ معاف ہوگیا اور آئندہ کے لئے جب عورت مطالبہ کرے گی دینا واجب ہوگا (۱)

← **والحنفية متفقون فيما بينهم على صحة تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أوسنة.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۹/۱۶۶)

أجاز الفقهاء تأجيل المهر فقال الحنفية يصح كون المهر معجلا أومؤجلا كله أوبعضه إلى أجل قريب أو بعيد أو أقرب الأجلين: الطلاق أو الوفاة عملا بالعرف والعادة في كل البلدان الإسلامية؛ ولكن بشرط أن لايشتمل التأجيل على جهالة فاحشة ......وإذا اتفق صراحة على تقسيط المهر عمل به؛ لأن الإتفاق من قبيل الصريح والعرف من قبيل الدلالة والصريح أقوى من الدلالة. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، الزواج وآثاره، الفصل السادس،المبحث الأول، سادسا-تعجيل المهر وتأجيله، مكتبة اشرفية ديوبند ۸/۲۷۱)

(۱) **وذكر الفقيه أبوالليث المختار أن القول قوله في متاع لم يكن واجبا على الزوج كالخف والملاءة ونحوه وفي متاع كان واجبا عليه كالخمار والدرع ومتاع الليل فليس له أن يحتسب من المهر كذا في محيط السرخسي.** (الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني عشر، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۳۲۲، جديد ۱/۳۸۸)

المرأة إذا أبرأت الزوج عن النفقة بأن قالت أنت بريء من نفقتي أبدا ماكنت امرأتک فإن لم يفرض القاضي لها النفقة فالبراءة باطلة لأنها أبرأته قبل الوجوب (إلى قوله) ولو قالت بعد مامكثت أشهرا أبرأتک من نفقة مامضى ومايستقبل يبرأ من نفقة مامضى ويبرأ من نفقة مايستقبل بقدر نفقة شهر ولا يبرأ زيادة على ذلک. (البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۱۷-۳۱۸، كوئٹة ۳/۱۸۷)

إبراء الزوجة من النفقة هل يصح ويلزم؟ إن كانت غير مفروضة لايصح لأنه إبراء قبل الوجوب وإن كان القاضي فرضها كل شهر كذا وكذا صح في الشهر الأول فقط وكذا لوقالت: أبرأتک من نفقة سنة لايبرأ إلا من شهر إلا أن يكون فرض لها كل سنة كذا لأن القاضي إذا فرض كذا كل شهر فإنما فرض مهما يتجدد الشهر فما لم يتجدد لم يتجدد الفرض، ومالم يتجددالفرض لم تجب نفقة الشهر فلا يصح الإبراء عنها، ←

اوراگرمنشاءسوال کا یہ شبہ ہے کہ اسقاط نفقہ ایک شرط فاسد ہےاورتعیین مہرکی بمقدارمذکورمشروط ہےاس شرط فاسد کےساتھ تو شاید یہ تعیین بھی فاسد ہوتو جواب اس کا یہ ہے کہ تعیین مہرمبادلہ مال بمال نہیں اورایسے عقود شرط فاسد سے فاسدنہیں ہوتے بلکہ خودشرط ہی فاسد ہوجاتی ہےاوروہ عقود صحیح رہتے ہیں۔

كما في الدرالمختار: قبل باب الصرف.(۱)

۱۲/رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ،ص:۷۹)

مقررہ روپئے کےعوض اس کےوزن کےبرابرچاندی دینے کاحکم

سوال (۱۱۳۳):قدیم۲/۲۹۴- زید کا مہرمبلغ پچیس روپیہ ہےاوراس نے ایک یادوزیور پچیس روپیہ بھرکا مہرمیں دیدیاعورت اوراس کےگھرکےلوگ کہتے ہیں چاندی کا نرخ آج کل بہت ارزاں ہےہم کوپچیس روپیہ کی جتنی چاندی ملتی ہےاسی قدروزنی زیورملنا چاہئےاورشوہرکہتا ہے کہ چاندی چاندی کےمقابل برابرسرابرکاحکم رکھتی ہےہمارامہراداہوگیااگراس سے زیادہ دیں توسودلازم آئیگااس صورت میں زید کےذمہ سےمہرساقط ہوایامطابق کہنےزوجہ کےاوردیناپڑیگا؟

الجواب: زید کےذمہ نقد ہےغیرنقداس کےعوض دیناتراضی طرفین پرہے۔(۲)

← **ولوأبرأته بعد مامضى أشهر عما مضى وعما يستقبل برئ عما مضى وعن شهر.** (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبة زكريا ديوبند ٤/٣٥٥، كوئٹة ٤/٢٠٥)

(۱) **إن كل ما كان مبادلة مال بمال يفسد بالشرط الفاسد كالبيع ومالا فلا كالقرض (الدر) وتحته في الشامية: أي ومالايكون مبادلة مال بمال بأن كان مبادلة مال بغيرمال كالنكاح والطلاق والخلع على مال ونحوها أوكان من التبرعات كالهبة والوصية لايفسد بالشرط الفاسد.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مايبطل بالشرط الفاسد، مكتبة زكريا ديوبند ٧/٤٩٦-٤٩٧، كراچي ٥/٢٤٠-٢٤١)

(۲) **رجل تزوج بالغة ودفع إلى أبيها بمهرها ضيعة فلما بلغها الخبر قالت: لاأرضى بما فعل الأب فهذا على وجهين إما إن كان ذلك فيبلدلم يجز التعارف بدفع الصنيعة بالمهر أوفي بلد جرى التعارف ففي الوجه الأول لم يجر بكراً كانت أو ثيبا وفي الوجه الثاني جاز.** (الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الحادي عشر، مكتبة زكريا قديم ١/٣١٩، زكريا جديد ١/ ٣٨٥) ←

اور جس شق پر شوہر راضی ہے اس پر عورت راضی نہیں اور جس پر عورت راضی ہے وہ جائز بھی نہیں ہے (۱) اس لئے حکم ہے کہ زیور واپس کر لے اور نقد دے۔ واللہ اعلم

شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص:۹۲)

مہر فاطمی کی تحقیق

سوال (۱۱۳۴): قدیم ۲/۲۹۵- کو عوام مہر شرعی کہتے ہیں اس کا اصل کیا ہے حضرت فاطمہؓ کا مہر سکہ انگریزی سے کس قدر تھا اور اوقیہ کی مقدار کیا ہے؟

الجواب: معلوم نہیں اس اصطلاح کی کیا اصل ہے اور مہر حضرت فاطمہؓ کا مثل دیگر صاحبزادیوں کے ساڑھے بارہ اوقیہ تھا۔ (۲)

← **لوقبض بمهر البالغة ضيعة، فلم ترض إن جرى التعارف بذلك جاز وإلا فلا ولوبكرا.** (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب لأبي الصغيرة المطالبة بالمهر، مكتبة زكريا ديوبند ٤/٣١٥، كراچي ٣/١٦١)

قال في الظهيرية: رجل تزوج امرأة بكرا بالغة على مهر مسمي ودفع إلى أبيها مهرها ضيعة فلما بلغها الخبر قالت: لاأرضي بما فعل الأب ينظر إن كان في بلدة لم يجر التعارف بدفع الضيعة في المهر لم يجز لأن هذا شراء والبلوغ قاطع للولاية وإن كان في بلدة جرى التعارف بذلك جاز لأن هذا قبض للمهر. (البحرالرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مكتبة زكريا ديوبند ٣/١٩٥، كوئٹة ٣/١١٠)

(۱) أحل الله البيع وحرم الربوا. (سورة البقرة: ٢٧٥)

قال أبوبكرة رضي الله عنه: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتبيعوا الذهب بالذهب إلا سواء بسواء والفضة بالفضةإلا سواء بسواء، وبيعوا الذهب بالفضة والفضة بالذهب كيف شئتم . (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب بيع الذهب بالذهب، النسخة الهندية ١/٢٩٠، رقم: ٢١٢٧، ف:٢١٧٥)

(۲) عن أبي العجفاء: قال عمر بن الخطاب: ألا لا تغا لوا صدقة النساء فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا أو تقوى عند الله لكان أولاكم بها نبي الله صلى الله عليه وسلم: ماعلمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر ←

اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ سو درہم ہوئے (۱) اور درہم کا حساب ایک بار میں نے لگایا تھا چار آنہ چار پائی کا انگریزی سکہ سے ہوتا ہے تو پانچ سو درہم کے ۱۳۵؍ اور کچھ پیسے ہوئے۔

(تتمہ ثانیہ، ص:۳۳)

تحقیق مہر مؤجل بالموت

سوال (۱۱۳۵): قدیم ۲/ ۲۹۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں بابت کہ مسمیٰ زید کا نکاح پانچ چھ سال ہوئے مسماۃ ہندہ کے ساتھ بعوض دو ہزار دین مہر مؤجل ہوا تھا مہر کا کوئی جزو پیشگی ادا ہونا بروقت نکاح نہیں قرار پایا تھا بعد نکاح زوجہ ہمیشہ اپنے شوہر کے پاس رہی اور اس کے دو تین بچے پیدا ہوئے جو فوت ہو گئے۔ اب زوجہ بوجہ رنجش باہمی اپنے والدین کے یہاں بلا رضا مندی اپنے شوہر کے چلی گئی ہے اور اپنے عزیزوں کے اغواء سے اپنا کل زر مہر طلب کرتی ہے اور شوہر کے یہاں آنے سے انکار کرتی ہے درانحالیکہ شوہر اس کے بلانے پر رضا مند اور اصراری ہے اب تک کسی قسم کی طلاق وغیرہ بھی نہیں ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں زوجہ کا زر مہر طلب کرنا شرعاً جائز اور درست ہے یا نہیں؟ اور مسماۃ کو استحقاق وصولی زر مہر کا موجودہ صورت میں حاصل ہے یا نہیں؟ زید کی برادری کا رواج مہر مؤجل ہی کا ہے اور آج تک کسی مسماۃ کو قبل طلاق شوہر کی حیات میں مہر نہیں ادا کیا گیا اور نہ کسی نے طلب کیا اور نہ ایسا رواج ہے؛ البتہ بعد طلاق بالموت وفات شوہر مہر کے لین دین کا رواج ہے؟

← **من ثنتي عشرة أوقية.** (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء في مهور النساء، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۱، دارالسلام رقم: ۱۱۱٤)

سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب الصداق، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۷، دارالسلام: رقم: ۲۱۰٦۔

مسند الدارمي، كتاب النكاح، باب: كم كانت مهور أزواج النبي صلى الله عليه وسلم وبناته، دارالمغني ۳/ ۱٤۱۱، رقم: ۲۲٤٦۔

(۱) **قال النووي في شرح مسلم: الأوقية بضم الهمزة وتشديد الياء والمراد أوقية الحجاز، وهي أربعون درهما واستدل أصحابنا بهذا الحديث، على أنه يستحب كون الصداق خمس مأة درهم.** (حاشية أبي داؤد، كتاب النكاح، باب الصداق، تحت قوله عليه السلام أكثر من ثنتي عشرة، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۷) ←

الجواب: مؤجل وہ ہے جس میں تاجیل شرط ہو اور جس میں کوئی شرط نہ ہو وہ معجّل ہے گو تعجیل شرط نہ ہو، پس اگر یہ شرط ٹھہر جاوے کہ طلاق اور موت تک کی مہلت ہے تب موجل ہوگا اور اگر یہ شرط نہیں ٹھیری گو یہ بھی نہیں ٹھیرا کہ پہلے ہی لیں گے تو وہ معجّل ہی ہوگا (۱) غالباً سائل نے جیسا کہ طرز عبارت ہے معلوم ہوتا ہے تعجیل کی شرط نہ ٹھیرانے سے مہر کو مؤجل سمجھ لیا ہے سو یہ صحیح نہیں ہے۔ (۲)

← حاشية النووي على المسلم، كتاب النكاح، باب الصداق، النسخة الهندية ۱/ ۴۵۸۔

پانچ سو درہم کا وزن ''۱۲/ ماشہ کے تولہ سے'' ۱۳۱/ تولہ ۳/ ماشہ چاندی ہے اور موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے پندرہ سو تیس گرام اور ۹۰۰/ ملی گرام چاندی ہوتی ہے، یعنی ڈیڑھ کلو تیس گرام ۹۰۰/ ملی گرام چاندی مہر فاطمی ہے، انوار نبوت ۶۵۲۔

(۱) **هذا إذا كان المهر معجلا بأن تزوجها على صداق عاجل أو كان مسكوتا عن التعجيل والتأجيل؛ لأن حكم المسكوت حكم المعجل لأن هذا عقد معاوضة فيقضي المساواة من الجانبين والمرأة عينت حق الزوج فيجب أن يعين الزوج حقها وإنما يتعين بالتسليم، فأما إذا كان مؤجلا بأن تزوجها على مهر آجل، فإن لم يذكر الوقت لشيئ من المهر أصلا بأن قال تزوجتك على ألف مؤجلة، فكذلک وإن ذكر وقتا معلوما للمهر فليس لها أن تمنع نفسها.** (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل: وأما بيان مايجب به المهر، مكتبة زكريا ديوبند۲/ ۵۸۰، كراچي ۲/ ۲۸۸)

أجاز الفقهاء تأجيل المهر فقال الحنفية: يصح كون المهر معجلا أومؤجلا كله أو بعضه إلى أجل قريب أوبعيد أو أقرب الأجلين: الطلاق أو الوفاة عملا بالعرف والعادة في كل البلدان الإسلامية...... وإذا لم يتفق على تعجيل المهر أو تأجيله عمل بعرف البلد لأن المعروف عرفا كالمشروط شرطا وإذالم يكن هناک عرف بالتعجيل أو التأجيل استحق المهر حالا لأن حكم المسكوت حكم المعجل. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، الزواج وآثاره، الفصل السادس، المبحث الأول، سادسا تعجيل المهر وتأجيله، مكتبة اشرفية ديوبند ۸/ ۲۷۱)

(۲) **وفي الاسبيجابي: إن المهر معجلا أو مسكوتا عنه يجب حالا لأن النكاح عقد معاوضة.** (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۲۷)

فإن كان يعني المهر بشرط التعجيل أو مسكوتا عنه يجب حالا. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۳۱۱، كوئٹة ۳/ ۱۷۸)

اور فقہا نے جو تاجیل بالطلاق والموت کو جائز کہا ہے(۱) معنی اس کے یہی ہیں کہ اس طرح تاجیل کی شرط ٹھیر جاوے اور اگر شبہ ہو کہ واقعی تاجیل شرط ہی سے ہوتی ہے مگر عرف بمنزلۂ شرط ہی کے ہے اور سوال میں تصریح ہے کہ ہندہ کا فعل خلاف رواج ہے پس عرف سے مؤجل بالطلاق والموت ہو جانا چاہئے جیسا شرط سے ہوتا جواب یہ کہ اس کا عرف علی الاطلاق ہونا غیر مسلم ہے یہ عُرف اسی وقت تک ہے جب تک کہ ہم موافقت رہے ورنہ رنجش میں مطالبہ کا بھی عرف ہے پس میرے نزدیک شرعاً ہندہ کو استحقاق مطالبہ مہر کا حاصل ہے۔

۱۹/رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:۵۶)

جو عورت مرض کی وجہ سے قابل جماع نہ ہو اس کے مہر کا حکم

سوال (۱۱۳۶): قدیم ۲/ ۲۹۶- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کر کے رخصتی کرا کر اپنے مکان میں لایا جب شب خلوت کو ارادہ مجامعت ومصاحبت کا کیا تو مقام دخول کو بالکل ضیق وتنگ ولامعلوم پایا فی زماننا طبیبہ قابل میم پاس کردہ شدہ سے تجویز وملاحظہ کرایا گیا۔ میم مذکورہ نے بعد ملاحظہ کے صاف طور سے کہہ دیا کہ یہ عورت فی الحقیقت عورت ہی نہیں ہے بلکہ مخنثہ ہے اور یہ حرج ہرگز وہر آئینہ اصلاح پذیر نہیں ہوسکتا ہے اور کبھی ہرگز مرد کے لائق ہی نہیں ہوسکتی ہے پس ایسی صورت میں ہندہ اپنا مہر زید سے پاسکتی ہے یا نہیں اور برتقدیر اوّل کس قدر مہر پاسکتی ہے اور برتقدیر دغا وفریب دیدۂ ودانستہ ولی ہندہ نے جو شادی کردی زید اپنی شادی کا خرچ پاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

(۱) **إن التأجيل إلى الطلاق أو الموت متفاحش فيجب المال حالا بمقتضي إطلاق العقد والظاهر خلافه لجريان العرف بالتأجيل به وذكر في الخلاصة والبزازية اختلا فا فيه وصحح أنه صحيح.** (البحر الرائق، كتاب النكاح، بال المهر، مكتبة زكريا ديوبند ٣/ ٣١٠، كوئٹة ٣/ ١٧٨)

الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الحادي عشر، مكتبة زكريا ديو بند قديم ١/ ٣١٨، جديد ١/ ٣٨٥۔

الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الثاني عشر في المهر، مكتبة زكريا ديوبند قديم ٤/ ١٣٢، جديد ١/ ٨٨۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

الجواب : في الدرالمختار: باب المهر وخلوة مبتدأ خبره قوله الآتی كالوطء بلا مانع حسي وطبعي وشرعي ومن الحسي رتق بفتحتين التلاحم وقرن بالسكون عظم وعفل بفتحتين غدة. الخ وفي رد المحتار: قوله: عظم في البحر عن المغرب القرن في الفرج مانع يمنع من سلوک الذكر فيه أما غدة غليظة أولحم أوعظم قوله: عفل بالعين المهملة والفاء. وقوله: غدة بالغين المعجمة أي في خارج الفرج ففي القاموس أنه شيء يخرج من قبل المرء ة شبيهة بالادرة للرجال ۲/۵۵۵. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ محض ایسے امراض کے ہونے سے یہ نہیں کہ عورت عورت (۲) نہ رہے البتہ خلوت ایسی عورت کے ساتھ حکم جماع میں نہیں اس لئے اس خلوت سے پورا مہر لازم نہ آوے گا۔ (۳)

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في أحكام الخلوة، مكتبة زكريا ديوبند ۴/۲۴۹-۲۵۰، كراچي ۳/۱۱۴.

(۲) **القسم الثالث: خاص بالمرأة وهو خمسة أشياء: الرتق، والقرن، والعفل والإفضاء والبخر، فأما الرتق فهوانسداد مدخل الذكر من الفرج فلا يمكن من الجماع سواء كان الانسداد بغدة لحم أوبعظم، وأما القرن فهو شيئ يبرزفي الفرج كقرن الشأة، وأما العفل فهو لحم يبرزفي القبل، ولايخلو عن رشح يشبه الأدرة للرجل، القليطة، وهذه الأمراض وجودها الآن نادر.** (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، العيوب التي يفسخ بها النكاح، دارالكتب العلمية بيروت ۴/۱۸۳)

(۳) **والخلوة بلا مرضأحد هما وحيض ونفاس وإحرام وصوم فرض كالوطء حتى يجب المهر به كاملا كمايجب بالوطء (إلى قوله)ثم المصنف رحمه الله شرط أن تكون الخلوة بلا مانع من الموانع التي ذكرها لأنه لايتمكن فلا تكون صحيحة والموانع ثلاثة أنواع: حسي، وطبعي وشرعي ...... ومن الموانع لصحة الخلوة أن تكون المرأة رتقاء أو قرناء أو عفلاء أو شعراء.** (تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۴۶ تا ۵۴۸، امداية ملتان ۲/۱۴۲)

الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثاني، مكتبة زكريا ديوبند قديم ۱/۳۰۵، جديد ۱/۳۷۱۔

البحرالرائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۶۶-۲۶۷۔

البتہ اگر اس کو طلاق دے گا تو نصف مہر لازم آوے گا (۱) اور اگر زوجین میں سے کوئی مر گیا تو پورا مہر لازم ہوگا۔ (۲)

۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۹۴)

---

(۱) **ويجب نصفه بالطلاق قبل وطء أو خلوة.** (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبة زكريا ديوبند ٤/٢٣٦، كراچي ٣/١٠٤)

ولزم نصفه بالطلاق قبل الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين . (الفتاوى العالمگيرية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثاني، مكتبة زكريا ديوبند قديم ١/٣٠٣، زكريا جديد ١/٣٧٠)

(۲) **والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين.** (الفتاوى العالمگيرية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثاني، مكتبة زكريا ديوبند ١/٣٠٣، جديد ١/٣٧٠)

ويتأكد كل المهر بحيث لايحتمل السقوط بأمور: منها الوطء، ومنها موت أحد الزوجين،ومنها الخلوة الصحيحة. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، أقسام الصداق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٠٨)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رسالہ تعدیل أهل الدهر في درجة تقليل المهر

تمہید

تحقیق تقلیل مہر

سوال (۱۱۳۷): قدیم۲/ ۲۹۷- منجانب ریاست جاورہ ایک خط مع مضمون متعلق تجویز انسداد زیادت مہر بغرض مشاورت آیا جس کا جواب یہاں سے لکھا گیا اول خط کی نقل کی جاتی ہے پھر جواب جس میں اس مضمون کا خلاصہ لے لیا گیا ہے نقل کیا جاتا ہے۔

مضمون خط ریاست جاورہ

بخدمت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دام فیضہ السلام علیکم!

جاورہ ایک اسلامی ریاست ہے یہاں کے مسلمان حیثیت سے بہت زیادہ مہر باندھتے ہیں جس کو وہ کسی طرح ادانہیں کرسکتے یہ بے اعتدالی مذہبی نقطۂ نظر سے بھی قابل تدارک ہے۔ میری ہدایت کے موافق یہاں کے مفتی صاحب شہر نے منسلکہ تجویز پیش کی ہے اس میں بھی حسب حیثیت صاف حد بندی نہیں اس لئے مکلّف خدمت ہوں کہ اگر تجویز میں ترمیم کی گنجائش ہوتو از راہ کرم اصلاح فرمادی جاوے یا شرعی احکام کے تحت میں ایسی تجویز تحریر فرمائی جائے جس سے مذکورہ بے اعتدالیوں کا سدباب ہوجاوے۔ فقط،

الجواب: اس مفصل تجویز کا مجمل حاصل یہ سمجھ میں آیا ہے کہ احادیث سے تقلیل مہر کی مطلوبیت معلوم ہوتی ہے (۱) مگراس تقلیل کی کوئی خاص حد نہیں بلکہ معیار اس کا سہولت اداء واستطاعت ہے؛

(*) اس رسالہ کو رسالہ بالا التشبیہ لاہل السفاح سے خاص تناسب ہے؛ کیونکہ اولیٰ میں بعض صورتوں میں تکثیر مہر کی مانعیت عن النکاح کی نفی مقصود ہے اور ثانیہ میں بعض صورتوں میں تکثیر مہر کی ممنوعیت فی النکاح کا اثبات مقصود ہے، ۱۲منہ

---

(۱) عن أبي العجفاء قال: قال عمر بن الخطاب: ألا لاتغالوا صدقة النساء فإنها لوكانت مكرمة في الدنيا أو تقوى عند الله لكان أولاكم بها نبي الله صلى الله عليه وسلم ←

لیکن اگر باوجود اس کے کوئی شخص بہت زیادہ مہر کا التزام کرے تو وہ سب واجب ہو جاوے گا (۱) اور حضرت عمرؓ سے جو بعض روایات میں چالیس اوقیہ سے زائد ٹھہرانے پر زائد کو بیت المال میں داخل کرنے کی رائے منقول ہے جس سے تحدید معلوم ہوتی ہے سو ایک عورت کے محاجہ پر آپ نے اس سے رجوع فرمالیا: ''**هذا كله في الدر المنثور**'' (۲) غرض تحدید مشروع نہیں پھر سہولت اداء واستطاعت ہر ایک کے اعتبار سے جدا ہے نیز ہر ایک کی استطاعت کا علم بھی نہیں ہوسکتا ان موانع شرعیہ وحسیّہ کے سبب کسی مقدار کا مقرر کرنا قضاءً جائز نہیں لیکن چونکہ مہر کے ایک معتدبہ حصہ کی تقدیم یعنی قبل دخول ادا کرنا بھی واجب یا مستحب ہے۔ علیٰ اختلاف العلماء

كما في رد المحتار: باب المهر، تحت قول الدرالمختار: ورواية الأقل تحمل على المعجل. (۳)

← **ماعلمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نساء ه ولا أنكح شيئامن بناته على أكثر من ثنتي عشرة أوقية.** (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء في مهور النساء النسخة الهندية ١/٢١١، دارالسلام رقم: ١١١٤)

سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب الصداق، النسخة الهندية ١/٢٨٧، دارالسلام رقم:٢١٠٦۔

(١) **وتجب العشرة إن سماها أو دونها ويجب الأكثر منها إن سمي الأكثر(الدر)وفي الشامية: قوله: ويجب الأكثر أي بالغا ما بلغ فالتقد ير بالعشرة لمنع النقصان.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبة زكرياديوبند ٤/٢٣٣، كراچي ٣/١٠٢)

مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٥٠٩۔

(٢) **عن عبد الله بن مصعب قال: قال عمر: لاتزيدوا في مهور النساء على أربعين أوقية، فمن زاد ألقيت الزيادة في بيت المال، فقالت امرأة: ماذاک لک......قال: ولم......؟ قالت لأن الله يقول (وآتيتم إحداهن قنطارا) الآية فقال عمرؓ: امرأة أصابت ورجل أخطأ.**

(الدرالمنثور في التفسير المأثور، سورة النساء، تحت رقم الآية: ٢٠، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٢٣٧)

(٣)**رواية الأقل تحمل على المعجل (الدر) وتحته في الشامية: أي مايدل بحسب الظاهر من الأحاديث المروية على جواز التقدير بأقل من عشرة وكلها مضعفة إلاحديث''التمس ولو خاتماً من حديد يجب حملها على أنه المعجل وذلک لأن العادة عندهم تعجيل بعض المهر قبل الدخول حتى ذهب بعض العلماء إلى أنه لايدخل بها** ←

اور بعض جگہ مقدم ومؤخر کی تنصیف کا عرف بھی ہے اس لئے اگر قضاءً یہ تجویز کر دیا جاوے کہ نصف مہر معجّل بمعنی مقدم اور نصف مؤجل بمعنی مؤخر إلی الاجل المشروط اوالمعروف ہونا چاہئے تو اس صورت میں تحدید بھی نہ ہوگی اور اصل مقصود یعنی تقلیل مہر بقدر استطاعت بھی حاصل ہو جاوے گا کیونکہ استطاعت سے زائد کا نصف دینا بھی عادۃً متعذر رہے۔ اھ

اگر تجویز کا یہی حاصل ہے تو جواباً عرض ہے کہ مقدمات سب صحیح ہیں مگر اس میں ایک جزو اور قابل اضافہ ہے وہ یہ کہ اگر مہر کثیر کی کسی مقدار کا کسی جماعت میں عام رواج ہو جائے تو تاوقتیکہ رواج نہ بدلے اس وقت تک وہی مقدار کثیر شرعاً مہر مثل قرار دی جاوے گی۔ اور بہت سے احکام (جیسے اس سے کم پر بعض صورتوں میں نکاح کا صحیح نہ ہونا اور بعض میں قابل فسخ ہونا وغیر ذلک) اس مقدار کے ساتھ متعلق رہیں گے البتہ خود اس رواج کا بدلنا ایک درجہ میں پھر بھی مامور بہ رہے گا۔ اب اس اضافہ کے بعد تجویز مذکور کے متعلق عرض ہے اوّل کچھ روایات لکھتا ہوں جن سے مسئلہ کا تعلق ہے پھر ان کا نتیجہ عرض کروں گا۔

الروايات هذه: الرواية الاولى في الهداية: كتاب الكراهية ولا **ينبغي للسلطان أن يعسر على الناس. لقوله عليه السلام: لا تسعروا الحديث ولأن الثمن حق العاقد فإليه تقديره فلا ينبغي للإمام أن يتعرض لحقه إلا إذا تعلق به دفع ضرر العامة على ما نبين (إلىٰ قوله) فإن كان أرباب الطعام يتحكمون ويتعدون عن القيمة تعديا فاحشا وعجز القاضى عن صيانة حقوق المسلمين إلا بالتسعير فحينئذ لا بأس به بمشورة من أهل الرأي والبصيرة فإذا فعل ذلك وتعدى رجل عن ذلك وباع بأكثر منه أجازه القاضى. وهذا ظاهر عند أبي حنيفةؒ لأنه لا يرى الحجر على الحر.**

← **حتى يقدم شيئا لها تمسكا بمنعه صلى الله عليه وسلم عليّا أن يدخل بفاطمة رضي الله عنهما حتى يعطيها شيئا فقال: يارسول الله ليس لي شيء فقال" أعطها درعک فأعطاها درعه" رواه أبوداؤد والنسائى، ومعلوم أن الصداق كان أربع مأة درهم وهي فضة لكن المختار الجواز قبله لما روت عائشة رضي الله عنها قالت: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أدخل امرأة على زوجها قبل أن يعطيها شيئا رواه ابوداؤد، فيحمل المنع المذكور على الندب، أي ندب تقديم شيئ إدخالا للمسرة عليها تألفا لقبها.** (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبة زكريا ديوبند ٤/٢٣١، كراچي ٣/١٠١)

وكـذا عـنـدهـما إلا أن يكون الحجر على قوم بأعيانهم. اه (١) في البناية: أي وكذاهو ظاهر عندهما لأنهما وأن رأيا الحجر لكن على حرمعين أوقوم بأعيانهم أما على قوم مجهولين فلا وهٰهنا كذلك فلا يصح. اه(٢)

الروا ية الثانية: في روح المعاني: تحت قوله تعالىٰ: أطيعوا اللّٰه وأطيعوا الرسول وأولِي الأمرمنكم وهل يشمل (المعروف) المباح أم لا؟ فيه خلاف فقيل: أنه لا يجب طاعتهم فيه لأنه لا يجوز لأحد أن يحرم ما حلله اللّٰه ولا أن يحلل ما حرمه اللّٰه تعالى وقيل: تجب أيضًا كما نص عليه الحصكفي وغيره. وقال بعض محققي الشافعية تحت طاعة الإمام في أمره ونهيه مالم يأمر بمحرم. وقال بعضهم: الذى يظهرأن ما أمر به مما ليس فيه مصلحة عامة لايجب امتثاله إلا ظاهرًا فقط بخلاف ما فيه ذلک، فإنه يجب باطنا أيضاً وكذا يقال في المباح: الذى فيه ضرر للمأمور به. اه (٣) قلت: ولهذا الظاهر يجمع بين جميع الأقوال فالوجوب يحمل على الظاهر وعدم الوجوب على الباطن وفيما يضر العامة على الوجوب ظاهراً وباطنا والقواعد تقتضي ترجيح هذا الظاهر واللّٰه اعلم.

الرواية الثالثة: في الهداية: كتاب إحياء الموات فصل كري الأنهار فالأول (أي النهر الذى هو غير مملوک لأحد)كريه على السلطان من بيت مال المسلمين ...... فإن لم يكن في بيت المال شيء فالإمام يجبر الناس على كريه إحياءً لمصلحة العامة اذهم لايقيمونها بأنفسهم. وفي مثله قال عمرؓ: لو تركتم لبعتم أولادكم إلا أنه يخرج له من كان يطيقه ويجعل مؤنته على المياسير الذين لا يطيقونه بأنفسهم. اه (۴)

---

(١) هداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبة اشرفية ديوبند ٤/٤٧١-٤٧٢ـ

(٢) البناية شرح الهداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبة اشرفية ديوبند ١٢/٢١٩ـ

(٣) روح المعاني، سورة النساء، تفسير الآية: ٥٩، مكتبة زكريا ديوبند ٤/٩٧ـ

(۴) الهدية، كتاب إحياء الموات، فصل في كري الأنهار، مكتبة زكريا اشرفية ديوبند ٤/٤٨٧ـ

الرواية الرابعة: وفي الدرالمختار تكبيرات العيدين عن المعراج طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة وفيه بعد أسطر أن أمر الخليفة لايبقى بعد موته أو عزله كما صرح به في الفتاوىٰ الخيرية وبنى عليه أنه لونهٰى عن سماع الدعوىٰ بعد خمس عشرة سنة لا يبقى نهيه بعد موته والله اعلم اه. (۱)

الرواية الخامسة: في رد المحتار: كتاب الحجر تحت قول الدرالمختار: بل يمنع مفت ماجن وطبيب جاهل ومكار مفلس مانصه أشاربه إلىٰ أنه ليس المرادبه حقيقة الحجر وهو المنع الشرعى الذى يمنع نفوذ التصرف لأن المفتى لو أفتىٰ بعد الحجر وأصاب جاز وكذا الطبيب لو باع الأدوية نفذ فدل على أن المراد المنع الحسي كما في الدرر عن البدائع. اه (۲)

اب روایات پر نتیجہ کو متفرع کرتا ہوں کہ تجویز مذکور بوجہ جامعیت ورعایت تمام جوانب شرعیہ وعادیہ کے نہایت مستحسن ومناسب ہے اس وقت اس سے اچھی تجویز میرے ذہن میں حاضر نہیں اور زیادہ سوچنے کی فرصت نہیں مگر اس میں قابل غور یہ امر ہے کہ اس تجویز کی تنفیذ کا درجہ کیا ہوگا اگر قانون لازمی بنانا ہے اس طرح سے کہ اگر متناکحین اس کے خلاف معاملہ کریں یعنی نصف مہر پیشگی نہ دیا جاوے تو اس معاملہ کو باطل اور کالعدم کہا جاوے اور جبراً نصف مہر کی تقدیم پر مجبور کیا جاوے تب تو شرعاً ایسا قانون بنانا جائز نہیں۔

دليله الرواية الاولىٰ: اگر اس پر شبہ کیا جاوے کہ حاکم مسلم کو گو ایسا عام قانون بنانے کا اختیار نہ ہو جس سے حکم شرعی کے تغییر کا ایہام ہو مگر وقتی طور پر بعض تصرفات مالیہ میں حکم امتناعی دینے کا تو اختیار ہے جس کا مکمل قانون کتب فقہیہ کے کتاب الحجر میں مذکور ہے اور حجر کی حقیقت یا لازم بطلان تصرف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہاں اسباب حجر نہیں جیسا ظاہر ہے اور اسباب حجر کی صورت میں بعد منع امام بھی تصرف کو باطل نہیں کیا جاتا۔

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب: تجب طاعةالإمام فيما ليس بمعصية، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۵۳-۵٤، كراچي ۲/۱۷۲۔

(۲) شامي، كتاب الحجر، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۱۷۲، كراچي ۷/۱۶۹۔

بدائع الصنائع، كتاب الحجر والحبس، مكتبة زكريا ديوبند۶/۱۷۲، كراچي ۷/۱۶۹ ۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دليله الرواية الخامسة حيث لم يبطل بيع الأدوية وغير ها بعد المنع أيضا.

دوسرے اس میں شرط یہ ہے کہ وہ مجور علیہ معین ہوخواہ منفرد ہو یا جماعت چنانچہ روایت اولیٰ میں اس کی بھی تصریح ہے ''في قوله فإذا فعل ذلک إلیٰ قوله فلا یصح'' اورظاہر ہے کہ محل تکلم فیہ میں کوئی جماعت بھی معین نہیں مجور علیہ ہمیشہ بدلتے رہیں گے اس لئے حجر کا قاعدہ بھی یہاں جاری نہیں ہوسکتا اور اگر یہ شبہ ہو کہ گو زیادت مہر مباح ہے لیکن اگر حاکم مسلم کسی مباح کو منع کردے محکومین پر اطاعت واجب ہوجاتی ہے اور واجب کے ترک پر تعزیر جائز ہے پس تنقید بطور حجر کے نہ ہو حتی کہ زیادت مہر یا تاجیل مہر کے التزام کو باطل نہ کیا جاوے لیکن خلاف کرنے پر تعزیر مقرر ہو اور وجوب اطاعت امراء مسلمین آیات واحادیث میں مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا محل وہی امر ہے جو فی نفسہ مباح ہے ورنہ واجب یا حرام میں خود امرونہی شرعی کافی ہے اس میں اولی الامر کا کیا دخل؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو خود یہ مسئلہ ذات خلافٍ ہے جس میں تحقیق یہ ہے کہ اگر وہ امر ایسا ہو کہ اس میں مصلحت عامہ ہے اور خلاف میں ضرر عام اس میں تو اطاعت ظاہراً و باطناً واجب ہے اور اگر ایسا نہیں تو صرف ظاہراً واجب ہے تاکہ فتنہ نہ ہو باطناً واجب نہیں کیونکہ اپنے ضرر کے التزام کا ہر شخص کو اختیار ہے اور اگر اس سے قطع نظر کرکے اطاعت مطلقہ کو بھی واجب کہا جاوے تب بھی حاکم کو تو ایسا جبری حکم دینا جائز نہ ہوگا گو بعد حکم اطاعت واجب ہو یہ سب تفصیل روایت ثانیہ میں اور اسی طرح ضرر عام کی قید روایت ثالثہ میں مذکور ہے اور حاکم کے لئے ایسے حکم کے عدم جواز کی تائید حدیث مسلم فضائل فاطمہؓ میں صریح ہے۔

عن المسور بن مخرمة في قصة خطبة عليؓ بنت أبي جهل قال ﷺ إني لست أحرم حلالاً ولا أحل حراماً الحديث. (۱)

دیکھئے آپ نے باوجود ناخوشی کے حضرت علیؓ کو نہی نہیں فرمائی بلکہ اس نہی کو تحریم حلال میں داخل فرمایا اسی طرح حضرت بریرہؓ کو مغیثؓ سے نکاح کرنے کا باوجود رجحان کے امر نہیں فرمایا بلکہ ان کے اس پوچھنے پر کہ ''یا رسول الله تأمرني'' آپ نے جواب دیا ''إنما اشفع'' جس پر انھوں نے عذر کیا ''**لا حاجة لي فيه**''

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة رضي الله تعالیٰ عنها، النسخة الهندية ۲/ ۲۹۰، بيت الأفكار الدولية رقم: ۲۴۴۹۔

اورآپ نے مجبور نہیں فرمایا:

كذا في المشكوٰة: باب بعد باب المباشرة عن البخاري (١) وأما أمره صلى الله عليه وسلم عبدالله رضي الله عنه و زينب رضي الله عنها بالنكاح فكان للمصلحة العامة التشريعية في مثل هذا المقام أو هو من خصوصياته صلى الله عليه وسلم في خصوص الواقعة أو كان لمعالجة النخوة وهو من باب إزالة المنكر. (٢)

---

(١)عن ابن عباس قال: كان زوج بريرة عبدا أسود يقال له مغيث كأني أنظر إليه يطوف خلفها فيسكك المدينه يبكى و د موعه تسيل على لحيته فقال النبي صلى الله عليه وسلم للعباس، ياعباس ألا تعجب من حب مغيث بريرة ومن بغض بريرة مغيثا؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم لوراجعته فقالت: يا رسول الله تأمرني قال: إنما أشفع قالت: لاحاجة لي فيه رواه البخاري. (مشكاة شريف، كتاب النكاح، باب بعد باب المباشرة، النسخة الهندية ٢/٢٧٦)

صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب شفاعة النبي صلى الله عليه وسلم في زوج بريرة، النسخة الهندية ٢/٧٩٥، رقم: ٥٠٨٣، ف:٥٢٨٣۔

(۲) واقعہ یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ کے آزادکردہ غلام اور متبنّٰی ہونے کی وجہ سے حضرت زینبؓ اوران کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے عارمحسوس کر کے عذرخواہی فرمائی، اس پراللہ تعالیٰ سورۂ احزاب آیت ۳۶/ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ الأئة، نازل فرمائی، تواس پر دونوں راضی ہوگئے اورنکاح ہوگیا تھا، اسی کی طرف حضرت نے اشارہ فرمایا ہے۔روح المعانیؒ میں ہے:

روي عن ابن عباس وقتادة ومجاهد وغيرهم ،نزلت في زينب بنت جحش من عمته صلى الله عليه وسلمأميمة بنت عبد المطلب وأخيها عبد الله خطبها رسول الله صلى الله عليه وسلم لمولاه زيد بن حارثة وقال: إني أريد أزوجك زيدبن حارثة فإني قد رضيته لك فأبت وقالت: يارسول الله لكني لاأرضاه لنفسيوأنا أيم قومي وبنت عمتك فلم أكن لأفعل.

وفي رواية أنها قالت: أنا خير منه حسبا ووافقها أخوها عبد الله على ذلك فلما نزلت الآية رضيا وسلما فأنكحها رسول الله صلى الله عليه وسلم زيداً بعد أن جعلت أمرها بيده وساق إليها عشرة دنانيروستين درهما مهرا وخمارا وملحفة ودرعا وإزارا، وخمسين مدا من طعام وثلاثين صاعا من تمر. (روح المعاني، سورة الأحزاب، تفسير الآية: ٣٦، مكتبة زكريا ديوبند٢/٣٤۔

پھر اس سب سے قطع نظر کر کے ایسا حکم دائمی نہیں ہوسکتا حاکم کی حیات تک باقی رہے گا پھر باطل ہوجائے گا اُس کے بعد کے حاکم کو خصوصیت کے ساتھ تجدید کی حاجت ہوگی ’’کما في الروایة الرابعة‘‘ اور اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ جب زیادت مہر ایک درجہ میں منکر ہے تو حاکم مسلم کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت میں مخالفت کرنے والے کو سزا دینا جائز ہے جیسا عام منکرات میں اجازت ہے جواب یہ ہے کہ یہ منکر درجہ معصیت میں نہیں جس پر سزا دینا جائز ہو یہ ایسا ہی منکر ہے جیسا طلاق بلاوجہ کہ حدیث میں اس کو ابغض فرمایا ہے اور مہر میں تو کوئی ایسا لفظ بھی وارد نہیں پھر بھی طلاق پر کوئی سزا نہیں اگر کہا جاوے کہ بعض احادیث میں ادائے مہر کی نیت نہ ہونے پر تشبیہ بالزانی کی وعید آئی ہے جس سے اس کا معصیت ہونا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مقدار زائد از تحمل کے لئے عدم نیت عادۃً لازم ہے جواب یہ ہے کہ وہ وعید تکثیر مہر پر نہیں بلکہ نیت عدم اداء یا عدم نیت اداء پر ہے اور اس کے لئے نہ تکثیر مستلزم ہے نہ تقلیل مانع دونوں کے ساتھ اس کا تحقیق وعدم تحقیق مجتمع ہوسکتا ہے دوسرے علت اس وعید کی خداع ہے جیسا اس حدیث کے بعض طرق میں مصرح ہے اور جب منکوحہ کو معلوم ہو اور وہ اس پر راضی ہو تو علت نہیں پائی گئی اس کی پوری بحث احقر کے رسالہ ’’تحقیق التشبیه بأهل السفاح لمن لایرید أداء المهر في النکاح‘‘ میں ہے پس اس کا معصیت موجبہ لاستحقاق التعزیر ہونا ثابت نہ ہوا۔ یہ سب کلام اُس صورت میں ہے کہ جب اصل تجویز کی تنقید درجہ جبر میں ہو اور اگر محض درجہ ترغیب ومشورہ میں ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہر طرح مستحسن ہے جیسا کہ ظاہر ہے اگر شبہ کیا جاوے کہ دیکھئے روایت اولیٰ میں تسعیر جبری کو فی نفسہ ناجائز کہا گیا ہے مگر تعدی فاحش کے وقت جبر کی بھی اجازت دی گئی اسی طرح اگر تقلیل مہر پر جبر کو فی نفسہ ناجائز کہا جاوے مگر جب تکثیر سے تعدی فاحش ہونے لگے تو اس میں بھی جبر کی اجازت دی جاوے بلکہ درمختار کتاب الکراہۃ میں عام غلاء میں امام مالکؒ کا قول وجوب تسعیر کا منقول ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہاں عدم تسعیر میں ضرر عام ہے اور یہاں تکثیر مہر یا عدم تعجیل میں ضرر خاص ہے جس پر زوج وزوجہ راضی ہیں فافترقا اس سے ایک دوسرے شبہ کا بھی جواب ہوگیا کہ احتکار اقوات میں مخالفت پر تعزیر مشروع ہے۔

کمافي الدر المختار کتاب الکراهة فإن لم یبع بل خالف أمر القاضی عزره بما یراه رادعاً له. اه(۱)

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، مکتبة زکریا دیوبند ۹/۵۷۲، کراچي ۶/۳۹۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جواب ظاہر ہے کہ اس میں ضرر عام ہے اور اگر شبہ کیا جاوے اور غالباً یہ آخری شبہ ہے کہ امر مجتہد فیہ میں حاکم مسلم اگر ایک شق متعین کردے تو وہ واجب ہوجاتی ہے اور تقدیم بعض مہر کا وجوب مجتہد فیہ ہے جیسا خلاصۂ سوال میں مذکور ہوا اور ترک واجب پر تعزیر جائز ہے جواب یہ ہے کہ یہ بعض متعین نہیں خاتم حدید سے بھی بشرط رضائے زوجہ یہ واجب ادا ہوجاتا ہے پس اس سے نصف مہر کے اداء کی تقدیم کا وجوب کیسے ثابت ہوا۔

ولٰكن هذا اٰخرا لكلام+ في هذا المقام+ والله ولى الأحكام+ في كل حلال وحرام+ وأرىٰ تسمية هذه العجالة بتعديل أهل الدهر+ في درجة تقليل المهر و تلقيبها بحسن المشاورة+ في استفسار رياست جاوره والحمد لله المفضال المنعام على اتمام المرام وصلى الله تعالىٰ علىٰ نبيه سيّد الأنام ألف ألف صلوٰة وسلام إلىٰ يوم القيام.

۲۷/ رجب یوم الجمعہ ۱۳۵۲ھ (النور شعبان ۱۳۵۳ھ، ص ۷)

صاحب حق کا تخلیہ قبضہ ہے

سوال (۱۱۳۸): قدیم ۲/ ۳۰۳- ایک عورت اپنا مہر نہ لیتی ہے اور نہ خاوند کو معاف کرتی ہے ایسی حالت میں مرد کیونکر سبکدوش ہوسکتا ہے؟

الجواب: اُس کے سامنے کہہ کر ایسی طرح رکھدے کہ اگر وہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکے اور وہاں سے ہٹ جاوے سبکدوش ہوجاوے گا پھر اگر وہ عورت نہ اٹھاوے گی اور کوئی اور اٹھاوے گا تو وہ روپیہ اس عورت کا ضائع ہوجاوے گا شوہر سبکدوش ہوجاوے گا۔(۱)

---

(۱) التخلية رفع الموانع بأن يضع المال بين يدي المولى بحيث لومد يده أخذه فحينئذٍ يحكم القاضي بأنه قبضه، وكذا في ثمن المبيع وبدل الإجارة وسائر الحقوق. (شامي، كتاب العتق، باب العتق على جعل، مكتبة زكريا ديوبند ٥/ ٤٣٢، كراچي ٣/ ٦٧٦۔

البحرالرائق، كتاب العتق، باب العتق على جعل، مكتبة زكريا ديوبند ٤/ ٤٣٤، كوئٹة ٤/ ٢٥٨۔

وعتق بالتخلية ومعنى هذاالكلام أن العبد إذا أحضر المال بحيث يتمكن المولى من قبضه وخلى بينه وبين المال أجبره الحاكم ونزله قابضا بذلک وحكم بعتق العبد قبض أولا وهوتفسير الإجبار في سائر الحقوق (تبين) وفي حاشية الشبلي: قوله: نزله قابضا بذلک أي بالتخلية بينه وبينه بحيث لومد يده أخذه. (تبيين الحقائق مع حاشية الشبلي، كتاب العتق، باب العتق على جعل، مكتبة زكريا ديوبند ٣/ ٣٩١١، امدادية ملتان ٣/ ٩٤) ←

اوراگر پھر شوہر نے اٹھالیا تو شوہر کے پاس امانت رہے گا اس میں تصرف شوہر کو جائز نہ ہوگا۔(۱)

(تتمہ ثانیہ صفحہ ۱۳۵)

عورت کا اپنے تمام حقوق متعلقہ شوہر کو معاف کرنے کا حکم

سوال (۱۱۳۹): قدیم ۲/۳۰۳- اگر عورت بلا جبر واکراہ محض اپنی خوشی واپنی کسی مصلحت سے اپنے تمام حقوق متعلقہ شوہر ایک خاص مدت کے لئے یا ہمیشہ کے لئے معاف کردے یا کوئی خاص حق معاف کردے تو شوہر اس سے ان حقوق کے متعلق کیا بری ہے؟

الجواب: جی ہاں مگر اس عورت کو اُس وقت کے بعد بھی ہر وقت حق رجوع ہے۔(۲)

---

(۱) **لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه.** (قواعد الفقه، رقم القاعدة: ۲۷۰، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۱۱۰-

لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف الخ، مكتبة زكريا ديوبند ۹/۲۹۱)

الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/۲۹۶-

التصرف في مال الغير حرام فيجب التحرز عنه (هداية) وتحته في البناية، وهو بترك التصرف. (البناية شرح الهداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل: ومن اشترى شيئا مما ينقل الخ، مكتبة اشرفية ديوبند ۸/۲۵۱)

(۲) **عن عائشة رضي الله عنها، أن سودة بنت زمعة وهبت يومها لعائشة** ؓ **وكان النبي صلى الله عليه وسلم يقسم لعائشة** ؓ **بيومها ويوم سودة.** (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب المرأة تهب يومها من زوجها الخ، النسخة الهندية ۲/۷۸۵، رقم: ۵۰۱۶، ف: ۵۲۱۲)

ومنها حق القسم للزوجة يسقط بإسقاطها وإن كان لهاالرجوع في المستقبل. (الأشباه والنظائر، الفن الثالث، مايقبل الإسقاط من الحقوق، مكتبة زكريا ديوبند جديد ۳/۵۶)

ولها أن ترجع إذا وهبت قسمها لأخرى فأفاد جواز الهبة والرجوع، أما الأول فلأن سودة بنت زمعة وهبت يومها لعائشة رضي الله عنها وأما صحة الرجوع في المستقبل فلأنها أسقطت حقا لم يجب بعد فلا يسقط. (البحرالرائق، كتاب النكاح، باب القسم، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۸٤، كوئٹة ۳/۲۲۰) ←

اورشوہر پرواجب ہے کہ اس کی اطلاع اس کوکردے کہ تم کو ہر وقت حق رجوع ہے۔(۱)

۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ (تتمہ خامسہ،ص ۸۸)

میت کا مال متروکہ زیادہ ہوتو عدم عفومہر کوترجیح ہے

سوال (۱۱۴۰): قدیم ۲/ ۳۰۳- : زید کا انتقال ہوا، دو بھائی ایک بہن، والدہ زوجہ وارث چھوڑے اور مال بھی اتنا چھوڑا کہ زوجہ کا مہرادا ہونے کے بعد بھی بہت مال باقی رہے گا مگر زید کے بھائی بہن والدہ مہروحصہ ترکہ کی زوجہ سے معافی چاہتے ہیں کچھ دینانہیں چاہتے اس صورت میں معاف کردینا بہتر ہے یا لے لینا؟

الجواب: ظاہراً تو معاف کردینا بہتر ہے۔(۲) لیکن نظر غائر سے لینا افضل ہے کیونکہ اس معافی چاہنے کا مبنیٰ حرص ہے جو کہ مذموم ہے۔(۳)

← **والإبراء من صاحب الحق صحيح.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الإقرار، باب إقرار الوصي والوكيل بالقبض، دارالكتب العلمية بيروت ۱۸/ ۱۲۹)

(۱) احقر کوکسی معتبر کتاب کے حوالہ سے کوئی جزئیہ ایسانہیں مل سکا جس میں یہ واضح ہو کہ شوہر کے اوپر عورت کو اطلاع کردینا واجب ہوتا ہو۔

(۲) **وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.** [سورة البقرة: ۲۸۰]

الإبراء في الحكم الغالب له مندوب، قال الخطيب الشربيني: الإبراء مطلوب فوسع فيه ...... لأنه نوع الإحسان والبر والصلة لتضمنه إسقاط الحق عن المدين ولو لم يكن معسرا. قال الله تعالىٰ: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. [البقرة: ۲/۲۸۰]

الفقه السلامي وأدلته، الفصل الرابع عشر: الإبراء، المبحث الأول الهدىٰ انٹر نیشنل دیوبند ۵/ ۲۱۵۔

(۳) **عن أنس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يهرم ابن آدم ويشب منه اثنتان الحرص على العمر والحرص على المال.** (سنن الترمذي،أبواب الزهد، باب ماجاء في قلب الشيخ، النسخة الهندية ۲/ ۹۵، دارالسلام رقم: ۲۳۳۹) ←

اور معاف کرنا اعانت ہے اُس مذموم کی ۔(۱)

رمضان ۴۲ھ (تتمہ خامسہ ،ص ۲۹۵)

اسلام قبول کرنے اور اپنی بیٹی کے جہیز وغیرہ سے متعلق ایک ہندو عورت کا سوال

سوال (۱۱۴۱): قدیم ۲/۳۰۴- میں اہل ہنود ہوں اور عرصہ آٹھ سال سے بیوہ ہوگئی ہوں اور میں نے اپنی مذہبی رسوم کے موافق اپنی دختر بہ عمر دس سال کی شادی کردی ہے لیکن ابھی رخصتی (گونا) حسب رواج نہیں ہوا اب ہم دونوں کیا مسلمان ہو سکتے ہیں؟

الجواب: ہو سکتے ہیں ۔(۲)

سوال (۱۱۴۲): قدیم ۲/۳۰۴- اور مسلمان ہو جانے کی صورت میں میری دختر کی خسرال والے کسی قسم کا عدالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں؟

الجواب : عدالت کا قانون تو وکلاء سے پوچھیں باقی شریعت کا حکم یہ ہے کہ مسلمان ہوتے ہی نکاح ٹوٹ جاوے گا۔ (۳)

← سنن ابن ماجة، كتاب الزهد، باب الأمل والأجل، النسخة الهندية، ص:۳۱۲، دارالسلام رقم:۴۲۳۴ـ

صحيح مسلم ، كتاب الزكاة، باب كراهة الحرص على الدنيا، النسخة الهندية ۳۳۵/۱، بيت الأفكار الدولية رقم ۱۰۴۷ـ

(۱) **ولاتعاونوا على الإثم والعدوان**. (سورة المائدة: ۲)

(۲) **إن كفرتم فقد أعد لكم النار وإن آمنتم فلكم الجنة الخ**. (تفسير قرطبي سورة الكهف تحت آيت: ۲۹، ۲۵۵/۱۰)

(۳) حضرتؒ نے بہشتی اختری مع حاشیہ ۱۶/۴ پر بھی اسی کی تائید فرمائی ہے کہ دونوں میں سے ایک نے اسلام قبول کرلیا، نکاح جاتا رہا اب میاں بیوی کی طرح رہنا سہنا درست نہیں، اور یہاں بھی حضرتؒ نے یہی لکھا ہے، کہ مسلمان ہوتے ہی نکاح ٹوٹ جائے گا؛ لیکن حنفیہ کا کوئی قول بعینہ اس طرح دستیاب نہ ہوسکا؛ البتہ امام شافعیؒ کا قول ملتا ہے، ہاں البتہ اتنی بات حنفیہ کے یہاں بھی ہے، کہ ایک کے اسلام لاتے ہی دونوں میں حرمت وطی ثابت ہو جائے گی اور کلی طور پر فرقت دوسرے کے انکار اسلام یا تباین دارین پر موقوف ہے۔ ←

اور خسر ال والوں کو کوئی حق دعویٰ کا نہ رہے گا بلکہ اگر لڑکی نابالغ ہو تو ماں ہی کے مسلمان ہونے سے لڑکی کا نکاح ٹوٹ جاوے گا۔(۱)

← جزئیہ ملاحظہ فرمائیے:

وإن كانا مشركين أو مجوسيين فأسلم أحدهما أيهما كان يعرض الإسلام على الآخر ولا تقع الفرقة بنفس الإسلام عندنا فإن أسلم فهما على النكاح وإن أبى الإسلام فرق القاضي بينهما لأن المشركة لاتصلح لنكاح المسلم غير أن الإباء إن كان من المرأة يكون فرقة بغير طلاق لأن الفرقة جاء ت من قبلها وهو الإباء من الإسلام والفرقة من قبل المرأة لاتصلح طلاقا؛ لأنهالا تلي الطلاق فيجعل فسخا وإن كان الإباء من الزوج يكون فرقة بطلاق في قول أبي حنيفة ومحمد وعند أبي يوسف يكون فرقة بغير طلاق وهذا كله مذهب أصحابنا، وقال الشافعيؒ: إذا أسلم أحد الزوجين وقعت الفرقة بنفس الإسلام. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، بيان مايرفع حكم النكاح، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٦٥٤)

(۱) نابالغ اولاد خیر الابوین کے تابع ہوتی ہیں؛ لہٰذا جب ماں مسلمان ہوجائے اورلڑکی نابالغ ہو تو ماں خیر الابوین ہونے کی وجہ سے لڑکی بھی مسلمان ہی شمار کی جائے گی؛ لہٰذا اگر نابالغہ کا اسلام سے قبل غیر مسلم کے ساتھ نکاح ہو چکا ہے تو وہ نکاح بھی ٹوٹ جائے گا۔

الولد يتبع خير الأبوين ديناً إن اتحدت الدار وتحته في الشامية هذا يتصور من الطرفين في الإسلام العارض بأن كانا كافرين فأسلم أو أسلمت ثم جاء ت بولد قبل العرض على الآخر والتفريق أو بعده في مدة يثبت النسب في مثلهاأو كان بينهما ولد صغير قبل إسلام أحدهما فإنه بإسلام أحدهما يصير الولد مسلماً. (الدر المختار مع الشامي، باب نكاح الكافر، مكتبة زكريا ديوبند ٤/٣٧٠، كراچي ٣/١٩٦)

فإن كان أحد الزوجين مسلما فالولد على دينه، وكذلك إن أسلم أحدهما وله ولد صغير صار ولده مسلما بإسلامه لأن فى جعله تبعا له نظرا له (الهداية) وتحته في فتح القدير: يتحقق من الطرفين، أوبعده في مدة النسب في مثلها أو كان بينهما ولد صغير قبل إسلام أحدهما فإنه بإسلام أحدهما صار ذلك الولد مسلما الخ. (فتح القدير، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك، مكتبة زكريا ديوبند ٣/٣٩٤-٣٩٥، كوئٹة ٣/٢٨٧)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۱۱۴۳): قدیم ۲/۳۰۴- اس لڑکی کی شادی میں میں نے مذہبی رسوم کے موافق مبلغ سات سو روپے نقد اور تخمینی پانسو روپے کا جہیز دیا ہے جس پر لڑکی کے سسرال والے اور لڑکی کا شوہر قابض ہیں اور لڑکی کی سسرال سے دوسو روپے کا زیور لڑکی کو پہنایا گیا ہے جو میرے پاس ہے مسلمان ہونے کی صورت میں میں اور میری لڑکی اس سامان سے جو نقد جہیز میں دیا گیا ہے دستبردار ہو سکتے ہیں؟

الجواب: اگر لڑکی بالغ ہے تو اس کی دستبرداری جائز ہے اور اگر نابالغ ہے تو نہ اس کی دستبرداری جائز ہے اور نہ ماں کی جب تک کہ لڑکی بالغ نہ ہو۔(۱)

۱۲/صفر ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ، ص ۱۳۸)

---

(۱) **والإبراء من صاحب الحق صحيح.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الإقرار، باب إقرار الوصي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۸/ ۱۲۹)

وصح حطها لكله أو بعضه عنه (الدر) وتحته في الشامية: وقيد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة، ولو كبيرة توقف على إجازتها ولابد من رضاها. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه، مكتبة زكريا ديوبند ٤/ ٢٤٨، كراچي ٣/ ١١٣)

وصح حطها أي المرأة من مهرها لأن المهر في حالة البقاء حقها والحط يلاقيه حالة البقاء (إلى قوله) وقيد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح فإن كانت صغيرة فهو باطل وإن كانت كبيرة توقف على إجازتها. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبة زكريا ديوبند ٣/ ٢٦٣-٢٦٤، كوئٹة ٣/ ١٥٠)

الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل العاشر، مكتبة زكريا قديم ١/ ٣١٦، جديد ١/ ٣٧٠۔

أما تصرفاته (الصبي المميز) المالية ففيها تفصيل على النحو الآتي...... تصرفات ضارة بالصغير ضرراً محضاوهي التي يترتب عليها خروج شيئ من ملكه من غير مقابل كالهبة والصدقة والوقف وسائر التبرعات والطلاق، والكفالة بالدين وهذه لاتصح منه بل تقع باطلة ولا تنعقد حتى ولو أجازها الولي أو الوصي لأنهما لايملكان مباشرتها في حق الصغير فلايملكان إجازتها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٧/ ١٥٩)

موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة، القسم الثاني: النظريات الفقهية، الفصل الرابع، مكتبة اشرفية ديوبند ١٠/ ١٢٠۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

حکم معافی مہر صغیرہ بعوض طلاق

سوال (۱۱۴۴): قدیم ۲/۳۰۴- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر چودہ برس کی ہے اور شوہر اُس کا بالغ ہے لڑکی کے بلوغ کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہے اور اس کا چچا دوسری جگہ موجود ہے اور والدہ والد اُس کے کوئی نہیں ہیں وارث چچا ہی ہے وہ لڑکی اپنے ماموں کے یہاں رہتی ہے اگر لڑکی اپنا مہر بخشنا چاہے تو کس طرح بخشے اگر اس کا چچا نہ منظور کرے تو وہ کس طرح بخشے شوہر اس کا اسی مہر بخشنے کی شرط پر طلاق دینا چاہتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: چونکہ وہ نابالغ ہے اس لئے اگر چچا بھی منظور کرے تب بھی مہر معاف نہیں ہوسکتا اگر شوہر طلاق دیگا تو ہو جاوے گا مگر مہر ساقط نہ ہوگا۔

في الدر المختار: خلع الأب صغيرته بمالها أو مهرها طلقت في الأصح كما لو قبلت هي وهي مميزة ولم يلزم المال لأنه تبرع (إلىٰ قوله) وإن شرطه أي الزوج الضمان عليها أي الصغيرة فإن قبلت وهى من أهله بأن تعقل أن النكاح جالب والخلع سالب طلقت بلا شي لعدم أهلية الغرامة وإن لم تقبل أولم تعقل لم تطلق وإن قبل الأب في الأصح زيلعي ولو بلغت وأجازت جاز فتح. وفي رد المحتار: قوله: وإن قبل الأب لأن قبولها شرط وهو لا يحتمل النيابة فتح قوله في الأصح وفي رواية يصح لأنه نفع محض إذ تتخلص من عهدته بلا مال فتح جلد ۲ ، صفحه ۹۳۵ . إلىٰ ۹۳۸ .(۱)

۳؍رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ،ص ۶۷)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الخلع، مطلب في خلع الصغيرة، مكتبة زكريا ديوبند ۵/۱۱۱- ۱۱۴، كراچي ۳/۴۵۷-۴۵۹ـ

ولو خلع الأب صغيرته بمالها من صداق أو غيره لايلزم المال عليه ولا عليها لأنه تبرع ولذا لايسقط مهرها وطلقت مجانا رجعيا لو بلفظ الطلاق وبائنا لو بلفظ الخلع في الأصح ولو بلغت وأجازت مافعله الأب جاز، ولوقبلت هي المال وهي مميزة وقع اتفاقا مجانا سواء كان أحد العاقدين أباها أو أمها، وفيه إشارة إلى اشتراط كونها من أهل القبول ←

← **وإلى أنه لاشيء عليهما (إلى قوله) ولوشرط الزوج المال عليها طلقت لوجود الشرط بلاشيء لعدم أهلية الغرامة إن قبلت، وكانت تعقل أن النكاح جالب والخلع سالب وإلافلا تطلق وإن قبل الأب في الأصح لأن شرط اليمين لايحتمل النيابة.** (الدرالمنتقى مع مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب الخلع، قبيل باب الظهار، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱۱۲-۱۱۳)

فتح القدير، كتاب الطلاق، باب الخلع، مكتبة زكريا ديوبند ۴/۲۱۲ تا۲۱۶، كوئٹة ۴/۶۸ تا ۸۰۔

النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب الخلع، قبيل باب الظهار، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۴۶-۴۴۷۔

تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الخلع، امداية ملتان ۲/۲۷۳-۲۷۴، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱۹۴-۱۹۵۔ *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

تمت بحمد اللہ